



فَسِئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾
لَمَّا شَفَاءَ الْعَجَّ السَّوَالِ ۝

أَسْنُ الْفَتَاوَى

بِحذف مكررات وتخریجات فرائض مسائل غیر مهمه

جلد ۲

(۱۸)

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

(وحد تقسیم کنندگان)

الحاج اہم سعید کھپڑی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

کتبہ محمد فاروق سنوڈاچا

نام کتب _____ اسن انقاوی

جلد _____ چہارم

زیر اہتمام _____ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت _____ ۵۸۰ صفحات

کتابت _____ منشی محمد فاروق سحود آباد

تعداد _____ ایک ہزار

پریس _____ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول _____ سنہ ۱۴۰۳ھ

طبع یازدہم _____ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ _____

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاک سٹنا چوک کراچی

فہرست مضامین حسن الفتاویٰ جلد چہارم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳	سوال مثل بالا	۱۷	باب قضاء الفوائت
۲۱	امام کے ساتھ مسبوق نے عمدہ	"	قضاء کی نیت میں دن کی تعیین ضروری ہے
"	سلام پھیرا تو نماز فاسد ہوگئی	"	قضاء نماز مخفی طور پر پڑھنا چاہئے
۲۵	قعدہ اخیرہ چھوڑنے سے فرض	۱۸	وتر کی قضاء عسلا نیہ کرے تو
"	نفل بن گئے تو سجدة سہو نہیں	"	تکبیر قنوت میں ہاتھ نہ اٹھا کر
"	چار رکعت نفل میں قعدہ اولیٰ پر	"	عصر کی قضاء مغرب سے پہلے پڑھے
"	سلام پھیر دیا تو سجدة سہو نہیں	۱۹	چھ نمازوں سے کم قضاء ہوں
۲۶	دو رکعت نفل کی نیت کی اور قعدہ کے بعد	"	تو ان میں ترتیب واجب ہے
"	سہواً دو رکعتیں اور پڑھ لیں تو سجدة سہو نہیں	"	نمازوں کی قضاء کے لئے سنن
"	امام کے سجدة سہو کے بعد شریک	"	واہم نوافل نہ چھوڑے
"	ہونے والے پر سجدة سہو نہیں	۲۰	اثناء نماز میں وقت ختم ہو گیا
۲۷	مسبوق امام کے ساتھ سجدة	"	تو نماز ادا ہوگی یا قضاء؟
"	سہو سے قبل کھڑا ہو گیا	۲۱	سفر کی قضاء حضر میں اور حضر کی سفر میں
"	مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا	"	وتر کی قضاء میں بھی ترتیب واجب ہے
۲۸	امام نے بلا وجہ سجدة سہو کیا	۲۲	صاحب ترتیب کی تعریف
"	تو مسبوق کی نماز کا حکم	"	خون فوت جمعہ مسقط ترتیب نہیں
"	قعدہ اخیرہ میں تشہد یا درود	"	فایہ نماز کی مقدار
"	کے تکرار سے سجدة سہو نہیں	"	میت کی طرف اس کا بیٹا ذریعہ نماز ادا کر سکتا ہے
۲۹	قعدہ اولیٰ میں تکرار تشہد سے	۲۳	باب سجود السہو
"	سجدة سہو واجب ہے	"	سورت یا دعا قنوت چھوٹ گئی تو سورت
"	قعدہ اولیٰ میں کتنی زیادتی موجب سجدة سہو ہے؟	"	کے لئے قیام کی طرف لوٹے، قنوت کیلئے نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱	کھانسی وغیرہ کی وجہ سے تاخیر	۳۱	فاتحہ کا تکرار موجب سجدہ سہو ہے
۳۰	سے سجدہ سہو نہیں		قرأت چہرہ میں اخفار و بالعکس
"	تین سجدے کر لئے تو سجدہ سہو واجب ہے	"	سے سجدہ سہو کا حکم
۳۱	سجدہ سہو سے قبل و بعد درود احوط ہے	۳۲	فاتحہ سے ایک حرف بھی چھوٹ گیا
"	بدول سلام سجدہ سہو مکروہ تنزیہی ہے	"	تو سجدہ سہو واجب ہے
"	قعدہ اولیٰ بھول گیا	"	قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا
۳۲	بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے تشہد	"	قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا تو
"	کی بجائے قرأت شروع کر دی	"	لوٹ کر فوراً سجدہ سہو کرے
۳۳	نابالغ نے سجدہ سہو چھوڑ دیا	۳۳	قعدہ اخیرہ چھوڑ کر اٹھ گیا
"	ترک قعدہ کے بعد فوراً عود	۳۴	تشہد سے قبل سجدہ سہو کر لیا
"	میں وجوب سجدہ سہو کی وجہ	"	پہلی رکعت پر قعود موجب سجدہ سہو کی مقدار
۳۴	ایک سجدہ بھول گیا	"	دو ترکی تیسری رکعت میں سورت ملانا
۳۵	سجدہ سہو بھول گیا	۳۵	بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہے
۳۶	امان نے سلام کے بعد پانچویں رکعت پڑھ لی	"	فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھ گیا
"	قنوت کی بجائے فاتحہ یا تشہد پڑھ لیا	۳۶	تشہد کی جگہ فاتحہ پڑھ لی
۳۷	ترک سجدہ سہو سے نماز واجب الاعداد ہے	"	نماز مغرب میں قعدہ اخیرہ بھول گیا
"	سکوت بقدر تین تسبیح موجب سجدہ سہو ہے	۳۷	نماز مغرب میں قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو گیا
۳۸	نماز کے بعد شک غیر معتبر ہے	"	ترک سلام سے سجدہ سہو واجب ہے
"	تشہد سے ایک لفظ بھی چھوٹ	۳۸	تاخیر سلام موجب سجدہ سہو ہے
"	گیا تو سجدہ سہو واجب ہے	"	فرض کی تیسری رکعت میں
"	سورۃ فاتحہ بھول گیا	"	ایک آیت جہراً پڑھ لی
۳۹	سورت کے بعد تکرار فاتحہ موجب سجدہ سہو نہیں	۳۹	جمعہ و عید میں سجدہ سہو کا حکم
"	فرض کی تیسری رکعت میں تکرار	"	رکوع میں قنوت پڑھنے سے
"	فاتحہ سے سجدہ سہو نہیں	"	سجدہ سہو ساقط نہیں ہوتا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱	مدرسہ حفظ میں بچوں کی تلاوت سجدہ کا حکم	۵۰	فرض کی تیسری رکعت میں سورت { ملانے سے سجدہ سہو نہیں، زکون بھول گیا
۶۲	آیت سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدہ واجب ہے	"	
"	آیت سجدہ پوری پڑھے تو سجدہ واجب ہوگا	۵۱	باب صلوٰۃ المریض
۶۳	جہاں سجدہ والی آیت سے ایک { آیت بعد سجدہ لکھا ہو اس کا حکم	"	کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا
۶۴	آیت سجدہ لکھنے سے سجدہ واجب نہیں	"	بیہوشی میں فوت شدہ نمازوں کا حکم
"	استاذ و شاگرد کا ایک ہی آیت دہرانا	۵۲	مریض کے لئے استقبال قبلہ کا حکم
"	لاؤڈ اسپیکر سے آیت سجدہ سننا	"	جماعت میں قیام کی قدرت نہ ہو تو تنہا نماز پڑھے
۶۵	ٹی وی پر آیت سجدہ سننے کا حکم	۵۳	وال متعلق بالا
"	ایک آیت ایک مجلس میں متعدد لوگوں سے سنی	۵۴	معذور تنہا طہارت سے نماز پڑھے { سکتا ہو تو جماعت ترک کر دے
۶۶	سجدہ تلاوت کی نیت میں تعین ضروری نہیں	"	سجدہ سے عاجز کا حکم
"	امام کے سجدہ تلاوت پر مقتدی کو رکوع میں چلا گیا	۵۵	سجدہ سے عاجز پر قیام فرض نہیں
۶۷	سجدہ تلاوت بلا وضو جائز نہیں	۵۶	باب سجود التلاوة
"	سواری پر آیت سجدہ کا تکرار	"	نماز میں سجدہ تلاوت
"	سورۃ ص میں سجدہ تلاوت کا مقام	۵۷	نمازی نے غیر امام سے آیت سجدہ سنی
۶۸	نماز میں سجدہ تلاوت بھول گیا	۵۸	نمازی سے خارج نے آیت سجدہ سنی
۶۹	باب صلوٰۃ المسافر	۵۹	امام کا رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرنا
"	وطن اقامت کے قریب رات { ٹھہرا تو پوری نماز پڑھے،	۶۰	آیت سے قبل سجدہ کر لیا تو { نماز واجب الاعداء ہے
"	مغرب پڑھ کر ہوائی جہاز میں سوار { ہوا اور آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا	"	جنب، حائض، مجنون یا نابالغ سے آیت سجدہ سنی
۷۰	ہوائی سفر میں دن بہت بڑا یا بہت { چھوٹا ہو جائے تو نماز روزہ کا حکم	۶۱	بغرض استفہام آیت سجدہ پڑھنا
۷۱	سفر میں سنت پڑھنے کا حکم	"	آیت سجدہ کی تہی سے سجدہ واجب نہیں
		"	آیت سجدہ کے معنی پوچھنا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۸	بیل گاڑی پر نماز	۷۲	حدود شہرے نکلنے پر حکم قصر شروع ہوگا
"	ریل گاڑی اور بس میں نماز	۷۳	جو آبادی شہر سے متصل نہ ہو وہ مستقل ہے
۸۹	کشتی اور بحری جہاز میں نماز	۷۴	لنگر گاہ پر حکم قصر کی تفصیل
"	ہوائی اور بحری جہاز میں نماز	"	اتصال آبادی کا معیار
۹۰	بندر گاہ کراچی میں قصر نہیں	۷۵	صرف زمین ہونے سے وطن نہیں بنتا
	رسائل	"	وطن اصلی میں صرف زمین
۹۱	القول الاظهر فی تحقیق مسافۃ السفر	"	رہ جانے سے وطن نہیں رہتا
۱۰۷	وطن الارحام بقی بقاء الاثقال	۷۶	تابع کو متبوع کی نیت اقامت کا علم نہ ہوا
۱۲۱	باب الجمعة والعیدین	۷۷	مسافر نے سہواً پوری نماز کی نیت کر لی
"	غیر خطیب جمعہ پڑھا سکتا ہے	"	مسافر نے سہواً پوری نماز پڑھ لی
"	معذور ٹھہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو گیا	"	مسافر نے عمدتاً قصر نہ کیا تو توبہ اعادہ واجب ہے
"	جمعہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا فرض ہے	۷۸	جنگی قیدیوں کے لئے حکم قصر
۱۲۲	خطبہ جمعہ میں یا درہ فصل ہو جائے تو اعادہ خطبہ لازم ہے	۷۹	سوال مثل بالا
"	جیل میں جمعہ پڑھنے کا حکم	"	مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز فاسد
۱۲۳	ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے	۸۰	ہو گئی تو دو رکعت لوٹائے
"	خطبہ میں حاضرین درود شریف نہ پڑھیں	۸۱	اشارہ نماز میں خروج وقت کے بعد نیت اقامت
۱۲۴	جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع و شراء ناجائز ہے	۸۲	ہوائی جہاز میں مسافت قصر
"	عید میں دوسری رکعت کے	"	مسافر مسبوق خلف لمقیم پوری نماز پڑھے
"	رکوع کی تکبیر واجب ہے	۸۳	مسافر خلف لمقیم چار رکعت کی نیت کرے
۱۲۵	نماز عید یا خطبہ کے بعد دعاء	"	بحری جنگی مشقوں میں حکم قصر
۱۲۶	نماز عید میں تکبیر چھوٹ گئی	۸۷	ریل قبلہ سے پھہ گئی
۱۲۷	اذان اول کے بعد کھانا	"	ڈرائیور سفر میں ہمیشہ قصر پڑھے گا
"	اذان جمعہ کے بعد مسافر کے لئے خرید و فروخت	"	عورت سفر میں وطن کے قریب پہنچ کر
"	جمعہ کی طرف جاتے ہوئے بیع و شراء	"	پاک ہوئی تو پوری نماز پڑھے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۶	جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا	۱۳۸	بحالتِ خطبہ اشارہ سے نہی عن المنکر جائز ہے
۱۳۷	خطبہ عید کی ابتداء و انتہاء میں { مسلسل تکبیریں کہنا مستحب ہے }	"	کراہت بیع کے لئے اذان محلہ معتبر ہے،
۱۳۸	جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے	۱۳۹	خطبہ سے قبل سرائے قعود مسنون ہے
"	خطبہ سے قبل وعظ کی رسم	۱۳۰	نماز عید کے لئے شہر سے باہر نکلنا سنت ہے
"	عورتیں جمعہ سے قبل ظہر پڑھ سکتی ہیں	"	منبر کے درجات
۱۳۹	معذور کے لئے جمعہ سے تاخیر ظہر مستحب ہے	"	نماز عید سے قبل فجر کی قضا جائز ہے
"	قضا نماز کے بعد تکبیر تشریق کا حکم	"	عید مسجد میں پڑھی تو اس میں { زوال کے بعد نفل جائز ہے }
۱۴۰	عید میں شافعی امام کی اقتدار میں بارہ تکبیریں کہی	"	کارخانہ میں جمعہ پڑھنا
"	معذورین کیلئے بروز جمعہ جماعت ظہر مکروہ ہے	۱۴۱	بوقت خطبہ سنت پڑھنا جائز نہیں
"	بروز جمعہ معذور کے لئے ظہر { کی اذان و اقامت مکروہ ہے }	"	اذان ثانی کے بعد گھر میں سنتیں جائز نہیں
۱۴۱	جوانی میں جمعہ کی تحقیق	۱۴۲	بوقت خطبہ گھڑی میں چابی دینا جائز نہیں
۱۴۲	بوقت ہجرت قبا میں مدت قیام	"	ایسے مقام کا حکم جس کا شہر ہوتا مشتبہ ہو
"	بنی سالم میں ادا جمعہ کی تحقیق	۱۴۳	خطبہ اقامت کے درمیان مسئلہ بتانا
۱۴۳	خطبہ میں ایسے تین آدمیوں کی حاضری { شرط ہے جن سے جمعہ قائم ہو سکے }	"	قنار مصر کی حد
"	سوال متعلق بالا	"	پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور { دوسرے میں چھوڑنا بدعت ہے، }
۱۴۴	خطبہ میں چہر شرط ہے	۱۴۴	عرب میں عید پڑھا کر پاکستان { میں بھی پڑھا سکتا ہے }
"	سوق بدوں بیوت میں جمعہ صحیح نہیں	"	تکبیر تشریق بھول گیا
۱۴۵	نماز عید کے بعد تکبیر تشریق	۱۴۵	اذان خطبہ کا جواب جائز نہیں
۱۴۶	تحقیق حدیث لا جمعہ تم	"	عید گاہ میں نماز عید کی جماعت ثانیہ
"	ولا تشریق الا فی مصر و ما ح { احتیاط الظہر کی حقیقت	"	منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا سنت ہے
۱۴۸		۱۴۶	اذان جمعہ خطیب کے سامنے ہونا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۹۶	پختہ قبر بنانا	۱۵۰	اذان اول کے بعد دینی کام بھی جائز نہیں
۱۹۷	قبر میں اینٹ، پتھر، لوہا وغیرہ لگانا	۱۵۱	قضاء نماز اور عید میں ترتیب واجب نہیں
۱۹۹	قبر پر چار دیواری یا چوترا بنانا منع ہے	"	غسل جنابت کے غسل جمعہ کی سنت ادا ہو جائیگی
۲۰۰	نماز جنازہ میں مسبوق کا حکم	"	خطیب کو قلم دینا جائز نہیں
۲۰۱	سوال متعلق بالا	۱۵۲	بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا
۲۰۲	جوتوں پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا	"	تکبیر تشریق ایک بار سے زیادہ کہنا
"	وقف علی المسجد میں قبر بنانا	"	سوال مثل بالا
۲۰۳	غیر کی زمین میں دفن کرنا	۱۵۳	عید میں مسبوق تکبیرات کس وقت کہے؟
"	قبر پر سلام کہنے سے کیا فائدہ؟	"	صرف عورتیں جمعہ وعیدین نہیں پڑھ سکتیں
۲۰۴	جسم بلا روح کو عذاب کیسے ہوگا؟	۱۵۴	بحالت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا اجائز نہیں
۲۰۵	حشر میں اولاد اور بیوی سے ملاقات ہوگی، تلاوت کے ایصالِ ثواب عذاب میں تخفیف ہوتی ہے	"	رائیونڈ کے قریب تبلیغی اجتماع میں نماز جمعہ
"	مردہ کو صدقات کا ثواب ملتا ہے	۱۵۵	کراہتہ اطالہ خطبہ کی مقدار
۲۰۶	خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ	"	خطبہ میں ذکر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
"	خودکشی کرنے والے کو ایصالِ ثواب	۱۵۷	رسالہ
۲۰۷	بعد تکفین خرچ نجاست مضر نہیں	۱۹۱	التجنۃ فی مسائل الجمعة والخطبة
"	رمضان میں موت سے عذاب قبر سے امن	"	باب الجنائز
۲۰۸	جمعہ کی موت قیامت تک عذاب قبر معاف	"	حیۃ الانبیاء علیہم السلام
"	جمعہ رمضان میں کافر کو بھی عذاب قبر نہیں ہوتا	۱۹۲	سوال مثل بالا
"	رمضان میں موت کی فضیلت کا حوالہ	۱۹۳	سوال مثل بالا
"	جمعہ کی موت سے عذاب قبر	۱۹۴	مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے
"	نہ ہونے پر اشکال کا جواب	۱۹۵	سوال مثل بالا
۲۰۹	شب جمعہ میں دفن کی فضیلت	۱۹۶	نماز جنازہ کا سلام آہستہ کہنا
"	قبر پر کتبہ لگانا	"	عورتوں کو قبرستان جانا منع ہے
"		"	قبر پر پتھر آن پڑھنا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۳	نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں	۲۱۰	غائبانہ نماز جنازہ
"	میت گھر میں ہوتے ہوئے کھانا جائز ہے	۲۱۱	ملبہ میں دبے والے کی نماز جنازہ
۲۲۳	قبر میں کوئی سامان رہ جائے	۲۱۲	خنثی نابالغ پر نماز جنازہ کی دعاء
"	تو کھود کر نکالنا جائز ہے	"	مسلم و کافر مخلوط اموات پر نماز جنازہ
"	صالح میت کے جنازہ کے ساتھ	"	قبر بیٹھ جائے تو کھود کر درست کرنا جائز نہیں
"	جانا نوافل سے افضل ہے	۲۱۳	بوقت دفن قبر گر جانے کا حکم
"	دفن سے قبل ٹوٹنے کے لئے	"	اہل میت کو کھانا پہنچانا
"	ولی میت سے اجازت لینا	۲۱۴	سوال مثل بالا
۲۲۵	میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے	"	مردہ پیدا ہونے والا بچہ بھی سفارش کرے گا
"	کی میت کو دیکھنا یا نہہلانا	"	نابالغ کو ایصالِ ثواب
"	بھغار کی نابالغ اولاد کا حکم	"	قبرستان سے الگ دفن کرنا مکروہ ہے
"	قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا	۲۱۶	مردہ پیدا ہونے والے کے غسل وغیرہ کا حکم
"	نماز جنازہ میں قبر سامنے ہونا مکروہ نہیں	"	عالم میت کے سر پر عمامہ باندھنا مکروہ ہے
۲۲۶	نماز جنازہ میں رکنیت دعاء کی تفصیل	۲۱۷	نماز جنازہ میں طہارتِ نخان میت شرط ہیں
"	عید گاد میں نماز جنازہ	"	نماز جنازہ کے ولی کی تفصیل
"	نماز جنازہ میں عورت کی محاذاتہ مفسد نہیں	"	امام محلہ نے نماز جنازہ پڑھادی
"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر	"	تو ولی کو اعادہ کا حق نہیں
"	نماز جنازہ کس طرح پڑھی گئی؟	۲۱۸	متعدد اموات پر دفعۃً نماز جنازہ
۲۲۷	نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھی جائے	"	میت کو مقام موت سے دوسرے
۲۲۸	نماز جنازہ میں ایک سلام پر اکتفاء جائز نہیں	"	مقام کی طرف منتقل کرنا
"	میت کو اس کے رشتہ دار خود نہلاتیں	۲۱۹	سوال مثل بالا
۲۲۹	نہلانے اور دفنانے کی اجرت	۲۲۰	نابالغ کو غسل موت میں وضو کرنا چاہیے
"	میت کا منہ دکھانے کی رسم	"	زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ
۲۳۰	شیعہ کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں	"	نابالغ کو بوقت نزع یسین سنانا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۰	شافعی کے پیچھے نماز جنازہ میں رفع یدین مستحب ہے	۲۳۰	جنازہ کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں
"	غیر مسلم کی مسلم کے جنازہ میں شرکت	"	جنازہ کی چادر پر آیات قرآنیہ لکھنا جائز نہیں
"	مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت	۲۳۱	غلتی میت کے غسل کی تفصیل
۲۳۲	جنازہ دوسرے مکان میں رکھ کر نماز پڑھنا	۲۳۲	رات میں دفن کرنا
"	تعزیت کا مسنون طریقہ	۲۳۳	دفن کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے
۲۳۵	نماز جنازہ میں قرائت فاتحہ	۲۳۴	قبر پر پانی چھڑکنا
۲۳۷	مردہ عورت کو نہلانے میں ستر کی حد	"	میت کو قبر میں دائیں پہلو پر لٹانا سنت ہے
"	حائضہ کے غسل موت میں منہ میں پانی نہ ڈالاجائے	۲۳۶	ایسی میت کا حکم جس کا اسلام یا کفر معلوم نہ ہو
۲۳۸	مرد نہ ہوں تو عورتیں نماز جنازہ پڑھیں	"	سیلاب میں مرنے والے کو غسل دینا فرض ہے
۲۳۹	بحری جہاز میں فوت ہونے والے کا حکم	۲۳۷	ناخن پالش چھڑانے بغیر
۲۵۰	میت خاک ہو جانے تو اسی قبر میں دوسرے کی تدفین جائز ہے	"	علاء الدین نماز جنازہ صحیح نہیں
"	میت کے منہ میں مصنوعی دانت نہ جائیں	۲۳۸	نماز جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دے
۲۵۱	حضرت عائشہ کا حضرت عمر کی قبر پر بے پردہ نہ جانا	۲۳۹	غسل میت میں کلوح کا استعمال
۲۵۲	لحد کی گہرائی	"	میت کا سر باتیں جانب ہو تو نماز جنازہ صحیح ہے
"	نماز جنازہ کے لئے جماعت مسجد کے انتظار کی رسم	۲۴۰	نماز جنازہ میں سامنے سے گزرنا
"	میت کے پاس تلاوت کا حکم	"	نماز جنازہ میں سلام بھول گیا
۲۵۳	میت کو نہلانے والے کیلئے غسل مستحب ہے	"	نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر بھول گیا
"	فرض کا ایصالِ ثواب	۲۴۱	نماز جنازہ میں نظر کہاں رکھے؟
"	تلقین بعد الموت	"	شیعہ کو غسل و کفن دینے کا حکم
۲۵۴	فصل فی الشہید	"	قبر کے سرہانے آیت قرآنیہ لکھنا جائز نہیں
"	حادثہ میں مرنے والے کا حکم	"	مروجہ منکرات سے احتراز کی
"	شیعہ شہید نہیں ہو سکتا	"	وصیت میت پر واجب ہے
			شافعی امام کے پیچھے نماز جنازہ
			میں پانچویں تکبیر نہ کہے،

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۹	فقیر کو مدد زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز کا استعمال غنی کے لئے جائز نہیں،	۲۵۲	مباری سے شہید ہونے والے کا حکم
۲۷۰	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم	۲۵۵	مسلمانوں کے باہم قتال میں مرنے والے کا حکم
۲۷۱	قرض پر وجوب زکوٰۃ کی تفصیل		سہال متعلق بالا
	جماعت اسلامی کو زکوٰۃ دینے سے ادارہ نہ ہوگی	۲۵۹	کتاب الزکوٰۃ
"	بنام قرض زکوٰۃ دی تو ادارہ ہوگئی		دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا
۲۷۲	حج کے لئے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۲۶۰	مسکین کو قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی
"	گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ		مدد زکوٰۃ سے کسی کا قرض ادا کرنا
۲۷۵	زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے فوت ہوگیا		قرض سے فارغ نصاب نہ ہو
"	قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں		تو زکوٰۃ فسخ نہیں،
۲۷۶	رقم مندر پر زکوٰۃ فرض ہے	۲۶۱	ہر موجدل مانع وجوب زکوٰۃ ہے
"	بکری کے بچوں پر زکوٰۃ کا حکم		مدد زکوٰۃ سے مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں
۲۷۷	کوئی چیز بنیت تجارت خریدی پھر نیت بدل گئی پھر دوبارہ نیت کر لی تو اس پر زکوٰۃ نہیں	۲۶۲	مدد زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں
"	تا بالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں	۲۶۳	غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
۲۷۸	مال زکوٰۃ میں اس مقام کی قیمت معتبر ہوگی جہاں مال ہے		بدائع میں "فی سبیل اللہ" کو عام نہیں کہا گیا
"	سونے کی زکوٰۃ میں وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے	۲۶۴	زکوٰۃ کا نصاب
۲۷۹	ادارہ عشر کے باوجود زمین کی پیداوار سے حاصل کردہ نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے	۲۶۵	زکوٰۃ کا مصرف
	جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں		نصاب زکوٰۃ پر سال گزرنے کا مطلب
۲۸۰	زیور کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات	۲۶۶	زوجہ محسر کی زمین حواجج اصلہ سے ہے
			دین ہر کی وجہ سے عورت کی غنا کی تفصیل
			حکم ادارہ زکوٰۃ بذریعہ نوٹ
			زکوٰۃ مانگنا اور مانگنے والے کو دینا حرام ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۱	گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب	۲۸۱	عامل کو نصف مقبوض سے زائد دینا جائز نہیں
۲۸۲	بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب	۲۸۲	اسلامی مشاوری کو نفل حکومت پاکستان کی طرف سے زکوٰۃ سے متعلق سوالات
۲۸۵	اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب	۲۸۵	دکیل رقم زکوٰۃ ضائع ہو گئی تو زکوٰۃ نہیں ہوتی
۲۸۶	گائے بھینس کا مجموعہ بقدر نصاب ہوجائے تو زکوٰۃ منصرض ہے	۲۸۶	دکیل کار رقم زکوٰۃ میں رد و بدل کرنا
۲۸۷	جو مویشی جنگل اور گھردوں جگہ کھائیں ان کی زکوٰۃ کا حکم	۲۸۷	دکیل کام زکوٰۃ سے کوئی چیز خرید کر دینا
۲۸۸	گھر میں چارہ کھانے والے مویشی پر زکوٰۃ نہیں	۲۸۸	مسکین کو مد زکوٰۃ سے مکان بنوا کر دینا
۲۸۹	تجارتی مویشی کی زکوٰۃ	۲۸۹	حوائج اصلیہ کیلئے رقمی ہوتی نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے
۲۹۰	دودھ بچنے کی نیت سے پالی ہوتی بھینسوں پر زکوٰۃ نہیں	۲۹۰	زکوٰۃ میں نقدی کی بجائے دوسری چیز دینا جائز ہے
۲۹۱	بکریوں کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات	۲۹۱	طلبہ کھانا پکانے کی اجرت زکوٰۃ سے دینا جائز ہے
۲۹۲	سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۲۹۲	رشتہ دار مسکین کو زکوٰۃ دینا زیادہ ثواب ہے
۲۹۳	جس کی صرف ماں سیدہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے	۲۹۳	مد زکوٰۃ سے میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں
۲۹۴	جو ہاشمی شجرہ نہ رکھتا ہو اس پر بھی زکوٰۃ حرام ہے	۲۹۴	کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے کہ ہاتھ نصاب ہو جائے
۲۹۵	زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مصرف نہ تھا	۲۹۵	اتنی زکوٰۃ دینا کہ حج فرض ہو جائے مکروہ ہے
۲۹۶	شیعہ اور قادیانیوں کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہ ہوگی	۲۹۶	سیلاب زدگان کو زکوٰۃ دینا
۲۹۷	مد زکوٰۃ سے خیراتی دواخانہ کھولنے کا حکم	۲۹۷	تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ فرض ہے
۲۹۸	مال زکوٰۃ مسجد پر لگانا جائز نہیں	۲۹۸	ہر میں سامان بنیت تجارت لیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں
۲۹۹	مد زکوٰۃ سے دینی کتب طبع کرنا	۲۹۹	بعض ہر بنیت تجارت سامان لیا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے
۳۰۰	نصاب پر سال پورا ہونے سے قبل ملنے والی رقم پر بھی اسی سال زکوٰۃ فرض ہے	۳۰۰	حیلہ تملیک
۳۰۱	مال حرام پر زکوٰۃ واجب نہیں	۳۰۱	غیر آباد زمین کے مانع زکوٰۃ ہونے کی تفصیل
۳۰۲	زکوٰۃ میں حرام مال دینے کا حکم	۳۰۲	مد زکوٰۃ سے قیدیوں کو کھانا دینا
۳۰۳		۳۰۳	دکیل زکوٰۃ اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا
۳۰۴		۳۰۴	دکیل زکوٰۃ اپنے ذی رحم کو دے سکتا ہے
۳۰۵		۳۰۵	زکوٰۃ میں مال تجارت کی قیمت فروخت معتبر ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۹	برائے فروخت تعمیر کردہ مکانوں پر زکوٰۃ ہے	۳۰۹	ثبوت ہلال شعبان کی تحقیق
۳۱۰	چندہ کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۳۱۰	تیس رمضان کو بعد زوال گذشتہ رات میں {
	کسی کی طرف بلا اجازت زکوٰۃ دی تو ادا نہیں ہوتی	۳۱۰	رویت پر شہادت ہوئی تو افطار لازم ہے {
	مرغی خانہ اور محل کے تالاب پر زکوٰۃ کا حکم		جہاں ہمیشہ ابر کی وجہ سے رویت ممکن نہ ہو
	رسالہ		سعود میں رویت کا اعلان {
۳۱۱	بینک اکاؤنٹس سے حکومت کا زکوٰۃ وصول کرنا	۳۱۱	پاکستان کے لئے حجت نہیں {
۳۳۵	باب العشر والمخراج	۳۳۵	ہلال پر کسی کی شہادت قبول {
	عشر بر حصہ مزارعان	۳۳۵	نہ ہوئی تو اس پر روزہ واجب {
۳۳۶	کاریز کے پانی میں نصف عشر ہے	۳۳۶	حس کی ہلال رمضان پر شہادت قبول {
	مد عشر سے مدخراج کے لئے قرض لینا		نہ ہوئی وہ اکتیسواں روزہ بھی رکھے {
۳۳۷	پھل بچنے سے قبل کافر کو دیدیا	۳۳۷	برائے تسخیر الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ پکارنا
	اعتبار غلبہ ماء کا مطلب	۳۳۷	دائم المرض شیخ فانی کے حکم میں ہے
۳۳۸	بیع الغر قبل الادراک میں عشر مشتری پر ہے	۳۳۸	کان میں پانی جانا مفسد نہیں
	رسالہ		متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا جائز ہے
۳۳۹	السراج لاحکام العشر والمخراج	۳۳۹	انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۳۸۳	باب صدقہ لفطر	۳۸۳	روزہ رکھنے کے بعد بیمار ہو گیا
	شیعہ اور مرزائی کو صدقہ لفطر دینا جائز نہیں		انزال بالقبلہ سے قضاء ہے کفارہ نہیں
	صدقہ الفطر کا نصاب		سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس یا ثمانی دن کا ہو گیا
۳۸۴	صدقہ الفطر میں گہیوں کی قیمت معتبر ہے	۳۸۴	ہوائی سفر میں دن بہت بڑا یا بہت {
	رمضان سے قبل صدقہ الفطر دینا جائز ہے		چھوٹا ہو جائے تو روزہ کا حکم {
	سید کو صدقہ الفطر دینا جائز نہیں		طویل النہار مقامات میں روزہ کا حکم
	رسالہ		شکاگو میں اوقات سحر و افطار
۳۸۵	بسط الباع لتحقيق الصاع	۳۸۵	کفارہ صوم میں تداخل کی تفصیل
	کتاب الصوم	۳۸۵	روزہ میں عورت کالبوں پر سرخی لگانا
	رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۵	ثبوت رمضان کی غلط فہمی سے روزہ رکھ لیا	۴۲۵	روزہ میں خون نکلوانا مفسد نہیں
۴۲۶	فدیہ رمضان سے قبل دینا جائز نہیں	۴۲۶	قبل الغروب چاند دیکھ کر افطار کر لیا تو کفارہ لازم ہو
۴۲۶	کھجور یا پانی سے افطار مسح ہے	۴۲۶	سوال مثل بالا
۴۲۷	روزہ کی نیت کب تک کی جاسکتی ہے؟	۴۲۷	روزہ میں دانت نکلوانا یا اس پر دوا لگانا
۴۲۷	صبح صادق کے بعد سفر کا ارادہ	۴۲۷	روزہ میں دوا سے تیار ہونا پانی خشک کرنا ضروری نہیں
۴۲۷	ہو تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں	۴۲۷	رجب کے روزہ کا حکم
۴۲۸	درہوں سے خون بلا اختیار پیٹ میں جانے کا حکم	۴۲۸	حائضہ کا رمضان میں کھانا پینا
۴۲۸	نفل روزہ میں حیض آگیا تو قضا واجب ہے	۴۲۸	نکسیر کا خون اندر جانا مفسد ہے
۴۲۹	بحالت روزہ فرج میں دوا لگانا	۴۲۹	آنکھ میں دوا ڈالتے سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۴۲۹	کفارہ کے روزے مسلسل رکھنا ضروری ہے	۴۲۹	روزہ میں منجن ملنا مکروہ ہے
۴۲۹	فدیہ میں ہر چیز زدی جاسکتی ہے	۴۲۹	کارہیز تو کر کے پڑھنا مفسد ہے
۴۳۰	مسکین کو کفارہ کا طعام کھلانے میں نتائج شرط نہیں	۴۳۰	بواسیری مستہ پر دوا لگانا مفسد نہیں
۴۳۰	کفارہ میں ہر مسکین کو دو وقت کھلانا ضروری ہو	۴۳۰	نابالغ روزہ توڑ دے تو قضا ضروری نہیں
۴۳۱	بحالت خطۃ جان افطار کا حکم	۴۳۱	شوال میں قضا روزہ رکھنے سے شش عید کا ثواب نہیں ملتا
۴۳۱	مذی نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۴۳۱	گزشتہ سالوں کے فدیہ میں وقت ادار کی قیمت معتبر ہے
۴۳۱	صیام کفارہ کے درمیان حیض آگیا	۴۳۱	مشتبہ وقت میں سحری کھانا مکروہ ہے
۴۳۲	در روزہ سے روزہ توڑنا	۴۳۲	فدیہ کی مقدار
۴۳۲	بحالت روزہ لغافہ کا گوند زبان کے ترکہ کے بند کرنا	۴۳۲	فدیہ و کفارہ کا فر کو دینا جائز نہیں
۴۳۳	سحری کھانے کے بعد کلی کرنا	۴۳۳	صحت کے بعد غروب تک کھانا پینا ناجائز ہے
۴۳۳	۲۵ ہایخ کے بعد کار روزہ بدعت ہے	۴۳۳	روزہ میں قے کا حکم
۴۳۳	حدیث بوقت اذان ہاتھ میں پیالہ ہو تو پانی پینے کا مطلب	۴۳۳	قے کو مفسد سمجھ کر کچھ کھا لیا تو کفارہ نہیں
۴۳۴	بیوی کی فرج میں انگلی ڈالنے کو مفسد سمجھ کر جماع کر لیا	۴۳۴	کفارہ کی مقدار
۴۳۴	عورت نے فرج میں انگلی ڈالنے کو مفسد سمجھ کر کچھ کھاپی لیا	۴۳۴	روزہ کی قضا میں دن کی تعیین
۴۳۵	ہاتھ سے منی نکالنا مفسد صوم ہے	۴۳۵	مسواک کا ریشہ پیٹ میں جانا مفسد نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۲	عورت کو اعتکاف میں حیض آگیا	۲۵۵	غروب قبل یطیو کے اعلان پر افطار کر لیا
	اعتکاف غسل جمعہ کے لئے نکل سکتا ہے	۲۵۲	غروب قبل اذان پر افطار کر لیا
۵۱۳	اعتکاف منذر کی مختلف صورتیں		بحالت روزہ فرج میں انگلی داخل کرنا
۵۱۵	قضا حاجت کے لئے نکلا تو غسل نہیں کر سکتا	۲۵۷	مرد کی سپاری کا فرج میں جانا مفسد ہے
	اعتکاف کا اخراج ریح کے لئے خرچ جائز نہیں		عورت دن میں پاک ہوئی تو کھانا پینا ناجائز ہے
۵۱۶	اعتکاف کا حجامت بنوانا		بوجہ عذر چھوٹے ہوئے روزہ کی قضا کا موقع نہ ملا
	منذر اعتکاف قضا روزہ کے ساتھ صحیح نہیں	۲۵۸	مسافر نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ نہیں
۵۱۷	جس مسجد میں جماعت نہ ہو اس میں اعتکاف صحیح ہے	۲۵۹	روزہ توڑنے کے بعد بیمار یا مسافر ہو گیا
	بعض امور مفسدہ و غیر مفسدہ		ذریعہ صوم سے عاجز کا حکم
۵۱۹	کتاب الحج	۲۶۰	ذریعہ میں نابالغ کو کھلانا کافی نہیں
	محصر کا حکم		سیام کفارہ دو ماہ ہیں یا ساٹھ دن؟
۵۲۰	تمتع محصر پر ایک ہی دم ہے	۲۶۱	ذریعہ میں نابالغ کو کھلانا کافی نہیں
۵۲۱	عمر میں ایک بار فرضیت حج میں حکمت		ذریعہ میں نابالغ کو کھلانا کافی نہیں
	نفل حج کی نیت سے فرض ساقط نہ ہوگا	۲۹۹	عیون الرجال لروية البلال
۵۲۲	محرم سے حلق کرانا	۵۰۷	الطوالح لتتویر المطالع
	جس نے اپنا حج نہیں کیا وہ حج بدل کر سکتا ہے		باب الاعتکاف
۵۲۳	احرام میں ٹوپی پہننے کی جزاء	۵۰۸	مسجد سے نسیاناً نکلنا مفسد اعتکاف ہے
	حج بدل میں تمتع و قرآن کا حکم		غسل تبرید کے لئے نکلنا جائز نہیں
	آفاق کا شہر حج میں مکہ سے مدینہ جا کر تمتع یا قرآن کرنا	۵۰۹	اعتکاف اذان کے لئے نکل سکتا ہے
۵۲۵	مکی کا آفاق سے واپسی پر تمتع یا قرآن کرنا	۵۱۰	اعتکاف ہر محلہ میں سنت کفایہ ہے
۲۲۶	تین جوڑے سے زائد لباس جستا صلیب میں داخل نہیں		نماز جنازہ یا عیادت کے لئے نکلنا
	میقات سے بدوں احرام تجاوز	۵۱۱	نفل وضو کے لئے نکلنا جائز ہے
۵۲۷	سعی کی ابتداء صفا سے واجب ہے		کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا
۵۲۸	حکومت حج نہ کرنے دے تو کیا حکم ہے؟		بیت الخلا خالی ہونے کے لئے انتظار کرنا
			اعتکاف کا مسجد میں ٹہلنا
			اعتکاف ٹوٹنے پر حکم قضا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۳	سوال متعلق بالا	۵۲۹	نابینا کے لئے حج کا حکم
۵۳۴	نقاب چہرہ سے لگ گیا		عمروہ کرنے سے فرضیت حج میں تفصیل
۵۳۵	ترک رمی کا حکم		حج بدل کہاں سے کرایا جائے؟
۵۳۶	شیعہ کی طرف سے حج بدل جائز نہیں	۵۳۰	ماہِ زمزم و فضیل وضو قائم اپنا مستحب نہیں
	سر کے چند بال کاٹ کر احرام کھول دیا		وقوف مزدلفہ چھوڑنے کا حکم
۵۳۷	قارن عمرہ کے بعد طوافِ قدوم کرے	۵۳۱	سوال متعلق بالا
	عرفات میں زوال کے بعد پہنچنا		احرام میں لنگوٹ یا نیکر پہننا
	عرفات میں غروب کے بعد پہنچنا		احرام میں جرابیں پہننا جائز نہیں
۵۳۸	سوال متعلق بالا	۵۳۲	عورت کے لئے بلا محرم سفر حج جائز نہیں
۵۵۰	نماز کے لئے قرب مقام ابراہیم کی حد		میت کی طرف سے بدوں وصیت حج کرنا
	مقام ابراہیم پر دعاء کا ثبوت		سفر حج میں مرنے والے پر وجوب وصیت کی تفصیل
۵۵۱	بدوں ارادہ نسکے خول حرم پر وجوب جزا کا ثبوت	۵۳۳	اذی الحجہ کی رمی بنی الزوال جائز نہیں
۵۵۵	طواف کی دعائیں	۵۳۴	رمی میں جواز نیابت کی شرط
۵۵۶	مریض یح طواف کیسے کرے؟		طواف زیارت بلا وضو کرنے سے دم واجب ہے
	حالت طواف میں بیت اللہ کو دیکھنا	۵۳۵	دم شکر سے عاجز کا حکم
۵۵۸	استقبال بیت بوقت استلام رکن یمانی	۵۳۶	حرم مدینہ مستقل وطن نہ بنا کر تو تمت کر سکتا ہے
	ترک طواف زیارت	۵۳۷	یوگانہ طواف مکروہ وقت میں پڑھنے کا حکم
۵۵۹	وقوف مزدلفہ کے بعد بقیہ افعال چھوڑ دیئے	۵۳۸	حج میں تاخیر جائز نہیں
	حرم میں پالتو کبوتر بھی حرام ہے		وقت فرضیت حج
۵۶۰	زیارۃ قبر النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم	۵۳۹	طواف زیارت نہ کر سکا تو بد نہ کی وصیت واجب ہے
	رسائل		ایام نحر میں طواف و دواع جائز ہے
۵۶۷	تحریر الثقات لمحاذاة الميقات	۵۴۲	عذرین جہۃ المخلوق کی وجہ سے ترک طواف و دواع
۵۷۵	بعض ضروری مسائل حج	۵۴۳	حاجت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے
		۵۴۴	احرام میں گردن کان اور پیشانی ڈھانکنا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب قضاء الفوائت

قضاء کی نیت میں دن کی تعیین ضروری ہے :

سوال : میرے ذمہ کئی سالوں کی نمازیں قضا تھیں ، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو میں نے ان کی قضا پڑھنی شروع کر دی مگر اب مسئلہ معلوم ہوا کہ قضا نماز میں دن متعین کرنا ضروری ہے کہ فلاں دن کی نماز قضا پڑھ رہا ہوں اس لئے مندرجہ سوالات کا جواب تحریر فرمائیں۔

- ① جب کسی کو یاد ہی نہ ہو کہ کس دن کی کونسی نماز اسکے ذمہ قضا ہے تو وہ قضا نماز کیسے پڑھے ؟
- ② جو نمازیں اب تک بلا تعیین پڑھی گئی ہیں کیا ان سب کو دوبارہ پڑھنا فرض ہے ؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہمہ الصواب

① اگر دن ، تاریخ کچھ یاد نہ ہو تو اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جتنی نمازیں ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھ رہا ہوں۔ اسی طرح دوسری نمازوں میں نیت کرتا رہے ، قال فی شرح التنویر فی آخر باب قضاء الفوائت کثرۃ الفوائت نوی اولیٰ ظہر علیہ او آخرہ (رد المحتار منہ ۱۳۶۹)

② ایک قول پر دن کی تعیین ضروری نہیں ، یہ قول بھی صحیح ہے اگرچہ اشتراط تعیین ارجح و احوط ہے اگر نمازیں ٹوٹانے میں حرج ہو تو اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ (قولہ کثرۃ الفوائت الخ) وقیل لایلزمہ التبعیین ایضاً کما فی صوم ایام من رمضان واحد ومشی علیہ المصنف فی مسائل شتی آخر کتابہ تبعاً للکنز وصحہ القہستانی عن المنیۃ لکن استشکلہ فی الاشباہ وقال انہ مخالف لما ذکرہ اصحابنا کقاضی خان وغیرہ والاصح الاشتراط اقلت وکننا صحیح فی الملتقی هناك وهو الاحوط وبہ جزم فی الفتہ کما قد مناہ فی بحث النیۃ وجزم بہ هناك صاحب الدرر ایضاً (رد المحتار منہ ۱۳۶۹) وقال فی بحث النیۃ فقد اختلفت التصحیح والاشتراک

عوطوبہ جزم فی الصحیح هنا (رد المحتار منہ ۱۳۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم غرہ محرم سنہ ۱۴۲۶ھ

قضا نماز مخفی طور پر پڑھنا چاہیے :

سوال : قضا نمازیں علانیہ طور پر مسجد میں ادا کرنا افضل ہے یا کہ مخفی طریقہ سے ، اگر ایک

شخص وتر کی قضا مسجد میں پڑھتا ہے اور اس خیال سے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو تیسری رکعت میں تکبیر قنوت کے لئے رفع یدین نہیں کرتا تو کیا اس کی وتر کی نماز صحیح ہو جائیگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نمازوں کو مخفی طور پر ادا کرنا چاہیے لیکن مسجد میں ادائیگی کو علانیہ نہیں کہا جائے گا لوگوں کو کیا معلوم کہ نوافل پڑھ رہے ہیں یا قضا، البتہ نماز عصر کے بعد اور بوقت فجر لوگوں کے سامنے قضا نماز نہ پڑھے، کیونکہ اس وقت میں نوافل مکروہ ہیں، لہذا دیکھنے والے اس نماز کو قضا ہی سمجھیں گے اور گناہ کا اظہار بھی مستقل گناہ ہے، لوگوں کے سامنے وتر کی قضا میں دعا، قنوت سے قبل تکبیر کہے مگر ہاتھ نہ اٹھائے۔ قال فی الشامیۃ عن الامداد اما فی القضاء عند الناس فلا یرفع حتی لا یطلع احد علی تقصیرہ (رد المحتار ص ۶۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۷ھ

وتر کی قضا علانیہ کرے تو تکبیر قنوت میں ہاتھ نہ اٹھائے :

سوال : قضا نماز مخفی طور پر ادا کرنی چاہیے، مگر وتر کی قضا میں تیسری رکعت میں دعا، قنوت پہلے تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا، اس صورت میں کیا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی صورت میں قنوت کے لئے تکبیر کہے مگر ہاتھ نہ اٹھائے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ (قولہ رافعاً یدہ) وهذا کما فی الامداد عن مجمع الروایات لوفی الوقت، اما فی القضاء عند الناس فلا یرفع حتی لا یطلع احد علی تقصیرہ (رد المحتار ص ۶۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۷ھ

عہ کی قضا مغرب سے پہلے پڑھے :

سوال : عصر کی نماز فوت ہو گئی تو اذان مغرب کے بعد عصر کی قضا پڑھے یا مغرب کی نماز ادا کرے حالانکہ جماعت بھی ہو نیوالی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ شخص صاحب ترتیب ہے تو پہلے عصر کی قضا پڑھے پھر مغرب کی نماز ادا کرے فوت جماعت کو سقوط ترتیب کے لئے سبب قرار نہیں دیا گیا، اور اگر صاحب ترتیب نہیں تو پہلے نماز مغرب جماعت کے ساتھ ادا کرے، بعد میں عصر کی قضا پڑھے، صاحب ترتیب وہ ہے

جس کے ذمہ چھ نمازیں قضا نہ ہوں، قال فی التنبیہ والترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداء وقضاء لازم (وبعد اسطر) الا اذا ضاق الوقت ونسيت الفائتة او فاتت سنة اعتقادية بخروج وقت السادسة (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۶ھ

چھ نمازوں سے کم قضا ہوں تو ان میں ترتیب واجب ہے :

سوال : زید سے تقریباً دو ماہ کی نمازیں قضا ہو گئیں، سب قضا کرنے کے بعد اب اگر ایک دو نمازیں قضا ہوں تو یہ صاحب ترتیب ہو گیا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت مذکورہ میں جب تک دوبارہ چھ نمازیں قضا نہ ہوں صاحب ترتیب رہیگا، قال فی التنبیہ والترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداء وقضاء لازم (الحی قولہ) الا اذا ضاق الوقت ونسيت الفائتة او فاتت سنة اعتقادية وفي الشامية خروج الفرض العملي وهو الوتر وان الترتیب بینہ وبينہ غیرہ وان کان فرضاً لکنہ لا یحسب مع الفوائت اھ (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رذی الحجہ سنہ ۱۴۱۶ھ

نمازوں کی قضا کے لئے سنن اور اہم نوافل نہ چھوڑے :

سوال : کیا یہ جائز ہے کہ سنت، نفل اور تراویح کی بجائے اس وقت میں قضا نمازیں پوری کرنے کی کوشش کروں، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نمازیں پڑھنے کے لئے سنت مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں، بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نوافل ماثورہ مثل چاشت، اوابین اور صلوٰۃ التبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں، مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسباب ظاہرہ کے پیش نظر موت سے قبل قضا نمازوں سے سبکدوشی کی توقع ہو، اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آ رہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح لازم ہے، قال فی شرح التنبیہ ویموز تأخیر الفوائت وان وجبت علی الفور لعد السعی علی العیال وفي المحواثم علی الاصح، وفي الشامية (قوله وفي المحواثم) اعم مما قبله اى ما يحتاجه لنفسه من جلب نفع ودفع ضرر واما النفل فقال في المضمرة الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واهم من النوافل

الاسنن المفروضة وصلوة الضحیٰ وصلوة التسبیح والصلوة العظمیٰ روتے فیہا الاخبار اھ طای کتبیۃ المسجد
والاربع قبل العصر والست بعد المغرب (رد المحتار ص ۶۸ ج ۱)

تحتیۃ المسجد کو قضا پر ترجیح دینا صحیح نہیں اس لئے کہ دخول مسجد کے بعد قضا پڑھے گا تو اسی سے
تحتیۃ المسجد ہی ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اشعار نماز میں وقت ختم ہو گیا تو نماز ادا ہوئی یا قضا؟

سوال: ایک شخص نے آخر وقت میں نماز شروع کی مگر نماز پوری ہونے سے پہلے وقت ختم
ہو گیا تو یہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز ہو گئی تو ادا ہوگی یا قضا؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہو گیا تو یہ نماز فاسد ہو گئی، آفتاب اونچا ہونے کے بعد
قضا پڑھے، فجر کے سوا دوسری نمازیں خروج وقت سے فاسد نہیں ہوتیں،

ایسی نماز ادا ہوئی یا قضا؟ اس بارہ میں چار قول ہیں،

- ① اگر تحریمہ وقت میں ہوئی تو ادا ہے ورنہ قضا،
- ② اگر ایک رکعت وقت میں پالی تو ادا ہے ورنہ قضا
- ③ جو حصہ وقت کے اندر پڑھا وہ ادا ہے اور بقیہ قضا
- ④ جس نماز کا کوئی حصہ بھی وقت کے بعد ہوا وہ پوری نماز قضا ہے،

قال العلامة رحمہ اللہ تعالیٰ فی اول باب قضاء الفوائت وبالترمیمۃ فقط بالوقت یكون
اداء عندنا وبرکۃ عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وما ذکرہ من انہ
بالترمیمۃ یكون اداء عندنا هو ما جزم بہ فی التحویر و ذکر شارحہ انہ المشہور عند الحنفیۃ ثم نقل عن
المحیط ان ما فی الوقت اداء والباقی قضاء وذكر طعن الشارح فی شرحہ علی الملتقى ثلاثہ اقوال
فراجعہ (رد المحتار ص ۶۸ ج ۱)

وقال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ مغرباً لشرح العلامة للملتقى لو ادرك ركعة من فرض
غير الفجر في الوقت ثم خرج الوقت هل تكون هذه الصلوة اداء وقضاء او ما في الوقت اداء وما بعد
قضاء اقوال اصحها اولها وتظهر الثمرة في نية المسافر الإقامة، قيدنا بغير المغرب لان فيه تبطل بطوع
الشمس وقيدنا برکۃ لان ما دونها يكون قضاء قال البهمنی وتلīdzه الباقي لكن نقلت في شرح
المنار من بحثه الا ان ابن نجيم مغرباً للتحرير انہ بالترمیمۃ في الوقت يكون اداء عندنا و

برکۃ عند الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (طحاوی علی العلائقہ ص ۱۳۰)

قول اول زیادہ مشہور ہے اور باب قضاء الفوائت میں زیادہ تر یہی مذکور ہے، مگر علامہ شامی نے فاقد وقت عشر میں صرف قول ثالث ذکر فرمایا ہے جو دلیل ارجحیت ہے، نیز جملہ کتب میں باب صلوة المسافر میں اثنار نماز میں خروج وقت کے بعد نیت اقامت کو غیر معتبر قرار دیا ہے جو اسی قول ثالث پر مبنی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

سفر کی قضاء حضر میں اور حضر کی سفر میں :

سوال : اگر سفر کی نماز کی قضاء سفر ختم ہو جانے کے بعد کرے تو کیا ظہر اور عصر اور عشر کی نمازوں کے لئے دو رکعت قصر ہی کی نیت کرے یا پوری چار رکعت ادا کی جائے، چونکہ اب سفر کی حالت نہیں ہے، اور اسکے برعکس صورت میں اگر سفر میں سابقہ نمازوں کی جو چار چار رکعت پڑھنا چاہئے تھی قضا کرے تو مذکورہ نمازوں میں پوری چار چار رکعت پڑھے یا دو دو؟

بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز سفر کی قضاء میں قصر کرے اگرچہ سفر ختم ہونے کے بعد ہو اور نماز حضر کی قضاء پوری پڑھے اگرچہ سفر میں ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

وتر کی قضاء میں بھی ترتیب لازم ہے :

سوال : کیا قضاء نمازوں میں وتر عشر کے فرضوں سے پہلے بھی پڑھ لینے کی اجازت ہے یا فرضوں کے تابع ہونے کی شرط اس میں بھی ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضاء میں بھی فرض اور وتر کے مابین ترتیب لازم ہے البتہ غیر صاحب ترتیب کی قضا میں دوسری نمازوں کی طرح فرض اور وتر کے درمیان بھی ترتیب ساقط ہے جس کے ذمہ پانچ فرض نمازوں سے زیادہ قضاء ہوں وہ غیر صاحب ترتیب ہے، اس تعداد میں وتر داخل نہیں، وتر کے علاوہ چھ یا اس سے زائد فرائض قضاء ہوں تو ترتیب ساقط ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۹ھ

صاحب ترتیب کی تعریف :

سوال : قضا نمازوں میں ترتیب کس شخص پر ضروری ہے ؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جس کے ذمہ چھ فرض نمازیں قضا نہ ہوں وہ صاحب ترتیب ہے ، چھ یا زیادہ فرائض کی قضا اس کے ذمہ ہو تو اس پر ترتیب لازم نہیں ، وتر شمار نہیں کئے جائیں گے مثلاً ایک فجر سے دوسری فجر تک کی نمازیں قضا ہو گئیں تو ان کی قضا میں ترتیب لازم نہیں ، اس سے کم قضا ہوں تو ترتیب لازم ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ذی قعدہ سنہ ۹۹ ھ

خوف فوت جمعہ مسقط ترتیب نہیں :

سوال : کسی کی فجر کی نماز قضا ہو گئی اور بوقت جمعہ یاد آئی ، اب اگر قضا پڑھتا ہے تو جمعہ فوت ہو جائے گا اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صاحب ترتیب ہے تو فجر کی قضا پہلے پڑھے اسکے بعد جمعہ مل جائے تو بہتر ورنہ ظہر کی نماز پڑھے ، نقل فی الشامیۃ عن التذاریخانیۃ انہ یصلیہا عند ہما وان خاف فوت الجمعۃ مع الامام ثم یصلی الظہر قال محمد یصلی الجمعۃ ثم یتقضى الفجر الخ (رد المحتار ص ۶۸۱ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ شعبان سنہ ۱۴۰۰ ھ

فدیہ نماز کی مقدار : ۲۲۵ کلو گرام گہوں کی قیمت ،
میت کی طرف اس کا بیٹا فدیہ نماز ادا کر سکتا ہے :

یہ دونوں مسئلے غلطی سے جلد ۳ باب صفۃ الصلوۃ میں درج ہو گئے ہیں ، وہاں دیکھ لئے جائیں ، اوزان کی مکمل تحقیق کے لئے جلد ۲ باب صدقۃ الفطر کے آخر میں رسالہ ”بسط الباع لتحقيق الصاع“ ملاحظہ ہو ، (مرتب)

باب سجود السہو

سورت یاد عارِ قنوت سہو اچھوٹ گئی تو سورت کیلئے قیام کی طرف لوٹے قنوت کیلئے نہیں :
سوال : ایک شخص سے سورت یاد عارِ قنوت متروک ہو گئی رکوع میں جا کر یاد آیا تو
رکوع کو چھوڑ کر قیام کر کے سورت یا قنوت پڑھی تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر سورت رہ گئی تو رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف رجوع کرے اور سورت پڑھے اگرچہ رکوع
تمام کر کے قومہ کی طرف منتقل ہو چکا ہو، پھر دوبارہ رکوع کر کے آخر میں سجدہ سہو کرے۔ اگر
دوبارہ رکوع نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی۔ اگر یاد آ جانے کے باوجود قیام کی طرف نہ لوٹا تو اس کا حکم
صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، البتہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعبیر سے قیام کی طرف رجوع کا وجوب
معلوم ہوتا ہے لہذا عمداً ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی، اور اگر قنوت چھوٹ
گئی تو رکوع سے عود الی القیام نہ کرے صرف آخر میں سجدہ سہو کرے مگر عود کی صورت میں بھی نماز
فاسد نہ ہوگی اس صورت میں رکوع کا اعادہ نہ کرے سجدہ سہو کرے۔ اگر رکوع دوبارہ کر لیا تو بھی
سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی۔ اگر
ایک سورت پڑھ کر دوسری سورت کے لئے رکوع سے قیام کی طرف رجوع کیا تو اس کا حکم بعینہ
قنوت کی طرح ہے۔ (والتفصیل فی شرح التنویر وحاشیہ لابن عابدین باب سجود السہو)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

سوال مثل بالا :

رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائیگی؟
بتینواتوجروا

الجواب باسمہما الصواب

رکوع میں یا قومہ میں ترک سورت یاد آ گیا تو سورت پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے اور سجدہ سہو
کرے، بعدوں سورت پڑھے سجدہ سہو کر لیا تو بھی نماز واجب الاعادہ ہے،
اگر امام کو ستری نماز میں ایسی صورت پیش آجائے اور کثرت جماعت کی وجہ سے رکوع

کے بعد سورت پڑھنے اور دوبارہ رکوع کرنے میں لوگوں کی نماز کے فساد کا خطرہ ہو تو اس کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گزرا البتہ کثرت جماعت ترک سجدہ سہو کے جواز پر قیاس کا مقتضی یہ ہو کہ اس صورت میں ترک سورت کی گنجائش ہے، اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہے، سجدہ سہو کا وجوب ہم سورت میں تاخیر کی وجہ سے ہے نہ کہ ترک سورت کی وجہ سے، اس لئے کہ ترک سورت تو عمداً کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳، رزی الحجہ سنہ ۹۵ھ

امام کے ساتھ مسبوق نے عمدہ اسلام سہو پھیرا تو نماز فاسد ہو گئی :

سوال : امام کو سہو ہوا تو مقتدی مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو کرتے وقت سلام پھیرے گا یا بلا سلام سجدہ کرے گا، اس میں اختلاف ہو رہا ہے اس لئے مدلل تحریر فرمائیں، بتینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو کرتے وقت سلام نہ پھیرے بغیر سلام کے سجدہ کرے، اگر مسبوق نے سلام پھیر دیا حالانکہ اسے اپنا مسبوق ہونا یاد بھی تھا، یعنی یہ یاد تھا کہ اس کے ذمہ نماز کا کچھ حصہ باقی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی البتہ اگر سہو اسلام پھیرا یعنی اسے اپنا مسبوق ہونا یاد نہیں تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر مسبوق ہونا یاد تھا مگر مسئلہ سے جہالت کی وجہ سے سلام پھیر دیا تو بھی نماز جاتی رہی، اس لئے کہ جہالت عذر نہیں۔ قال فی الشامیۃ عن البحر (والمسبوق یسجد مع امامه) قید بالیسجد لانه لا یتابعہ فی السلام بل یسجد معہ و یتشهد فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامداً فسدت والا لا، وبعد سطرین عن شرح المنیۃ ولو سلم علی ظن ان علیہ ان یسلم فهو سلام عمد یمنع البناء (رد المحتار ص ۶۹۶) و فیہا (قولہ ولو سلم ساھیا) قید بہ لانه لو سلم مع الامام علی ظن ان علیہ السلام معہ فهو سلام عمد فتفسد كما فی البحر عن الظہیریۃ (رد المحتار ص ۵۷۵ ج ۱) وفي العلائیۃ او سلم ذاکراً ان علیہ رکنا حیث تبطل لانه سلام عمد (رد المحتار ص ۵۷۵ ج ۱)

نیز علامہ کے جزئیہ سلام من علیہ سجود سہو یخرجہ من الصلوۃ خروجاً موقوفاً ان یسجد عاد الیہا والا لا (رد المحتار ص ۵۷۵ ج ۱) سے معلوم ہوا کہ سلام سجدہ سہو سلام تحلیل ہے اور سلام تحلیل سے متعلق علانیہ کے مفسدات صلوۃ میں ہے فسلام التحیۃ مفسد مطلقاً و سلام التحلیل ان عمداً (رد المحتار ص ۵۷۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منتصف ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

قعدہ اخیرہ چھوڑنے سے فرض نفل بن گئے تو سجدہ سہو نہیں:

سوال: صلوٰۃ ظہر میں قعدہ اخیرہ بھول گیا اور رکعت خامسہ کو مقید بسجدہ بھی کر لیا تو

سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں سجدہ سہو نہیں، قال فی شرح التنویر ولا یسجد للسہو علی الاصح لانہ النقصان بالفساد لا ینجبر فی الشامیۃ (قوله لانہ النقصان) ای المحاصل بترك القعدۃ لا ینجبر بسجود السہو فان قلت انه وان فسد فرضاً فقد صح نفلًا ومن ترك القعدۃ فی النفل ساهيًا وجب علیہ سجود السہو فلماذا لم یجب علیہ السجود نظرًا لهذا الوجه قلت انه فی حال ترك القعدۃ لم یکن نفلًا انما تحقق النقص بتقیید الركعة بسجدۃ والضم فالنقص عارضة ط (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۱۴۰۵ھ

چار رکعت نفل میں قعدہ اولیٰ پر سلام پھیر دیا تو سجدہ سہو نہیں:

سوال: چار رکعت نفل کی نیت باندھی اور قعدہ اولیٰ پر سہو سلام پھیر دیا، بعدہ یاد آیا تو ثالثہ کی طرف قیام کر کے شفع ثانی کا مل کیا تو سجدہ سہو لازم ہو گا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں سجدہ سہو نہیں، کیونکہ نوافل میں اربع رکعات کی نیت سے صرف شفع واحد ہی واجب ہوتا ہے، جب شفع ثانی واجب ہی نہیں تو سلام پھیرنے سے تاخیر فی الفرض واقع نہ ہوئی جو سبب تھا وجوب سجدہ کا، باقی رہا یہ سوال کہ شفع ثانی صحیح ہو یا نہیں؟ پس ثالثہ کی طرف قیام کرتے وقت تکبیر کہی ہو تو یہ تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔ فقہ میں اس کے نظائر موجود ہیں کہ فقط تکبیر کو اگرچہ تحریمہ کے سوا کسی اور نیت سے کہی ہو بمنزلہ تحریمہ کے قرار دیا گیا اور نیت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ لہذا شفع ثانی صحیح ہو جائے گا۔ البتہ اگر ثالثہ کی طرف قیام کے وقت تکبیر نہیں کہی تو شفع ثانی کی ابتداء صحیح نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۱۴۰۵ھ

۱۰۰ وفيه ان القيام من شرائط التعمية ولعل الصحيح جواز البناء وان لم يكن للقيام لانه انما سلام سهواً وفي شرح التنوير ان السلام ساهياً لا يبطل لانه دعاء من وجه (رد المحتار ص ۴۰۴ ج ۱) منه

دو رکعت نفل کی نیت کی اور قعدہ کے بعد سہواً دو رکعتیں اور پڑھائیں تو سجدہ سہو نہیں :
سوال : دو رکعت نفل کی نیت سے نماز شروع کی قعدہ کے بعد سہواً ثالثہ کی طرف قیام کیا
اور شفع ثانی کا مل کر لیا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جب بناء النفل علی النفل جائز ہے تو سجدہ سہو کا کوئی سبب نہیں، بلکہ جب چار رکعت
نفل کی نیت باندھی جائے تو بھی بتصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ شفع واحد ہی واجب ہوتا ہے،
چار رکعت نفل کا کوئی اعتبار نہیں، بلا تسلیم اور بلا تکمیل تحریر کے محض قیام الی الثالثہ سے شفع ثانی
لازم ہوتا ہے معہذا اس صورت میں سجدہ سہو نہیں تو اس پر قیاس کرتے ہوئے صورت مسئلہ میں
بھی سجدہ سہو نہ ہوگا، کیونکہ اس میں بھی شفع ثانی کا وجوب قیام الی الثالثہ سے ہوا ہے، قال
فی شرح التنویر کل شفع منہ صلوٰۃ وفی الشامیۃ کأنہ واللہ اعلم لمکنہ من الخروج علی رأس
الرکعتین فاذا قام الی شفع آخر کان بانیا صلوٰۃ علی تحریمۃ صلوٰۃ ومن تعرض حوا بانہ لونی
اربعا لا یجب علیہ بتحریمتھا سوى الرکعتین فی المشہور عن اصحابنا وان القیام الی الثالثہ
بمنزلہ تحریمۃ مبتدأۃ حتی ان فساد الشفع الثانی لا یوجب فساد الشفع الاول (رد المحتار
باب صفة الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۱۴۵۵ھ

امام کے سجدہ سہو کے بعد شریک ہونے والے پر سجدہ سہو نہیں :

سوال : اگر کوئی امام کے ساتھ ایسی حالت میں شریک ہوا کہ امام سہو کے سجدوں میں سے
ایک یا دونوں کر چکا تھا تو اس کا کیا حکم ہے ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنہ البصیر والصواب

اگر دوسرے سجدہ میں شریک ہوا تو اس پر پہلا سجدہ نہیں۔ اور اگر دونوں کے بعد
شریک ہوا تو دونوں سجدے اس سے ساقط ہیں۔ قال فی الہندیۃ فی فصل سہو الامام من البیہ
الثانی عشر ولو دخل معہ بعد ما سجد سجدۃ السہو یتابعہ فی الثانیۃ ولا یقضى الاولی
ان دخل معہ بعد ما سجد ہما لا یقضیہما کذا فی التبیین (عالمگیری ج ۱ ص ۶۶) وکذا فی
الشامیۃ ایضاً فی باب سجود السہو ج ۱ ص ۶۹۶ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۱۴۵۶ھ

مسبق امام کے ساتھ سجدہ سہو سے قبل کھڑا ہو گیا :

سوال : مسبوق کو سہو امام کا علم نہ تھا۔ اس لئے سجدہ سہو سے پہلے قیام کر لیا، بعد میں سجدہ سہو کا علم ہوا تو کیا کرے؟ بتینواتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جب تک رکعت کو مقید بسجدہ نہیں کیا واپس لوٹ کر امام کی متابعت کرے اور اگر مقید بسجدہ کر لیا ہے تو واپس نہ آئے بلکہ آخر میں سجدہ سہو کرے، اس صورت میں عود کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ لما فی فصل سہو الامام من الباب الثانی عشر من الہندیۃ ولو لم يتابع الامام فی سجود السہو وقام الی القضاء لایسقط عنه ویسجد فی آخر صلاتہ ولو سلم الامام فقام المسبوق ثم تذکر الامام ان علیہ سہوًا فیسجد له قبل ان یقید المسبوق الركعة بسجدة فعلیہ ان یرفض ذلک ویعود الی متابعتہ ثم اذا سلم الامام قام الی القضاء ولا یعتد بما فعل من القیام والقراءة والركوع ولو لم یعد الی متابعتہ الامام ومضى علی قضائہ فانه تجوز صلاتہ ویسجد للسہو بعد فراغہ استحسانًا ولو سجد الامام بعد ما قید هذا المسبوق الركعة بسجدة فانه لا یعود فان عاد الی متابعتہ فسدت صلاتہ کذا فی السراج الوہاج (عالمگیریہ جلد ۱ ص ۶۶) وایضا قال فی الفصل السابع من الباب الخامس لو قام الی قضاء ما سبق بہ وعلی الامام سجدتا سہو قبل ان یدخل معہ کان علیہ ان یعود فیسجد معہ ما لم یقید الركعة بسجدة فان لم یعد حتی سجد یمضی وعلیہ ان یسجد فی آخر صلاتہ (عالمگیریہ ج ۱ ص ۴۸) والعبارتان المذكورتان مزبورتان فی الشامیۃ ایضًا بتخییر لیسیر احداہما فی بیان المسبوق ج ۱ ص ۵۵۸ و ص ۵۵۹ والاخری فی باب سجود السہو ج ۱ ص ۶۹۶،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۱۴۰۶ھ

مسبق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا :

سوال : مسبوق نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اور سلام کے بعد یاد آنے پر اپنی بقیہ رکعت پوری کر لی تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام کے ساتھ اس طرح سلام پھیرا کہ امام کے لفظ سلام کی میم کے ساتھ مسبوق نے بھی

سلام کی میم کہہ لی تو اس پر سجدہ سہو نہیں، اس سے ناخیر ہو گئی تو سجدہ سہو واجب ہوا سئلے کہ لفظ سلام سے اقتدار ختم ہو جاتی ہے، عموماً مقتدی کا امام امام کے سلام کے بعد ہوتا ہے اس لئے سجدہ سہو لازم ہے قال فی الشامیۃ تحت قولہ والمسبوق یسجد مع امامہ فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامداً فسد والا فلا ولا یسجد علیہ ان سلم سہواً قبل الامام او معہ وان سلم بعدہ لزمہ لکونہ منفرداً حیث یشد بحر و اراد بالمعینۃ المقارنۃ وهو فادر الوقوع کما فی شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۱۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۶ھ

امام نے بلا وجہ سجدہ سہو کیا تو مسبوق کی نماز کا حکم :

سوال : اگر امام نے اس گمان پر سجدہ سہو کیا کہ اس پر سجدہ سہو واجب ہے بعد میں معلوم ہوا کہ سجدہ واجب نہ تھا تو کیا مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اصل قاعدہ کے مطابق تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ائمہ مساجد میں غلبہ جہل کی وجہ سے عدم فساد کا فتویٰ دیا گیا ہے، اس لئے مسبوق کو ایسی صورت کا علم ہو جائے تو نماز لوٹائے، قال فی الخانیۃ اذا ظن الامام ان علیہ سہو فیسجد للسہو وتابع المسبوق فی ذلک ثم علم ان الامام لم یکن علیہ سہو فیہ روایتان واختلف المتابعین لاختلاف الروایتین واشترهما ان صلوة المسبوق تفسد وقال الشیخ الامام ابو حفص الکبیر رحمہ اللہ تعالیٰ لا تفسد وان لم یعلم انہ لم یکن سہو علی الامام لم تفسد صلوة المسبوق فی قولہم (قاضی خان ص ۱ ج ۱) وفي العلائیۃ ولو ظن الامام السہو فیسجد له فتابعه فبان ان لا سہو فالاشبه الفساد لا قنڈائہ فی موضع الافراد،

وفي الشامیۃ (قوله فالاشبه الفساد) وفي الفیض وقیل لا تفسد وبہ یفتی وفي البحر عن الظہیریۃ قال الفقیہ ابواللیث فی زماننا لا تفسد لان الجہل فی القراء غالب اھ واللہ اعلم (رد المحتار ص ۱۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ شوال سنہ ۱۲۸۶ھ

قعدہ اخیرہ میں شہید یاد رود کے تکرار سے سجدہ سہو نہیں :

سوال : اگر کسی نے آخری قعدہ میں شہید یاد رود شریف کل یا بعض، عمد یا سہواً دوبار

پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ سہو واجب نہیں، اس لئے کہ یہ دعاء و شمار کا موقع ہے خواہ اس میں کتنا ہی طول ہو، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ ولو کثر التشہد فی القعدة الاخيرة فلا سہو علیہ (البحر الرائق ص ۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم سنہ ۱۲۸۶ھ

قعدہ اولیٰ میں تکرار تشہد سے سجدہ سہو واجب ہے :

سوال : اگر قعدہ اولیٰ میں پورا تشہد یا کچھ حصہ دوبارہ پڑھ لیا تو اس کا کیا حکم ہے،

سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قعدہ اولیٰ میں تکرار تشہد سے فرض قیام الی الثالثہ میں تاخیر لازم آتی ہے، اسلئے بصورت عمد نماز واجب الاعادہ ہے اور بصورت سہو سجدہ سہو لازم ہے، اگر تاخیر بقدر رکن ہو یعنی بقدر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ = ۲۲ حروف مقررہ ہو، اس سے کم تکرار پر سجدہ سہو نہیں، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لو کثر التشہد فی القعدة الاولى فعلیہ السہولتاخیر القیام (البحر الرائق ص ۹۴ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم سنہ ۱۲۸۶ھ

قعدہ اولیٰ میں کتنی زیادتی موجب سجدہ سہو ہے :

سوال : آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ کسی رکن میں تین تسبیح کی مقدار سے جو سجدہ سہو کا حکم ہو

اس سے تین بار سبحان اللہ مراد نہیں بلکہ تین بار سبحان ربی العظیم یا سبحان ربی الاعلیٰ مراد ہے اس پر یہ اشکال ہے کہ عام کتابوں میں لکھا ہے کہ پہلے قعدہ میں اگر اللہم صلّ علی محمد تک پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہو گیا حالانکہ یہ مقدار تین بار سبحان ربی العظیم سے بہت کم ہے، اُمید ہے کہ

جواب شافی سے نوازیں گے، بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اشکال تو سبحان اللہ پر بھی ہوتا ہے، تین بار سبحان اللہ کے مجموعہ حروف مقررہ ستائیس ہیں

عہ تسبیح سے سبحان ربی الاعلیٰ مراد ہے، تفصیل باب مفسدات الصلوٰۃ میں ستر کھلنے کے بیان میں ہے ۱۲ منہ

اور اللہ صلی علیٰ محمد کے اٹھارہ، حقیقت یہ ہے کہ تاخیر بقدر رکن سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، مگر قدر رکن میں دو قول ہیں ایک قدر قراءۃ ما تجوز بہ الصلوۃ کما فسر العلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مراقی الفلاح قدر الرکن بآیۃ، اور دوسرا قول بقدر تین تسبیح، پھر قدر ما تجوز بہ الصلوۃ میں دو قول ہیں، ایک بشمول حروف مخدوۃ اٹھارہ حروف اور دوسرا تیس حروف، ان اقوال میں سے راجح یہ ہے کہ رکن اقصر بطریق مسنون مراد ہے اور دہ تین بار سبحان ربی العظیم یا سبحان ربی الاعلیٰ کی مقدار ہے جس کے حروف مقررہ بیالیس ہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیۃ علی البحر (وقدر الکثیر ما یؤدی فیہ رکن) ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ قال شارحہما ابن امیر حاج ای بحالہ من السنۃ ای بما ہو مشہور فیہ من الکمال السنۃ کالتسبیحۃ فی الركوع والسجود مثلاً وهو تقييد غریب ووجه قریب ولم اقف علی التقييد بكونه قصيراً او طويلاً ای تقييد الرکن ای هل المراد منه قدر رکن طويل بسنتہ کالفعود الاخير والقيام المشتمل عن قراءۃ المسنون او قدر رکن قصر کالركوع والسجود بسنتہ ای قدر ثلاث تسبیحات وبالثانی جزم البرہان المحلی فی شرح المنیۃ حیث قال وذلك مقدار ثلاث تسبیحات ای فافاد ان المراد اقصر رکن وكأنہ لاند الا حوط واللہ اعلم (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص ۲۸ ج ۱)

قعدہ اولیٰ میں تشہد پر زیادۃ موجبہ سجدہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک بقدر رکن، دوسرا بقدر اللہ صلی علیٰ محمد، تیسرا علیٰ آل محمد تک، چوتھا عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ حمید مجید تک، انیس سے قول اول اصل ہے، اور قول ثانی رکن بقدر اٹھارہ حروف کے مطابق ہو اور قول ثالث رکن بقدر تیس حروف کے مطابق، یہ بھی ممکن ہے کہ ادارہ ذلیفہ کو بحکم ادارہ رکن قرار دیا گیا ہو، پھر قول ثانی میں نفس درود اور اس میں اصل متعذر کو ملحوظ رکھا گیا اور قول ثالث میں تابع کو بھی اور قول رابع میں قشبیہ اور دعا برکت کو بھی، یعنی کامل وظیفہ کا لحاظ کیا گیا،

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول ثالث کو ترجیح دی ہے مگر قدر رکن میں قول راجح بیالیس حروف کی بنا پر صلیت علیٰ میں علیٰ کے لام تک تاخیر سے سجدہ واجب ہونا چاہیے، یہ قول ادسح بھی ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اس سے بھی زیادہ وسعت ہے، البتہ قول ثالث ادسط و احوط ہے، لفظ سیدنا کے اضافہ کی صورت میں آل سیدنا محمد میں میم مشددہ میں دوسری میم تک بیالیس حروف ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فاتحہ کا تکرار موجب سجدہ سہو ہے :

سوال : امام نے سورۃ فاتحہ کا بعض یا اکثر حصہ تکرار کر لیا تو سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟
بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ظہیر یہ سے سہواً اکثر سورۃ فاتحہ کے تکرار کو موجب سجدہ سہو قرار دیا ہے (قوله وكذا ترك تكريرها الخ) فلو قرأها في ركعة من الاوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية (رد المحتار ص ۲۹ ج ۱) مگر علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشرح المراتی میں مطلقاً بعض فاتحہ کے تکرار سے سجدہ سہو تحریر فرمایا ہے نوکر الفاتحة وبعضها في احدى الاوليين قبل السورة سجد للسهو (طحاوی ص ۲۲)

در حقیقت تکرار فاتحہ سے سجدہ سہو کے وجوب کی علت تأخیر سورت ہے جیسا کہ شامیہ کی عبارت مذکورہ بالا میں تصریح ہے یہی وجہ ہے کہ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کا تکرار موجب سجدہ سہو نہیں، پس اگر اولین میں سورۃ فاتحہ کا اس قدر تکرار ہوا کہ حروف مکررہ تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے برابر ہو گئے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اسکا حساب لگایا گیا تو ثابت ہوا کہ سبحان ربی الاعلیٰ میں حروف مکررہ چودہ ہیں اور بیالیس مکررہ حروف الدین کی ”ی“ تک پورے ہوتے ہیں، لہذا اس حد تک تکرار موجب سجدہ سہو ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم سنہ ۸۶ھ

قرارت جہریہ میں اخفار و بالعکس سے سجدہ سہو کا حکم :

سوال : امام کے جہری نماز میں سرّاً یا سرّی نماز میں جہراً کتنی قرأت کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بشمول حروف مخدوفہ تیس حروف یا زیادہ پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، الرحمن تک انتیس حروف ہیں، لہذا اس سے آگے ایک حرف بھی پڑ گیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائیگا، قال في التنوير والبحر فيما يخافه فيه وعكسه بقدر ما تجوز به الصلوة في الفضلين (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ محرم سنہ ۸۶ھ

فاتحہ سے ایک حرف بھی چھوٹ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے:

سوال: نماز میں سورہ فاتحہ سے سہواً ایک دو یا تین آیات چھوڑ دیں تو کیا اس پر سجدہ سہو

واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سورہ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی سہواً چھوٹ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے،

قال فی شرح التنویر فی مسائل سہو بترك اكثر من اقلها لكن فی المجتبى يسجد بترك آية منها وهو اول قلته وعليه فكل آية واجبة وقال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وعليه) ای وبناء علی ما فی المجتبى فكل آية واجبة وفيه نظر لان الظاهر ان ما فی المجتبى مبنى علی قول الامام بانها بتمامها واجبة وذكر الآية تمثيلاً لا تعقيداً اذ بترك شيء منها آية او اقل ولو حرفاً لا يكون اتياً بأكملها الا انى هو الواجب كما ان الواجب ضم ثلاث آيات فلو قرأ دونها كان تاركاً للواجب افاده الرحمۃ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رذی الحجہ سنہ ۱۰۹۰ھ

قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا:

سوال: ایک شخص امام کے ساتھ ابتداء نماز سے شریک تھا قعدہ اخیرہ میں جب امام سلام پھیرنے لگا تو اس شخص نے غلطی سے یہ سمجھا کہ اور ایک رکعت باقی ہے جب کھڑا ہو گیا تو یاد آیا کہ نماز پوری ہو گئی اب اس شخص پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سجدہ سے قبل یاد آگیا تو لوٹ آئے، اور سجدہ کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر دو نفل کر لے، دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔ قال فی التنویر وان قعد فی الواعۃ مثلاً قعد الشہد ثم قام عادوسام وان سجد للخامسة سلموا وضم اليها سادسة لتصير الركعتان له نفلاً وسجد للسہو، وقال الشارح فی الصورتين لنقصان فرضه بتأخير السلام في الاولى وتركه في الثانية (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ صفر سنہ ۱۰۸۶ھ

قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا تو لوٹ کر فوراً سجدہ سہو کرے:

سوال: آخری تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا اور پھر یاد آنے پر بیٹھ گیا تو

بیٹھ کر پھر سے تشهد پڑھ کر سجدہ سہو کرے یا کہ بیٹھتے ہی بغیر تشهد کے سجدہ سہو کرے؟ بینوا تو جڑ

الجواب باسم ملہم الصواب

تشہد پہلے پڑھ چکا ہے اس لئے بیٹھ کر دوبارہ تشهد نہ پڑھے بلکہ بیٹھتے ہی سجدہ سہو کرے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۸ھ

قعدہ اخیرہ چھوڑ کر اٹھ گیا :

سوال : فجر کی نماز میں آخری قعدہ نہ کیا تیسری رکعت کے بعد یاد آیا، چار رکعت پوری کر لی اور سجدہ سہو بھی کر لیا تو نماز ہوئی یا نہیں یعنی دو فرض اور دو نفل،

اگر ایسا واقعہ ظہر کی سنتوں میں پیش آجائے اور پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آئے تو چھٹی بھی پوری کرے اور سجدہ سہو بھی کرے تو نماز ہوگی یا نہیں، چار رکعت سنت اور دو نفل، اگر ایسا واقعہ نوافل میں پیش آئے اور تیسری رکعت کے بعد یاد آئے اور چاروں پوری کر لے اور سجدہ سہو بھی کرے تو نماز ہوگی یا نہیں، ان سب نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا؟ بینوا تو جڑ

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نفل یا سنت نماز میں دو رکعت کی نیت باندھی اور قعدہ اخیرہ بھول گیا اور ساتھ دو رکعتیں اور ملا لیں تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے اور چاروں رکعات ہو گئیں مگر تراویح میں دو رکعتیں شمار ہونگی یعنی چار رکعتوں میں سے دو تراویح ہو گئیں اور دو نفل ہوں گی۔

ظہر کی سنتوں میں قعدہ اخیرہ سہو اچھوڑ دیا اور چھ رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی، چار رکعت سنت مؤکدہ اور دو نفل۔

فرضوں کی صورت میں پوری نماز نفل ہو جائے گی اور سجدہ سہو واجب نہیں، قال فی

العلائیۃ ولا یسجد للسہو علی الاصح لان النقصان بالفساد لا ینجبر و فی الشامیۃ (قولہ لان النقصان)

ای الحاصل بترك القعدة لا ینجبر بسجود السہو فان قلت انه وان فسد فرضا فقد صح نفلًا ومن

ترك القعدة فی النفل ساهیًا وجب علیہ سجود السہو فلما ذل المر یجب علیہ نظراً لهذا الوجه قلت

انه فی حال ترك القعدة لم یکن نفلًا انما تحقق النفل بتقید الركعة بسجدة والضم فالنفلية

عارضۃ ط (رد المحتار منہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رزد الحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

تشہد سے قبل سجدہ سہو کر لیا :

سوال : زید پر سجدہ سہو واجب تھا مگر زید نے بلا التحیات کے سجدہ سہو کر لیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں یا اعادہ واجب ہوگا ؟ بینوا توجروا

الجواب باسحرم ملہم الصواب

اگر قصداً ایسا کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر سہواً ہو گیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو سجدہ سہو غیر محل میں ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے لہذا تشہد کے بعد پھر سجدہ سہو کرے، اگر نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور اگر بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد سجدہ سہو کیا لیکن نہ تشہد پڑھا اور نہ سلام پھیرا یونہی سجدہ کر لیا تو نماز صحیح ہو گئی اور وہی سجدہ کافی ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۷ھ

پہلی رکعت پر قعود موجب سجدہ سہو کی مقدار :

سوال : اگر کوئی شخص پہلی یا تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھ جائے تو کتنی مقدار بیٹھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا، ایک عالم فرماتے ہیں کہ تھوڑی سے دیر بیٹھنے سے بھی سجدہ سہو واجب ہے، نیتہ لمصلیٰ کا حوالہ دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسحرم ملہم الصواب

منیہ میں مطلقاً بیٹھنے سے سجدہ سہو کا وجوب مذکور ہے مگر رائج یہ ہے کہ تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کی مقدار بیٹھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا اس سے کم پر نہیں، اس لئے کہ وجوب سجدہ سہو کی وجہ تاخیر قیام ہے، اور تاخیر وہ معتبر ہے جو بقدر اقصر رکعت مع سنتہ ہو، اور وہ رکوع و سجدہ ہر ان کی مسنون تسبیح سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کے حروف مقروہ چودہ ہیں اور تین تسبیحات کے بیالیس، اور تشہد میں اٹھارہ کی "ہ" پر بیالیس حروف مقروہ ہوتے ہیں لہذا اس سے کم پر سجدہ سہو واجب نہیں، فی واجبات الصلوة من الشامیة وکذا القعدة فی آخر الركعة الاولى والثالثة فیجب ترکھا ویلزم من فعلھا ایضاً تأخیر القیام الی الثانیة او الرابعة عن محلہ وهذا اذا كانت القعدة طويلة اما الجلوس الخفيفة التي استحبها الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فترکہ غیر واجب عندنا بل هو الافضل لما سیأتی (رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۱) وفي العلانية ویکبر للنهوض علی صدور قدمیه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس، وفي الشامیة

قال شمس الأئمة الحلواني الخلاف في الأفضل حتى لو فعل كما هو من هبنا لا بأس به عند الشافعي رحمه الله تعالى ولو فعل كما هو من هب لا بأس به عندنا كذا في المحيط اه قال في الحلية والاشبه انه سنة او مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيها لمن ليس به عذرا وتبعه في البحر واليه يشير قولهم لا بأس فانه يغلب فيما تركه اولي، اقول ولا ينافي هذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها تركه قعود قبل ثانية ورابعة لان ذلك محمول على القعود الطويل ولذا اقيدت الجلسة هنا بالخفيفة تأمل (رد المحتار ص ۱۷۴ ج ۱) وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى في حاشيته على البحر (وقدر الكثير ما يؤدى فيه ركن) اي بسنة كما قيده في المنية قال شارحها ابن امير حاج اي بماله من السنة اي بما هو مشهور عن الكمال السني كالسجيات في الركوع والسجود مثلاً وهو تقييد غريب ووجهه قريب ولما وقع على التقييد بكونه قصيراً او طويلاً اه اي تقييد الركن اي هل المراد منه قدر ركن طويل بسنة كالقعود الاخر والقيام المشتمل على قراءة المسنون او قدر ركن قصير كالركوع والسجود بسنة اي قدر ثلاث تسبيحات وبالثاني جزم البرهاني الحلبي في شرح المنية حيث قال وذلك مقدار ثلاث تسبيحات اه فافاد ان المراد اقصى ركن وكأنه لانه الاحوط والله اعلم (منحة الخائف على البحر الرائق ص ۱۷۴ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۴ محرم سنہ ۸۶ھ

وترکی تیسری رکعت میں سورت ملانا بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہے :
سوال : وترکی تیسری رکعت میں الحمد کے بعد سورت نہ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں ، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وترکی ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے لہذا سہو اچھوٹنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہے ، اور عمد اچھوٹری ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے ، فی واجبات الصلوۃ من التنویر وفهم سورة فی الاولیین من الفرض وجميع النفل والوتر (رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۱)

فقط والله تعالى اعلم

۲۴ شعبان سنہ ۸۸ھ

فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھ گیا :

سوال : الحمد کی جگہ التحیات لله والصلوات تک پڑھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے

یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فاتحہ سے قبل تشہد پڑھنے سے فرض قراءت میں تاخیر ہوئی، اور فرض میں تاخیر بقدر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ موجب سجدہ سہو ہے، اس کے مجموعہ حروف مقروہہ بیالیس ہیں اور تشہد میں ایتھا کی ”ہ“ تک بیالیس حروف مقروہہ ہو جاتے ہیں، لہذا سہو ایہا تک پڑھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اس سے کم پر نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غزہ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

تشہد کی جگہ فاتحہ پڑھ لی :

سوال : قعدہ میں بھولے سے التحیات کی جگہ کچھ اور پڑھ دیا، یا الحمد پڑھ لی، تو کیا سجدہ سہو واجب نہیں جیسا کہ ”معلم الدین“ میں لکھا ہے، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر تشہد سے قبل تین بار سبحان ربی الاعلیٰ (مجموعہ حروف مقروہہ بیالیس) کی مقدار سورۃ فاتحہ پڑھ لی تو سجدہ سہو واجب ہوگا، سورۃ فاتحہ میں الدین کی ”ی“ تک بیالیس حروف مقروہہ ہو جاتے ہیں البتہ آخری تشہد کے بعد فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو نہیں، قال فی الہندیۃ واذا فرغ من التشہد قرأ الفاتحة فلا سہو علیہ واذا قرأ الفاتحة مکان التشہد فعلیہ السہو وکذا اذا قرأ الفاتحة ثم التشہد کان علیہ السہو کذا روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الواقعات الناطفیۃ وذكرہنا کذا اذا بدأ فی موضع التشہد بالقراءۃ ثم تشہد فعلیہ السہو ولابد أیاً التشہد ثم بالقراءۃ فلا سہو علیہ (عالمگیریۃ ص ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

نماز مغرب میں قعدہ اخیرہ بھول گیا :

سوال : مغرب کی نماز میں قعدہ اخیرہ بھول گیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر یاد آیا تو واپس قعدہ کی طرف لوٹ کر سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی تو نماز ہوگئی یا نہیں یا پھر سے لوٹانی پڑگی اور صورت مذکورہ میں سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں، مغرب کے فرض نہیں ہوئے بلکہ یہ چار

رکعتیں نفل ہو گئیں اسلئے پانچویں رکعت نہ ملائے البتہ اگر چوتھی رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آجائے تو ٹوٹ کر سجدہ سہو کرنے سے فرض نماز صحیح ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۶ ذی الحجہ سنہ ۸۸ ھ

نماز مغرب میں قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو گیا :

سوال : مغرب کی نماز میں دوسری رکعت سمجھ کر کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا کہ یہ چوتھی رکعت ہے قعدہ میں بیٹھ گیا تو کیا سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر چوتھی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو بیٹھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے، اور اگر چوتھی رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو پانچویں رکعت کا ملنا مستحب ہے آخری دو رکعت نفل ہو جائیگی سجدہ سہو اس صورت میں بھی واجب ہے، قال فی التتویر وان قعد فی الرابعة ثم قام عاد و سلم وان سجد للخامسة سلموا و ضم الیہا سادسة، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اے ندبا علی الاظہر و قیل وجوب اح عن البحر (رد المحتار ص ۱۷۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۹۲ ھ

ترک سلام سے سجدہ سہو واجب ہے :

سوال : زید نے نماز میں سلام ایک طرف یا دونوں طرف نہ پھیرا اور تشہید، درود شریف، دعا پڑھ کر ایسے ہی کھڑا ہو گیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو بلا کراہت یا بکراہت اور کراہت تحریمی یا تنزیہی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوا تو نماز بلا کراہت ہو گئی، اس لئے کہ پہلے سلام سے نماز ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ دوسرا سلام بھی واجب ہے اس لئے قبلہ سے سینہ پھیرنے اور کوئی بات کرنے سے قبل یاد آجائے تو دوسرا سلام پھیر لے، بہتر ہے کہ ٹھیک سلام پھیرے، کھڑے کھڑے پھیر لیا تو بھی واجب ادا ہو گیا مگر خلاف سنت ہوا، اور اگر دونوں طرف سلام نہیں پھیرا اور مسجد سے نکلنے اور بات کرنے سے پہلے یاد آ گیا تو بیٹھ کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے ورنہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، اگر دونوں سلام عمداً

چھوڑ دئے تو سجدہ سہو کافی نہیں اعادہ واجب ہے۔

سلام اول سہواً چھوٹنے کی صورت میں مسجد سے نہ نکلنے کی قید ہے اور سلام ثانی چھوٹنے کی صورت میں قبلہ سے سینہ نہ پھرنے کی، کما فرقوا بین تسلیم من علیہ سجودا لسہو ناسیاً و عامداً، (خارج مسجد کا حکم عنوان "سجدہ سہو بھول گیا" کے تحت ملاحظہ ہو) قال فی العلائق و لفظ السلام مرتین فالشافعی واجب علی الاصح برہان دون علیکم و تنقض قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا و علیہ الشافعیۃ (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱) و فیہا و لونیسی الیسار اقی بہ عالم یستدبر القبلة فی الاصح و تنقطع التحریمة بتسلیم واحدہ برہان و قدمر (رد المحتار ص ۴۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۹ھ

تاخیر سلام موجب سجدہ سہو ہے :

سوال : اگر کسی نے قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود شریف اور دعا پڑھ لی، لیکن سلام پھیرنے اور خروج بصلوٰۃ میں تاخیر کی، کیا ایسے شخص پر سجدہ سہو لازم ہے، بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر مزید دعائیں پڑھتا رہا یا حمد و ثناء وغیرہ ذکر میں مشغول رہا تو سجدہ سہو نہیں خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے، البتہ اگر بقدر تین بار سبحانے مرابی الاعلیٰ عمداً خاموش رہا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور سہواً اتنی دیر خاموش رہا تو سجدہ سہو واجب ہے، قال فی الدرر و سجد للسہو فی الصورتین لنقصان فرضہ بتأخیر السلام فی الاولیٰ و ترکہ فی الثانیۃ،

(رد المحتار ص ۴۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۵ھ

فرض کی تیسری رکعت میں ایک آیت جہراً پڑھ لی :

سوال : تیسری رکعت میں جہراً امام نے الحمد للہ ربّ العالمین تک پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

فرض کی آخری دو رکعتوں میں اخفاء واجب ہے لہذا اسمیں بشمول حروف مخدوفہ تیس حروف یا زیادہ جہراً پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا، تیس حروف الرحیم کی رار مشددہ میں پہلی

رار تک ہوتے ہیں اسلئے صورتِ مسنورہ میں سجدہ سہو نہیں فی واجبات الصلوٰۃ من التنویر
والجہر والاسرار فیما یجہر ویسر، وفي الشامية عن البحر والاسرار یجب علی الامام والمنفرد
فیما یسر فیہ وهو صلوٰۃ الظهر والحصر والثالثة من المغرب والاخریان من العشاء الخ (رد المحتار ج ۳)
وفي سجود السهو من التنویر والجہر فیما یخافت فیہ وعکسہ بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ فی الفصلین،
وفي الشامية والصحيح ظاهر الرواية وهو التقدير بما تجوز به الصلوٰۃ من غير تفرقة (رد المحتار ج ۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ

جمعہ وعید میں سجدہ سہو کا حکم :

سوال : عید کی نماز میں امام صاحب دوسری رکعت میں تیسری تکبیر بھول گئے، تو
اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز عید میں چھ تکبیروں میں سے ہر ایک تکبیر بلکہ دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر بھی
واجب ہے لہذا ان میں سے کسی ایک کا ترک بھی موجب سجدہ سہو ہے مگر جمعہ وعیدین میں
اگر جماعت اتنی کثیر ہو کہ سجدہ سہو کرنے سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہو تو سجدہ سہو معاف ہے
غیر جمعہ وعیدین میں بھی جماعت کثیرہ کا یہی حکم ہے، فی واجبات الصلوٰۃ من العلانیۃ وتکبیرات
العیدین وكذا احدى وتکبیر رکوع رکعة الثانية (رد المحتار ص ۲۳۷ ج ۱) وفيہا والسہو فی صلوٰۃ
العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الاولیین کما فی جمعة البحر
واقرو المصنف وبہ جزم فی الدر وفي الشامية الظاهر ان الجمع الکثیر فیما سواہما کذلک کما بحثہ
بعضہم ط وکذا بحثہ الرحمۃ وقال خصوصاً فی زعمنا وفي جمعة ابی السعود عن العزمیۃ انه لیس المراد
عدم جوازہ بل الاولیٰ ترکہ لئلا یقع الناس فی الفتنة اھ (قوله وبہ جزم فی الدر) لکنہ قید ہ
مخشیہا الوافی بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی التعلیط (رد المحتار ص ۲۳۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ

رکوع میں قنوت پڑھنے سے سجدہ سہو ساقط نہیں ہوتا :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ دعا، قنوت قیام کی حالت میں
بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو رکوع کی حالت میں دعا، قنوت پڑھ لی جائے تو سجدہ سہو

واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر رکوع کے بعد دعا قنوت یاد آجائے تو سجدہ سے پہلے دعا قنوت پڑھ کر بعد میں سجدہ سہو کریں یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر رکوع میں جا کر قنوت یاد آئی تو رکوع یا قومہ میں قنوت نہ پڑھے بلکہ صرف سجدہ سہو پر اکتفا کرے، قال فی التذویر و لونسیہ ثم تذکرہ فی الركوع لا یقنت فیہ ولا یعود الی القیام، فان عاد الیہ وقتہ ولم یعد الركوع لم یفسد صلوٰۃ وسجد للسہو، وفي الشرح قنتہ اولا لزوالة عنہ محلہ (رد المحتار ص ۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۴۹۱ھ

کھانسی وغیرہ کی وجہ سے تاخیر پر سجدہ سہو نہیں :

سوال : اگر نماز میں کھانسی، ہچکی یا چھینک آنے کی وجہ سے تین تسبیح کہنے کی مقدار قرأت سے رک جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور سجدہ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں سجدہ سہو نہیں، نہ ہی نماز کا اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
غرة جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۹۱ھ

تین سجدے کر لئے تو سجدہ سہو واجب ہے :

سوال : ایک رکعت میں بھول کر تین سجدے کر لئے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قعود یا قیام کے فرض میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے، قال الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ ویجب بتکرار الرکن نحو ان یرکع مرتین او یسجد ثلاثہ مرات (غنیۃ ص ۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۹۱ھ

سجدہ سہو سے قبل وبعد درود احوط ہے :
سوال : مصلیٰ کے ذمہ سجدہ سہو واجب ہو تو صرف، التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے یا کچھ زیادہ درود شریف سے بھی پڑھے؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

خواہ درود شریف پڑھ کر سجدہ سہو کرے یا پہلے، دونوں طرح درست ہے، بہتر یہ ہے کہ سجدہ سہو سے قبل بھی درود پڑھے اور بعد بھی، قال فی الخانیۃ ومن علیہ السہو یصلی علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی القعدۃ الاولیٰ فی قول ابی حنیفۃ والی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وفی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی القعدۃ الثانیۃ والاحوط ان یصلی فی القعدتین (خانیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۱۲۱) وفی الہندیۃ ویأتی بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء فی قعدۃ السہو ہوا لصحیح وقیل یأتی بہما فی القعدۃ الاولیٰ کذا فی التبین والاحوط ان ینزل فی القعدتین کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریۃ ص ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۲ شعبان سنہ ۹۴ھ

بدوں سلام سجدہ سہو مکروہ تنزیہی ہے :
سوال : زید نے بھول کر بغیر سلام کے سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

نماز ہوگئی عہداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، قال فی شرح التنویر ولو سجد قبل السلام جازوکرہ تنزیہاً، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ہو ظاہر الروایۃ وفی المحيط وروی عن اصحابنا انه لا یجزیہ ویعیدہ بحر (رد المحتار ص ۶۹۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ھ

قعدہ اولیٰ بھول گیا :

سوال : اگر امام ظہر کی نماز میں قعدہ اولیٰ بھول جائے پھر لقمہ لینے کے بعد بیٹھ جائے تو کیا سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر گھٹنے سیدھے ہونے سے قبل لوٹ آئے تو سجدہ سہو واجب نہیں، گھٹنے سیدھے

ہو گئے تو قعدہ کی طرف لوٹنا جائز نہیں، سجدہ سہو واجب ہے، اگر بوجہ جہالت گھٹنے سیدھے ہونے کے بعد لوٹ آیا تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں اور امام پر واجب ہے کہ قعدہ چھوڑ کر کھڑا ہو جائے، اگر کھڑا نہ ہوا اور تشہد پڑھ کر اٹھا تو بھی نماز ہو جائے گی مگر سجدہ سہو اس صورت میں بھی واجب ہوگا، قال فی التنویر سہا عن القعود الاول من الفرض ثم تذکرہ عادالیہ ما لم یستقم قائماً والا لا وسجد للسہو فلو عاد الى القعود تفسد صلوٰۃ وقیل لا وهو الاشہد وفي العلائق لا تفسد لکنہ یكون مسیئاً ویسجد لتأخیر الواجب وهو الاشہد كما حققہ الکمال وهو الحق بجر، وفي الشامیۃ یعنی اذا عاد قبل ان یستقم قائماً وكان الى القعود اقرب فانه لا یسجد علیہ فی الاصح وعلیہ اکثر واختار فی الوالوجیۃ وجوب السجود وما اذا عاد وهو الى القيام اقرب فعلیہ سجود السہو كما فی نور الایضاح ۳ وشرحہ بلا حکایۃ خلاف فیہ وصح اعتبار ذلك فی الفتح بما فی کافی ان استوی النصف الاسفل وظہرہ بعد منحن فهو اقرب الى القيام وان لم یستوفھو اقرب الى القعود (قولہ لکنہ یكون مسیئاً) ای و یا تم كما فی الفتح فلو كان اماماً لا یعود معہ القوم تحقیقاً للمخالفة ویلزمہ القيام للمحالہ شرح المنیۃ عن القنیۃ (رد المحتار) ۶۹۶ عود بعد انقیام کی صورت میں نماز کے اعادہ کا صریح حکم نہیں ملا مگر کلیہ کا مقتضی یہ ہے کہ نماز واجب الاعادہ ہے لان عدم العود واجب وتوکرہ عمد۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شعبان سنہ ۱۲۹۴ھ

بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے تشہد کی بجائے قرات شروع کر دی:

سوال: کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو بھول کر قعدہ میں تشہد کی بجائے الحمد شروع کر دی، بعد میں یاد آگیا تو کیا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسہم ملہم الصواب

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قرات بحکم قیام ہے اسلئے اگر نفل میں یہ صورت پیش آئی خواہ دوسری رکعت کے بعد ہو یا چوتھی کے بعد بہر کیف قرات چھوڑ کر تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کرے اور اگر بوجہ مرض فرض بیٹھ کر پڑھ رہا تھا تو قعدہ ادلی میں تشہد کی طرف نہ لوٹے اور قعدہ اخیرہ میں لوٹ آئے دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے، اگر ہاتھ باندھ لئے ہوں مگر ابھی قرات شروع نہ کی ہو تو یہ بحکم قیام نہیں لہذا ہاتھ چھوڑ کر تشہد پڑھے سجدہ سہو واجب نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم ان حالۃ القراءة تنوب عن القيام فی

مریض یصلی بالایمان حتی لو ظن فی حالہ التّشہد الاولیٰ أنّھا حالۃ القیام فقرأ ثمّ تذکّر لا یعود الی التّشہد کما فی البحر عن الولو الجیمۃ (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) وفی الخانیۃ رجل صلی أربع رکعات جالساً فلما قعد فی الرکعة الرابعۃ منها قرأ و رکع قبلہ ان یتشہد قال ہو بمنزلۃ القیام ویضی ولو کان حین رفع رأسہ من السجدة الثانیۃ فی الرکعة الثانیۃ نوى القیام ولم یقرأ ثم علم قال یعود یتشہد لانہ بمجرد النیۃ لا یصیر قائماً (خانیۃ علی هامش الہندیۃ ص ۱۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

نابالغ نے سجدہ سہو چھوڑ دیا :

سوال : نابالغ کو نماز میں سجدہ سہو واجب ہو جائے اور یہ نہ کرے تو اسکی نماز صحیح ہوئی یا نہیں، بتینواتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

بالغ کی طرح نابالغ کی نماز بھی ناقص ہوئی، البتہ بالغ پر ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے نابالغ پر اعادہ واجب نہیں، مگر سات برس کا ہو تو اسکے ولی پر واجب ہے کہ اس کو اعادہ کا حکم دے اور دس برس کا ہو تو مار کر اعادہ کرائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۱۴۰۵ھ

ترک قعدہ کے بعد فوراً عود میں وجوب سجدہ سہو کی وجہ :

سوال : اگر سہواً دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور تیسری کے لئے کھڑا ہو گیا ہو یا صرف گھٹنے سیدھے ہو گئے ہوں اور پھر قعدہ کی طرف واپس آ گیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے؟ حالانکہ اس میں تین بار سبحانہ رجب الاعلیٰ کی مقدار تاخیر نہیں ہوئی، اسکی کیا وجہ ہے؟ بتینواتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

تاخیر بقدر رکن بطریق مسنون موجب سجدہ سہو ہونے کا قاعدہ اس وقت ہے جبکہ خود کوئی رکن نہ ادا کیا ہو، صورت مسئلہ میں قیام خود رکن ہے، لہذا قیام کی طرف انتقال ہی موجب سجدہ ہے اگرچہ بقدر تین تسبیح تاخیر نہ پائی جائے، غالباً اسی بنا پر صاحب منیہ نے پہلی اور تیسری رکعت پر مجرد جلوس کو موجب سجدہ قرار دیا ہے مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف وجوب سجدہ کے لئے جلوس طویل کی شرط لگائی ہے اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سجدہ سے قیام

کی طرف انتقال میں غیر اختیاری طور پر لازماً قعود ہوتا ہے اور بوقت عذر جلسہ استراحت کی صورت میں تو قصداً قعود ہے لہذا اولیٰ اور ثالث پر سہواً قعود سے کسی جدید رکن کی طرف انتقال نہیں پایا گیا، اسلئے یہاں مجرد جلوس موجب سجدہ نہیں بلکہ تاخیر بقدر رکن سے سجدہ واجب ہوگا۔

تنبیہ : سہواً تیسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو گیا یا گھٹنے سیدھے ہو گئے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو پھر فوراً کھڑا ہو جائے، اگر فوراً دوبارہ کھڑا نہ ہوا بلکہ تشہد پڑھنے کے بعد اٹھا تو بھی نماز ہو جائیگی، سجدہ سہو دونوں صورتوں میں واجب ہے، اگر جہالت سے امام بیٹھ جائے تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں، قال فی العلائقہ فلو عاد الی القعود بعد ذلک تفسد صلوٰۃ لرفض الفرض لما لیس بفرض وصحیحہ الزیلعی وقیل لا تفسد لکنہ یكون مسیئاً ویسجد لتأخیر الواجب وهو الاشبہ كما حققہ الکمال وهو الحق بجر، وفي الشامیہ (قوله لکنہ یكون مسیئاً) ای ویأثم کما فی الفتح فلو کان اماماً لا یعود معہ القوم تحقیقاً للتحاق ویلزمہ القيام للحال شرح المنیۃ عن القنیۃ (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ سنہ ۱۲۹۸ھ

ایک سجدہ بھول گیا :

سوال : اگر نماز میں دوسرا سجدہ بھول گیا اور دوسری رکعت میں تین سجدے کر لئے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بیٹھا تو جروا

الجواب باسمہم الصواب

اس صورت میں بھی نماز ہو گئی مگر بہتر یہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً سجدہ کر لے جس رکن میں یاد آنے پر سجدہ کیا اس رکن کا اعادہ مستحب ہے، البتہ قعدہ اخیرہ کے درمیان یا اس کے بعد سجدہ کیا تو تشہد کا اعادہ واجب ہے، سجدہ سہو بہر صورت واجب ہے، اگر سلام پھیرنے کے بعد مسجد سے نکلنے سے قبل یاد آ گیا تو فوراً سجدہ کرے پھر تشہد دوبارہ پڑھ کر سجدہ سہو کرے اس کے بعد پھر حسب قاعدہ تشہد، درود شریف اور دعا، پڑھ کر سلام پھیرے، قال فی التتویر فی اخر باب الاستخلاف ولو تذکر فی رکوعہ او سجودہ سجدۃ فیسجدھا اعادہ ماندا، وفي الشامیۃ (قوله فیسجدھا) افاد ان سجودھا عقب التذکر غیر واجب لما فی البحر عن الفتح لہ ان یقضى السجدة المستروكة عقب التذکر وله ان يؤخرھا الی آخر الصلوۃ فی قضیہا ہناک ام (رد المحتار ص ۵۳ ج ۱)

و فی واجبات الصلوۃ نہا تحت (قوله كالسجدة) قال فی شرح المنیۃ حتی لو ترك سجدة من رکعة ثم تذکرہا فیما بعدہا من قیام او رکوع او سجود فانه یقضیہا ولا یقضی ما فعلہ قبل قضائہا مما هو بعد رکعتہا من قیام او رکوع او سجود بل یلزمہ سجود السہو فقط لکن اختلف فی لزوم قضاء ما تذکرہا فقضاہا فیہ کما لو تذکرہا و هو راكع او ساجد انه لم یسجد فی الركعة التي قبلها فانه یسجدہا وھل یعيد الركوع او السجود المتذکر فیہ ففی الہدایۃ انه لا تجب اعادۃ بل تستحب معللا بان الترتیب لیس بفرض بین ما یتکرر من الافعال و فی الخانیۃ انه یعیدہ والا فسدت صلاتہ (الی قوله) والمعتمد ما فی الہدایۃ فقد جزم بہ فی الكنز وغیرہ فی آخر باب الاستخلاف وصرح فی البحر بضعف ما فی الخانیۃ ہذا والتقیید بالترتیب بینہا و بین ما بعدہا للاحتراز عما قبلہا من رکعتہا فانه الترتیب بین الركوع والسجود من رکعة واحدة شرط کما مر نیہ علیہ فی الفتح، و فی شرح التنویر لو نسی سجدة من الاولى قضاہا ولو بعد السلام قبل الکلام لکن یتشهد ثم یسجد للسہو ثم یتشهد لانه یبطل بالعود الی الصلویۃ والتلاویۃ اما السہویۃ فترفع الشہد لا القعدة (رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۱) و فی سجود السہو منه ولو نسی السہو وسجد صلیبۃ او تلاویۃ یلزمہ ذلك مادام فی المسجد (رد المحتار ج ۴ ص ۱۶) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۱۶ صفر سنہ ۹۷ھ

سجدہ سہو بھول گیا :

سوال : منفرد اگر سجدہ سہو کرنا بھول جائے اور دعائے تک پڑھ جائے لیکن سلام ابھی نہ پھیرا ہو تو کس ترکیب سے سجدہ سہو ادا کرے اور کیا بعد سجدہ سہو کے درود و دعائے پھر سے پڑھ کر سلام پھیرے ؟ اور اگر سلام بھی پھیر دیا ہے تو کیا کرے ؟ بدینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ سہو کے بعد تشهد، درود اور دعاء دوبارہ پڑھ کر سلام پھیرے، اگر سلام کے بعد سجدہ سہو یاد آیا مگر ابھی مسجد سے نہیں نکلا اور کوئی بات نہیں کی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مسجد سے نکل گیا یا بات کر لی تو نماز کا اعادہ کرے، اگر خارج مسجد میدان میں جماعت کے ساتھ ہو تو یہ شرط ہے کہ صفوف سے تجاوز نہ کیا ہو اور اکیلا ہو تو چاروں طرف بقدر موضع سجود سے نہ نکلا ہو، اگر ۸۹ ر ۳۳ مربع میٹر سے چھوٹے کمرے یا اس سے چھوٹے صحن میں ہو تو اس سے باہر

نہ گیا ہو، ۳۳۲/۸۹ مربع میٹر یا اس سے بڑا کمرہ اور صحن بحکم صحرا رہے، قال فی العلائق ولو نسى السهو وسجدة صلیبیه او تلاویۃ یلزمہ ذلك ما دام فی المسجد، وفي الشامیۃ اعم و ان تحول عن القبلة استحسننا لان المسجد كله فی حکم مكان واحد ولذا صحت الاقتداء فیہ وان كان بينهما فرجة واما اذا كان فی الصحراء فانه تذکر قبل ان یجاوز الصفوف من خلفه او یمنه او یساره عاد الی قضاء ما علیہ لان ذلك الموضع ملحق بالمسجد وان مشی امامه فالاصح موضع سجوده او سترته ان کانت له سترة بین یدیه کما فی البدائع والفتح (رد المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شعبان سنہ ۱۲۹۷ھ

امام نے سلام کے بعد پانچویں رکعت پڑھ لی :

سوال : مسجد میں نماز عصر ہو رہی تھی جماعت سے، امام آخری قعدے میں بیٹھا پیچھے سے ایک مقتدی نے لقمہ دیا اللہ اکبر، جبکہ وہ چوتھی ہی رکعت تھی، امام نے ایک طرف سلام پھیرا تو اسی مقتدی نے دوبارہ اللہ اکبر کہا اب امام کو شک ہو گیا اور وہ پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت پر امام نے سجدہ سہو کیا اور سلام پھیرا کیا ایسی صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز ہو گئی یا دوبارہ پڑھیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

امام اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گئی، البتہ مسبوق کی نماز نہیں ہوئی للاقتداء فی موضع الانفراد، اگر مسبوق امام کی پانچویں رکعت میں اسکی اقتدار نہ کرتا بلکہ امام سے الگ ہو کر اپنی گئی ہوئی نماز پوری کرتا تو اسکی نماز بھی صحیح ہو جاتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رجب سنہ ۱۲۹۸ھ

قنوت کی بجائے فاتحہ یا تشہد پڑھ گیا :

سوال : دُوروں میں دعا قنوت کی جگہ الحمد شریف یا التحیات سہواً پڑھ گیا تو کیا سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں یا اگر دعا قنوت کی جگہ الحمد شریف پڑھایا التحیات، یاد آنے پر دعا قنوت پڑھا تو پھر بھی سجدہ سہو واجب ہو گیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

ان دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب نہیں اسلئے کہ وتر کی آخری رکعت میں کوئی

بھی دعا پڑھ لینے سے واجب ادا ہو جاتا ہے البتہ معہود دعا مسنون ہے اور دعا مسنون کے ساتھ مزید کوئی دعا ملا لینا افضل ہے، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ دلوقرأ غیرہ جاز و لوقرأ معہ غیرہ کان حسناً (البحر الرائق ص ۲۲ ج ۲) حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل وغیرہ بھی دعا ہی فان الشناء علی الکریم دعاء ہے

اذا ذکر حاجتی ام قد کفانی ثناؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنی علیک المرء یوما کفاه من تعرضک الشناء

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ شعبان سنہ ۹۸ھ

ترک سجدہ سہو سے نماز واجب الاعدادہ ہے :

سوال : حافظ صاحب تراویح کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھے سیدھے کھڑے ہو گئے لقمہ ملنے پر فوراً بیٹھ گئے اور سجدہ سہو نہ کیا تو نماز تمام نہو گی یا واجب الاعدادہ ہو گی ؟ اگر نماز واجب الاعدادہ ہے تو ان دو تراویح کو دوبارہ ادا کرتے وقت قرآن مجید بھی دوبارہ پڑھے یا چھوٹی سورتوں سے دو تراویح ادا کرے شرعاً کیا حکم ہے ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ دو رکعتیں واجب الاعدادہ ہیں ان میں پڑھا ہوا قرآن بھی لوٹایا جائے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال سنہ ۹۸ھ

سکوت بقدر تین تسبیح موجب سجدہ سہو ہے :

سوال : تراویح میں حافظ الحمد کے بعد یا درمیان میں پڑھتے پڑھتے خاموش ہو گیا اور یاد آنے میں تین تسبیح کی مقدار خاموش رہا تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار خاموش رہا تو سجدہ سہو واجب ہوگا ورنہ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال سنہ ۹۸ھ

نماز کے بعد شک غیر معتبر ہے :

سوال : نماز پوری کرنے کے بعد اگر شبہ ہو گیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو اعادہ کرے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اعادہ نہ کرے نماز ہو گئی ، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یصلی بعد صلوٰۃ مفروضة مثلها فی القراءة او الجماعة او لا تعاد عند توهم الفساد للنهی (رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۱) وفي الشامية عن الفتح لو شك بعد الفراغ منها او بعد ما قعد قد رالتشهد لا يعتبر (رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۹ھ

تشہد سے ایک لفظ بھی چھوٹ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے :

سوال : اگر تشہد سے کچھ حصہ رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

تشہد پورا واجب ہے ، اس میں سے ایک لفظ بھی رہ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے قال فی الدر فی واجبات الصلوٰۃ والتشهد ان ویسجد للسہو بترك بعضه ككلمة الحمد وفي الشامية (قوله والتشهدان) ای تشهد القعدة الاولى وتشهد الاخيرة والتشهد المروي عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجب بل هو افضل من المروي عن ابن عباس وغيره رضی اللہ تعالیٰ عنہم (قوله بترك بعضه ككلمة) قال فی البحر من باب سجود السہو فانه یجب سجود السہو بتركه ولو قليلاً فی ظاہر الروایة لانه ذكر واحد منظوم فترك بعضه كترك كلمة (رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۰ھ

سورہ فاتحہ بھول گیا :

سوال : نمازیں فاتحہ پڑھنا بھول گیا تو یاد آنے پر سورہ فاتحہ اور سورت کا

دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز سجدہ سہو بھی ضروری ہے یا نہیں؟ تفصیل

سے آگاہ فرمائیں ، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سجدہ سے قبل سورہ فاتحہ کا ترک یاد آ گیا تو فوراً سورہ فاتحہ پڑھ کر دوبارہ دوسری سورت پڑھے کیونکہ فاتحہ اور سورت میں ترتیب واجب ہے، اس کے بعد رکوع دوبارہ کرے اور سجدہ سہو کرے، قال فی الدر ثمر انما يتحقق الترتيب بالسجود فلو تنكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد ثم عاد الركوع الا انه في تنكر الفاتحة يعيد السورة ايضاً، وقال السيد احمد الطحاوي رحمه الله تعالى في حاشيته على الدر (قوله يعيد السورة) اي لاجل الترتيب بينهما وفي البحر عن المحيط لو ترك السورة فذكرها قبل السجود عاد وقرأها وكذا لو ترك الفاتحة فذكرها قبل السجود ويعيد السورة لانها تقع فرضاً بالقراءة بخلاف ما لو تنكر القنوت في الركوع فانه لا يعود ومتى عاد في الكل فانه يعيد ركوعه لا ارتفاعه وفي الخلاصة ويسجد للسہو فيما اذا عاد ولم يعد الى القراءة (قوله ايضاً) اي كما يعيد الركوع (طحاوي ص ۳۱ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۱۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

سورت کے بعد تکرار فاتحہ موجب سجدہ سہو نہیں ؛
سوال : حافظ نے نماز تراویح میں سجدہ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھ لی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ سہو واجب نہیں، اس لئے کہ فاتحہ کا تکرار ضم سورت کے بعد ہوا ہے، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی واجبات الصلوة وكذا ترك تكريرها قبل سورة الاوليين، وفي الشامية فلو قرأها في ركعة من الاوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة (الى قوله) اما لو قرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا يجب كما في الخاتمة واختاره في المحيط والظاهرية والخلاصة وصححه الزاهدی لعدم لزوم التأخير لان الركوع ليس واجبا باثر السورة فانه لو جمع بين سور بعد الفاتحة لا يجب عليه شيء، وكذا في البحر (رد المحتار ص ۴۲ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۱ شوال سنہ ۱۴۰۰ھ

فرض کی تیسری رکعت میں تکرار فاتحہ سے سجدہ سہو نہیں ؛
سوال : اگر فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھ گیا تو

سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ سہو واجب نہیں، فی واجبات الصلوۃ من العلائیۃ وكذا ترك تكريرها قبل سورة الاولیین، وفي الشامية قال فی شرح المنیۃ قید بالاولیین لان الاقتصار علی مرقۃ فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزم سجود السہو بتکرار الفاتحۃ فیہما سہوا ولو تعدد لا یکرہ الخ (رد المحتار ص ۲۹ ج ۱)

۲۲ شوال سنہ ۱۴۰۰ھ

فرض کی تیسری رکعت میں سورت ملانے سے سجدہ سہو نہیں:

سوال: فرض نماز مغرب میں تیسری رکعت میں نماز وتر کی طرح الحمد کے ساتھ سورت ملانا چاہیے یا نہیں؟ اگر غلطی کمالی تو سجدہ سہو واجب یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

سب فرائض میں یکساں حکم ہے یعنی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا واجب ہے بعد والی میں واجب نہیں جائز ہے نہ ملانا بہتر ہے، اگر سورت ملالی تو سجدہ سہو واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

رکوع بھول گیا:

سوال: رکوع کرنا بھول گیا، سجدہ میں یاد آیا تو فوراً رکوع کر کے دوسرا سجدہ کر لیا تو سجدہ سہو سے نماز ہوگئی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

رکوع و سجود میں ترتیب فرض ہے، اس لئے پہلا سجدہ نہیں ہوا، رکوع کے بعد دو سجدہ فرض تھے، آپ نے ایک کیا ہے، اس لئے نماز نہیں ہوئی، قال فی العلائیۃ وبقی من الفروض تمیز المفروض و ترتیب القیام علی الركوع والركوع علی السجود، وفي الشامية (قوله و ترتیب القیام علی الركوع الخ) ای تقدیمہ علیہ (الی قولہ) حتی لو سجد ثم رکع فان سجد ثانیاً صحت لما قلنا (رد المحتار، ص ۲۱۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ شعبان ۱۴۰۱ھ

باب صلوٰۃ المریض

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا :

سوال : زید رئیس آدمی ہے ایک پاؤں سے معذور ہے بیٹھ کر جماعت سے نماز ادا نہیں کرتا، احقر نے ایک دن جمعہ کو جماعت سے نماز پڑھتے اس طرح دیکھا کہ ایک کرسی سجدہ کی جگہ رکھی اور ایک کرسی پر بیٹھا جماعت کے بیچ میں، تو طریقہ مذکورہ سے نماز ہوئی یا نہیں، شرعاً یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری کرسی پر سجدہ کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ سجدہ کے وقت گھٹنے بھی کرسی پر رکھے، معہذا ایسا کرنا گناہ ہے، زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہیے، اور اگر بوقت سجدہ گھٹنے کرسی پر نہ رکھے تو یہ نماز واجب الاعادہ ہے، معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کی بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی قدرت ہو تو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غرہ شعبان سنہ ۱۴۸۸ھ

بیہوشی میں فوت شدہ نمازوں کا حکم :

سوال : آپریشن کے لئے مریض کو بیہوش کیا جاتا ہے تو کیا بیہوشی کی حالت میں اس کی جو نمازیں قضا ہوں گی ان کی قضا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیہوشی ایک دن رات یا اس سے کم رہی تو اس وقت کی نمازیں قضا کی جائیں گی، اور اگر چھٹی نماز کا وقت بھی بیہوشی کی حالت میں گزر جائے تو اس صورت میں اختلاف ہے اس لئے قضا کر لینا بہتر ہے، یہ حکم اپنے اختیار سے بیہوش کرنے کا ہے، قدرتی بیہوشی میں اگر پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو گئیں تو بالاتفاق ان نمازوں کی قضا معاف ہے، قال فی التنویر ومن جتہ او غمی علیہ یوماً ولیلۃً قضی الخمس وان زاد وقتہ صلوٰۃ لا، زالے عقلا بینہم او خمر لزمہ القضاء وان طالت وفي الشرح لانه یصنع العباد کالنوم وفي الشامیۃ اے و سقوط القضاء عرفہ بالا ثراذ احصلہ بأفۃ سماویۃ فلا یقاس علیہ ما حصلہ بفعلہ وعند

محمد بسقط القضاء بالبنج والدواء لانه صياح فصار كالمرضى كما في البحر وغيره والظاهر ان عطف الدواء على البنج عطف تفسير وان المراد شرب البنج لاجل الدواء اما لو شربه للسكر فيكون معصية بصنع كالحمر (رد المحتار ص ۱۷۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۱۲۹۵ھ

مریض کے لئے استقبال قبلہ کا حکم :

سوال : آپریشن کے بعد کچھ وقت مطلقاً اس کے بعد کچھ روز تک حرکت کرنے کو ڈاکٹر منع کرتے ہیں ایسی صورت میں نماز اگر لیٹ کر اشاروں سے یا بیٹھ کر پڑھی جائے اور چارپائی کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو کیا جس طرف بھی رخ ہو نماز پڑھ لی جائے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اگر ہسپتال کا عملہ اس میں تعاون نہ کرے تو اس وقت جیسے بھی ہو سکے نماز پڑھ لی جائے مگر بعد میں قضا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم سنہ ۱۲۹۵ھ

جماعت میں قیام کی قدرت نہ ہو تو تنہا نماز پڑھے :

سوال : زید ضعیف یا مریض کی وجہ سے اگر مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو امام کے ساتھ اتنی دیر قیام نہیں کر سکتا، اس صورت میں بیٹھ کر جماعت سے نماز پڑھے یا کہ جماعت ترک کر دے اور گھر ہی میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت سنت مؤکدہ یا واجب ہے اور قیام فرض ہے، اس لئے جماعت میں شامل ہونے کی غرض سے ترک قیام جائز نہیں، بیٹھ کر نماز نہ ہوگی، گھر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے، ممکن ہو تو گھر میں جماعت کر لے، قال فی العلائقہ ولو اضعف عن القیام الخروج للجماعة صلی فی بیتہ قائماً، یہ یفتی خلافاً لاشباہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الخروج للجماعة) ای فی المسجد وهو محمول علی ما اذا لم تنیسر له الجماعة فی بیتہ افاده ابو السعود (قوله بہ یفتی) وجہ ان القیام فرض بخلاف الجماعة وبہ قال مالک والشافعی خلافاً لحمد بناءً علی ان الجماعة فرض عندہ (رد المحتار ص ۱۷۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رمضان سنہ ۱۲۹۸ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مریض منفرداً کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو مگر جماعت کے ساتھ قیام پر قادر نہ ہو تو گھر ہی میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے، امام کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، مگر فیض الباری ص ۲۳ ج ۲ میں ہے کہ باجماعت بیٹھ کر افضل ہے، اس پر نظر ثانی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ امام کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھے، دوسرا یہ کہ امام کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز شروع کرے پھر بیٹھ جائے پھر بوقت رکوع قیام کی قدرت ہو تو کھڑا ہو کر رکوع کرے، تیسرا قول یہ کہ گھر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے امام کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، یہ قول مفتی، ہونے کے علاوہ احوط بھی ہے۔ قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو اضعف عن القيام الخروج لجماعة صلى في بيته قائماً به يفتي خلافاً للشباب، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قوله وبه يفتي، وجه ان القيام فرض بخلاف الجماعة وبه قال مالك والشافعي رحمهما اللہ تعالیٰ خلافاً لاحمد رحمہ اللہ تعالیٰ بناءً على ان الجماعة فرض عندك وقيل يصلي مع الامام قاعداً عندنا لانه عاجز اذ ذاك ذكره في المحيط وصححه الزاهدی شرح المنية وثمة قول ثالث مشي عليه في المنية وهو انه يشرع مع الامام قائماً ثم يقعد فاذا جاء وقت الركوع يقوم ويركع. ای ان قدر ما مشي عليه الشارح تبعاً للآمر جعله في الخلاصة اصح وبه يفتي قال في الحلیۃ ولعلہ اشبه لان القيام فرض فلا يجوز تركه للجماعة التي هي سنة بل يعد هذا عذراً في تركها اه وتبعه في البحر (رد المحتار ص ۱۷۴ ج ۱) وقال ابن نجيم رحمہ اللہ تعالیٰ والاشبه ما صححه في الخلاصة لان القيام فرض فلا يجوز تركه لاجل الجماعة التي هي سنة بل يعد هذا عذراً في تركها (البحر الرائق ص ۱۷۴ ج ۱) شامیہ اور بحر کی عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ صاحب بحر کو اس مسئلہ میں تردد نہیں بلکہ وہ عدم جواز کے قائل ہیں، فیض الباری حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف نہیں بلکہ امالی کا مجموعہ ہے اس کے کئی مواضع میں لکھنے والوں سے بہت اختلاط ہوا ہے، اس لئے اہل مآخذ کی طرف رجوع کئے بغیر فیض الباری پر اعتماد صحیح نہیں، مسئلہ زیر نظر میں صاحب بحر کی طرف تردد کی نسبت غلط ہونے کے علاوہ افضلیت میں اختلاف کی نسبت بھی غلط ہے صحیح یہ ہے کہ افضلیت میں نہیں بلکہ نماز کی صحت میں اختلاف ہے، حدیث سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ان مریضوں کو گھر میں بھی قیام پر قدرت نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، بحری (مزید تحقیق تتمہ میں ہے)

معدور تنہا طہارت سے نماز پڑھ سکتا ہو تو جماعت ترک کر دے :

سوال : ایک شخص ریح کا مریض ہے، اگر تنہا نماز پڑھے تو با وضو پڑھ سکتا ہے مگر جماعت کے ساتھ با وضو نماز مکمل نہیں کر پاتا، اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھے اور معدور ہونے کی وجہ سے اسکی نماز صحیح ہوگی یا کہ با وضو تنہا نماز پڑھا کرے، بیتنا تو جوا

الجواب باسمہم الصواب

یہ شخص شرعاً معدور نہیں، جماعت کے ساتھ بے وضو نماز پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ اس پر لازم ہے کہ گھر ہی میں تنہا نماز پڑھا کرے، بلکہ بوقت مجبوری نماز کی سنتیں اور واجبات وغیرہ بھی ترک کر دے صرف فرائض پر اکتفا کرے، قال فی العلانیۃ یجب رد عذرہ او تقلیدہ بقدر قدرۃ ولو بصلاۃ مؤمیاء بردہ لا یبقی ذاعذرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی البحر ومتی قدر المعدور علی رد السیلان بریاط او حشوا وکانہ لو جلس لا یسئل و لو قام سال وجبہ زدہ و خرج بردہ عنہ انہ یکون صاحب عذر و یجب انہ یصلی جالساً یا یماء انہ سال بالمیلان لان ترک السجود اھون من الصلوٰۃ مع الحدیث ھ (رد المحتار ص ۲۸ ج ۱) وقال ایضاً تحت (قوله ولو حکماً) قال الحموی ثم هل یشرط انہ لا یمکن (الوضوء والصلوٰۃ) مع سننہما او الاقتصار علی فرضہما؟ یراجع ھ اقوال الظاہر الثانی، تأمل (رد المحتار ص ۲۸ ج ۱)

قلت و یؤید الثانی ما مر عن البحر ان ترک السجود اھون من الصلوٰۃ مع الحدیث،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رمضان سنہ ۱۴۰۸ھ

سجدہ سے عاجز کا حکم :

سوال : میرے والد صاحب بیمار ہیں ان کی ہڈیوں میں کمر میں اور گھٹنوں میں درد رہتا ہے سینہ میں بھی تکلیف ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح طریقہ پر رکوع و سجود نہیں کر سکتے گزشتہ کئی ماہ سے وہ نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں رکوع و سجود میں جتنا جھک سکتے ہیں اتنا جھک جاتے ہیں زیادہ جھکنے پر تکلیف ہوتی ہے کچھ احباب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ سجدہ بغیر کسی سخت چیز پر پیشانی رکھے نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ایک تپائی بنوانی چاہیے اگر پیشانی فرش پر نہیں رکھی جاسکتی ہے تو اس تپائی پر رکھنی چاہیے وگرنہ نماز صحیح نہ ہوگی ازراہ کرم شرعی حکم تحریر فرمائیں، جزاکم اللہ تعالیٰ

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سر اتنا جھکایا جاسکتا ہو کہ زمین تک ایک بالشت یا اس سے کم فاصلہ رہ جائے تو کسی اینٹ یا تپائی وغیرہ پر سجدہ کرنا لازم ہے، اشارہ سے نماز نہ ہوگی بشرطیکہ ایسی کوئی چیز میسر ہو، اگر ایسی کوئی چیز موجود نہیں یا سر اتنا نہیں جھک سکتا تو اشارہ سے نماز درست ہے،
نقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ شعبان سنہ ۹۹ ھ

سجدہ سے عاجز پر قیام فرض نہیں :

سوال : ایک شخص کی آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے، ڈاکٹر نے نماز میں رکوع و سجدہ سے منع کیا ہے، یہ شخص بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھتا ہے، حالانکہ کھڑا ہو سکتا ہے، اور اس سے کوئی ممانعت بھی ڈاکٹر کی طرف سے نہیں، کیا بیٹھ کر اس کی نماز صحیح ہے؟
بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جو شخص سجدہ پر قادر نہ ہو اس سے قیام کا فرض ساقط ہے اس کو اختیار ہے خواہ حالت قیام ہی میں سجدہ کے لئے اشارہ کرے یا رکوع کے بعد بیٹھ کر اشارہ کرے یا ابتداء ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھے، آخری صورت افضل ہے، پھر درمیانی پھر پہلی، قال فی شرح التنویر (وائے تعذرا) لیسے تعذرہما شرط بل تعذر السجود کاف لا القیام (او ما قاعدا) وهو افضل من الایماء قائما لقربہ من الارض، وفي الشامیة (قوله بل تعذر السجود کاف) نقاہ فی البحر عن البدائم وغیرہا وفي الذخیرۃ رجل بحلقۃ خراج ان سجد سالک وهو قادر علی الركوع والقیام والقراءة یصلی قاعدا یومی ولوصلی قائما برکوع وقعدا واما بالسجود اجزاء والاوّل افضل لانّ القیام والركوع لہ لیسرعا قرۃ بنفسہما بل لیکونا وسیلتین الی السجود (رد المحتار ج ۱۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ شعبان سنہ ۹۹ ھ

باب سجود التلاوة

نماز میں سجدہ تلاوت :

سوال : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ نماز میں سجدہ تلاوت فی الفور ضروری ہوتا ہے یا اس کے بعد کچھ آیات پڑھ کر بھی سجدہ ادا کر سکتا ہے اور آیت سجدہ کے بعد کتنی آیات پڑھی جاسکتی ہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

آیت سجدہ کے بعد تین آیات تک تاخیر جائز نہیں، ایک قول کے مطابق تین آیات تک بھی جواز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں، قول اول ارجح و احوط ہے، البتہ آخر سورت میں بالاتفاق تین چار آیات تک تاخیر کی بھی گنجائش ہے، خواہ آیت سجدہ پر سجدہ کر کے بقیہ سورت پوری کر کے رکوع کرے یا آیت پر سجدہ نہ کرے بلکہ سورت پوری کرنے کے بعد رکوع کرے، اگر وسط سورت میں آیت سجدہ کے بعد عداً تین آیتیں پڑھ لیں تو نماز واجب الاعداء ہے، صلوٰۃ معادہ میں یہی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ تلاوت کرے اور اگر سہواً اتنی تاخیر ہو گئی تو نماز ہی میں اس کی تھنسا کرے اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرے، قال فی العلائق فعلی الفور بصیر ورتھا جزءاً منها و یا ثم بتأخیرھا ویقضیھا مادام فی حرمة الصلوٰۃ ولو بعد السلام فتح، وفي الشامية لا تھا وجبت بما هو من افعال الصلوٰۃ وهي القراءة وصارت من اجزاها فوجب اداؤها مضيقاً كما فی البدائع ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذکرھا بعد محلها الخ (رد المحتار ص ۴۲ ج ۱) وقال فی شرح التنویر وتؤدی برکوع صلوٰۃ اذا كان الركوع على الفور من قراءة آية او آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما فی البحر، ان نواه اى كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح وتؤدى بسجودها كذا لك اى على الفور، وفي الشامية تحت (قوله على الظاهر كما فی البحر) وفي الامداد الاحتياط قول شيخ الاسلام خواهر زاده بانقطاع الفور بالثلاث وقال شمس الأئمة الحلواني لا ينقطع ما لم يقل أكثر من ثلاث وقال كمال ابن الهمام قول الحلواني هو الرواية انه قلت وصرح فی المنية بانه الاصح رواية فان محمداً نص على انه اذا بقى بعد السجدة آيات من آخر السورة اى كسورة الانشقاق و سورة بنی اسرائیل ان شاء ختم السورة وركع لها وان شاء سجد لها ثم قام فأكمل السورة ثم ركع اه ومثله فی الفتح لكن فی البحر عن المجتبى ان الركوع ينوب عنها

بشرط النية وان لا يفصل بثلاث الا اذا كانت الثلاث من آخر السورة او مقتضاه ان
المخلاف فيما في وسط السورة وان لهذه وفاقية وبه صرح في الحلية عن الاصل وغيره ،
نعم قال بعده ان الفرق غير ظاهر الوجه ، قلت قد يوجه بان قراءة الثلاث من آخر
السورة لا تفصل لانها اتمام للسورة وعدم رفض باقيها فكان في قراءتها زيادة طلب
فلم تفصل بمخلاف الثلاث من وسط السورة فانه ليس فيها زيادة طلب لعدم ما ذكرنا
فعدت فاصلة تأمل (رد المحتار ص ۲۷۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ محرم سنہ ۱۲۸۶ھ

نمازی نے غیر امام سے آیت سجدہ سُنی :

سوال : ایک شخص خارج صلوٰۃ آیت سجدہ تلاوت کر رہا تھا اور دوسرے نے جو کہ
نماز میں تھا سُن لیا ، آیا اس مصلیٰ سامع پر سجدہ تلاوت واجب ہوا یا نہیں ؟ اگر واجب ہے
تو کب ادا کرے ؟ اگر نماز ہی میں ادا کر لے تو سجدہ تلاوت ادا ہوا یا نہیں ، نیز اس کی نماز
ہو گئی یا نہیں ؟

دوسری صورت یہ کہ نماز کے اندر آیت سجدہ تلاوت کر رہا تھا اور دوسرے شخص نے جو
خارج صلوٰۃ تھا یا نماز میں تھا مگر پڑھنے والے کا مقتدی نہ تھا ، تلاوت سُن لی تو یہ شخص سجدہ
تلاوت کب ادا کرے ، اگر اپنی نماز میں ہی سجدہ تلاوت ادا کر لے تو ادا ہوا یا نہیں ؟ اور اسکی
نماز ہو گئی یا نہیں ؟ بینوا بالتفصیل اجرکم الجلیل

الجواب باسمہم الصواب

مصلیٰ سامع پر سجدہ تلاوت واجب ہے نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ تلاوت
کرے ، اگر نماز کے اندر ہی سجدہ تلاوت کر لیا تو ادا نہیں ہوا نماز کے بعد دوبارہ سجدہ کرے اور
یہ نماز واجب الاعدادہ ہے ، البتہ اگر سامع نے نماز کے اندر ہی خود بھی اس آیت کی تلاوت
کر کے نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو یہ سجدہ ادا ہو گیا اور نماز بھی واجب الاعدادہ نہیں ،

اگر کسی نے نماز میں آیت سجدہ جہراً پڑھی تو بھی سامع پر سجدہ تلاوت واجب ہے خواہ
سامع خارج صلوٰۃ ہو یا تالی سے الگ کسی دوسری نماز میں ہو ، خواہ منفرد ہو یا کسی دوسرے
امام کا مقتدی ہو ، اگر سامع بھی نماز میں ہے مگر تالی کا مقتدی نہیں تو اسکا وہی حکم ہے جو سوال
کی شق اول کے جواب میں گزرا ، یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ تلاوت کرے ، اگر

نماز کے اندر ہی کر لیا تو ادا نہیں ہوا اور نماز واجب الاعداد ہوگی بشرطیکہ سجدہ تلاوت کرتے وقت قاری کی اقتدار کی نیت نہ کی ہو، اگر اقتدار کی نیت کر لی تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور سجدہ تلاوت بھی ادا نہیں ہوا۔ اور اگر اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تالی کی اقتدار کی تو اس کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے اگرچہ اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اقتدار سے قبل سجدہ کر چکا ہو اگر سامع نے تالی کے سجدہ تلاوت ادا کرنے کے بعد اسی رکعت میں اسکی اقتدار کر لی تو اس سے سجدہ تلاوت ساقط ہو جائے گا، دوسری رکعت میں شرکت سے سجدہ ساقط نہ ہوگا، قال فی الدر ولو سمع المصلی السجدة من غیره لم یسجد فیہا لانہا غیر صلوئیة بل یسجد بعدہا لسماعہا من غیر محجور ولو سجد فیہا لم تجزہ لانہا ناقصة للنہی فلا یتأدی بہا الکامل واعدادہ ای السجود لما مر، الا اذا تلاها المصلی غیر المؤمن ولو بعد سماعہا سراج دونہا ای الصلوة لان زیادة ما دون الركعة لا یفسد الا اذا تابع المصلی التالی ففسد لم تابعہ غیر امامہ ولا تجزئہ عما سمع تجنیس وغیرہ، وفي الشامية قمت (قوله دونها الخ) والظاهر ان الاعداد واجبة لکراهة التجرؤ كما هو مقتضى النهی المذكور تأمل (رد المحتار ص ۴۲ ج ۱) وفي العلائیة ومن سمعها من امام ولو باقتدائه به فائتم به قبل ان یسجد الامام لہا سجد معہ ولو ائتم بعدہ لا یسجد اصلا، کذا اطلاق فی الكنز تبعاً للاصل وان لم یقتد به اصلا سجد ہا وکذا الواقع به فی رکعة أخرى علی ما اختاره البزدوی وغیرہ وهو ظاهر الہدایة، وفي الشامية وبه جزم فی التقایة واصلاحها والفتح و شرح المنیة وکذا فی المواہب وقال انہ الاظهر وتبعہ فی نور الایضاح وقد علمت انہ اطلاق الكنز والاصل محمول علیہ وقد صرح صاحب الكنز بحمل اطلاقہ علیہ فی کتابہ کافی وصاحب الدار الدرعی (رد المحتار ص ۴۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رذی الحجہ سنہ ۱۲۸۵ھ

نمازی سے خارج نے آیت سجدہ سُنی :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ کہیں تراویح وغیرہ میں قرآن شریف سنایا جا رہا ہو لیکن کوئی شخص اس میں شریک نہ ہو بلکہ بیٹھا ذکر وغیرہ کر رہا ہو یا کوئی دوسرا کام کر رہا ہو اسی دوران سجدہ کی آیت پڑھی گئی لیکن اس شخص کو پتہ نہ چلا کہ میں نے یہ آیت سُنی ہے لیکن پتہ جب چلا جب سارے نمازیوں نے سجدہ کیا اب یہ شخص کیا کرے؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ذکر وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیت سجدہ سُنی ہی نہیں تو سجدہ تلاوت واجب نہیں اور اگر آیت سُنی ہو تو سجدہ واجب ہے اپنے طور پر سجدہ کر لے اس میں امام کی اقتدار نہ کرے البتہ اگر اسی رکعت میں اس امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے تو اس سے سجدہ تلاوت ساقط ہو جائے گا، دوسری رکعت میں اقتدار سے ساقط نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
سرشوال سنہ ۱۴۰۵ھ

امام کا رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرنا:

سوال: امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد فوراً رکوع کر دیا اور اس میں سجدہ کی نیت کر لی مگر مقتدی نے نیت نہیں کی تو سجدہ صلوٰۃ میں مقتدی کا سجدہ تلاوت ادا ہو جائیگا یا نہیں؟ یتینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں اختلاف ہے ایک قول پر مقتدی کا سجدہ ادا نہ ہوگا، نہ رکوع میں اور نہ سجدہ میں، اسلئے مقتدی امام کے سلام کے بعد سجدہ تلاوت کر کے قعدہ دوبارہ کر کے سلام پھیرے مگر راجح یہ ہے کہ رکوع میں امام کی نیت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے، اسلئے رکوع میں امام و مقتدی دونوں کا سجدہ ادا ہو جائے گا، بہتر یہ ہے کہ امام رکوع میں نیت نہ کرے تاکہ سجدہ نماز میں امام و مقتدی دونوں کا سجدہ بلا خلاف ادا ہو جائے، اور مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ اگر اس کو سجدہ کا علم ہو جائے تو رکوع میں نیت کر لے اس احتمال کی وجہ سے کہ امام نے رکوع میں نیت کر لی ہو، قال فی العلائیۃ ولو نواھا فی رکوعہ ولہ نیوھا المؤمن لم تجزہ و یسجد اذا سلم الامام و یعيد القعدة ولو ترکھا فسدت صلوٰۃ کذا فی القنیۃ و ینبغی حملہ علی الجہریۃ نعم لو رکع و سجد لہا فوراً نایہ بلانیۃ، و فی الشامیۃ و فی القہستانی و اختلافوا فی ان نیت الامام کافیۃ کما فی الکافی فلو لم ینو مقتدی لا ینوب علی رأی فی سجد بعد سلام الامام و یعيد القعدة الاخيرة کما فی المنیۃ اھ و ایضاً فیہا تحت رقلہ و ینبغی حملہ علی الجہریۃ) والاولیٰ ان یحلی علی القول بان نیت الامام لا تنوب عن نیت المؤمن والمتبادر من کلام القہستانی السابق انہ خلافہ الاصح حیث قال علی رأی فتأمل (ودالمختار ص ۲۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
سرشوال سنہ ۱۴۰۲ھ

آیت سے قبل سجدہ کر لیا تو نماز واجب الاعدادہ ہے :

سوال : امام نے دو رکعت نماز تراویح پڑھائی، اس میں سجدہ تلاوت والی سورت پڑھائی اور بھول کر سجدے والی آیت سے پہلے ہی سجدہ کر لیا اور نماز پوری کر کے سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو نہ کیا، تو کیا یہ نماز پوری ہو گئی؟ بیٹنوا توجروا

الجواب : باسم ملہم الصواب

اس صورت میں نماز واجب الاعدادہ ہے، سجدہ غیر واجبہ کی زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو کر لیا جاتا تو بھی نماز کا اعادہ واجب ہوتا، کیونکہ یہ سہو نہیں بلکہ جہل ہے جو عذر نہیں بلکہ حکم عمدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان سنہ ۱۴۲۶ھ

جنب، حائض، مجنون یا نابالغ سے آیت سجدہ سنی :

سوال : جنبی، حیض و نفاس والی عورت، مجنون یا بچے سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب : باسم ملہم الصواب

جنب نے آیت سجدہ پڑھی یا سنی تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔
حائض، مجنون اور نابالغ پر واجب نہیں، خواہ خود پڑھیں یا کسی سے سنیں۔
جنب، حائض اور صبی ممیز سے آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔
مجنون اور صبی غیر ممیز سے سننے پر واجب نہیں۔

قال فی التنویر یجب علی من کان اھلاً لوجوب الصلوة اداء وقضاء فلا تجب علی کافر و صبی و مجنون و حائض و نفساء قرءوا و سمعوا و تجب بتلاوتهم خلا المجنون المطبق، و فی العلائق فی شرح قوله اداء وقضاء کالاصم اذا تلا و الجنب و السكران و النائم، و فی الشامیة عن الفتح تحت قوله خلا المجنون لان السبب سماع تلاوة صحیحة و صحتها بالتمیز و لم یوجد و هذا التعلیل یقید التفصیل فی لصبی فلیکون هو المعتبر ان کان ممیزاً و جیب بالسماع منه و الا فلا و استحسنہ فی الحلیة (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ رجب سنہ ۱۴۲۷ھ

بغرض استفہام آیت سجدہ پڑھنا :

سوال : ایک آدمی دوسرے سے پوچھتا ہے کہ فلاں آیت سجدہ تلاوت کی ہے

یا نہیں؟ یا آیت کا کوئی لفظ پڑھ کر پوچھا کہ اس لفظ پر سجدہ ہوگا یا کس لفظ پر؟ اس سے سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آیت سجدہ پوری نہیں پڑھی تو سجدہ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ سجدہ پوری آیت پڑھنے سے واجب ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

آیت سجدہ کی تسبیح سے سجدہ واجب نہیں :

سوال : اگر سجدہ کی آیت بچوں کو تسبیح کرائی جائے تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟
بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

پوری آیت مسلسل پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، تسبیح سے واجب نہیں ہوتا، قال فی شرح التنویر بحجب بسبب تلاوة آية، قال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ احتضنہا لکتبہا و تھماھا فلا سجود علیہ کما سیأتی (رد المحتار ص ۱۷۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

آیت سجدہ کے معنی پوچھنا :

سوال : ایک آدمی نے کسی عالم سے آیت سجدہ کے معنی پوچھ لئے اس سے بھی سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پوری آیت پڑھ کر معنی دریافت کئے تو سجدہ واجب ہے ورنہ ادھوری آیت کی تلاوت سے واجب نہیں، البتہ ترجمہ کرنے والے اور ترجمہ سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا، اگر لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہو، آیت سجدہ کی تفسیر سے سجدہ واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

مدرسہ حفظ میں بچوں کی تلاوت سے سجدہ کا حکم :

سوال : حفظ خانہ میں بچے جو پڑھتے ہیں اس سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ بچے پر سجدہ واجب نہیں، بچے سے سننے پر وجوب سجدہ میں یہ تفصیل ہے کہ بچہ ممیز یعنی سمجھدار ہو تو سامع پر سجدہ واجب ہے اور چھوٹے بچے سے سننے پر واجب نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۱۴۸۸ھ

آیت سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدہ واجب ہے :

سوال : اگر کوئی سجدہ کی آیت نہ پڑھے بلکہ صرف اسکا ترجمہ کرے تو ترجمہ کرنے والے

اور سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں ؟ بلینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظی ترجمہ کرنے والے پر سجدہ واجب ہے اور سننے والے کو اگر معلوم ہو کہ یہ ترجمہ قرآن ہی اور اس کا مطلب بھی سمجھ جائے تو اس پر بھی سجدہ واجب ہوگا ورنہ نہیں، یہ حکم جب ہے کہ لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہو، اگر لفظی ترجمہ کی بجائے تفسیر کی تو بولنے والے اور سننے والے کسی پر بھی سجدہ نہیں، قال فی العلانیۃ والسماع شرط فی غیر التالی ولو بالفارسیۃ اذا خبر، وفی الشامیۃ (قوله اذا خبر) ای بانہما آیۃ سجدة سواء فہمہا اولاً، وھذا عند الامام وعند ھما ان علم السامع انہ یقرأ القرآن لزمتہ والافلا بحی، وفی الفیض وبہ یفتی وفی النہر عن السراج ان الامام رجع الی قولہما علیہ الاعتماد اھ والمراد من قولہ انہ علم السامع انہ یفہم معنی الآیۃ کما فی شرح المجمع حیث قال وجبت علیہ سواء فہم معنی الآیۃ اولاً عندہ وقال انہ فہمہا وجبت والافلا لانیۃ اذا فہم کان سامعاً للقرآن من وجہ دون وجہ اھ (المختار ۱/۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۱۴۸۸ھ

آیت سجدہ پوری پڑھے تو سجدہ واجب ہوگا :

سوال : سجدہ تلاوت کی آیت پوری پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے یا کچھ حصہ

پڑھنے سے بھی واجب ہو جاتا ہے ؟ بلینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

پوری آیت پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، اگر آیت سے ایک لفظ بھی باقی رہ

گیا تو سجدہ واجب نہیں، بلکہ اگر بعد والی آیت کا بھی آیت سجدہ سے تعلق ہو تو ان دونوں آیتوں کی پوری تلاوت کے بعد سجدہ واجب ہوگا، قال فی شرح التنزیل یجب بسبب تلاوة آية اى اكثرها مع حرف السجدة، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ہذا خلاف الصحیح الذی جزم بہ فی نور الايضاح ففی السراج وهل تجب السجدة بشرط قراءة جميع الآية ام بعضها فيه اختلاف والصحيح انه اذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة اربعة كلمة وجب السجود والا فلا وقيل لا يجب الا ان يقرأ الآية السجدة مع حرف السجدة ولو قرأ آية السجدة كلها الا الحرف الذي في آخرها لا يجب عليه السجود اهله لکن قوله ولو قرأ آية السجدة الخ يقتضي انه لا بد من قراءة الآية تمامها كما يفهم من اطلاق المتن ويأتى قريباً ما يؤيده الا ان يقال سياتى الآية قرينة على ان المراد بقوله الا الحرف الخ الكلمة التي فيها مادة السجود واطلاق الحرف على الكلمة شائع في عرف القراء (وبعد اسطر) ان السبب تلاوة آية تامة كما هو ظاهر اطلاق المتن وان المراد بالآية ما يشمل الآية والآيتين اذا كانت متعلقة بالآية التي ذكر فيها حرف السجدة (وبعد اسطر) وبه ظهران ما في السراج خلاف المذهب الذي مشى عليه الشراح والمتون تأمل (رد المحتار ص ۱۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

جہاں سجدہ والی آیت سے ایک آیت بعد سجدہ لکھا ہے اسکا حکم :
سوال : کہیں کہیں حرف دال علی السجدة سے ایک آیت کے بعد جا کر سجدہ لکھا ہوا ہوتا ہے وہاں سجدہ کس جگہ پر کرنا چاہیے؟ بیاد تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دوسری آیت پوری پڑھ کر سجدہ کرے، پہلی آیت پر سجدہ کر لیا تو ادا نہ ہوگا، قال فی الشامیۃ ان المراد بالآية ما يشمل الآية والآيتين اذا كانت متعلقة بالآية التي ذكر فيها حرف السجدة (الحی ان قال) انه لا يجب السجود فی سورة حم السجدة الا عند انتهاء الآية الثانية احتیاطاً كما صرح بہ فی الهدایة وغيرها لان الوجوب لا يكون الا بعد وجود سببه فلو سجدها بعد الآية الاولى لا يكفي لانه يكون قبل سببه (رد المحتار ص ۱۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

آیت سجدہ لکھنے سے سجدہ واجب نہیں :

سوال : اگر سجدہ کی آیت لکھی مگر زبان سے تلاوت نہیں کی تو سجدہ واجب ہوگا یا

نہیں ؟ بیٹو توجروا

الجواب باسمہم الصواب

صرف لکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا ، قال فی التنبیہ و یجب بتلاوة آية ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ احتراز عما لو کتبھا او تھجاھا فلا سجود علیہ کما سیأتی (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان سنہ ۱۴۸۸ھ

اُستاذ و شاگرد کا ایک ہی آیت دہرانا :

سوال : اُستاد شاگرد کو قرآن پڑھاتا ہے اور سجدہ تلاوت آجائے اور اس کو بار بار

پڑھنا پڑے تو سجدہ ایک واجب ہے یا دو ؟ بیٹو توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر ایک آیت ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھے اور سُننے تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا ، قال فی الشامیۃ تحت (قوله بشرط اتحاد الآية والمجلس) وان اجتمع التلاوة والسماع ولو من جماعة ففي البدائع لا يتكرر ولو اجتمع سببا الوجوب وهما التلاوة والسماع بان تلاها ثم سمعها او بالعكس او تكرر احدهما او في البرزخية سمعها من آخر ومن آخر ايضا وقرأها كفت سجدة واحدة في الاصح لاتحاد الآية والمكان او رخصه في الخانية فعلى هذا لو قرأها وسمعها بعضهم من بعض كفتهم واحدة (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

لاؤڈ اسپیکر سے آیت سجدہ سُننا :

سوال : تراویح میں حافظ سے لاءؤڈ اسپیکر میں غیر نمازیوں نے سجدہ تلاوت کی آیت

سُننی تو ان پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں ؟ خواہ ان کو سجدہ کی آیت معلوم ہو یا نہ ہو ، بیٹو توجروا

الجواب باسمہم الصواب

راجح یہ ہے کہ لاءؤڈ اسپیکر سے سنائی دینے والی آواز خود کلمہ کی آواز ہے ، صوت صدی

کی طرح صوت متکلم کی نقل نہیں، اس لئے لاؤڈ اسپیکر سے سننے والوں پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا البتہ اگر سننے والوں کو آیت سجدہ کا علم نہ ہو تو ان پر سجدہ واجب نہیں، قال فی الشامیة لا یجب علی الاجمعی ما لم یعلم کما فی الفتح اعی وان لم یفهم (رد المحتار ص ۱۷۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

ٹی وی پر آیت سجدہ سننے کا حکم :

سوال : ٹی وی یا ریڈیو پر جو تلاوت کی جاتی ہے یا ختم قرآن فی الترویج نشر کیا جاتا ہے اور دکھایا جاتا ہے اس کے سامعین پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اس طرح ٹیپ ریکارڈر کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹیپ ریکارڈر سے سننے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں اسلئے ٹی وی اور ریڈیو پر اگر ٹیپ سنایا جا رہا ہو تو سجدہ واجب نہیں اور اگر براہ راست قاری کی آواز ہو تو واجب ہوگا فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ

ایک آیت ایک مجلس میں متعدد لوگوں سے سُنی :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاگرد نے آیت سجدہ تلاوت کی، اُستاد نے سُنی، پھر اسی طرح اُستاد نے تلاوت کی شاگرد نے سُنی یا اُستاد نے کئی شاگردوں سے وہی آیت سُنی تو کیا ان پر متعدد سجدے ہونگے یا کہ ایک ہی سجدہ کافی ہوگا؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تعدد سجدہ کے لئے ضروری ہے کہ سبب متعدد ہو یا اختلاف مکان ہو، یہاں نہ تعدد سبب ہے اور نہ اختلاف مکان، اس لئے سجدہ واحد کافی ہو جائے گا، قال فی الشامیة تحت (قوله بشرط اتحاد الایة والمجلس) وفي البزازیة سمعها من آخر ومن آخریضاً وقرأها کفت سجدۃ واحدة فی الاصح لاتحاد الایة والمکان اه ونحوه فی الخانیة فعلى هذا لو قرأها جماعة وسمعها بعضهم من بعض کفتم واحدة (رد المحتار ص ۱۷۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ

سجدہ تلاوت کی نیت میں تعین ضروری نہیں :

سوال : زید کے ذمہ تلاوت کے کئی سجدے ہیں کیا ان کو ادا کرتے وقت یہ نیت ضروری ہے کہ یہ فلاں آیت کا سجدہ ہے یا صرف سجدہ تلاوت کی نیت کافی ہے ؟ بیٹو! توجروا

الجواب ہے باسم ملہم الصواب

صرف سجدہ تلاوت کی نیت کافی ہے ، آیت کی تعین ضروری نہیں ، قال فی العلائق بشرط الصلوة المتقدمة خلا التحريمة ونية التعيين ، وفي الشامية ای تعین اٹھا سجدہ آیت کذا ، فہر عن القنیۃ کما تعین کوٹھا عن التلاوة فشرط کما تقدم فی مجتہ النیۃ من شروط الصلوة الا اذا كانت فی الصلوة وسجدھا فوراً کما علمتہ (رد المحتار ص ۱۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۹ھ

امام کے سجدہ تلاوت پر مقتدی رکوع میں چلا گیا :

سوال : امام صاحب نے عصر کی نماز میں سورہ انشقاق پڑھی اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا مگر مقتدی غلط فہمی سے رکوع میں رہے ، بعض نے تنبیہ ہونے پر سجدہ کر لیا اور بعض امام کے اٹھنے پر رکوع ہی سے واپس اٹھ کھڑے ہوئے ، انکی نماز اور سجدہ تلاوت کا کیا حکم ہے ؟ نماز اور سجدہ ہو گیا یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا

الجواب ہے باسم ملہم الصواب

امام کو ایسا کر ناجائز نہیں تھا ، مقتدیوں میں انتشار ، انکی نماز میں خلل بلکہ خطرہ فساد اور انکے لئے ادا سجدہ کی کوئی صورت نہ رہنے کا خطرہ پیدا کرنے کا گناہ امام پر ہوگا صحیح طریقہ یہ تھا کہ امام سورت پوری کر کے رکوع کرتا اور رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرتا ، اسکے بعد نماز کے سجدہ میں امام و مقتدی سب کا سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ، سورہ انشقاق میں آیت سجدہ کے بعد اگرچہ چار آیات ہیں مگر تکمیل سورت کیلئے اسکی گنجائش ہو کہ سورت پوری کر کے رکوع کرے ، کذا فی الشامیۃ ،

صورت سوال میں مقتدیوں پر لازم تھا کہ تنبیہ ہونے پر رکوع چھوڑ کر سجدہ کریں ، بلکہ رکوع کے بعد تنبیہ ہوا تو بھی سجدہ تلاوت ادا کر کے امام کا اتباع کریں ، جن لوگوں نے سجدہ نہیں کیا انکے لئے ادا سجدہ کی کوئی صورت نہیں ، ترک واجب کا گناہ امام پر رہا ، اگر کسی

مقتدی نے اشتباہ ہی کی حالت میں رکوع کے بعد نماز کا سجدہ بھی کر لیا تو اس کے ضمن میں اسکا سجدہ تلاوت ادا ہو گیا اور اگر نماز کا دوسرا سجدہ بھی کر لیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی قال فی شرح التنویر ولو سجد لها فظن القوم انه رکع فمن رکع رفضه وسجد لها ومن رکع وسجد سجدة اجزأت عنها ومن رکع وسجد سجدة فسدت صلوته لانه انقص بركة تامة (رد المحتار ص ۲۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شعبان سنہ ۹۹ھ

سجدہ تلاوت بلا وضو جائز نہیں !

سوال : سجدہ تلاوت بلا وضو ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

۴ رذی قعدہ سنہ ۹۹ھ

جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سواری پر آیت سجدہ کا تکرار :

سوال : چلتی ہوئی سواری پر سجدہ کی آیت کا تکرار کیا تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا یا جتنی بار آیت سجدہ

پڑھی اتنے ہی سجدے واجب ہیں ؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

گھوڑا، اونٹ اور ہر قسم کی گاڑی وغیرہ خشکی کی سواری پر نماز کے اندر آیت سجدہ کا تکرار کیا تو ایک ہی سجدہ واجب ہے اور بدو نماز کے تکرار آیت سجدہ واجب ہے، کشتی میں بہر صورت تکرار آیت سے ایک ہی سجدہ واجب ہے، خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز ہو کشتی میں عدم تکرار سجدہ کی تعلیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بحری جہاز اور ہوائی جہاز میں تکرار سجدہ واجب ہے، (ان سیرہا مضاف الیہ کالسیارۃ۔ قال فی التنویر وانتقالہ من غصن الی اخر وسجدہ فی نہر او حوض تبدیل فتجب اخرى، وفي العلاءية بخلاف زوايا مسجد وبيت وسفينة سائرة وفعل قليل ككل لقنتين وقيام ورد سلام وكذا اذ ابته يصلي عليها لان الصلوة تجمع الاماكن ولولم يصل تتكرر، وفي الثامية لان سیرہا مضاف الیہ حتی یجب علیہ ضمان ما اتلفت بخلاف سیر السفينة ح عن الدرر (رد المحتار ص ۲۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

سورۃ ص میں سجدہ تلاوت کا مقام :

سوال : قرآن کریم میں سورۃ سجدہ میں "اَنَابَ" پر لفظ سجدہ لکھا ہوا ہے مگر حضرت مفتی

کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ ہے کہ یہ سجدہ ماب پر ہے اس کی تحقیق فرمائیں، حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کی فوٹو کاپی ارسال ہے۔ بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب صحیح ہے، اس میں دونوں قول ہیں مگر دوسری آیت پر سجدہ کرنے میں احتیاط ہے اس لئے یہ قول راجح ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي ص عند و حُسن مَاب وهو اولی من قول الزیلعی عند و اناب لما نذکره وفي حم السجدة عند و هم لا یسأ مُونَ (الی قولہ) لانہا لو وجبت عند تعبدون فالتأخیر الی یسأ مُونَ لا یضرب خلاف العکس لانہا تکتون قبل وجود سبب الوجوب فتوجب نقصاناً فی الصلوة لو كانت صلوتیة ولا نقص فیما قلناه اصلاً کذا فی البحر عن البدائع. امداد ملخصاً (رد المحتار ص ۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ رجب ۱۴۱۸ھ

نماز میں سجدہ تلاوت بھول گیا :

سوال : نماز میں سجدہ کی آیت پڑھی مگر سجدہ کرنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو اب کیا کرے؟
بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سلام کے بعد یاد آیا تو سجدہ تلاوت کر کے تشهد دوبارہ پڑھے پھر سجدہ سہو کر کے حسب قاعدہ نماز پوری کرے، اگر آیت سجدہ کے بعد دو یا زیادہ آیات پڑھنے کے بعد نماز کے اندر ہی یاد آگیا تو بہتر یہ ہے کہ فوراً سجدہ کر لے جس رکن میں یاد آنے پر سجدہ کیا اس رکن کا اعادہ مستحب ہے، آخر نماز تک سجدہ کی تاخیر بھی جائز ہے، البتہ قعدہ اخیرہ کے درمیان یا اس کے بعد سجدہ کیا تو قعدہ کا اعادہ فرض اور تشهد کا اعادہ واجب ہے، اور بہر صورت سجدہ سہو واجب ہے، کذا فی آخر باب الاستخلاق من الشامیة۔ اگر سجدہ تلاوت میں عمدتاً دو آیتوں سے زیادہ تاخیر کی تو نماز کا اعادہ واجب ہے، سجدہ سہو کافی نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۸ رمضان ۱۴۱۸ھ



باب صلوٰۃ المسافر

وطن اقامت کے قریب رات ٹھیرا تو پوری نماز پڑھے :

سوال : ایک مسافر نے ٹھیرا تو پوری نماز پڑھ کر کپڑا بچتا ہے ، اس نے ایک رات خیرپور میں گزار دی ، وہاں عشاء کی نماز پڑھائی اور پوری چار رکعتیں پڑھیں ، کہتا ہے کہ میں ٹھیری میں مقیم ہوں اور ٹھیری سے خیرپور مسافت سفر نہیں ، اس بارہ میں کیا فتویٰ ہے؟ مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنه الصلوة والصواب

اگر صرف ٹھیری میں کم از کم پندرہ شب مسلسل گزارنے کی نیت کی ہو تو ٹھیری اس کا وطن اقامت ہو گیا اس کے بعد جب تک ٹھیری سے بارادہ سفر شرعی نہیں نکلے گا ٹھیری اور اس کے گرد و نواح میں پوری ہی نماز پڑھے گا ، لہذا خیرپور میں اس کا پوری نماز پڑھنا صحیح ہے ، قصر جائز نہیں ، قال فی شرح التنویر ویطل وطن الإقامة بمثلہ وبالوطن الاصلی وبالنشاء السفری و فی الشامیة عن الکافی والتاریخانیة خراسانی قدم بغداد لیقیم بها نصف شهر ومکی قدم الکوفة کذلک ثم خرج کل منهما الی قصر ابن هبيرة فانها یتمان فی طریق القصر لان من بغداد الی الکوفة اربعة ايام والقصر متوسط بینہما الخ (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة رجب سنہ ۱۲۷۳ھ

نماز مغرب پڑھ کر ہوائی جہاز میں سوار ہوا اور آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا :

سوال : ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا ، جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟ نیز صائم نے روزہ افطار کر لیا تھا تو روزہ صحیح ہو گیا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسماہم الصواب

مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ، روزہ بھی صحیح ہو گیا ، مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ غروب تک اساک واجب ہے ، قال فی شرح التنویر فلو غربت ثمر عادت ہل یعود الوقت الظاہر نعم ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الظاہر نعم) بحث صاحب النہر حیث قال ذکر الشافعیۃ ان الوقت یعود (الی قولہ) قلت علی ان الشیخ اسمعیل رد ما بحثہ

فی النہر تبعاً للشافعیۃ بانہ صلوٰۃ العصر بغیوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعہا لا یعیدها
اداءً وما فی الحدیث خصوصیتہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
انہ کان فی طاعتک وطاعة رسولک اھ قلت و یلزم علی الاول بطلان صوم من افطر قبل
ردها وبطلان صلوٰۃ المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودھا للکل واللہ اعلم (رد المحتار ص ۳۳ ج ۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربيع الاول سنہ ۱۲۸۶ھ

ہوائی سفر میں دن بہت بڑا یا بہت چھوٹا ہو جائے تو نماز روزہ کا حکم :

سوال : زید ہوائی جہاز کے ذریعہ مغرب کی سمت جا رہا ہے سورج غروب نہیں ہو رہا
تو نماز کس طرح ادا کرے اور روزہ کس وقت افطار کرے؟ یا اس کے برعکس مشرق کی طرف
جا رہا ہے جس کا دن بالکل چھوٹا رہے گا اس کی نماز اور روزہ کے متعلق کیا حکم ہو؟ بدینہ تو جروا

الجواب باسمہم الصواب

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله حدیث الدجال) قال الرملى
فی شرح المنہاج ویجری ذلک فیما لو مکثت الشمس عند قوم مدة اھ قال فی امداد الفتاح
قلت وکذلک یقدر لجميع الاجال کالصوم والزکوۃ والحج والعدة وأجال البیع والسلام
والاجارة وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من الفصول الاربعۃ بحسب ما یکون کل یوم
من الزیادة والنقص کذا فی کتب الأئمة الشافعیۃ ونحن نقول بمثلہ اذا صل التقدير مقول
به اجماعاً فی الصلوات اھ (وبعد اسطر) وفي هذا الحدیث انہ لیلۃ طلوعھا من مغربھا تطول
بقدر ثلاث لیال لکن ذلک لا یعرف الا بعد مضیہا لا بہامہا علی الناس فیم قیاس ما مرانہ
یلزم قضاء الخمس لان الزائد لیلتان فیقدران عن یوم ولیلۃ وواجبہما الخمس،

وقال ایضاً تحت قولہ فقد الامر انہ (تمہ) لہ امر من تعرض عنہ عندنا لحکم صومہم
فیما اذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس او بعدہ بزمان لا یقدر فیہ الصائم علی
اکل ما یقیم بنیتہ ولا یکن ان یقال بوجوب موالاة الصوم علیہم لانه یؤدی الی الهلاک فان
قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدير وھل یقدر لیلہم باقرب البلاد الیہم کما قالہ الشافعیۃ
ھنا ایضاً ام یقدر لہم بما یسم الاکل والشرب ام یجب علیہم القضاء فقط دون الاداء کل
محتمل فلیتأمل (رد المحتار ص ۳۳۹ ج ۱)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ مغرب کی طرف جانے والا شخص اگر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں ان کے اوقات میں ادا کر سکتا ہو تو ہر نماز اس کا وقت داخل ہونے پر ادا کرے اور اگر اس کا دن اتنا طویل ہو گیا کہ چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازوں کا وقت نہیں آتا تو عام ایام میں اوقات نماز کے فصل کا اندازہ کر کے اس کے مطابق نمازیں پڑھے، یہی حکم روزہ کا ہے کہ اگر طلوع فجر سے لے کر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب ہو جائے تو غروب کے بعد افطار کرے، جن ممالک میں مستقل طور پر ایام اتنے طویل ہوں کہ چوبیس گھنٹے میں صرف بقدر کفایت کھانے پینے کا وقت ملتا ہو انہیں قبل الغروب افطار کی اجازت نہیں تو عارضی طور پر شاذ و نادر ایک دن طویل ہو جانے سے بطریق اولیٰ اس کی اجازت نہوگی البتہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب نہو تو چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے اتنا وقت پہلے کہ اس میں بقدر ضرورت کھاپنی سکتا ہو افطار کر لے، اگر ابتداء صبح صادق کے وقت بھی سفر میں تھا تو اس پر روزہ فرض نہیں بعد میں قضا رکھے اور اگر اس وقت مسافر نہ تھا تو روزہ رکھنا فرض ہے اور اتنے طویل روزے کا تحمل نہو تو سفر ناجائز ہے۔

جو شخص جانب مشرق جا رہا ہے نماز کے اوقات اُس پر گزرتے رہیں گے، ان اوقات میں نماز ادا کرے گا اور روزہ غروب کے بعد افطار کرے کیونکہ صوم کے معنی ہیں طلوع فجر سے غروب شمس تک امساک، قال فی التنویر هو امساك عن المفطرات حقيقة او حکماً فی وقت مخصوص، وفي الشرح وهو اليوم، وفي الحاشية اى اليوم الشرعى من طلوع الفجر الى الغروب (رد المحتار ص ۸۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۶ھ

سفر میں سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: مسافر کے لئے سنن رواتب کا ترک جائز ہے یا نہیں؟ یقیناً توجروا

الجواب: باسمر ملہم الصواب

جلدی کی صورت میں سنت فجر کے سوا دوسری سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے، بحالت الطمینان سنن مؤکدہ پڑھنا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں سنتیں پڑھنا ثابت ہے (اعلاء السنن ص ۱۹ تا ص ۱۹۳ ج ۱)

وقال فی العلائیة ویأتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والابان کان فی خوف وقرار لا یأتی بها هو المختار لان ترک العذر تجنیس، قیل الا سنة

الفجر (سدا المختار ص ۲۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

حدود شہر سے نکلنے پر حکم قصر شروع ہوگا :

سوال : سفر کا حکم کہاں سے شروع ہوگا ، اپنے محلے سے نکل کر یا پورے شہر کی آبادی سے نکلنے کے بعد ؟

ایک شخص کو رنگی ۷ سے سفر پر روانہ ہو رہا ہے آیا وہ سٹی اسٹیشن پر قصر نماز پڑھے یا نہیں اور واپسی میں لائڈھی اسٹیشن پر قصر پڑھے یا نہیں جبکہ کو رنگی ۷ پہنچنے تک نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے ، تشریح سے وضاحت فرمائیں ،

الجواب باسمہم الصواب

شہر کی جس جانب سے بنیت سفر نکل رہا ہو اس جانب کے مکانات سے باہر نکلنے پر حکم قصر شروع ہوتا ہے ، مکانات سے آباد مکان مراد ہیں غیر آباد کھنڈرات کا اعتبار نہیں ، سی طرح بوقت واپسی مکانات کی حدود میں داخل ہونے پر حکم قصر ختم ہو جاتا ہے ، مکان خواہ پختہ ہو یا شہر سے ملحق جھونپڑیاں وغیرہ ہوں ، بلکہ جھونپڑیوں کے بعد ان سے متصل بستی بھی اسی شہر کے حکم میں ہے ،

اگر فنار مصر (شہر کی ضروریات مثلاً قبرستان ، گھوڑ دوڑ اور کوڑے وغیرہ کے لئے متعین میدان) کے درمیان زرعی زمین حائل نہ ہو اور عمارات سے قدر غلوہ (۱۶ ر ۱۳ میٹر) سے کم فاصلہ پر ہو تو فنار سے بھی تجاوز کے بعد قصر کا حکم ہوگا البتہ ایسی فنار کے بعد اس سے ملحق بستی کا اعتبار نہیں ، فنار مصر میں صحت جمعہ کے لئے عدم المزایع و قدر الغلوہ شرط نہیں ، صرف حکم قصر کے لئے یہ شرط ہے شامیہ باب المسافر میں قدر غلوہ کے عدم اعتبار سے مقصد یہ ہے کہ خود فنار مقید بقدر غلوہ نہیں شہر سے فصل بقدر غلوہ معتبر ہے ،

اگر شہر کی جانب سفر میں مکانات ختم ہو گئے مگر کسی ایک جانب راستے سے دور کوئی محلہ اس طرف بڑھا ہوا ہے تو اسکا اعتبار نہیں ، البتہ اگر دونوں جانب اس قسم کی آبادی ہو تو ان کی محاذات سے خروج کے بعد حکم قصر ہوگا ،

کراچی کی عمارات غالباً پیری اسٹیشن تک پہنچ چکی ہیں ، سٹی اسٹیشن اور لائڈھی اسٹیشن پر بہر صورت قصر جائز نہیں ، پوری نماز پڑھے ، وھذا خلاص ماھو شروح فی العلائیۃ والشامیۃ ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم غرہ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

جو آبادی شہر سے متصل نہ ہو وہ مستقل ہے :

سوال : ایک شخص لاہور شہر سے پندرہ میل مضافات میں رہتا ہے، اس کے گھر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بس اسٹاپ ہے، اب اس کو مسافر کہاں سے شمار کریں گے پہلے اسٹیشن سے یا دوسرے سے ؟ آبادی مسلسل دوسرے بڑے اسٹیشن تک لگی ہوئی ہے اور اگر آبادی منقطع بھی ہو مگر یہاں کے عرف میں اس کو لاہور ہی شمار کیا جائے تو پھر کیا حکم ہوگا ؟ یعنی سفر اور اقامت کا حکم ضلع کے اعتبار سے ہوگا یا بستی کے اعتبار سے یعنی جس دیہات میں وہ رہتا ہے، بیتوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس بستی سے شہر تک مسلسل عمارات نہیں بلکہ بقدر غلوہ (۱۶ ر ۱۳۷ میٹر) یا اس سے زائد خلا ہے یا درمیان میں زرعی اراضی ہیں تو یہ مستقل آبادی شمار ہوگی اس کے مکانات سے نکلنے پر قصر کا حکم شروع ہو جائے گا، اور اگر شہر سے متصل ہے خواہ شہر کی نواحی کچی آبادی یا جھونپڑیاں وغیرہ ہی سے متصل ہو تو یہ شہر میں داخل ہے اس لئے حدود شہر سے باہر نکلنے پر مسافر ہوگا، اسٹیشن اگر شہر سے متصل ہو یعنی درمیان میں زرعی زمین یا ۱۶ ر ۱۳۷ میٹر خلا نہ ہو تو اس پر حکم قصر نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ (قوله من خرج من عمارة موضع اقامته) و اشار الى انه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الاقامة كريفض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت و مساكن فانه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالريف في صحيح (وبعد سطر) واما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كرفض الدواب ودفن الموتى والقاء التراب فانه اتصل بالمصر اعتبارا بمجاورته وان انفصل بغلوة او مزرعة فلا (الى قوله) والقرية المتصلة بالفناء دون الريف لا تعتبر مجاوزتها على الصحيح كما في شرح المنية (والمختار ص ۷۳ ج ۱) عبارات فقہ میں اتصال آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار رویت ظاہرہ پر ہے یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے مگر وجود مزارع یا قدر غلوہ بہر کیف موجب انقطاع ہے کیونکہ فناء مصر صحت جمعہ میں اگرچہ مطلقاً بحکم مصر ہے مگر حکم قصر میں وجود مزارع یا قدر غلوہ الحاق بالمصر سے مانع ہے، حالانکہ فناء متعلقات مصر سے ہے تو قریہ مستقلہ میں یہ فصل بطریق اولیٰ مانع الحاق ہوگا، البتہ فصل مذکور کے باوجود اگر عام عرف میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا۔

ریلوے اسٹیشن فناء مصر میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۸ ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

لنگر گاہ پر حکم قصر کی تفصیل :

سوال : ہمارا شہر دریا کے کنارے پر واقع ہے فاصلہ تقریباً پچاس گز سے زیادہ نہیں اور دریا میں کشتی تقریباً ایک سو سے تین سو گز کے فاصلہ پر رکتی ہے، گہرائی کم ہونے کی وجہ سے، یہ قدیم زمانہ سے مشہور لنگر گاہ ہے کیا اس سے قصر کا حکم شروع ہوگا؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

لنگر گاہ کنارہ مصر ہے جس کا حکم یہ ہے کہ شہر سے ایک سو پچاس گز = ۱۶ ر ۱۳ میٹر سے کم فاصلہ پر ہو اور درمیان میں زرعی زمین نہ ہو تو یہاں قصر نہیں، کم از کم اتنا فاصلہ ہو یا درمیان میں زرعی زمین ہو تو حکم قصر شروع ہوگا، پس اس لنگر گاہ کے سامنے دریا کے کنارے پر اگر کوئی عمارت ہے تو وہ شہر سے پچاس گز اور اس سے لنگر گاہ سو گز پر ہے، درمیان میں ۱۶ ر ۱۳ میٹر خلا نہیں اس لئے یہ حکم شہر ہے اور اگر دریا کے کنارے پر کوئی مکان اس جانب نہیں تو شہر سے ۱۶ ر ۱۳ میٹر خلا ہونے کی وجہ سے یہاں حکم قصر ہے، قال فی الشامیۃ واما الفناء وهو الموضع المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزاً وان انفصل بغلوة او هنرعة فلا (رد المحتار ص ۷۳۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رمضان سنہ ۱۴۰۹ھ

اتصال آبادی کا معیار :

سوال : پنجگور ایک تحصیل ہے اس کے اندر بارہ موضع ہیں ایک دوسرے سے ڈیڑھ میل ایک میل، دو میل کے فاصلہ پر واقع ہیں، ہر ایک کافی آبادی ہے جتنے رقبے میں یہ مواضع واقع ہیں وہ سب علاقہ پنجگور کہلاتا ہے، مندرجہ بالا بیان کے تحت مندرجہ ذیل سوالات کا جواب کیا ہوگا؟
① جو شخص سفر کرنا چاہے وہ اپنی بستی کی آبادی سے باہر نکل کر مسافر ہے یا سب بستیوں سے تجاوز کے بعد؟

② جب واپس آیا تو اپنی بستی میں داخل ہو کر مقیم ہوگا یا مطلق پنجگور میں داخل ہونے سے؟

③ باہر کا آدمی بیس دن کی نیت سے پنجگور آیا مگر کبھی اس بستی میں، کبھی اس بستی میں، یہ

قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو بستیوں کے درمیان وجود مزارع یا قدر غلوہ (۱۶ ر ۱۳ میٹر) علامت انقطاع ہے،

معہذا اگر دو مواضع عرف عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصل مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا۔

سوال میں مذکور تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر موضع مستقل ہے اور پنجگور ان سب مواضع پر شامل علاقہ کا نام ہے، لہذا سفر کی ابتداء و انتہاء اور اقامت میں ہر موضع الگ شمار کیا جائے گا، اگر کم از کم پندرہ شب ایک جگہ گزارنے کی نیت ہو اور صرف دن میں دوسرے موضع میں جائے تو مقیم ہوگا ورنہ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۶۶ھ

صرف زمین ہونے سے وطن نہیں بنتا:

سوال: ایک شخص درسانو چھنو کا رہنے والا ہے اور اسکی زمین سبیلہ میں ہے، مگر اسکے اہل و عیال وہاں نہیں صرف زمین ہے، درسانو چھنو سے سبیلہ تک بہتر میل کا فاصلہ ہے اب وہ شخص درسانو چھنو سے کراچی آکر جو بائیس میل ہے کچھ گھنٹے قیام کر کے کراچی سے سبیلہ جاتا ہے جو کراچی سے پچاس میل کے فاصلہ پر ہے، تو کیا یہ شخص کراچی تک مقیم سمجھا جائے گا جبکہ شروع ہی سے اسکا ارادہ سبیلہ جانیکا تھا اور پھر سبیلہ جانے کے بعد وہاں زمین کی وجہ سے مقیم سمجھا جائے گا یا مسافر؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص سبیلہ جانے کی نیت سے درسانو چھنو سے نکلتے ہی مسافر ہو گیا، کراچی میں قصر کریگا اور سبیلہ میں بھی مسافر ہی رہے گا زمین کی وجہ سے مقیم نہ ہوگا، قال فی شرح التنویر الوطن الاصلی هو موطن ولادۃ و تأہلہ او توطنہ (رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان سنہ ۱۳۸۸ھ

وطن اصلی میں صرف زمین رہ جانے سے وطن نہیں رہتا:

سوال: والد صاحب نے ایک قصبہ میں زمین خریدی اور وہاں مستقل رہائش اختیار کر لی، میں اُس زمانے میں بالغ تھا مگر والد صاحب ہی کی کفالت میں تھا، اس لئے میں بھی اسی موضع کو اپنا وطن اصلی سمجھتا تھا، بعد میں بسلسلہ ملازمت مختلف مقامات پر میرا قیام مع اہل و عیال رہا مگر ان میں سے کسی موضع کو بھی میں نے وطن اصلی بنانے کی نیت نہیں کی، بالآخر کراچی پہنچنے پر اس کو وطن اصلی بنالیا، اب سابق وطن اصلی میں صرف میری زمین ہے جو والد صاحب

نے اپنی حیات ہی میں مجھے ہبہ فرمادی ہے، علاوہ ازیں والد صاحب اور دوسرے بھائی بہن بھی ہیں مقیم ہیں، اس صورت میں وہ مومن میرے لئے وطن اصلی رہا یا نہیں؟ وہاں جا کر قصر کروں یا پوری نماز پڑھوں؟ بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کراچی کو وطن اصلی بنالینے سے سابق وطن باطل ہو گیا، صرف زمین باقی رہ جانے سے وہ وطن نہیں رہے گا، قال شارح التنویر الوطن الاصلی هو موطن ولادته وتاھله او توطنه یبطل بمثلہ اذ المریق له بالاول اھل، وفي الشامیة عن شرح المنیة ولو كان له اھل ببلد تین فایتما دخلھا صار مقیم فان ماتت زوجتہ فی احد اھما رقی له فیھا دور، وعقار قیل لایبقی وطنالہ اذ المعتبر الاھل دون الدار کما لو تاھل ببلد واستقرت سکنالہ ولیس فیھا دار وقیل تبقی اھل و فیھا (قوله اذ المریق له بالاول اھل) ای وان بقی ند فیہ عقار قال فی النھر ولو نقل اھل و متاعہ ولہ دور فی البلد لا تبقی وھنالہ وفیل تبقی کذا فی المحيط وغیرہ (رد المحتار ص ۴۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان سنہ ۱۴۱۸ھ

تابع کو متبوع کی نیت اقامت کا علم نہ ہوا:

سوال: ایک شخص نے مسافرانہ نماز پڑھی، دوران نماز میں اس نے ارادہ کیا کہ اب مجھے پندرہ روز تک یہیں رہنا ہے اس لئے وہ تو اپنی شروع کردہ نماز کو پوری کر کے فارغ ہوا، اسکے ڈرائیور کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے مالک نے نیت اقامت کی کر لی ہے، نماز کے بعد اسکے مالک نے اس کو بتایا تو ڈرائیور یہ دوگانہ دوبارہ پڑھے یا آئندہ سے چار پڑھے؟ بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ملازم کو جب تک مالک کی نیت کا پتہ نہ چلے اس وقت تک وہ قصر ہی پڑھے گا، لہذا ڈرائیور کا یہ دوگانہ صحیح ہو گیا، آئندہ پوری نماز پڑھے، معہذا احتیاطاً یہ نماز بھی ٹوٹا لے تو بہتر ہے قال فی شرح التنویر ولا بد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الإقامة ولم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الاصح وفي الفيض وبه يفتى كما في المحيط وغيره دفعا للضرر عنه، وفي الشامیة وقیل یلزم الاتمام كالعزل المحکم ۲ بموت الموکک وهو الاحوط كما في الفتح وهو ظاهر الرواية كما في الخلاصة مجر (رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۱)

اگر یہ دونوں جماعت کر لیتے، مالک امام بنتا تو جماعت کا ثواب بھی ہوتا اور ڈرائیور کی نماز میں بھی کوئی اشکال نہ ہوتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸/ رمضان سنہ ۸۸ھ

مسافر نے سہواً پوری نماز کی نیت کر لی :

سوال : سفر میں قصر کی بجائے سہواً پوری نماز کی نیت کر لی یا حضر میں پوری نماز کی بجائے قصر کی نیت سہواً کر لی تو کیا کرنا چاہیے؟ کیا نماز ہی میں نیت کی تصحیح کرے؟
بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

نماز ہی میں نیت کی تصحیح کرے مگر زبان سے نیت کے الفاظ ادا نہ کرے، دل ہی دل میں نیت کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسافر نے سہواً پوری نماز پڑھ لی :

سوال : مسافر نے بھول کر دو رکعت کی بجائے چار رکعتیں پڑھ لیں خواہ درمیان میں قعدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں نماز ہوئی یا نہیں اگر قعدہ کر لیا ہو تو سجدہ سہو سے تلا فی ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

قعدہ اولیٰ کر لیا ہو تو سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی ورنہ نہیں، قال فی التنویر فلواتم مسافران قعد فی الاولیٰ ثم فرضہ واساء وما زاد نفل وان لم یقعد بطل فرضہ (رد المحتار صفحہ ۴۲)
تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آگیا تو لوٹ آئے ورنہ نماز واجب الاعداد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۲/ جمادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

سفر میں عمداً قصر نہ کیا تو توبہ واعداد واجب ہے :

سوال : اگر کوئی شخص سفر میں جان بوجھ کر قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مسافر پر قصر واجب ہے، یہ شخص عمداً ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا اسلئے اس پر توبہ اور اس نماز کا اعداد واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۲/ جمادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

جنگی قیدیوں کے لئے حکم قصر:

سوال: مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ”آپ حضرات کا قید میں قیام بلا ارادہ اور غیر اختیاری ہے اس لئے آپ قصر نماز پڑھیں، سنت پوری پڑھیں، جس جگہ پر قیام اپنی نیت اور ارادہ سے نہ ہو وہاں کے لئے یہی حکم ہے اس پر اکثر فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر مجبوراً ٹھہرنا پڑے اور ہر وقت یہ نیت ہو کہ رکاوٹ دور ہوتے ہی انشاء اللہ واپسی ہوگی تو وہاں جتنی نیت بھی قیام ہو قصر ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مقام میں برف کی وجہ سے چھ مہینے تک رُکے رہے اور قصر پڑھتے رہے جنگی حالات میں بعض صحابہ کرام کو بعض مقامات پر کئی ماہ تک مجبوراً ٹھہرنا پڑا، حضرت انس دو سال تک شام میں رُکے رہے اور قصر فرماتے رہے۔ جمہ آپ پر واجب نہیں پڑھ سکیں تو ثواب ملے گا۔

تفہیم القرآن میں بھی انہوں نے یہی لکھا ہے اسکے برعکس آپ نے پوری نماز پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا یہ قیدیوں پر بھی لاگو ہے؟ حالات یہ ہیں کہ ہم عملاً ایک جیل کی چار دیواری میں بند ہیں جہاں ارد گرد پہرہ ہے لہذا براہ کرم فقہ حنفیہ کے مطابق قدرے تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر روشنی ڈالیں کیا فتویٰ ہے؟ ابھی تک چونکہ نماز میں پڑھاتا ہوں سب میرے پیچھے پوری نماز پڑھ رہے ہیں مزید اطمینان کیلئے لکھ رہا ہوں

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کے قصر و اتمام کا مدار اقامت اختیاری و اضطراری پر نہیں بلکہ اسکا مدار پندرہ روز تک اقامت کے تیقن و عدم تیقن پر ہے، چنانچہ بیوی، خادم، غلام اور قیدی کی اقامت اختیاری نہیں ہوتی بلکہ شوہر اور مولیٰ کی اقامت کے تابع اور غیر اختیاری ہوتی ہے، لہذا جب انہیں پندرہ روز تک شوہر اور مولیٰ کی اقامت کا علم ہو جائے تو ان پر اتمام ضروری ہے مودودی صاحب کی تحریر میں جو حوالے نقل کئے گئے ہیں ان سب میں قصر اس بنا پر نہیں کہ اقامت غیر اختیاری تھی بلکہ اس بنا پر ہے کہ پندرہ روز تک اقامت کا یقین نہ تھا انہوں نے بے علمی کی وجہ سے غلط سمجھا اور اپنا زعم فاسد اکثر فقہاء و محدثین کی طرف منسوب کر دیا اللہ تعالیٰ ان کو علماء کی طرف رجوع اور بدون علم شوق اجتہاد کی بجائے فسٹلوا اہل الذکر انہ کنتم لا تعلمون پر عمل کی ہدایت فرمائیں،

غرضیکہ جنگی قیدی کو اگر قرآن سے ظن غالب ہو جائے کہ پندرہ روز تک اسے اسی

مقام پر رکھا جائے گا تو اس پر اتمام ضروری ہے قصر جائز نہیں، آپ جمعہ پڑھ سکتے ہیں،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شوال سنہ ۱۴۲۰ھ

سوال مثل بالا :

سوال : طویل انتظار کے بعد دو روز پہلے آپ کا سوال کا لکھا خط متعلقہ قصر نماز
عین اس دن پہنچا جبکہ مولانا مفتی اعظم محمد شفیع صاحب اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے آمد
فتویٰ کے مطابق یہاں قصر نماز شروع کر دی گئی ذاتی طور پر آپ کا استدلال پسند آیا اور احتیاطاً
قصر نماز پڑھا کر علیحدہ پوری نماز پڑھتا رہا لیکن مقتدیوں کے اصرار پر صرف قصر نماز پر اکتفا
کرنا پڑا،

الجواب باسمہم الصواب

۵ جنوری کا نوشتہ دو روز ہوئے موصول ہوا، بذریعہ ٹیلیفون دارالعلوم سے انکے
فتویٰ متعلقہ قصر سے متعلق دریافت کیا تو وہی جواب دیا جو میں نے لکھا تھا یعنی اگر پندرہ
روز ایک مقام پر ٹھہرنے کا یقین نہیں تو قصر پڑھیں مجھے اس پر تعجب ہوا کہ اس سے
آپ نے اتمام کا حکم کیسے سمجھا؟ اسلئے میں نے ان سے فتویٰ کی نقل منگو کر دیکھی جس
میں یہ عبارت ہے

”جو پاکستانی مسلمان ہندوستان کی قید میں ہیں اگر انھیں یہ پتہ نہیں کہ کب خلاصی
ہو کر روانہ ہو جائیں گے یا کب ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ میں لیجا یا جائے گا تو
انکی نیت اقامت معتبر نہیں، وہ برابر مسافر ہی رہیں گے گھروں میں پہنچنے تک
یا قید سے چھوٹ کر کسی شہر یا بستی میں پندرہ دن سے کم اپنے اختیار سے کام کرنے
تک ہمیشہ مسافر رہیں گے، وفي نسخة القاضي الامام العبد اذا خرج مع مولاہ
ولا يعلم سیر المولى فانه يسأل ان اخبره ان مسيرته مدة السفر صلى صلوٰۃ
المسافرین وان كان دون ذلك صلى صلوٰۃ الاقامة وان لم يخبره بذلك ان
كان مقيماً قبل ذلك صلى صلوٰۃ الاقامة وان كان مسافراً قبل صلى صلوٰۃ الحاضرین
كذا في الخلاصة وفي المحيط مسلم اسره العدو وان كان مسيرته العدو وثلاثة ايام
يقصر وان كان دون ذلك يقيم وان لم يعلم يسأل كما مر في العبد (المحرر الراثي ص ۱۵۱)

فتویٰ مذکورہ کی عبارت ادا مراد سے قاصر ہے اسکا متبادر مطلب وہی ہے جو آپ نے سمجھا ہے یعنی جب ربائی کی تاریخ کا کوئی علم نہیں تو قصر ہی کیا جائے، مگر یہ مطلب نہ صحیح ہے اور نہ ہی دارالعلوم والوں کی مراد ہے انھوں نے اسکا اعتراف بھی کیا ہے اور ان کے فتویٰ کی عربی عبارات بھی اسی کی مثبت ہیں، ان کی مراد اس سے وہی ہے کہ پندرہ روز ٹھہرنے کا یقین نہ ہو تو قصر پڑھیں میں ان کو بھی لکھ رہا ہوں کہ وہ عبارت کی ترمیم کر کے مستفتی کو بھی اسکی اطلاع کریں تاکہ مراد سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو اور نمازیں ضائع نہ ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ اس پر تمام ارباب فتاویٰ متفق ہیں کہ ایک مقام پر پندرہ روز ٹھہرنے کا یقین ہو تو اتمام کریں ورنہ قصر کریں اس میں اختیار و عدم اختیار کو کوئی دخل نہیں البتہ اس میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ حالات کے پیش نظر پندرہ روز کی اقامت ایک جگہ پر متیقن ہے یا نہیں؟ اس میں سیاسی حالات میں بصیرت رکھنے والوں کی رائے کا اعتبار ہوگا، اگر ان کو ظن غالب ہو کہ پندرہ روز سے قبل رہائی یا نقل مکانی متوقع نہیں تو اتمام فرض ہوگا ورنہ قصر کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رذی الحجہ سنہ ۱۴۲۲ھ

مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز فاسد ہوگئی تو دو رکعت لوٹائے :

سوال : ایک مسافر نے مقیم امام کے ساتھ نماز شروع کی، تیسری رکعت میں شامل ہوا اور امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا، اس کے بعد علم ہوا کہ امام کے تابع ہونے کی وجہ سے اس پر چار رکعتیں فرض تھیں، اب اعادہ کے وقت دو رکعتیں پڑھے یا کہ چار کا اعادہ کرے؟

بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو رکعتیں پڑھے، قال فی العلائیۃ واما اقتداء المسافر بالمقیم فیصم فی الوقت ویتم لا بعلہ فیما یتغیر، و فی الشامیۃ تحت (قوله فیصم فی الوقت ویتم) اے سواء بقی الوقت او خرج قبل اتمامها التغیر فرضہ بالتبعیۃ لانصال المغیر بالسبب وهو الوقت ولو افسدہ صلی رکعتین لزوال المغیر بخلافه ما لو اقتدے بہ متنفلًا حیث یصلی اربعًا اذا افسدہ لانه التزم صلوٰۃ الامام (رد المحتار ص ۴۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الاول سنہ ۱۴۲۶ھ

اثنائے نماز میں خروج وقت کے بعد نیت اقامت :

سوال : زید سفر میں تھا اس نے غروب آفتاب سے کچھ قبل نماز عصر شروع کی، مگر دو گانہ نماز پوری ہونے سے قبل آفتاب غروب ہو گیا اور نماز ہی میں زید نے اس شہر میں اقامت کی نیت کر لی تو یہ دو رکعتیں ہی پڑھے گا یا چار پوری کرے ؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر غروب آفتاب سے قبل اقامت کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے اور اگر غروب کے بعد نیت کی ہو تو قصر کرے ، قال فی شرح التنویر وینوی ولو فی الصلوٰۃ اذا لم یخرج وقتها ، وفی الحاشیۃ ای قبل ان ینوی الاقامۃ لانہ اذا نواھا بعد صلاۃ رکعۃ ثم خرج الوقت فحول فرضہ الی الاربع اما لو خرج الوقت وهو فی ثلث نوى الاقامۃ فلا یتحول فی ثلاث الصلوٰۃ کما فی البحر عن الخلاصۃ (رد المحتار ص ۱۳۷)

بعد صلوٰۃ رکعۃ قید احترازی نہیں بلکہ قول شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے احتراز مقصود ہے ، انکے ہاں ایک رکعت وقت کے اندر ہونے سے پوری نماز ادا ہے اس لئے خروج وقت کے بعد بھی نیت اقامت معتبر ہونا چاہیے ، مگر عند الاحناف علی المراجع وقت کے اندر ادا کردہ حصہ ادا ہے اور بقیہ قضاء ، لہذا خروج وقت کے بعد نیت اقامت معتبر نہیں ، ولو بعد صلوٰۃ رکعۃ ، قال فی العلائق وبالتحريم فقط بالوقت يكون اداء عندنا وبركعة عند الشافعي ، وفي الشامية وما ذكره من انه بالتحريم يكون اداء عندنا هو ما جزم به في الترمذي وذكر شارحه انه المشهور عند الحنفية ثم نقل عن المحيط ان ما في الوقت اداء والباقي قضاء (رد المحتار ص ۱۳۷) وفيها في بيان فاذا وقت العشاء المنقول عن المحيط وغيره ان الصلوٰۃ الواقع بعضها في الوقت وبعضها خارجة لسمى ما وقع منها في الوقت اداء وما وقع خارجة لسمى قضاء اعتبار الكل جزءا من فافهم (رد المحتار ص ۱۳۷) وقال العلامة الطحطاوي معزيا للشرح العلائق للسلقي لو ادرك ركعة من غير الفجر في الوقت ثم خرج الوقت هل تكون هذه الصلوٰۃ اداء او قضاء او ما في الوقت اداء وما بعده قضاء اقوال اصحابها اولها وتظهر الثمرة في نية المسافر الاقامة وقيدنا بغير الفجر لان فيه تبطل بطول الشمس وقيدنا ببركعة لان ما دونها يكون قضاء قاله البهسي وتلميذه الباقي لكن نقلت في شرح المنار من بحثه الاداء عن ابن نجيم معزيا للتحريم انه بالتحريم في الوقت يكون اداء عندنا وبركعة عند الشافعي رضي الله تعالى عنه (طحطاوي على الدر المنثور ص ۱۳۷)

باب المسافر میں جملہ کتب میں قول ثالث یعنی ما فی الوقت اداء وما بعده قضاء اختیار کیا گیا ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

ہوائی جہاز میں مسافت قصر :

سوال : ایک ملک میں سفر کے تین راستے ہوں، اول خشکی کا راستہ، دوم دریا اور سوم خشکی مگر پہاڑی راستہ ہے، خشکی کے راستہ میں تین دن گزارنے پڑتے ہیں، یہی حال پہاڑی راستہ کا ہے مگر دریا کے راستہ سے دو دن گزارنے پڑتے ہیں، جب زید سفر کرنا چاہے دریا کے راستہ سے تو اس کے لئے قصر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر قصر کرنا درست نہیں تو زید جب ہوائی جہاز پر سفر کرتا ہے تو اس میں بطریق اولیٰ قصر کرنا درست نہیں ہوگا اس بارے میں عبارت متخلص الحقائق شرح کنز الدقائق ملاحظہ ہو، حتیٰ لو كان لموضع طريقان احدهما في البحر والاخر في البر او في الجبل بحيث لو سار في البر قطع في ثلاثة ايام ولو سار في البحر قطع في اقل من ذلك باعتماد الريح او كان بحيث لو سار في البر قطع في اقل من ثلاثة ايام ولو سار في الجبل قطع في ثلاثة ايام لمكان الصعود والنزول فان سار في البر قصر وان سار في البحر لم يقطع، وكذلك الجبل كذا في الينابيع وغيره (ص ۵۳)

بتینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر دریا کا راستہ اختیار کرنے سے دو دن کی مسافت بنتی ہے تو اس راستہ میں قصر کرنا درست نہ ہوگا، ہوائی جہاز کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسلئے کہ قصر کا اصل مدار سیر ہے کہ خشکی یا دریا میں معتدل سیر سے تین روز کی مسافت ہو، اگر اتنی مسافت مرکب سیر کے ذریعہ جلد طے کر لی تو بھی قصر واجب ہوگا، قال فی العلائق حتیٰ لو اسرع فوصل فی یومین قصر، وفي الشامية ای الی مکان مسافت ثلاثہ ايام بالسیر المعتاد بحر (رد المحتار ص ۳۵)

لہذا ہوائی جہاز خشکی کے راستہ کی محاذاتہ پر پرواز کرے گا تو معتدل سیر سے تین روز کی مسافت ہونی کی وجہ سے قصر واجب ہوگا اور دریا کی محاذاتہ پر پرواز ہوگی تو قصر جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۶ھ

مسافر مسبوق خلف المقیم پوری نماز پڑھے :

سوال : مقیم امام کا مقتدی مسافر مسبوق اپنی رہی ہوئی نماز بحساب قصر پڑھے یا امام کی اقتدار کی وجہ سے پوری چار رکعت پڑھے ؟

بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ابتداء نماز میں امام کے تابع ہونے کی وجہ سے پوری چار رکعتیں پڑھے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شعبان سنہ ۹۷ھ

مسافر خلف المقیم چار رکعت کی نیت کرے :

سوال : چار رکعت والی نماز میں مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی نیت کتنی رکعت کی باندھے گا یعنی نیت کرتے وقت چار کہے گا یا دو کہے گا ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی متابعت کی وجہ سے مقتدی کی بھی چاروں رکعات فرض ہیں اس لئے چار کی نیت

۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بحری جنگی مشقوں میں حکم قصر :

سوال : پاک بحریہ کے جہاز جب جنگی مشقوں کے لئے سمندر میں گشت کرتے ہیں تو ان کا عملہ نماز پوری پڑھے یا کہ قصر کرے، ایک عالم دین نے خود جہاز پر جا کر موقع دیکھ کر اور حالات سن کر قصر پڑھنے کا فتویٰ دیا مگر دارالافتاء مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن سے استفتاء کیا گیا تو انہوں نے پوری نماز پڑھنے کا فتویٰ لکھا، یہ فتویٰ ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرما کر تحریر فرمادیں کہ کونسا فتویٰ صحیح ہے ؟ بیٹو اتوجروا

سوال : پاک بحریہ (پاکستان نیوی) کے جہاز جب سمندر میں مختلف جنگی مشقوں کے لئے جاتے ہیں تو آیا ان میں نماز قصر پڑھنی ہوگی یا پوری، جبکہ ان جہازوں کے تفصیلی حالات حسب ذیل ہیں،

① کھانے پینے رہائش اور دیگر تمام ضروریات زندگی جو ویسے گھر میں مقیم ایک آدمی کے لئے ہوتی ہیں سب مہیا ہیں، جہاز اکثر دو دنوں سے لیکر ہفتہ عشرہ تک مسلسل سمندر میں چلتے رہتے ہیں، بعض اوقات کراچی سے صرف تیس چالیس میل پر ہوتے ہیں لیکن کل سفر کے حساب سے وہ سیکڑوں میل ایک ہی دن میں طے کر جاتے ہیں مثلاً کبھی ان مشقوں کے دوران مشرق کو کبھی مغرب و شمال و جنوب کو ۲۰-۲۵ یا ۳۰ میل قطر کے دائرہ کے اندر گھومتے رہتے ہیں تو کیا یہاں کل سفر کا حساب ہوگا یا کراچی سے فاصلہ کا ؟

(۲) ایک بار مثلاً انھوں نے شرعی تین منزل (۴۸ میل) کراچی سے فاصلہ طے کر لیا اور پھر دو یا تین دن اس سے کم فاصلہ پر رہے اور مختلف اطراف کو چلتے رہے تو یہاں قصر ہوگی یا نہیں؟

(۳) جہاز صرف چند گھنٹوں کے لئے سمندر میں گیا کراچی بندرگاہ سے پورے اڑتالیس^۲ یا پچاس میل سیدھا ایک طرف گیا اور پھر سیدھا واپس بندرگاہ آگیا تو کیا حکم ہے؟

(۴) جہاز چند گھنٹوں کے لئے کراچی سے روانہ ہوا پھر سیدھا ایک طرف نہیں بلکہ مختلف اطراف کو مڑتا ہوا اس نے پچاس سے زائد میل سفر کیا اور اسی طرح واپس ہوتے ہوئے پچاس سے زائد میل سفر ہوا لیکن اس دوران کبھی بھی اور کسی جگہ پر بھی کراچی سے ۴۸ میل پر نہ تھا تو کیا حکم؟

(۵) بندرگاہ سے جہاز کا بیس^۲ پچیس^۲ میل کے فاصلہ پر دو تین دن مشقیں کرتے رہے پھر تیسرے یا چوتھے دن ۴۸ میل سے زائد فاصلہ پر جا کر پھر واپس آگئے تو آیا بعد میں سب نمازیں واپسی بندرگاہ تک پوری ہونگی یا قصر؟

(۶) کراچی سے جہاز چلا پچاس^۲ سے زیادہ میل فاصلہ تک جانے کا ارادہ تھا پھر راستہ میں خراب ہو گیا یا کسی مصلحت کی بنا پر واپس آگیا تو نماز پوری ہوگی یا قصر؟

(۷) بعض اوقات جنگی مشقوں کی مصلحتوں کی بنا پر کسی کو بھی نہیں بتایا جاتا سوائے چند خصوصی افراد کے جو اس کام (یعنی سمتوں اور فاصلوں کا معلوم کرنا) پر مامور ہوتے ہیں کہ جہاز بندرگاہ سے اتنے فاصلے پر ہے تو کیا معلوم کرنا فرض ہے جبکہ ان افراد کو جن کو معلوم ہو سختی سے منع کر دیا ہو کہ کسی کو نہ بتائیں تو کیا وہاں اپنے اندازہ پر قصر یا پوری نماز پڑھیں گے؟

علاوہ ازیں بحری سفر کے بارے میں شرعی احکام سے متعلق آگاہ فرمادیں کہ کتنے میل کی مسافت پر قصر کا حکم ہے؟ بیسوا تو جروا

جواب از مدرسہ نیوٹاون

(۱) دورانِ مشق اگر جہاز ۴۸ میل سے کم فاصلہ کے قطر میں مشرق و مغرب جنوب و شمال چکر لگاتے ہیں تو نماز پوری پڑھی جائے اگرچہ کل سفر کے حساب سے سیکڑوں میل طے کر جائیں جب تک ساحل کراچی سے ۴۸ میل فاصلہ نہ ہو جائے قصر نہ کیا جائے،

(۲) جب ایک بار ساحل کراچی سے ۴۸ میل سفر کیا اور سفر شروع کرتے وقت

۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا ارادہ بھی تھا تو اس صورت میں روانگی کے بعد واپسی تک قصر کیا جائے۔

(۳) قصر کیا جائے۔

(۴) نماز پوری پڑھی جائے۔

(۵) اگر سفر شروع کرتے وقت ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا ارادہ تھا تو شروع سے قصر کیا جائے، اگر شروع سے ۴۸ میل کا ارادہ نہیں تھا تو ۴۸ میل ہو جانے کے بعد بندرگاہ واپسی تک قصر کیا جائے

(۶) جس وقت ارادہ تبدیل ہوا اس وقت سے نماز پوری پڑھی جائے اس سے قبل قصر کیا جائے،

(۷) ظاہر ہے کہ جہاز کے عام ملازمین کمانڈر کے تابع ہیں اور اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ متبوع یعنی کمانڈر کی نیت کا اعتبار ہوگا اور جب نیت معلوم نہ ہو سکے جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے کہ نیت اور ارادہ معلوم کرنا مشکل ہے تو اگر آفیسران نمازی ہیں تو ان کو دیکھ لیا جائے کہ کس طرح نماز پڑھتے ہیں قصر کے ساتھ یا پوری نماز پڑھتے ہیں ورنہ تابع یعنی جہاز کے باقی حضرات اپنی حالت کا اعتبار کریں ۴۸ میل کے بعد قصر کریں اور اس سے پہلے اتمام یعنی پوری نماز پڑھیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۹۷ھ

الجوابے باسمہم الصوابے

جس عالم نے وجوب قصر کا فتویٰ دیا ہے ان کو غالباً اس مسئلہ سے اشتباہ ہوا ہے کہ جب کسی مقام تک پہنچنے کے دو راستے ہوں، قریب کے راستے سے مسافت قصر نہ ہو اور بعید راستہ سے مسافت قصر ہو تو براہ بعید سفر کرنے والے پر قصر واجب ہے مگر صورت سوال کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ مسئلہ مذکورہ اس صورت میں ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے راستے متعین ہوں جیسا کہ بالعموم بری سفر میں ہوتا ہے، مسافر کا اصل مقصد ایک مخصوص مقام ہوتا ہے اور اس کا دائیں بائیں مڑنا انحراف طریق کی وجہ سے ہوتا ہے پس انحراف طریق کی وجہ سے اگر مسافت سفر متحقق ہو جائے تو قصر واجب ہے اگرچہ خط مستقیم یا طریق قریب مسافت سفر سے کم ہو، اگر قید طریق سے قطع نظر مطلقاً یمن و یسار انحراف کی

مسافت کا اعتبار کیا جائے تو اس پر لازم آئیگا کہ اگر کوئی شخص اپنے شہر سے باہر نکل کر شہر سے متصل ہی چکر کاٹتا رہے یا ہل جوت لے یا کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر کبڈی کھیلنا شروع کر دیں اور مجموعہ مسافت مسافت سفر کے برابر ہو جائے تو ان پر قصر واجب ہو جائے اور یہ بدیہی البطلان ہے والقول المستلزم للبطلان باطلی، غرضیکہ صورت مسئلہ میں وجوب کا قول صحیح نہیں، مدرسہ نیوٹاؤن کا جواب صحیح ہے مگر اس میں بھی سوال اول کے جواب میں چند اشتباہ واقع ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں،

(۱) اس میں بری اور بحری میل کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا، بری میل ۱.۶۰ گز، اور بحری میل ۶۷ ر ۲۶ گز ہوتا ہے۔

(۲) مسافت سفر بصورت قطر کی قید صحیح نہیں بلکہ ساحل سے بعد کا اعتبار ہے خراہ بصورت قطر ہو یا نہ ہو۔

(۳) بحری سفر کو بھی بری پر قیاس کر کے اڑتالیس میل کو مسافت قصر قرار دینا صحیح نہیں، مذہب میں اصل اعتبار میلوں کی بجائے تین روز کی مسافت کا ہے بری سفر میں اسکا تخمینہ ۳۸ میل شرعی کیا گیا ہے مگر یہ فیصلہ بحری سفر پر جاری نہیں ہو سکتا، بحری جہاز کے کپتان سے تحقیق ہوئی کہ عام معمولی کشتی معتدل ہوا میں پانچ چھ میل بحری فی گھنٹہ طے کرتی ہے، ماہرین فن ملاحوں اور پاک بحریہ کے افسروں سے بھی اسکی تصدیق ہوئی مجموعہ پانچ شہادتوں سے ثابت ہوا کہ معتدل ہوا میں معمولی کشتی کی اوسط رفتار ۵ ۱/۴ میل بحری فی گھنٹہ ہے، لہذا بحری سفر میں مسافت قصر کا حساب یوں ہوگا تین دن = ۷۲ گھنٹے x ۵ ۱/۴ = ۳۹۶ بحری میل،

کشتی چونکہ رات دن مسلسل چلتی ہے اسلئے بحری سفر کی صورت میں تین دن رات مسلسل چلنے کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا جائیگا اس سے کم مسافت کے قصد پر قصر کرنا جائز نہیں، (فائدہ) میل انگریزی = ۱.۶۰ گز، میل شرعی ۲۰۰۰ گز، میل بحری ۶۷ ر ۲۶ گز، بری سفر میں ۳۸ میل انگریزی مسافت سفر نہیں بلکہ ۳۸ میل شرعی ہیں، بلکہ مفتی بقول کے مطابق ۵۳ میل شرعی = ۶۱ میل انگریزی مسافت سفر ہے تفصیل بندہ کے رسالہ "القول الاظہر فی مسئلۃ السفر" میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ریل قبلہ سے پھر گئی :

سوال : ریل میں سفر کرتے ہوئے اس نے کعبہ کی طرف رخ کیا اور نماز کے دوران میں گاڑی کا رخ کعبہ سے پھر گیا تو کیا اس کی نماز باقی رہے گی ؟ بدینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ریل کا رخ پھرنے کا علم ہوتے ہی فوراً قبلہ کی طرف گھوم جائے ، اگر نہیں گھوما یا گھومنے کی جگہ نہیں تھی تو نماز دوبارہ پڑھے ، البتہ نماز کے بعد ریل گھومنے کا علم ہوا تو یہ نماز صحیح ہو گئی ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ڈرائیور سفر میں ہمیشہ قصر پڑھے گا :

سوال : ٹرک اور ریل چلانے والے ڈرائیور لوگ جبکہ ۵۰ میل سے زائد سفر کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو ہمیشہ ہی سفر ہی سفر میں ہوتے ہیں کیونکہ کراچی سے لاہور تک اور لاہور سے کراچی تک ، کراچی سے پشاور وغیرہ تک چلتے پھرتے ہیں تو یہ لوگ نماز قصر پڑھیں گے یا اتمام کریں گے ؟ بدینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جب تک سفر میں رہیں گے قصر پڑھیں گے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ رجب سنہ ۱۴۱۸ھ

عورت سفر میں وطن کے قریب جا کر پاک ہوئی تو پوری نماز پڑھے :

سوال : کوئی عورت سفر میں حیض کے ساتھ ہو اور ایسی جگہ پہنچ کر پاک ہوئی جہاں سے وطن مسافت سفر سے کم ہو اور اس حالت میں اس پر نماز کا وقت آگیا تو یہ قصر پڑھے گی یا پوری نماز پڑھے گی ؟ اور اگر یہ نماز قضا ہو گئی تو پوری نماز قضا کرے گی یا دو گانہ ؟ بدینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خواہ ادا پڑھے یا قضا بہر صورت اس پر پوری نماز فرض ہے ، قال فی العلائق طہرت الحائض ولقی لقصدہا یومان تتم فی الصحیح کصبی بلغ بخلافہ کافر سلم (رد المحتار ص ۱۳۶) یہ حکم جب ہے کہ ابتداء سفر سے حائضہ ہو ، اگر حالت طہارت میں سفر کی ابتداء ہوئی ہو تو حیض ختم ہونے کے بعد بھی قصر ہی پڑھے گی ، کما یفہم من قول ابن عابدین رحمہ اللہ

تعالیٰ منعہا من الصلوٰۃ ما لیس بصنعہا فلغت نیتہا من الاولیٰ ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

ریل گاڑی پر نماز :

سوال : جبکہ گاڑی میں ریل جُتے ہوئے ہوں اس پر کھڑا ہو کر نماز ادا کرنا
خواہ فرض ہو یا سنن و نوافل ہو صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

فرائض سنن مؤکدہ بدوٰں عذر جائز نہیں ، نوافل جائز ہیں ، اگر استقبال قبلہ مشکل ہو تو
وہ بھی معاف ہے ، اسی طرح گھوڑے پر بھی نوافل پڑھے جاسکتے ہیں ، سجدہ کی بجائے اشارہ
کافی ہے ۔ نہ استقبال قبلہ ضروری اور نہ ہی گھوڑے اور رکاب اور زین وغیرہ کی طہارت ،
خود نمازی پر نجاست نہ ہو ، اگر گاڑی ایسی ہو کہ اسکا وزن جانور پر نہ ہو جیسے اونٹ گاڑی تو
اس پر فرض نماز بھی جائز ہے مگر استقبال قبلہ اور قیام شرط ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

ریل گاڑی اور بس میں نماز :

سوال : ریل گاڑی یا بس کے سفر میں نماز کیسے پڑھے ؟ اگر ڈرائیور بس نہ روکے اور بس
اسٹاپ یا اسٹیشن تک پہنچنے میں وقت نکل جائیگا خطرہ ہو ، اگر کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز
ہو جائے گی ؟ اور قبلہ کی طرف رخ نہ ہو سکے تو کیا کرے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں ، گرنے کا خطرہ ہو تو
کسی چیز سے ٹیک لگا کر یا ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ کر کھڑے ہوں ، حالت قیام میں ہاتھ باندھنا
سنت ہے فرض نہیں اور قیام فرض ہے ، اسلئے بوقت ضرورت ہاتھ چھوڑ کر کسی چیز کو
پکڑ کر کھڑا ہو ، اگر قبلہ رخ ہونے کی گنجائش نہ ہو تو دو نشستوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑا ہو کر
قیام و رکوع کا فرض ادا کرے اور سجدہ کے لئے پچھلی نشست پر کرسی کی طرح بیٹھ جائے
یعنی پاؤں نیچے ہی رہیں اور سامنے کی نشست پر سجدہ کرے ، اس صورت میں بحالت
سجدہ گھٹنے کسی چیز پر نہیں ٹکیں گے مگر سجدہ میں گھٹنے رکھنا فرض نہیں بلکہ واجب یا سنت ہر
بوقت عذر اس کے ترک سے نماز ہو جائے گی ، اگر کسی وجہ سے قیام یا استقبال قبلہ کا فرض

کسی طرح بھی ادا نہ ہو سکے تو اُس وقت جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے مگر بعد میں ایسی نماز کا اعادہ کرے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

کشتی اور بحری جہاز میں نماز :

سوال : کشتی کنارے سے لگی ہوئی ہو اور اس سے اتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو کشتی کے اندر نماز صحیح ہوگی یا نہیں ؟ بحری جہاز کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے یا اس سے مختلف ہے ؟
بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

کشتی اور بحری جہاز کا تلازمین پر ٹیکا ہوا ہو تو اسیں نماز صحیح ہے اور اگر زمین پر مستقر نہیہر تو بعض نے امکان خروج کے باوجود نماز کی صحت کا قول کیا ہے مگر راجح یہ ہے کہ اس صورت میں کشتی اور جہاز کے اندر نماز صحیح نہیں باہر نکل کر پڑھے ، بلکہ چلتی کشتی کو بھی اگر کنارے پر لگا کر نکلنا ممکن ہو تو قول راجح کی بنا پر اسیں بھی نماز درست نہیں ، اگر ملاح کشتی کنارے لگانے پر راضی نہ ہو یا بندر گاہ پر جہاز کا عملہ باہر نکلنے کی اجازت نہ دے تو اندر ہی نماز پڑھ لی جائے مگر بعد میں اسکا اعادہ واجب ہے ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وظاہر ما فی الہدایۃ وغیرہا الجواز قائماً مطلقاً سواء استقرت علی الارض اولاً و صرح فی الایضاح بمنعہ فی الثانی حیثۃ امکانہ الخروج الحاقالہا بالدابۃ فہو واختارہ فی المحيط والبدائع مجرور عنراہ فی الامداد ایضاً الی مجموع الروایات عن المصنفی وجزم بہ فی نور الایضاح وعلیٰ ہذا ینبغی ان لا تجوز الصلوۃ فیہا سائرۃ مع امکانہ الخروج الی البر و ہذہ المسألة الناس عنہا غافلون ، شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۱۷۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۲ھ

ہوائی اور بحری جہاز میں نماز :

سوال : ہوائی جہاز میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اگر جائز نہیں اور جہاز کے اترنے تک نماز قضا ہو جانے کا خطرہ ہے تو کیا کرے ؟

بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے، یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے، کالصلوٰۃ علی الدابة، البتہ ٹھہرنے کی حالت میں دونوں کا حکم مختلف ہے، ہوائی جہاز زمین پر ہو تو اس میں بالاتفاق نماز صحیح ہے، اور بحری جہاز کنارے کے ساتھ لگا ہوا ہو تو اس میں نماز کا جواز مختلف فیہ ہے، عدم جواز راجح ہے، اگر بحری جہاز کا عملہ نماز کے لئے اترنے کی اجازت نہ دے تو جہاز میں نماز پڑھ لے مگر بعد میں اعادہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ شوال سنہ ۱۴۰۸ھ

بندرگاہ کراچی میں قصر نہیں:

سوال: کراچی کے رہنے والے لوگ یا جہاز کے ملازم بحری جہاز سے سفر کریں تو ان کو قصر نماز کب شروع اور ختم کرنا چاہئے؟ کیا جہاز میں بیٹھ جانے کے بعد جب تک جہاز ساحل سمندر پر کھڑا ہے قصر نماز پڑھتے رہیں؟ یا اس کے روانہ ہونے کے بعد قصر کرنا شروع کریں؟ جو جہاز سامان تجارت لے کر باہر جاتے ہیں یعنی کارگو شپ، ان پر غلہ یا دوسرا سامان لادنے میں بعض اوقات کافی وقت لگ جاتا ہے، اسی طرح آنے والے جہاز کراچی پہنچنے کے بعد بھی ساحل پر کوئی برتھ خالی نہ ہو تو ساحل سے کچھ فاصلہ پر سمندر میں کھڑے رہتے ہیں، اور سامان کے اتارنے میں کافی وقت خرچ ہوتا ہے، تو وہ لوگ قصر نماز کب ختم کریں؟ جہاز کے کراچی پہنچنے پر یا جہاز سے اترنے کے بعد؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بندرگاہ اور انتظارگاہ یعنی بندرگاہ پر جگہ نہ ہونے کی صورت میں جہاں جہاز انتظار میں ٹھہراتے ہیں فنائے مصر میں داخل ہیں، فنائے مصر کے درمیان زرعی زمین اور ۱۶-۱۳ میٹر کا فاصلہ نہ ہو تو احکام سفر میں فنائے بحریم مصر ہے، لہذا بوقت روانگی اور بوقت واپسی دونوں صورتوں میں دونوں مقامات میں نماز پوری پڑھی جائیگی البتہ جو شخص کراچی میں مقیم نہ ہو اور یہاں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ ہو وہ قصر پڑھے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رجب ۱۴۰۱ھ



وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب



القول الاظهر

في

تحقيق مفصلة السفر



تحقیق مسافت سفر :

تحقیق صاع و مسافت سفر (مندرج رسالہ اوزان شرعیہ مصنفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) سے متعلق ایک سوال کے جواب میں دونوں مسائل کی تحقیق لکھی گئی تھی، چونکہ دونوں مسئلے الگ ابواب سے متعلق ہیں اسلئے ہر ایک کے لئے الگ نام تجویز کر کے اسے اس کے باب میں شامل کیا گیا ہے، صاع سے متعلق تحقیق بنام ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ باب صدقۃ الفطر میں ہے مسافت سفر کی تحقیق یہاں درج کی جاتی ہے اس کا سوال رسالہ بسط الباع کے شروع میں ہے۔ (مرتبہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رسالہ اوزان شرعیہ میں فرماتے ہیں :

”راجح اور صحیح مذہب امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید بیلو وغیرہ سے نہ کی جائے بلکہ تین دن رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر یا سانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر یا سانی طے کرے وہ مقدار مسافت شرعی ہے اور حسب تصریح ابن ہمام بیلوں کی سواری کا بھی یہی حکم ہے۔ اور حسب تصریح البحر الرائق اونٹ سے بھی قافلہ کا اونٹ مراد ہے، تیز رو سانڈنی مراد نہیں۔ اور تین دن رات کا یہ مطلب نہیں کہ دن رات چلے بلکہ مراد صرف دن میں چلنا ہے اور وہ بھی پورا دن نہیں بلکہ جب قدر عادیۃً متوسط قوت کا آدمی چل سکتا ہے جس کو بعض فقہاء نے صبح سے زوال آفتاب تک مقدار فرمایا ہے (کما ذکرہ الشامی ومثلہ فی البحر منہ ج ۱)“

آگے فرماتے ہیں :

”عامہ متون و شروح میں جمہور مشائخ حنفیہ کا مختار یہی ہے کہ بیلوں کی تعیین نہ کی جائے۔ فتح القدیر، عمدۃ القاری، البحر الرائق، شامی، درختار وغیرہ سب کا اسی پر اتفاق ہے۔ اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت یہی ہے (عمدۃ القاری ص ۵۳ ج ۳)

اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریٹھ میل ہوتے ہیں، بعض

نے اٹھارہ فرسخ جسکے چوٹن میل ہوتے ہیں، اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے، عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے (بحر ص ۱۴ ج ۱) انتہی مافی الاوزان الشرعیۃ،

قال العبد الضعیف

احناف کا اگرچہ راجح قول ہی ہے کہ مسافت سفر کے لئے میلوں وغیرہ سے کوئی خاص مقدار متعین نہیں بلکہ تین دن رات میں متوسط قوت کا آدمی پیدل جتنی مسافت، سہولت طے کر سکے وہ سفر شرعی کی مسافت ہے مگر جس زمانہ میں قافلے پیادہ یا اونٹوں وغیرہ پر چلا کرتے تھے، اس زمانہ میں اسکا اندازہ لگانا سہل تھا، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز کے اس دور میں تین دن کی پیدل مسافت کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں، شاید آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کا زمانہ آنے والا ہے لہذا احکام شرع میں سہولت کے پیش نظر اب میلوں کی تعیین ضروری معلوم ہوتی ہے، میلوں کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔

۲۱ فرسخ، ۱۸ فرسخ، ۱۶ فرسخ، ۱۵ فرسخ۔ ایک فرسخ = ۳ میل شرعی ہے۔ پھر میل شرعی کی مقدار میں اختلاف ہے ۴ ہزار قدم = ۶ ہزار ذراع، ۳ ۱/۴ ہزار ذراع اور ۴ ہزار ذراع یعنی دو ہزار انگریزی گز، یہی قول معتد علیہ ہے۔

فرسخ، میل شرعی، میل انگریزی اور کلومیٹر

فرسخ = ۳ میل شرعی = ۲۰۹۰۹۰۹ میل انگریزی = ۴۸۶۴ کلومیٹر

میل شرعی = ۲۰۰۰ گز

میل انگریزی = ۱۷۶۰ گز

میل شرعی = ۱۳۶۳۶۳۶ میل انگریزی = ۸۲۸۸۰۰۰ کلومیٹر

میل انگریزی = ۰.۶۸۸ میل شرعی = ۶۰۹۳۲۲۰ کلومیٹر

کلومیٹر = ۵۲۶۸۰۶۶ میل شرعی = ۶۲۱۳۷۱۱ میل انگریزی

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ائمہ ثلاثہ کے ہاں مسافت سفر = ۱۶ فرسخ، اور

فرسخ = ۳ میل، اور میل = ۶ ہزار ذراع لکھا ہے، نیز اس مسافت کو ۶۴۰۰ کلومیٹر

قرار دیا ہے اور حنفیہ کی طرف ۲۴ فرسخ کا قول منسوب کیا ہے۔

اس تحریر میں میل = ۶ ہزار ذراع کی نسبت ائمہ ثلاثہ کی طرف اور مسافت سفر = ۲۴ فرسخ کی نسبت حنفیہ کی طرف صحیح نہیں، ممکن ہے کہ ۶ ہزار ذراع کا کوئی قول کسی امام کا ہو مگر اسے ائمہ ثلاثہ کا مذہب قرار دینا صحیح نہیں، چنانچہ علامہ احمد بن درویر نے الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک میں $\frac{3}{4}$ ہزار ذراع کے قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ پھر میل = ۶ ہزار ذراع لیکر ۱۶ فرسخ کو = ۶۴ + ۸۰ کلومیٹر قرار دینا صحیح نہیں، صحیح حساب کی رُو سے ۶۴ + ۱۳۱ کلومیٹر بنتے ہیں۔

اکثر مشایخ احناف نے ۱۸ فرسخ = ۵۴ میل شرعی = $\frac{2}{11}$ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دیکر اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

دوسرے درجہ میں ۱۶ فرسخ = ۴۸ میل شرعی = $\frac{4}{11}$ میل انگریزی کو مسافت سفر قرار دینے کا قول ہے۔ اگرچہ یہ قول احناف میں سے کسی سے منقول نہیں۔ معذایہ قول دو وجہ سے تیسرے قول پر ترجیح کا مستحق ہے، ایک یہ کہ یہ قول دوسرے تینوں ائمہ کا بھی ہے دوسری وجہ یہ کہ رسالہ اوزان شرعیہ میں عمدۃ القاری سے اسکی تائید میں یہ حدیث نقل کی ہے، یا اھل مکہ (تقصیر الصلوۃ فی دینی من اربعۃ بوم من مکۃ الخ عسکان (عمدۃ القاری ص ۵۳ ج ۳) رسالہ اوزان شرعیہ میں برید کو ۱۲ میل انگریزی قرار دیکر اس حدیث سے ۴۸ میل انگریزی کی مسافت پر استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں، کیونکہ برید = ۱۲ میل شرعی ہے۔ چنانچہ خود اوزان شرعیہ ص ۲ پر ہے۔

”برید چار فرسخ یا بارہ میل کی مسافت کو کہا جاتا ہے“ اور ص ۲ پر فرسخ کو تین میل شرعی کے برابر لکھا ہے، ان دونوں عبارتوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ برید = ۱۲ میل شرعی ہے۔

تیسرے درجہ پر ۱۵ فرسخ = ۴۵ میل شرعی = $\frac{3}{4}$ میل انگریزی کا قول ہے اس سے کم مسافت کا کوئی قول نہیں۔

مذکورہ سب اقوال کا نقشہ

فرسخ — میل شرعی — میل انگریزی — کلومیٹر

زیادہ سے زیادہ ۲۱ = ۶۳ = ۵۹۰۹ ر ۷۱ = ۲۱۳۴ = ۱۱۵ ر

مفتی بہ قول ۱۸ = ۵۴ = ۶۱ ر ۳۶۳۶ = ۹۸ ر ۷۵۵۲

دوسرا قول ۱۶ = ۴۸ = ۵۴ ر ۵۴۵۵ = ۸۷ ر ۷۸۲۴

کم از کم ۱۵ = ۴۵ = ۵۱ ر ۱۳۶۴ = ۸۲ ر ۲۹۶۰

اکابر علماء ہند کی طرف ۴۸ میل انگریزی کا قول منسوب کیا جاتا ہے مگر اکابر کی تحریرات کے تتبع سے ثابت ہوا کہ انہیں مطلق میل کا ذکر ہے اسکے ساتھ انگریزی کی قید نہیں اور متبادر یہ ہے کہ ان کی مراد میل شرعی ہے، اسلئے کہ ۴۸ میل انگریزی کا کوئی مأخذ نظر نہیں آتا، صرہً بہشتی زیور میں انگریزی میل کا ذکر ہے جو جامع یا بعد کے ناشرین کا تسامح معلوم ہوتا ہے۔

جب پہاڑی علاقوں میں ۵ میل انگریزی سے کم کا کوئی قول نہیں تو ہمارے میدانی علاقوں میں ۴۸ میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں، عمل کے لئے مفتی بہ قول ہی لینا چاہیئے، معہذا اکابر علماء ہند کے قول ۴۸ میل شرعی = ۵۴ ۱/۲ میل انگریزی کے مطابق بھی عمل جائز ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فتویٰ

مقدار سفر شرعی | سوال : کتنی مقدار مسافت سفر میں نماز قصر کرنا چاہیئے حسب احادیث صحیحہ۔ (از عزیز الدین صاحب مراد آبادی)

جواب : چار برید جب سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں۔ حدیث موطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں۔ مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ

فرسخ اور میل کی تحدید | سوال : فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے ؟

(از عزیز الدین صاحب مراد آبادی)

جواب : فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں مگر یہ سب تقریبی اُمور ہیں، اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر میل کرے اور یہ بھی مختلف ہے وقت اور محل اور رائی کے اعتبار سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۲)

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس فتویٰ سے ثابت ہوا کہ اڑتالیس میل شرعی مراد ہیں۔ باقی رہا تین منزل کے فیصلہ کو ترجیح دینا سو اس سے متعلق ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ اس سرعت سیر کے زمانہ میں تین منازل کی میلوں سے تحدید کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ سے بھی شرعی میلوں کا حساب ثابت ہوتا ہے، بعض حضرات نے حدیث ادبۃ برد کی وجہ سے قول ثالث اور بعض نے سہولت کے پیش نظر قول رابع اختیار فرمایا ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے اور قول رابع اگرچہ اوسع ہے مگر قول ثانی اوسط اور مفتی بہ ہونے کے علاوہ احوط بھی ہے، سفر کی انتہائی سہولتوں اور تیز رفتار سواروں کے اس دور میں مسافت سفر میں سہولت کی بجائے جانب احتیاط کی ترجیح انسب ہے!

بحری سفر :

بحری سفر میں تین روز کی مسافت کی تعیین کشتی کی رفتار و اوقات کار پر موقوف ہے۔ اسکی تحقیق کے لئے ماہرین فن کو دارالافتار میں بلایا گیا جن کی تفصیل یہ ہے :

بحری جہاز کے کپتان ۲، پاک بحریہ کے افسر ۲، بادبانی کشتیوں کے سمندر میں طویل تر اسفار کے پرانے تجربہ کار ملاح ۹، مجموعہ = ۱۳ ماہرین فن۔

ان سب نے بالاتفاق بلا شک و شبہہ یقینی و قطعی طور پر یہ جوابات دیئے :

- ① بادبانی کشتی کسی عارض کے بغیر سمندر میں کہیں نہیں رکتی، شب و روز مسلسل چلتی ہے۔
 - ② معتدل ہوا میں بادبانی کشتی کی اوسط رفتار فی گھنٹہ ۵ ۱/۲ میل بحری ہے۔
- لہذا مسافت قصر : ۳ دن = ۷۲ گھنٹے \times ۵ ۱/۲ = ۳۹۶ میل بحری۔ بحری میل = ۱.۸۵۲۶۷۷ گز۔ بحری راستہ کی محاذاتہ میں بڑی مسافت کے اعتبار کی تحقیق تتمہ میں آئیگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۵ھ

(یہ تحقیق کم ہوگئی ہے، اگر مل گئی تو ضرور شائع ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ، مرتب)

صمیمہ

مولانا مہربان علی صاحب بڑو توئی کا رسالہ ”شرعی مسافت“ موصول ہوا، جس میں سنہ ۱۴۰۵ کے رسالہ ”القول الاظہر فی تحقیق مسافة السفر“ پر تنقید ہے، اس سے متعلق چند امور تحریر کئے جاتے ہیں۔

① اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اقوال اکابر میں "میل" سے انگریزی میل ہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزا و خیر عطا فرمائیں۔

② رسالہ کے ص ۳ پر ہے :

”اکابر اور ان کے پیچھے چلنے والی ساری اُمت کی نمازیں خراب ہوتی ہوئی نظر آئیں :-
بندہ کو اکابر کی رائے سے اختلاف نہیں تھا بلکہ کلام اکابر کے محل میں اختلاف تھا، اس
نمازوں کے فساد کا وہم کیسے ہوا؟ بلکہ اگر اختلاف رائے بھی ہوتا تو بھی فساد نماز کی کوئی وجہ نہیں،
مجتہد فیہا مسائل میں اختلاف رائے کی وجہ سے مخالف کی عبادات پر حکم فساد لگانے کا کوئی جواز نہیں۔
مسائل مجتہد فیہا کی امثلہ غیر محصورہ میں سے صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، مؤلف
کے زعم فساد کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں :

① حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مذاہب جمہم اللہ تعالیٰ میں قرآنہ الفاتحہ
خلف الامام کے بارے میں اختلاف ہے عند البعض حرام اور عند البعض فرض۔

بزعم مؤلف ان حضرات نے اختلاف کا بہت بڑا فتنہ برپا کر کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ
تعالیٰ عنہم سے لیکر قیامت تک آنے والی ساری اُمت کی نمازیں برباد کر دیں۔

② خروج الدم و مسأل المرأة سے نقص و ضرر کا اختلاف بھی عصر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
سے چلا ہوا ہے، پھر ائمہ مذاہب جمہم اللہ تعالیٰ نے بزعم مؤلف اس فتنہ کو مزید

ایسا بڑھا دیا کہ تاقیامت پوری اُمت کی نمازیں برباد۔

③ خود مسئلہ زیر بحث میں دوسرے مذاہب سے قطع نظر صرف مذہب حنفی میں ہی
پانچ اقوال ہیں، ایک قول عدم تحدید اور چار اقوال مقدار تحدید میں۔

بزعم مؤلف ان حضرات نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں محاذ آرائی کر کے ساری
اُمت کی نمازیں تباہ کر دیں۔

④ اس مسئلہ میں علماء ہند کے بھی پانچ اقوال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے :

① حضرت گنگوہی قدس سرہ عدم تحدید کے قائل ہیں، مکاسبی۔

② چوبیس میل انگریزی، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ (رسالہ "شرعی مسافت" ص ۵۳)

③ چھتیس میل انگریزی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری۔ حضرت

مولانا محمد یحییٰ صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب

لکھنوی، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہم اللہ تعالیٰ (ص ۱۸ و ص ۱۹)
 (۴) پینتالیس میل انگریزی بلکہ اس سے بھی کم کی طرف رجحان، حضرت مدنی
 رحمہ اللہ تعالیٰ (ص ۲۵)

(۵) اڑتالیس میل انگریزی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت حکیم الامتہ
 ودیگر اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ (ص ۱۸ تا ص ۲۵)

برزعم مؤلف ان اکابر میں سے بھی کسی کو اُمت پر رحم نہیں آیا۔ ہم عصر، ہموطن،
 ہم عقیدہ اور ہم مشرب ہونے کے علاوہ باہم قریبی روابط رکھنے کے باوجود بھی آپس
 میں اختلاف کا محاذ کھول کر ساری اُمت کی نمازیں برباد کر ڈالیں۔

نیز برزعم مؤلف حضرت مدنی قدس سرہ اکابر سے اختلاف رائے کے باوجود محض
 اکابر کی مروت سے عمر بھر اپنی نمازیں بھی برباد کرتے رہے اور اُمت کی نمازیں بھی۔
 تنبیہ: جس طرح مسافت قصر سے کم سفر میں قصر جائز نہیں اسی طرح مسافت
 قصر میں اتمام جائز نہیں۔ اگر کسی نے اتمام کیا تو اس نماز کا اعادہ واجب ہے
 اس لئے برزعم مؤلف صرف زیادہ مسافت کا قائل ہی ظالم نہیں بلکہ قلت مسافت
 کا قائل بھی اُمت کی نمازیں برباد کرنے کے ظلم کا مرتکب ہے۔

احتیاط: صورت اختلاف و اشتباہ میں بوجہ ذیل اتمام ارجح و احوط ہے:

- (۱) اتمام اصل ہے اور قصر بوجہ عارض، لہذا بدون یقین عارض قصر جائز نہیں۔
- (۲) مقام قصر میں اتمام سے نماز مع الکرہتہ ہو جاتی ہے، مگر مقام اتمام میں قصر سے
 نماز قطعاً ہوتی ہی نہیں، لہذا قول مسافت بعیدہ واجب العمل ہے، ونص علیہ
 الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (کتاب الحجۃ ص ۶۶ ج ۱)

- (۳) مذاہب ثلاثہ میں مقام قصر میں بھی اتمام جائز ہے، ان کے مطابق نماز بلا کر اہت
 ہو گئی، مگر مقام اتمام میں قصر سے کسی مذہب پر بھی نہیں ہوگی۔

یہ تفصیل اختلاف رائے کے بابے میں ہے۔ بندہ کی تحریر میں اکابر سے اختلاف
 رائے نہیں، بظاہر اتنا اختلاف ضرور نظر آتا ہے کہ بندہ نے اڑتالیس میل کی بجائے
 چوٹن میل شرعی کو ترجیح دی ہے، مگر یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ رسالہ "اوزان شرعیہ"
 کے اسلوب تحریر سے بندہ یہ سمجھ رہا تھا کہ قول اکابر حالات زمانہ کے پیش نظر نہیں بلکہ

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلفہ میں سے اڑتالیس میل شرعی کے قول کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس پر بندہ نے لکھا کہ کتب فقہ میں چوٹن میل شرعی کو ترجیح دی گئی ہے۔ رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کے اسلوب تحریر سے دو غلط فہمیوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳) ص ۶ پر مؤلف کے حاشیہ میں اور ص ۳۲ پر ایک تصدیق میں ”تیز رفتاری“ پر بحث مذکور ہے۔

بندہ کی عبارت کا مطلب اس قدر واضح ہے کہ یہ دونوں حضرات اسے ذیاسی توجہ سے دیکھیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی بحث کا عبث ہونا سمجھ جائیں گے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ مال و زر کے افراط اور تیز تر سواروں کی بہتات کی وجہ سے لوگ اتنی طویل مسافت تک پیدل یا بیل گاڑی اور قافلہ کے اونٹ پر چلنے کی مشقت چھوڑ دیں گے تو تین دن کی مسافت کی تحدید کا فیصلہ کرنا کیسے ممکن ہوگا؟

(۴) ص ۱ پر مؤلف نے اور ص ۳۲ پر مصدق نے اکابر کی تحریرات کے تتبع پر اشکال تحریر کیا ہے۔

بندہ نے تتبع میں استقصاء کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھی کہ کلام اکابر کے محمل کی تعیین پر قرآن خارجہ قویہ موجبہ غلبہ ظن پیش نظر تھے، مثلاً

(۱) رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کا اسلوب تحریر، بالخصوص اس تحریر میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فتویٰ، اس تحریر کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) اڑتالیس میل انگریزی کا کتب فقہ میں کوئی مأخذ نہ ملنا۔

(۳) کتب فقہ اور کلام اکابر کے درمیان عدد ”اڑتالیس“ میں توافق۔

(۴) اکابر کے بارے میں یہ حسن ظن کہ وہ بلا ضرورت شدیدہ کتب مذہب کے خلاف فتویٰ نہیں دیتے۔

(۵) اڑتالیس میل انگریزی اور قول فقہاء ۴۵ میل شرعی = ۱۵ میل انگریزی میں کوئی معتد بہ فرق نہیں۔ صرف ایک میل یومیہ کا فرق ہے اس صورت میں تحدید فقہاء کو چھوڑ کر تحدید جدید کی کیا ضرورت؟

(۵) ص ۳۲ پر مؤلف نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتویٰ سے اڑتالیس میل انگریزی کا ثبوت اپنے خیال میں بہت مدلل پیش فرمایا ہے۔

یہ دعویٰ اور دلائل بین البطلان ہیں، اسلئے کہ چار ہزار قدم کا میل شرعی ہونا متفق علیہ ہے دلائل میں رسالہ ”اوزان شرعیہ“ اور اس پر اکابر کی تصدیقات سے استدلال اس لئے باطل ہے کہ بندہ کی تحریر سابق میں بحث ہی اسی پر ہے کہ اس فتویٰ سے انگریزی میل پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سے تو شرعی میل ثابت ہوتا ہے، تعجب ہے کہ مؤلف نے بحث کو مستدل بنانے کی جرأت کیسے کی؟

مؤلف نے تیسری دلیل میں عرف کا ذکر فرمایا ہے۔

اعتبار عرف جب صحیح ہو سکتا تھا کہ فتویٰ میں چار ہزار قدم کا ذکر نہ ہوتا، میل شرعی کی مقدار مصرح ہونے کے باوجود اسے عرف پر محمول کر کے انگریزی میل مراد لینا کھٹلا ہوا تعنت ہے۔

(۶) ص ۲۶ پر مؤلف نے اور ص ۲۷ پر مصدق نے بندہ کی طرف جہہ و علماء رہند اور تمام اکابر کے تخطیہ و تغلیط کی نسبت تحریر کی ہے۔

اد پر نمبر ۲ کے تحت لکھا جا چکا ہے کہ بندہ کو اکابر سے اختلاف رائے نہیں تھا کسی کے کلام کا محمل نہ سمجھنے کو تخطیہ تغلیط کہنے کا کیا جواز ہے؟

علاوہ ازیں اگر واقعہ اختلاف رائے ہوتا تو اس کے اظہار کو کوئی بھی ذی علم تنقیر نہیں کہہ سکتا، وضوح دلیل کے باوجود کسی کی مروت یا عقیدت سے کتمان مافی الضمیر مدہانت فی الدین ہونے کی وجہ سے صرام ہے۔

حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ سب ہی ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہیں۔

حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کے کئی اقوال کینلاف ہیں بلکہ حضرت امام اپنے اصحاب کو خود حکم فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلاف وضوح دلیل کے بعد اپنی تحقیق پر عمل کیا کریں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دوسرے مذاہب کے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر کس قدر زور دار تردید فرماتے ہیں۔

بلکہ مشائخ مذہب میں باہم بھی بکثرت رد و قدح کا تعامل ہے جس سے تشریح حدیث و کتب فقہ کے ذخائر بھرے پڑے ہیں۔

خود ہمارے اکابر نے مسئلہ زیر بحث میں اپنے اکابر یعنی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

کیا یہ سب حضرات معاذ اللہ! عمر بھر اپنے اکابر کی تنقیص جیسے جرم عظیم اور گناہ کبیرہ کے مرتکب رہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ حضرات اپنے قلوب میں اکابر کی عظمت و محبت بدرجہ کمال رکھنے کے باوجود اختلاف رائے کے اظہار کو فرض اور اس کے اخفاء و کتمان کو مداخلت اور حرام سمجھتے تھے۔

بندہ اپنے شاگردوں کو بار بار بہت سخت تاکید کے ساتھ یہ تنبیہ کرتا رہتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں آپ کی رائے مجھ سے مختلف ہو تو اسے ضرور ظاہر کیا کریں، پھر اگر اجتماعی غور کے بعد بھی اتفاق نہ ہو تو آپ کے لئے مجھ سے موافقت کرنا جائز نہیں، بلکہ اپنی رائے پر قائم رہنا اور بوقت ضرورت اسکا اظہار بھی آپ پر فرض ہے۔

غرضیکہ آپس میں بحث و تمحیص کے ذریعہ مسائل شرعیہ کی تنقیح و تنقیح کا سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر اب تک پوری امت میں چلا آیا ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد کی پوری امت کے تعامل کو غلط قرار دینا اور تنقیص اکابر شمار کرنا ان کی شان میں بہت ہی سخت گستاخی ہے، اسلام کے اس مسلم اصول اور اس کے مطابق پوری امت کے اس تعامل پر اعتراض کرنا سخت جہالت اور خطرناک ضلالت ہے۔

مؤلف اور مصدق کے بارے میں حسن ظن ہے کہ وہ اس قدر واضح حقیقت سے بے خبر نہیں ہونگے، معہذا ان کو جو اشکال ہو اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ شاید ان کے ذہن میں امت کے تعامل اور بندہ کے طرز عمل میں کوئی عمیق فرق ہوگا، اگر وہ اسکی وضاحت فرمادیتے تو بندہ پر احسن ہوتا کہ اس پر غور کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔

(۷) ص ۳۸ کے آخر میں مصدق صاحب نے بندہ کی تحریر پر یہ اعتراض فرمایا ہے کہ اس میں ایک قول کو ثابت کر کے اس کے خلاف کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔

یہ اعتراض اس لئے صحیح نہیں کہ آگے عنوان ”صحیح طریق کار“ کے تحت مذکور تفصیل کے مطابق بندہ کی پوری تحریر کا محور یہی ہے کہ مقدار تحدید سے متعلق حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلفہ میں سے کسی قول کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ اکابر کے

فتویٰ کو بھی میں اسی سے متعلق سمجھ رہا تھا، اس لئے میری تحریر میں ”اس سے کم کا کوئی قول نہیں ملتا“ — ”اس سے کم کی کوئی گنجائش نہیں“ — ”اڑتالیس میل انگریزی کا کوئی مأخذ نہیں ملتا“ جیسے جملوں پر کوئی اعتراض کرنا بندہ کے مطلع نظر اور پوری تحریر کے محور سے اغماض کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اسی رسالہ کے ص ۴۹ میں مندرج تصدیق میں بندہ کے مقصد کی صحیح تشریح موجود ہے، غنیمت ہے کہ اتنے حضرات میں کوئی ایک تو بات سمجھنے والا ملا۔

(۸) ص ۴۵ کے آخر میں انہی مصدق صاحب نے بندہ کی طرف حدیث اربعۃ بود کی تضعیف منسوب فرما کر اسکی تردید فرمائی ہے۔

حالانکہ تضعیف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جو بندہ نے اعتماداً نقل کر دی، مگر مصدق نے اس کو ایسے انداز سے پیش کیا ہے کہ گویا غلطی بندہ ہی سے ہوئی ہے، مصدق صاحب کی ان چار بالکل صریح اور بدیہی لغزشوں سے جو اوپر نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، اور نمبر ۸ میں تحریر کی گئی ہیں واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ نے بندہ کی تحریر پر تردید لکھتے وقت تحریر کو پڑھنے میں ذرا سی بھی توجہ سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی، ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند

بالخصوص مصدق صاحب نے نمبر ۸ میں مذکور چوتھی غلطی تو بہت ہی سخت کی ہے، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ایسے رسالہ کے ایک جز کی تردید کی ہے جس پر حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ اور دوسرے بہت بڑے بڑے اکابر کی تصدیقات ہیں، یہ غلطی بزعم مؤلف بلکہ ص ۴۴ پر خود مصدق صاحب کی تحریر کے مطابق بھی اکابر کی تغلیط، تخطیہ و تنقیص ہونے کی وجہ سے ناقابل معافی جرم ہے۔ مصدق صاحب کی یہ چار غلطیاں جو بہت ہی واضح اور بدیہی ہیں، صرف ان کی نشاندہی پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ دس صفحات پر پھیلی ہوئی اس تحریر میں جگہ جگہ بالخصوص ص ۴۴ میں مندرجہ ترمیمات پر بے ساختہ دل سے ”ما شاء اللہ“ کی داد نکل رہی ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجیا کہ می نگرم کر شمد امن دل می کشد کہ جا اینجاست

(۹) ص ۵۴ پر ایک مصدق صاحب نے بندہ کی طرف ”فساد نیت“ منسوب کر کے

احسان عظیم فرمایا ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ احسن الجزاء،

ان کا یہ احسان صرف مجھ پر ہی نہیں بلکہ خود ان پر بھی ہے، اس لئے کہ انکی یہ تحریر پڑھنے کے بعد میں نے انکے لئے روزانہ ایصال ثواب اور دُعا خیر کا معمول بنالیا ہے۔
 (۱۰) اس رسالہ میں علماء ہند کے پانچ اقوال نقل کرنے کے باوجود اڑتالیس میل انگریزی کے قول کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ گویا یہ نص قطعی ہے جس میں تاقیامت ذرہ برابر بھی کسی قسم کی کمی بیشی کرنا حرام ہے۔

بندہ کی تحریر پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا جسکی مفصل وجہ اوپر کے میں گزر چکی ہے۔
 (۱۱) اگر عوام میں خطرۂ انتشار وغیرہ مصالح کے پیش نظر کسی ایک تحدید کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور بلا ضرورت شدیدہ اسے بدلنا صحیح نہیں تو حضرات فقہار کرام رحمہم اللہ کی تحدید کو کیوں چھوڑ دیا؟ بالخصوص جبکہ زیادہ تفاوت بھی نہیں، صرف ایک میل یومیہ کم کرنے کی کیا سخت مجبوری اور ضرورت شدیدہ پیش آئی؟
 اور اگر تغیر زمان کے مطابق تغیر تحدید لازم ہے اور اس کے لئے کوئی معمولی مصلحت بھی کافی ہے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اکابر کی اس تحدید پر تقریباً ایک صدی کا طویل عرصہ گزر گیا ہے تو کیا قوی میں روز افزوں غیر معمولی انحطاط و سقوط اس تحدید میں مزید تخفیف کو مقتضی نہیں؟

بالخصوص جبکہ مؤلف کی تحریر کے مطابق حضرت مدنی قدس سرہ اپنے زمانہ میں مزید ایک میل یومیہ تخفیف کی ضرورت محسوس فرماتے تھے، آپ کے بعد بھی تقریباً نصف صدی مزید گزر رہی ہے تو اب بطریق اولیٰ تخفیف پر غور کرنا چاہیے۔
 صحیح طریق کار:

بنظر تفقہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ وقت کے ایسے اہل تفقہ علماء کی جماعت جن پر عوام کو اعتماد ہوا اپنے زمانہ کے حالات پر بنظر عمیق غور کرنے کے بعد اگر تبدیل تحدید کی معتد بہ ضرورت عامہ محسوس کریں تو اسکے مطابق متفقہ فیصلہ کا اعلان کریں۔
 اکابر کی تحدید اسی پر مبنی تھی، آئندہ تغیر زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تحدید کی تغیر پر غور اور حالات کے مطابق بشرط مذکورہ تغیر و تبدیل کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔
 بندہ کی سابق تحریر اس خیال کے تحت تھی کہ اکابر کا فتویٰ حالات زمانہ کی تنقیر و تفتیش کی بجائے اقوال فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔ اور انھوں نے اقوال مختلفہ میں

سے اڑتالیس میل شرعی کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔

یہ دو غلط فہمیاں رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کے اسلوب تحریر سے پیدا ہوئیں، رسالہ مذکورہ میں پہلے علماء ہندوستان کا قول اڑتالیس میل انگریزی لکھا۔

پھر اس پر حدیث اربعۃ برد سے استدلال پیش فرمایا۔

پھر اس پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتویٰ کی تفریع فرمائی، جس میں چار برید = اڑتالیس میل کا ذکر ہے۔

اس تفصیل کو دیکھ کر ہر شخص یہی سمجھے گا کہ دعویٰ اور دلائل میں مطابقت ہیں۔ دعویٰ ہے اڑتالیس میل انگریزی اور دلائل میں چار برید ہے جسکے اڑتالیس میل شرعی بنتے ہیں۔ چنانچہ خود رسالہ ”اوزان شرعیہ“ ص ۲ میں برید = چار فرسخ اور ص ۳ میں فرسخ = تین میل شرعی قرار دیا ہے۔

اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتویٰ میں بھی میل = چار ہزار قدم کی تصریح ہے اور یہ مسلم ہے کہ چار ہزار قدم کا میل شرعی ہوتا ہے۔

رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کے آخر میں جو نقشہ دیا ہے اس میں بھی فرسخ = تین میل شرعی لکھنے کے بعد برید = بارہ میل انگریزی کر دیا ہے۔ جب برید = چار فرسخ اور فرسخ = تین میل شرعی ہے تو برید = بارہ میل انگریزی کیسے ہو گیا؟

مؤلف نے رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کی تحریر کی جو وضاحت فرمائی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ پوری عبارت دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقوال اکابر میں انگریزی میل مراد ہے چنانچہ آگے چلکر ص ۲ پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فتویٰ رسالہ ”اوزان شرعیہ“ میں بطور تائید لانے سے بھی ثابت کیا ہے کہ اس عبارت اور اسکی دلیل سے انگریزی میل ثابت کرنا مقصود ہے۔

اس بابے میں گزارش ہے کہ بندہ نے اس سے کب انکار کیا ہے؟ بلکہ بندہ نے تو اپنی تحریر سابق میں بھی یہی تو اشکال پیش کیا ہے کہ انگریزی میل کے دعویٰ اور اکابر کی طرف اسکی نسبت کے اثبات کے لئے جو دلائل تحریر فرمائے ہیں ان سے نہ تو انگریزی میل کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی اکابر کی طرف انگریزی میل کی نسبت ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کے برعکس دعویٰ اور نسبت دونوں کے لئے پیش کردہ دلائل سے شرعی میل ثابت ہو رہا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس فتویٰ میں اگرچہ عدم تحدید کی طرف اشارہ ہے مگر چونکہ

آپ رئیس الاکابر ہیں اسلئے بندہ اس سے یہی سمجھا کہ اسکے بعد اکابر نے جو تحدید فرمائی ہے وہ اسی کے مطابق شرعی میل سے ہی ہوگی، اسی لئے بندہ نے مراد اکابر سمجھنے کے لئے زیادہ تنبیہ و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسکے بعد دوسرے اکابر کی عبارات سامنے آنے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے قوی اور راستوں کے حالات پیش نظر رکھتے ہوئے مقدار تحدید سے متعلق اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر اڑتالیس میل انگریزی سے تحدید فرمائی ہے۔

بہر حال بندہ نے اپنے اشتباہ کی بنا رکھ دی ہے، اسکی وجہ خواہ قصو عبارت کتاب ہو یا قصو فہم بندہ، لہذا کسی کو اشتباہ کی تقریر مذکور کے کسی جز میں کوئی کلام ہو تو پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ بندہ نے اپنی تحریر شائع کرنے سے قبل دو ماہرین فن اور مشہور مفتیان کرام مولانا محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری ثم المدنی اور مفتی عبدالستار صاحب ٹیس دارالافتار جامعہ خیر المدارس ملتان سے اس باب میں استشارہ کیا تھا، ان دونوں حضرات کی بھی مذکورہ دو بنیادی باتوں کی طرف توجہ نہیں گئی، بلکہ کلام اکابر میں ”میل“ سے میل شرعی مراد ہونے پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتویٰ سے استدلال مفتی عبدالستار صاحب ہی نے پیش فرمایا تھا۔

بہر کیف اب اکابر کی مراد اور انکے فتویٰ کی بنا واضح ہوگئی تو میں اپنی تحریر سابق سے رجوع کرتا ہوں۔ جب تک اہل تفقہ علماء حالات زمانہ پر از سر نو اجتماعی طور پر غور و فکر کر کے کوئی نیا فیصلہ نہیں کرتے اسوقت تک مسافت سفر حسب ذیل رہے گی :

مسافت سفر = ۲۸ میل انگریزی = ۴۵.۲۴۸۵ کلومیٹر

یہ بھی یاد رہے کہ یہ فیصلہ پاکستان اور ہندوستان کے ہموار علاقوں کے لئے ہے، دوسرے علاقوں کا فیصلہ وہاں کے باشندوں کے قوی اور راستوں کے حالات پر موقوف ہوگا۔

حرف آخر: یہ طریق کار اگرچہ اصل مذہب کے مطابق ہے مگر زمانہ امہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں چونکہ قافلوں کے سفر کا عام دستور تھا اس لئے تین دن کی مسافت عام معروف تھی، سب لوگ جانتے تھے، کسی کے لئے بھی اسکا معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا، لیکن اس زمانہ میں اسکی تعیین میں مندرجہ ذیل مشکلات ہیں :

- ① ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں میں تعیین مقادیر کے لئے وہاں کے باشندوں اور راستوں کے حالات پر اجتماعی غور کرنے کی غیر معمولی جدوجہد۔
- ② پھر مروز زمان کے بعد دوبارہ وہی مشقت۔
- ③ اختلاف آراء کا ظن غالب جو عوام میں انتشار اور دین سے تنفر کا باعث ہے۔

(۴) پیدل اور بیل گاڑی وغیرہ پر سفر معدوم یا کامل معدوم ہو جانے کی صورت میں تحدید کے فیصلہ کا تعسر بلکہ تعذر۔

(۵) اکابر سے عقیدت میں اس قدر غلو کہ انکی طرف سے انکے زمان و مکان کے حالات پر مبنی تحدید کے خلاف اختلاف امکانہ، مرور ازمہ و تغیر احوال کے بعد بھی تاقیامت کچھ سوچنے یا کہنے کو حرام سمجھا جانے لگے، ان حالات میں تو مرور ازمہ و تغیر احوال کے بعد بھی کوئی تحدید تحدید کی تجویز پیش کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟

ان مشکلات مذکورہ کے پیش نظر سہولت اور مصلحت تو اسی میں ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال میں سے ہی کسی قول کو معیار بنایا جائے، البتہ اگر کسی زمان یا مکان میں اس پر عمل کرنا بہت ہی دشوار ہو جائے اور یہ تعسراہل تفقہ کی نظر میں خوب واضح اور محقق ہو جائے تو ایسی مجبوری کی حالت میں تحدید تحدید کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ پیدل سفر متروک ہو جانے کی وجہ سے آئندہ اس قسم کی کوئی مجبوری پیش آئیکا بظاہر کوئی احتمال نہیں۔ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی مصلحت کے پیش نظر ”مار کثیر“ کی مقدار میں قول تحدید کو اختیار فرمایا ہے۔ اس لئے کہ رائی مبتلی بہ کے حوالہ کرنا اختلاف طبائع کی وجہ سے اختلاف آراء و انتشار کا باعث ہے۔

رخصت سفر سے تو مقصد ہی دفع مشقت و اعطاف سہولت ہے، پھر اس میں ایسا قول اختیار کرنا جس کو زیر عمل لانے میں مذکورہ بالا مشکلات کی مشقت کے تحمل سے کوئی مفر نہیں سفر میں مقصد رخصت کے خلاف ہے۔ ایک دو میل زیادہ مسافت قطع کرنے کی مشقت مشکلات مذکورہ کی مشقت کے مقابلہ میں بہت اہون ہے بالخصوص جبکہ سفر کی سہولتوں اور بہتر سے بہتر سوار یوں کی کثرت میں روز بروز غیر معمولی اصناف ہوتا جا رہا ہے جس کے پیش نظر بعید نہیں کہ عنقریب ہی پیدل اسفار کا سلسلہ دُنیا سے بالکل ختم ہی ہو جائے۔ بلکہ پاکستان میں تو اب بھی شاید ہی کہیں یہ سلسلہ رہا ہو۔

اپنا عندیہ پیش کر دیا ہے، ہو سکتا ہے کوئی ”مہربان“ اسے بھی تنقیص اکابر، اکابر اور ان کے سچھے چلنے والی ساری اُمت کی نمازوں کے فساد کا حکم اور تحریک ہوس جاہ سمجھ لے۔ وفقنا اللہ الجمیع لما یحبہ ویرضی۔

رشید احمد

۲۳ رمضان سنہ ۱۴۱۰ھ



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

وَمِنْ الْأَرْحَامِ

يَبْقَى

بِقَارِ الْأَنْفَالِ



سفر مع ترک اقبال سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا

مخدوم مکرم جناب حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی
ایک مسئلہ برائے تحقیق و تصدیق ارسال خدمت ہے امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔ مدرسہ
میں بحمد اللہ خیریت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہم العالی بھی بخیریت ہیں۔ فقط والسلام
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱/۹/۱۳۸۶ھ

سوال : میں منڈی بہار الدین میں خطیب ہوں اور مستقل طور پر ملازمت کر رہا ہوں۔ مجھے
محکمہ اوقات کی طرف سے ایک رہائشی مکان بھی ملا ہوا ہے۔ میرے بال بچے مع گھریلو سامان
کے بھی میرے ہمراہ ہی مکان میں رہائش رکھتے ہیں۔ البتہ میرا وطن اصلی سلا نوالی ضلع سرگودھا ہے،
وہیں کارہنہ والا ہوں اور وطن اقامت یہ منڈی بہار الدین ہے۔ ایک عالم فاضل فرماتے ہیں
کہ سفر شرعی کے لئے منڈی بہار الدین سے باہر جب بھی میں جاؤں اور پھر واپس منڈی میں
آؤں تو نماز قصر کروں تا وقتیکہ واپسی کے بعد منڈی میں پندرہ یوم ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو۔
مثلاً اگر کسی سفر شرعی سے واپسی کے بعد ہفتہ عشرہ تک کہیں دوبارہ سفر پر جانا ہو تو قصر لازم
ہوگی اور پوری نماز مقتدیوں کو نہیں پڑھا سکتے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ منڈی بہار الدین میں
باقاعدہ رہائش رکھنے اور بال بچے موجود ہونیکے باوجود پھر بھی کیا سفر شرعی سے واپسی کے بعد
اقامت شرعی کے لئے پندرہ روز کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں۔ اور منڈی سے باہر اکثر جانا ہی
پڑتا ہے۔ اور گاہ گاہ یہ اسفار مختصر و قفات کے بعد مسلسل ہوتے ہیں تو میں امامت کیسے کرا سکتا
ہوں؟ مدلل ارقام فرمایا جائے۔

الجواب : فاضل موصوف کا مذکورہ بالا فتویٰ غالباً متون کے اطلاق سفر پر مبنی ہے۔
متون کی عبارت یہ ہے ویبطل الوطن الاصلی بمثلہ لا السفر ووطن الإقامة بمثلہ و
السفر الاصلی (کنز وغیرہ) اس عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے
محض خروج بنیت سفر اسکے لئے مبطل ہے۔ لیکن اس کے ظاہر کو کافی سمجھنے کی بجائے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اسکی صحیح مراد تک پہنچنے کے لئے دیگر عبارات فقہیہ پر بھی نظر کر لی جائے۔
عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن اقامت سے محض سفر کرنا ہی مبطل نہیں بلکہ
در اصل سفر بصورت ارتحال مبطل ہے۔ یعنی یہ بطلان اسوقت ہوگا جبکہ وطن اقامت سے

بنیت سفر جاتے وقت اپنا سامان وغیرہ بھی ہمراہ لیجائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ شخص کو
 کارارادہ فی الحال یہاں واپس آنیکا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ
 وطن اصلی سے سفر کرنا ترک توطن بالوطن الاصلی یا اعراض عن التوطن پر دلالت نہیں کرتا بلکہ
 اہل و عیال وغیرہ کی موجودگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جانیوالا اس مقام پر واپس لوٹے آنے
 کے قصد و ارادہ سے جا رہا ہے حتیٰ کہ اگر وطن اصلی سے جانے والا اہل و عیال سمیت چلا جائے
 اور دوسری جگہ وطن اصلی بنالے تو پہلے وطن اصلی کی وطنیت بھی ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ تمام
 کتب فقہ میں مصرح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل بطلان وطن کا مدار سفر وغیرہ
 مع ترک توطن یا اعراض عن التوطن پر ہے محض خروج بنیت سفر پر نہیں۔ پس جس وطن
 سے بھی ترک توطن کا عزم کر لیا اور وہاں سے نکل پڑا یا دوسری جگہ وطن بنالیا وہ وطن باطل
 ہو جائے گا خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت، البتہ ان دونوں وطنوں سے سفر کر نہیں
 عام طور پر ایک فرق ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں اوطان کے متعلق سفر کا حکم
 مختلف بتلایا گیا کہ سفر وطن اصلی کے لئے مبطل نہیں اور وطن اقامت کے لئے مبطل ہے وہ
 فرق یہ ہے کہ وطن اصلی سے سفر عام حالات میں بدون ارادہ ترک توطن ہوتا ہے۔ کسی
 حاجت کے لئے سفر ہوا واپس پھر وہیں آنا ہوتا ہے اور یہ سفر بصورت ارتحال نہیں ہوتا
 اور وطن اقامت سے سفر عموماً بارادہ ترک توطن ہوتا ہے۔ کیونکہ اصلی رہائش تو کسی
 دوسری جگہ ہے یہاں قیام برائے حاجت تھا ضرورت پوری ہونے پر یہاں سے جانا ہی ہوگا
 جیسے اسفار تجارت و ملاقات و حج وغیرہ۔ پس یہ سفر عموماً بصورت ارتحال ہی ہوتا ہے۔
 اس فرق کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ سفر وطن اقامت کے لئے مبطل ہے کیونکہ وطن اقامت
 کے بارے میں سفر کا عام معروف و معتاد فرد ایسا سفر ہی ہوتا ہے والمطلق اذا اطلق يراد به الفرد
 الكامل، پس متون کی تعبیر سفر کے اسی فرد مطلق کے بار میں ہوگی تمام سفروں کے بار میں نہیں، چنانچہ
 بدائع کی تعلیل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو سفر وطن اقامت کے لئے
 مبطل ہے وہ کونسا سفر ہے؟ اور متون میں اس مقام پر جو لفظ سفر مذکور ہے اس سے
 کیا مراد ہے؟ ملک العلماء امام ابو بکر الکاسانی تحریر فرماتے ہیں۔ وینقض بالسفر
 ايضاً لان توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجته فاذا سافر منه يستدل به
 على انقضاء حاجته فصلا معرضاً عن التوطن به فصار ناقضاً له دلالة (ص ۱۰۹ ج ۱)

تعلیل سے ظاہر ہے کہ یہ وہ سفر ہے جو اس امر کی دلیل بن سکے کہ اب یہاں رہائش کی حاجت نہیں رہی اور جانے والا اس مقام کی وطنیت کو ختم کر چکا ہے اور یہ اس سفر میں ہوتا ہے جو کہ بصورت ارتحال ہوتا ہے اور جس شہر میں زید کے بیوی بچے ہیں اور کامل رہائش ہے۔ ایک دو دن کے لئے اگر زید کہیں جائے تو زید کا یہ سفر قضاء حاجت، اعراض عن التوطن اور نقص للتوطن کسی امر پر بھی ہرگز ہرگز دلالت نہیں کرتا بلکہ بقار ثقل بقار توطن کی قطعی دلیل ہے اور اگر لفظ سفر سے مراد سفر شرعی کا ہر فرد ہو خواہ وہ بصورت ارتحال ہو یا بصورت ارتحال نہ ہو تو دلیل اور دعویٰ میں انطباق کیسے ہوگا؟ جبکہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔

اس کے علاوہ صاحب بحر وغیرہ نے اس امر کی تصریح نقل کی ہے کہ بقار ثقل سے وطن اقامت باقی رہتا ہے گو دوسری جگہ بھی مقیم ہو جائے اس تصریح سے تعلیل بدائع کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ وھذا النصہ وفي المحيط ولو كانت له اهل بالكوفة واهل بالبصرة فمات اهل بالبصرة وبقى له دور وعقار بالبصرة لا تبقى وطناً له و قيل تبقى وطناً لانها كانت وطناً له بالاھل والد ارجمعا فبزوال احدھما لا يرتفع الوطن کوطن الإقامة یبقى ببقاء الثقل وان اقام بموضع اخر (ص ۱۴۵ ج ۲) اور بحوالہ محیط بعینہ یہی جزئیہ مجمع الانہر (ص ۱۶۲ ج ۱) میں بھی موجود ہے صاحب بحر اور صاحب نہر نیر منہ الخالق میں علامہ شامی نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا۔

فائدہ :

تفصیل بالا اور دیگر عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت در حقیقت اس وقت باطل ہوتے ہیں جبکہ ان کے شمار کردہ مبطلوں میں دلالت علی نقص الوطن السابق پائی جائے۔ دیکھئے وطن اصلی کے لئے دوسرے وطن اصلی کو مبطل قرار دیا گیا ہے اور متون میں یہ بطلان مطلق ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں حالانکہ دوسرا وطن اصلی علی الاطلاق پہلے کے لئے مبطل نہیں بلکہ اس صورت میں مبطل ہے جبکہ پہلے سے نقص وطنیت کرتے ہوئے دوسرے کو بھی وطن اصلی بنا لے ورنہ اگر پہلے وطن کو حالت سابقہ پر رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر بیوی کر لیتا ہے اور اسے بھی مستقل رہائش کے لئے تجویز کر لیتا ہے تو پہلا وطن اصلی اس سے باطل نہیں ہوگا۔ کما فی البحر وغیرہ قید نابکونہ انتقل عن الاول باھلہ لاندنو لم ینقل بھم ولکنہ استحدث اھلاً فی بلدة اخرى فان الاول لم یبطل ویتم فیہما (ص ۱۴۶)

بلکہ علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ دو سے زائد بھی وطن صلی ہو سکتے ہیں اور متون میں دوسرے نمبر پر مبطل وطن اقامت کو شمار کیا گیا ہے کہ دوسرا وطن اقامت پہلے کے لئے مبطل ہے، اور الفاظ میں یہاں بھی اطلاق ہے اور بظاہر کوئی قید موجود نہیں حالانکہ جیسے صورت اولیٰ میں بطلان مقید ہے ایسے ہی یہاں بھی مقید ہے۔ یعنی دوسرا وطن اقامت پہلے کے لئے تب ہی مبطل ہوگا جبکہ پہلے کی وطنیت کو ختم کر کے وطن اقامت بنایا گیا ہو۔ اور اگر پہلے کی وطنیت کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ اسکی رہائش بدستور باقی ہے بیوی بچے اور سامان وہیں ہے اور دوسرے مقام میں شرعی اقامت کے ساتھ مقیم ہو گیا تو اس سے پہلا وطن اقامت باطل نہیں ہوگا جیسا کہ جزئیہ محیط میں مصرح ہے کوطن الإقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع اخر اھ پس جیسے ان دونوں مبطلوں میں الفاظ مطلق ہیں لیکن مراد خاص ہے اسی طرح مبطل ثالث (سفر) کے بارے میں کہا جائیگا کہ گو لفظوں میں عموم ہے مگر مراد خاص سفر ہے جو بصورت ارتحال ہوتا ہے جیسا کہ تعلیل بدائع سے مفہوم ہوتا ہے۔ بقار اہل و ثقل سے بقار اقامت و توطن رہتا ہے عرف سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ جو شخص بال بچوں سمیت ایک شہر میں ہو گو یہ اسکا وطن اصلی نہ ہو محض اسکے ایک دو دن کے لئے سفر پر چلے جانے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ یہاں سے ترک سکونت کر گیا ہے نہ اس سفر کو کوئی ترک سکونت کہتا ہے اور نہ ہی سفر سے واپسی کو کوئی تجدید توطن یا استینا سکونت قرار دیتا ہے۔ البتہ اگر بیوی بچے وغیرہ بھی ہمراہ لیجائے اور ارادہ یہاں واپسی کا نہ ہو تو اب یقیناً کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں سے رہائش ترک کر گیا ہے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ بیوی بچوں سمیت رہائش رکھتا ہے اور اسکا ذریعہ معاش بھی اسی شہر سے متعلق ہو تو اسکا یہ توطن تب باطل ہوگا جبکہ اس شہر سے رہائش ختم کر کے چلا جائے، محض عارضی اور وقتی اسفار سے اسکا یہ وطن اقامت باطل نہیں ہوگا اور متون کے جزئیہ کا یہی مطلب ہے کہ وطن اقامت سے جب سفر بصورت ارتحال ہوگا تو یہ اسکے لئے مبطل ہوگا۔ پس صورت مسئلہ میں سائل سفر کے بعد جب بھی مندری بہار الدین پہنچے گا مقیم تصور کیا جائیگا اور نماز پوری پڑھیگا۔ بلکہ بعض عبارت سے تو ایسے مقام کے وطن صلی ہونیکا شبہ ہوتا ہے۔ کتاب الفقہ للعلما عبد الرحمن الجزری مطبوعہ مصر میں وطن صلی کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ وهو الذی ولد فیہ اولہ فیہ زوج فی عصمتہ او قصد ان یرتق فیہ وان لم یولد بہ ولم یکن لہ بہ زوج اھ (باب المسافر) فقط واللہ اعلم۔ عبد الستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۹ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ صحیح ہے کہ بقاء ثقل سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا، البتہ تحریر میں امور ذیل قابل

اصلاح ہیں۔

① کتاب الفقہ کی عبارت ”اقصد ان یرتزق فیہ“ سے اس پر استدلال یا اسکی تائید صحیح نہیں۔ کیونکہ قصد ارتزاق سے مقصد یہ ہے کہ قصد ارتزاق علی سبیل الدوام ہو، جیسا کہ مطلقاً تولد یا تزوج سے وطن اصلی نہیں بن جاتا جب تک کہ اس میں اقامت علی سبیل الدوام کا قصد نہ ہو۔ قال فی الخانیۃ المسافر اذا جاوز عمران مصرہ (الحی قولہ) ان کان ذلک وطنًا اصلیا بان کان مولدہ وسکن فیہ اولہ لکن مولدہ ولكنہ تأهل بہ وجعلہ دارًا الخ

(خانیۃ علی ہامش العالمگیریہ ص ۱۶۵)

اس سے ثابت ہوا کہ موضع تولد و تاهل وطن اصلی جب ہوگا جبکہ اس میں سکونت و جعل دار کا قصد بھی ہو، اثبات مسئلہ کے لئے جو دوسرے دلائل تحریر کئے گئے ہیں وہ کافی و دافی ہیں۔

② اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ بقاء وطن اقامت کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہاں اہل و عیال چھوڑ کر گیا ہو یا سامان اپنے مقبوض مکان میں رکھ کر گیا ہو۔ اگر سامان کسی کے پاس ودیعت رکھ کر گیا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا اس لئے کہ اسے عرف میں سکونت نہیں کہا جاتا۔ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ حلف لا یساکن فلانًا) فان کان ساکنًا معہ فان اخذ فی النقلۃ وہی ممکنۃ والا حنث قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فان کانت وھبہ لہ المتاع وقبضہ منہ ونحوہ من ساعۃ ولبس من رأیہ العود فلیس بمساکن وکن لک ان اودعہ المتاع او اعارہ ثم خرج لا یرید العود، بخ (والمحتمل صحیح)

③ تحریر میں عبارت ”در اصل بطلان وطن کا مدار (الی) خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت“ کی ترمیم ضروری ہے۔ کیونکہ وطن اصلی صرف اعراض عن التوطن سے باطل نہیں ہوتا بلکہ اعراض کے ساتھ توطن بوطن آخر بھی شرط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد

۱۴ رمضان المبارک سنہ ۸۶ ہجری

مسئلہ مذکورہ بالا سے متعلق متضاد جوابات میں فیصلہ

مخدوم العلماء جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی، گرامی نامہ بوساطت حضرت مولانا
خیر محمد صاحب دامت برکاتہم موصول ہوا۔ مسئلہ وطن اقامت کے بارے میں بعینہ فتویٰ
قاسم العلوم مع تحریر خیر المدارس ارسال خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ رائے عالی سے جلد مطلع فرمایا جائیگا،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
از دارالافتاء خیر المدارس، ملتان

فتویٰ قاسم العلوم

ہوالمصوب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ عبارات فقہیہ متون و شروح و حواشی پر غور کرنے سے بظاہر
جو معلوم ہوتا ہے وہ فی الواقع تدبر و تأمل کے بعد بھی اس کی صحیح مراد ہے وہ یہ کہ وطن اقامت
مطلق خروج بنیت سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ خواہ خروج مذکور کے وقت یہاں واپس آنیکا
کوئی ارادہ نہو یا خروج کے وقت چند روز کے بعد کسی وقت اس وطن اقامت میں واپس آنے
کے ارادے سے سفر پر گیا ہو۔ نیز ساز و سامان، متاع و ثقل ساتھ لیجا چکا ہو یا اسی وطن میں
سامان و ثقل چھوڑ چکا ہو بہر صورت سفر شرعی سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ متون و
شروح کی عبارتوں پر بار بار غور فرمائیں یہی مطلب صاف طور پر سمجھ میں آئے گا۔ اور یہی چیز
ہی وطن اصلی اور وطن اقامت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ وطن اقامت کے لئے سفر شرعی
کا ہر فرد مبطل ہے اور وطن اصلی کے لئے سفر شرعی کا کوئی فرد مبطل نہیں۔ چنانچہ وطن اصلی
سے نکلنے والا بقصد اعراض عن توطنہ اگرچہ سارا ساز و سامان اہل و عیال وغیرہ یہاں سے
اٹھالے، کوئی گھر مکان وغیرہ بھی اس کا یہاں نہ رہ جائے۔ دور دراز سفر کرتا پھرے کئی
مقامات کو یکے بعد دیگرے محض وطن سکنی یا وطن اقامت بنالے تب بھی اسکا وہ وطن اصلی
باطل نہیں ہوا ہے اور یہ اسفار کے افراد کاملہ نیز یہ اوطان اقامت وطن اصلی کے لئے ہرگز
مبطل نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ کسی مقام کو وطن اصلی (دائمی رہائش گاہ) نہ بنالے۔ کما قال

الشامی تحت قول التنویر الوطن الاصلی یبطل بمثله (ص ۵۶ ج ۱) (قوله یبطل بمثله)
سواء كان بينهما مسيرة سفر او لا - ولا خلافة في ذلك كما في المحيط قهستانی
وقيد بقوله بمثله لانه لو انتقل منه قاصداً غيره ثم بد الله ان يتوطن في مكان
آخر فمتر بالاول اتم لانه لم يتوطن غيره - نهر - وفي الدر المختار ايضاً (ص ۵۶ ج ۱)
ويبطل (وطن الإقامة بمثله) بالوطن (الاصلی) وبانشاء (السفر) وقاله لشامی
تحت مطلقاً (قوله وبانشاء السفر) اى منه وكذا من غيره اذا لم يتر فيه عليه
قبل سير مدة السفر الخ

باقی بحر کی عبارت بحوالہ محیط ”کوطن الإقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام
بموضع آخر“ سے بمثلہ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے نہ کہ والسفر کی تفسیر۔ اور اس عبارت
کا مطلب یہ ہوگا کہ بدون انشاء سفر اگر ایک شخص وطن اقامت سے نکل کر کسی دوسری
قریب جگہ کو وطن اقامت بنائے تو بنا بر اطلاق اس عبارت متون کے کہ ”ووطن لا قامة
بمثله“ بہر صورت وہ پہلا وطن اقامت باطل ہو جائے گا لیکن محیط نے یہ قید لگا دی ہے
کہ یہ بطلان تب ہوگا کہ ساز و سامان ثقل وغیرہ منتقل کر کے قریب کی دوسری جگہ میں
نیت اقامت کر چکا ہو۔ اور اگر ثقل منتقل نہ کیا ہو تو پہلا وطن اقامت بھی بدستور باقی ہے
اور وہ دوسرا بھی وطن اقامت اس کا بن گیا ہے۔ ہذا هو الظاہر۔ ہکذا انفہمہ
باقی بدائع کی عبارت مذکورہ میں دعویٰ عام ہے اور تعلیل خاص ہے اور ایسا استدلال فقہاء
کے کلام میں متعدد مقامات میں موجود ہے۔ نیز رسم المفتی کا اصول ہے کہ تعلیلات
فقہاء سے احکام فقہیہ ثابت نہیں ہوا کرتے۔ اس کے لئے نقل یا اصل درکار ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالبطیف معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۳ رمضان سنہ ۱۴۰۶ھ

جواب از خیر المدارس

مدرسہ قاسم العلوم کے نائب مفتی صاحب اپنا جواب تحریر کر کے مدرسہ خیر المدارس
میں خود تشریف لائے تھے۔ زبانی بات چیت ہوتی رہی۔ جواباً ہم نے ان کی خدمت میں یہ

عرض کر دیا تھا کہ :

① آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ”ہر سفر شرعی وطن اقامت کے لئے مبطل ہے۔“ اور اس کی دلیل میں جو عبارات آپ نے پیش کی ہیں یہ وہی عام عبارات ہیں جن میں سے ایک عبارت ہم اپنی تحریر کے شروع میں لکھ چکے ہیں اور یہ عبارات اثبات استغراق کے لئے ناکافی ہیں۔ کیونکہ کوئی لفظ دال علی الاستغراق موجود نہیں۔ ورنہ ہر وطن اصلی پہلے وطن اصلی کے لئے مبطل ہو جائے گا اور ہر وطن اقامت پہلے وطن اقامت کے لئے مبطل بن جائیگا (حالانکہ آپ ان میں جواز تعدد کے قائل ہیں) کیونکہ متون میں تینوں مبطلوں کی تعبیر تقریباً یکساں ہے۔

② عبارت محیط کو صاحب بحر نے کسی مبطل کی تقیید کے لئے نقل نہیں کیا بلکہ دو کے وطن اصلی کی بحث میں اس کا تذکرہ آگیا ہے اور نیز یہ کہ اس عبارت میں جو ”ان اقامہ بموضع آخر“ موجود ہے اس ”موضع آخر“ کو مادون السفر کی قید کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے اور جیسا کہ اس کے مشبہ وطن اصلی میں ایسی کوئی قید موجود نہیں بظاہر اس مشبہ بہ میں بھی ایسی کوئی قید موجود نہیں۔

③ تعلیل بدائع کے متعلق یہ عرض کیا گیا تھا کہ تعلیل ہذا سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ کم از کم صاحب بدائع یقیناً اس لفظ سفر کو ہر سفر کے لئے عام نہیں لے رہے ہیں بلکہ سفر کا وہ مخصوص فرد سمجھ رہے ہیں جس میں دلالت علی نقص الوطن پائی جائے۔ پس اس لفظ سفر سے یہی مراد لینا چاہئے اور اگر کسی فقیہ کے کلام سے اس لفظ کا عموم اور تمام افراد سفر کو شامل ہونا تحقیق ہو جائے گا تو تسلیم کر لیا جائے گا۔

باقی یہ کہنا کہ فقہاء کے کلام میں ایسا استدلال متعدد مقامات پر موجود ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ فقہار ایسے دعویٰ اور دلیل کے عدم انطباق کو نہیں سمجھتے اور صاحب بدائع بھی اس موٹی سی بات سے بے خبر ہیں۔ یہ بات کم از کم ہم تو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

تعلیل مسئلہ سے صورت مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔ تتبع کرنے سے اس کی بے شمار نظائر مل سکتی ہیں۔ فقط

خادمہ بندہ :

عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۳۸۶ / ۱۰ / ۲۸

الجواب باسم ملہم الصواب

قاسم العلوم کے فتویٰ میں جزئیہ محیط کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ اسمیں ”بدون انشاء سفر کسی دوسری قریب جگہ کو وطن اقامت بنائے“ کی قید بلا دلیل ہے اگر صورت زیر بحث میں دوسری جگہ وطن اقامت بنا لینا سابق وطن اقامت کے لئے مبطل نہیں تو انشاء سفر کیوں مبطل ہے؟ دونوں میں ماہ الفرق کیا ہے؟

جب وطن اقامت مبطل نہیں تو سفر بطریق اولیٰ مبطل نہوگا کیونکہ سفر کی بنسبت وطن قوی ہے یہ امر معقول ہونے کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ جملہ کتب میں یہ مصرح ہے کہ وطن صلی کے لئے سفر مبطل نہیں اور دوسرا وطن صلی مع الاعراض عن الاول مبطل ہے اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی بنسبت وطن میں قوت ابطال زیادہ ہے۔ وہو ظاہر جدا وطن اقامت کا مبطل نہونا اور سفر کا مبطل ہونا بالکل غیر معقول ہے تعلیل بدائع سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی قرین قیاس نہیں۔ اگرچہ حکم عقلیہ پر احکام شرعیہ کے وجود و عدم کا مدار نہیں ہوتا مگر علت پر معلول کا مدار لازم ہے۔ وہ علت کیا ہوئی جس پر معلول کا مدار نہو؟

ہاں ایسے مواقع کہ جہاں وجود علت ایسا مخفی ہو کہ اسکا علم حاصل کرنا متعسر ہو وہاں شریعت مقدسہ نے سبب کو علت کے قائم مقام قرار دیکر حکم نافذ کر دیا ہے جیسے کہ نوم کو خروج ریح اور سفر کو مشقت کا قائم مقام قرار دیکر نقص و ضور اور قصر و افطار کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔ مسئلہ زیر بحث اس نوعیت کا نہیں کہ اسمیں سبب یعنی سفر کو علت یعنی اعراض عن التوطن کے قائم مقام کر کے نفس سفر پر ہی ابطال وطن کا حکم رکایا جاسکے بلکہ ایجاد علت خود مسافر کے اختیار میں ہے اور اس کی نیت پر موقوف ہے۔

خلاصہ یہ کہ بندہ کی نظر میں خیر المدارس کا جواب صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۳ ذی قعدہ سنہ ۸۶ ہجری

سوال مثل بالا

بخدمت اقدس حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب سے درج ذیل مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہے۔ ملتان کے ایک عالم اور مفتی صاحب کی تحقیق بھی پیش خدمت ہے۔ بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کی تائید یا تردید بالذلل تحریر فرمائیں

وطن الارتحال ————— ۱۰

تاکہ تشفی ہو، اُمید ہے کہ جناب والا اپنی تحقیق سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔
 سوال : زید ملتان میں ملازمت کرتا ہے، یہیں اسکی رہائش ہے، یعنی ملتان اسکا وطن اقامت ہے۔
 اس کا گھریلو سامان، بیوی بچے اسکے ساتھ ملتان میں رہائش پذیر ہیں، جبکہ اس کا وطن اصلی
 لائل پور ہے۔ اب وہ سفر شرعی کے لئے ملتان سے باہر جاتا ہے اور واپسی پر ملتان میں پندرہ روز
 ٹھہرنے کا ارادہ نہیں کرتا، کیونکہ ہفتہ عشرہ تک اس کو دوبارہ کہیں سفر پر جانا ہے تو اس حالت
 میں وہ قصر کریگا یا اتمام؟ سفر شرعی سے وطن اقامت میں واپسی کے بعد اتمام صلوٰۃ کے لئے
 پندرہ روز اقامت کی نیت شرط ہے یا نہیں؟

جواب :

یہ جواب بھی مفتی عبدالستار صاحب ہی کا نوشتہ ہے۔ ہمیں بھی مضمون اور دلائل کا
 اکثر حصہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ اس لئے اس جواب میں سے صرف وہ امور نقل کئے
 جاتے ہیں جو سابق جواب سے زائد ہیں۔ مرتب
 جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ بیوی بچوں سمیت رہائش رکھتا ہو تو اس کا یہ توطن تب
 باطل ہوگا جبکہ وہ اس شہر سے رہائش ختم کر کے چلا جائے، محض عارضی اور وقتی اسفار سے
 اس کا یہ وطن اقامت باطل نہیں ہوگا اور متون کے جزئیہ کا یہی مطلب ہے کہ وطن اقامت
 سے جب ارتحال ہوگا تو یہ اس کے لئے مبطل ہوگا محض سفر مبطل نہیں ہوگا۔
 جس وطن سے ترک وطن کر لیا وہ وطن باطل ہو گیا خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت
 البتہ وطن اقامت سے سفر عام طور پر چونکہ ایسا ہی ہوتا تھا یعنی ارتحال ہوتا تھا کیونکہ یہاں پر
 قیام برائے حاجت تھا ضرورت پوری ہونے پر ارتحال ہی ہوگا۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ
 آمدورفت کے موجودہ ذرائع مفقود تھے لہذا نفس سفر کو اس سفر کے لئے مبطل قرار دیا ہے
 اور کسی قید کی حاجت نہیں سمجھی گئی جیسا کہ دوسرے وطن اصلی کو پہلے کے لئے بلا کسی قید کے
 مبطل ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ بطلان پہلے کے ترک کے ساتھ مقید ہے (اسکی قدے تفصیل آگے
 آرہی ہے) مگر چونکہ عام طور پر جب دوسرے مقام کو مستقل وطن بنایا جاتا ہے تو پہلے کو چھوڑ کر
 ہی بنایا جاتا ہے لہذا اس قید کی تصریح کی ”متون“ میں ضرورت نہیں سمجھی گئی تو گویا کہ متون
 کی تعبیر وطن اقامت سے ایک خاص سفر کے بارے میں ہے تمام سفروں کے بارے میں نہیں۔
 وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ کتاب الفقہ لعبد الرحمن الجزیری میں اس کی

تعبیر ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ تائینہا یبطل بمثلہا فلو سافر مسافة قصر الی مکان صالح لاقامة واقام به خمسة عشر یوماً ویاثر اثار تحمل عنه الی مکان آخر واقام به كذلك الخ

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ شرعی سفر نہ ہو بلکہ وطن اقامت میں اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر کسی قریبی مقام میں چلا جائے کیونکہ یہ تقیید بلا دلیل ہے اور موضع آخر مطلق ہے جو کہ دونوں مسافتوں سفر اور مادون السفر کو شامل ہے اور اگر متون کے اطلاق سفر کو دلیل تقیید قرار دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ چونکہ متون میں شرعی سفر کو وطن اقامت کے لئے مطلقاً مبطل قرار دیا گیا ہے خواہ یہ ارتحال ہو یا محض سفر شرعی، لہذا پیش نظر جزئیہ مذکور مادون السفر کے ساتھ مقید کیا جائیگا، تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکے برعکس کیوں نہیں کر لیا جاتا (یعنی جزئیہ محیط کو مطلق رکھا جائے اور متون کے اطلاق کو مقید کیا جائے) وجہ ترجیح کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ متون کے اطلاق کی دلیل تقیید صاحب بدائع کی تعلیل سے واضح ہو جاتی ہے۔ پس جب دونوں امر محتمل ہوئے تو تقیید کا ثبوت نہ ہو سکے گا اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محیط کا جزئیہ مادون السفر پر محمول ہے تو بھی نفس مسئلہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ جزئیہ ہذا میں یہ بھی مصرح ہے کہ دوسرے موضع میں مقیم ہو جانے سے پہلا وطن اقامت باطل نہ ہوگا بلکہ موجودگی سامان کی وجہ سے باقی رہے گا (جیسا کہ دوسرا وطن اصلی بنالینے سے پہلا وطن اصلی باطل نہیں ہوگا تا وقتیکہ پہلے کو قصداً باطل نہ کرے اور وہاں سے رہائش وغیرہ ختم نہ کر دے) حالانکہ متون میں دوسرے وطن اقامت کو پہلے کیلئے مبطل لکھا ہے پس جزئیہ ہذا سے بقار ثقل کا وطن اقامت کے لئے مانع بطلان ہونا ثابت ہو گیا اور یہی مطلوب تھا۔ پس یہ دوسرے وطن اقامت سے اندر میں صورت پہلا وطن اقامت باطل نہیں ہوتا ایسے ہی سفر سے بھی باطل نہیں ہوگا کیونکہ وجود مقتضی اور وجود مانع میں دونوں برابر ہیں (متون کے اطلاق کے اعتبار سے) دوسرا وطن اقامت بنالینا مقتضی بطلان ہے (اور جزئیہ محیط کے اعتبار سے) بقار ثقل مانع بطلان ہوا، اسی طرح ۲ میں سفر شرعی کو نا مقتضی اور بقار ثقل مانع بطلان۔

یمین کے بارے میں بھی فقہاء نے اسی امر کو مبنی قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شہر میں نہ رہنے کی قسم کھالے تو شہر سے محض چلے جانا یمین کے لئے کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے

ساتھ عدم عود کا غم ہونا بھی ضروری ہے اور اگر واپس آنیکے ارادہ سے گیا ہے تو اس سفر کے باوجود شہر مذکور کے اعتبار سے اسکی سکونت کو باقی تصور کیا جائیگا گو وہ وہاں موجود نہ ہو بلکہ صاحب نہر نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ بال بچوں سمیت چلا جائے تو حنث سے بچے گا ورنہ نہیں۔ گورلی وغیرہ نے اسکی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں البتہ غم عدم عود لازمی ہے۔

نفی الكنز والبحر: لا یسکن هذه الدار والبيت او المحلة فخرج وبقي متاعه واهله
حنث لانه یعد ساکنًا ببقاء اهله ومتاعه فیها عرفًا (الی ان قال) قید بالثلاثة والسكة
کالمحلة لانه لو كان الیمن علی المصر او البلدة لا یتوقف البر علی نقل المتاع والاهل کما
روی عن ابی یوسف لانه لا یعد ساکنًا فی الذی انتقل عنه عرفًا بخلاف الاول وقال ابن عابد
فی منحة الخالق وفي النهر وفي مصر نایعد ساکنًا بترك اهله ومتاعه فیها ولو خرج وحده فینبغی
ان یحنت قال الرمی کونه یعد ساکنًا مطلقًا غیر مسلم بل انما یعد ساکنًا اذا کان قصد العود
اما اذا خرج منها لا بقصد العود لا یعد ساکنًا ولعله مقید بذلك كما یفهم متایاتی من قوله و
کذا الوابت المرأة الم (بحر ص ۳ ج ۲) وكذا فی الشامیة (ص ۳ ج ۳) ومسألة نوابت المرأة
ان التفتل وغلبته وخرج هو ولم یرد العود الیه (الی قوله) لم یحنت (بحر ص ۳ ج ۲) وكذا
فی الشامیة ص ۳ ج ۳

”ولم یرد العود الیه“ کی قید سے معلوم ہوا کہ بیوی اسی شہر میں چھوڑ کر بنیت واپسی اگر شہر
سے چلا گیا تو حنث ہو جائیگا۔ اور لا یسکن فی هذا المصر میں اسے صادق نہیں تصور کیا جائیگا
بلکہ اسکی سابقہ سکونت و اقامت کو باقی سمجھا جائیگا۔ سکونت اور اقامت شرعی دونوں کا مصداق
تقریباً ایک ہی ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ وفي الواقعات لا یسکن فلاًناً
فنزله منزله فمکث فیہ یوماً او یومین لا یحنت لانه لا یكون ساکنًا معه حتی یقیم معه
فی منزله خمسة عشر یوماً وهذا بمنزلة ما لو حلف لا یسکن الکوفة فمر بها مسافراً فنوی
اربعة عشر یوماً لا یحنت فان نوى خمسة عشر یوماً یحنت (بحر ص ۳ ج ۲)

اور صاحب نہر اور رمی کے کلام سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک باشندہ جب کسی شہر سے سفر پر
جائے اور اسکے بیوی بچے وہیں ہوں اور واپسی کا ارادہ بھی ہو تو شہر میں اسکی سکونت باقی تصور کی جاتی ہے
تو جیسے اس صورت میں سکونت کو باقی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح ایسی صورتیں اقامت کو بھی باقی سمجھا
جائیگا تاکہ اقامت و سکونت میں جیسے حدوثاً مساوات ہے ایسے ہی زوالاً بھی مساوات باقی رہ سکے۔

واضح رہے کہ بقارِ ثقل سے یہ مراد ہے کہ سامان پہ اس کا قبضہ بھی باقی ہو اور اگر کسی کے پاس سامان ودیعت رکھ دیا یا کسی کو عاریت پر دیدیا تو اس سامان کا بقارِ موجب بقارِ اقامت و سکنی نہیں ہوگا۔ کمائدک علیہ قول محمد الاقی حلف لا یساکن فلاباقان کان ساکناً معہ فان اخذ فی النقلة وہی ممکنۃ والاحتث قال محمد فان کان وھب لہ متاعہ وقبضہ منہ وخرج من ساعتہ ولیس من رأیہ العود فلیس بمساکن وكذلك ان اودعہ المتاع او اعلیٰ شمر خرج لا یرید العود الخ (شافعی ص ۵ ج ۳)

پس صورت مسئلہ میں زید سفر کے بعد جب بھی وطن ملتان پہنچے گا خود بخود مقیم تصور ہوگا اور نماز پوری پڑھے گا۔ نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موضع اشتباہ میں اتمام لازم ہے۔ مزید یہ کہ وطن اقامت کا جہاں بیوی بچے موجود ہوں محض عارضی سفر سے باطل نہ ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ عارضی سفر سے واپسی پر بلا تجدید نیت اقامت اسکا مسافر رہنا بعید ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کی سابقہ اقامت کو باقی سمجھا جائے۔ اگر سفر سے وطن اقامت باطل ہو گیا ہوتا تو یہ شخص ہمیشہ مسافر رہتا تا وقتیکہ پندرہ روز ٹھہرنیکی تجدید نیت نہ کر لیتا، تو معلوم ہوا کہ محض سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم

عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۹۱

الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کے نزدیک یہ جواب صحیح ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسی مسئلہ سے متعلق خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان کے متضاد جوابات خیر المدارس کی طرف سے بندہ کے پاس بھیجے گئے تھے اسوقت بھی جانبین کے دلائل پر غور کرنے کے بعد بندہ نے خیر المدارس کے جواب کو صحیح قرار دیا تھا اور اسکے مطابق فیصلہ لکھا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۶ھ

اس تحقیق کے خلاف ایک تحریر کا جواب تتمہ میں ہے بعد میں حضرت والا نے اس جواب کی اشاعت سے منع فرمادیا تھا۔ حضرت کی تحریر کا انکس یہ ہے: ناصر دارالعلوم کی تحریر جو جواب یہاں سے لکھا تھا اسے شائع نہ کریں

باب الجمعة والعیدین

غیر خطیب جمعہ پڑھا سکتا ہے :

سوال : ایک شخص جمعہ کی نماز پڑھائے اور دوسرا خطبہ پڑھے اس کے لئے کیا

حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے بشرطیکہ نماز پڑھانے والا خطبہ میں حاضر ہوا ہو۔ خواہ کل میں یا بعض میں،
واذا علمتے جواز الاستخلاف للخطبة والصلوة مطلقا بعد رو بغیر عند حال المحضرة والغیبة
و جواز الاستخلاف للصلوة دون الخطبة وعكسه فاعلم (الحاشا) فی شتر ط کون
الخليفة قد شهد الخطبة او بعضها مع اهليته للاقتداء به (شامیہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ رذی قعدہ سنہ ۱۴۱۱ھ

معذور ظہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو گیا :

سوال : جس شخص پر جمعہ فرض نہیں مثلاً مسافر، مریض وغیرہ اس نے اگر گھر میں ظہر کی نماز ادا کرنے
کے بعد مسجد میں پہنچ کر جمعہ کی نماز بھی پڑھ لی تو کچھ حرج تو نہیں؟ اگر اس کا یہ فعل صحیح ہے تو فرض
ظہر کی نماز ہوئی اور جمعہ کی دو رکعتیں نفل ہوئیں یا کہ جمعہ کا فرض ادا ہوا اور ظہر کی نماز نفل
ہو گئی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جمعہ کے لئے گھر سے نکلتے ہی اس پر جمعہ فرض ہو گیا، اور ظہر کی نماز نفل ہو گئی، پھر مسجد میں
جمعہ کی نماز مل گئی تو فیہا، ورنہ ظہر کے فرض اور بعدیہ دو رکعت تو کہ دو بارہ پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ محرم ۱۴۰۳ھ

جمعہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا فرض ہے :

سوال : جمعہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوبارہ پڑھنا فرض ہے، قال فی شرح التنویر یو خطبہ جنباً ثم اغتسل و صلی جاز

وفي الشامية تحته (قوله جاز) ای ولا یعد الغسل فاصلاً لانه من اعمال الصلوة ولكن الاولی اعادتها كما لو تطوع بعدها او افسد الجمعة او فسدت بتذكروا فائسة فیها كما فی البحر (شامية ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۰ھ

خطبہ جمعہ میں زیادہ فصل ہو جائے تو اعادہ خطبہ لازم ہے :

سوال : جمعہ اور خطبہ کے درمیان فصل ہو جائے تو کیا خطبہ کا اعادہ ضروری ہے؟
بیٹنوا توجروا

الجواب ومنه الصواب

خطبہ جمعہ میں معتد بہ فصل ہو جانے سے اعادہ خطبہ ضروری ہے، لما فی الشامية (قوله والخامس كونها قبلها) ای بلا فاصلہ کثیر (رد المحتار بیان شروط صحة الجمعة ج ۱) وايضاً قال فی شرح التنوير ولو خطب جنباً ثم اغتسل وصلى جاز ولو فصل باجنبى فان طال بان رجح لبية فتغدى او جامع واغتسل استقبال خلاصة ای لزوماً لبطلان الخطبة، سراج وفي الشامية (قوله جاز) ای ولا یعد الغسل فاصلاً لانه من اعمال الصلوة ولكن الاولی اعادتها كما لو تطوع بعدها او افسد الجمعة او فسدت بتذكروا فائسة فیها كما فی البحر (شامية ج ۱) وايضاً فی شرح التنوير ويكره الفصل بامر الدنيا، وفي الشامية اما بنهي عن منكر او امر بمحروفي فلا وكذا بوضوء او غسل لو ظهران، محدث او جنب كما مر بخلاف اكل او شرب حتى لو طال الفصل استأنف الخطبة كما مر فافهم (رد المحتار ج ۱ ص ۷۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۰ھ

جیل میں جمعہ پڑھنے کا حکم :

سوال : قیدیوں کے لئے جیل میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا بالبرہان

توجروا عند الرحمن،

الجواب ومنه الصواب

اگر حکومت کی طرف سے جیل میں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو تو عبارات ذیل سے جواز

معلوم ہوتا ہے -

فی شرح التنوير فی شروط صحة الجمعة والسابع الاذن العام (الی قوله) فلا یضر غلق

باب القلعة لعدا واولعادة قديمة لان الاذن العام مقره لاهله وغلقة لمنع العد ولا
المصلیٰ وفي الشامية تحت (قوله او قصه) قلت وینبغي ان يكون محل النزاع ما اذا
كانت لا تقام الا في محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا يتحقق التفويت كما افاده
التعليل تأمل (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۷۲ھ

ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے :
سوال : محقق مذہب پر ایک ہی شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ پڑھنا جائز ہے
یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، البتہ حتی الامکان ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کرنا چاہیے،
قال فی شرح التنویر وتودی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً علی المذہب وعلیه
الفتویٰ وقال فی الشامية وبما ذكرنا اندفع ما فی البدائع من ان ظاهراً الرواية جوازها
فی موضعين لاني اكثر وعلیه الاعتماد فان المذہب الجواز مطلقاً (رد المحتار ج ۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ رذی قعدہ سنہ ۱۲۷۳ھ

خطبہ میں حاضرین درود شریف نہ پڑھیں :
سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ خطیب آیت "ان الله وملائكته
يصلون على النبي الخ" پڑھتا ہے لوگ باوازیں بلند درود شریف پڑھتے ہیں، ایسے ہی کلمات
دعائیہ پر آمین کہتے ہیں، کیا یہ فعل شرعاً درست ہے ؟ اور اگر آہستہ کہا جائے تو جائز ہے
یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

زبان سے پڑھنا جائز نہیں دل میں پڑھ سکتے ہیں۔ قال فی التنویر اذا خرج الامام
فلا صلوة ولا كلام الى تمامها وكل ما حرم فی الصلوة حرم فیها بلا فرق بين قريب و
بعيد وفي الشرح فيحرم الكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً او رد سلام او امر بمعروف بل يجب
عليه ان يستقم وليسكت وكان ابو يوسف رحمه الله تعالى ينظر في كتابه ويصحح والاصح انه

لا بأس بان یثیر برأسه او بیده عند رؤیة منكر او الصواب ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسه، وفي الشامية ای بان یسمع نفسه او یصح الخروف فانهم فسروه به وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قلبا ایتمارا لا مری الانصات والصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکوفی فہستاف قبیل باب الامامة واقصر فی الجوهرة علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانه تدرك فی غیر هذا الحال والسمع یفوت (رد المحتار ص ۶۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۶ھ

جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع و شرار ناجائز ہے :

سوال : جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع و شرار کا کیا حکم ہے ؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع و شرار مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیع سے توبہ اور اسکا فسخ دیاتہ واجب ہے قضاء نہیں، بیع فاسد قضاء بھی واجب الفسخ ہوتی ہے، آجکل نماز جمعہ سے قبل تقریر کا دستور ہو گیا ہے جسکی وجہ سے اذان اول اور خطبہ کے درمیان بہت وقفہ رکھا جاتا ہے اسکی وجہ سے جو لوگ اذان اول شکر فوراً جمعہ کی تیاری میں مشغول نہیں ہوتے انکے اس گناہ کا سبب مسجد کی منتظمہ ہر اسلئے منتظمہ بھی سخت گنہگار ہوگی منتظمہ پر لازم ہے کہ اذان اول و خطبہ کے درمیان زیادہ فصل نہ رکھیں، قال فی التنویر وکروہ البیع عند الاذان الاول، وفي الشامية معزیا الی النہ عن النہایة ان فسخہ واجب علی کل منہما ایضا صونا لہما عن المحذور وعلیہ مشی الشارح فی آخر الباب ویأتی تمامہ (رد المحتار ص ۱۳۶) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی آخر الباب بعد نقل القولین قلت ویکن التوفیق بوجوبہ علیہما دیانہ بخلافہ البیع الفاسد فانہما اذا اصر علیہ یفسخ القاضی جبرا علیہما (رد المحتار ص ۱۳۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ صفر سنہ ۱۲۶ھ

عید میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب ہے :

سوال : سنا گیا ہے کہ نماز عید میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب ہے،

کیا یہ صحیح ہے ؟ حوالہ تحریر فرمائیں، بیٹو اتوجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ قول صحیح ہے، قال فی واجبات الصلوة من شرح التنویر وتکبیرات العیدین وکذا احدها

۲۰ صفر سنہ ۱۲۶ھ

وتکبیر رکوع رکعتہ الثانیة (رد المحتار ص ۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نماز عید یا خطبہ کے بعد دُعا مانگنا؛

سوال :- نماز عید یا خطبہ کے بعد دُعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

خطبہ کے بعد دُعا ثابت نہیں، نماز عید کے بعد اثبات دُعا کیلئے دُوحہ شیں پیش کی جاتی ہیں۔

① روی البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکرم من خدرها حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرهم ویدعون بدعائهم یرجون بركة ذلك الیوم و طهرته (ص ۱۳۲ ج ۱)،
وفی رواية فیشهدن جماعة المسلمین ودعوتهم (ص ۱۳۲ ج ۱) وعند الترمذی رحمہ
اللہ تعالیٰ ویشهدن دعوة المسلمین (ص ۱۰۳)

② عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان لیلۃ القدر نزل جبرئیل علیہ السلام فی کبکبة من الملائكة یصلون علی کل عبد قائم او قاعد ینکرا اللہ عزوجل فاذا کان یوم عید ہم یعنی یوم فطرہم باھی بہم ملائکته فقال یا ملائکتی ماجزاء اجیرونی عملہ قالوا ربنا جزاؤہ ان یوفی اجرہ قال ملائکتی عبیدی وامائی قصوا فریضتی علیہم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلا لی وکرمی وعلوی وارفعاع مکانی لا یحینہم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم و بدلت سیدتکم حسنات قال فیرجعون مغفوراً لہم، رواہ البیہقی فی شعب الایمان،
(مشکوٰۃ ص ۱۸۳)

ان حدیثوں سے استدلال میں کلام ہے اور استحباب الدعاء بعد الصلوات کے کلیہ میں اذحال بھی بدین وجہ مخدوش ہے کہ نماز عید کے بعد متصل بلا فصل خطبہ ہے، علاوہ ازیں خطبہ بھی دعاء ہی ہے، مزید بریں نماز عید کے بعد دعاء میں مندرجہ ذیل بدعات بھی شامل کر دی گئی ہیں :

- ① دعاء کا التزام اور تارک پر یکسر شدید، اس سے تو امر مستحب بھی واجب ترک ہو جاتا ہے۔
- ② رفع الیدین کا التزام۔ دعاء بعد النوافل میں استحباب رفع الیدین متفق علیہ ہے اور دعاء بعد الفرائض میں مختلف فیہ۔ عدم ثبوت راجح ہے، جسکی تفصیل تتمہ احسن الفتاویٰ میں ہے، نماز عید حکم فرائض ہے۔
- ③ جہر اور اس کا ایسا التزام کہ اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔

④ اجتماعیت اور اس کا التزام نمبر ۳ سے بھی زیادہ۔

⑤ اتمام بالا امام اور اس کا التزام - اس پر شدت بھی اوپر کے نمبروں سے کم نہیں -

وجہ مذکورہ کی بنا پر اس رسمی دعا سے احتراز لازم ہے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز عید میں تکبیر چھوٹ گئی:

سوال :- امام سے پہلے عید کی نماز میں ایک تکبیر چھوٹ گئی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر مقتدی تکبیر کہنا بھول جائے تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی کی تکبیر چھوٹ گئی تو رکوع میں تکبیر نہ کہے، البتہ اقتدار کے بعد امام کے رکوع سے قبل مقتدی کو تکبیرات کا موقع نہ ملا تو رکوع سے قبل تکبیریں کہے، اگر تکبیریں حالت قیام میں کہنے سے خطرہ ہو کہ امام رکوع سے اٹھ جائے گا تو رکوع میں جا کر تسبیحات کی بجائے تکبیریں کہے، مگر تکبیر کے لئے ہاتھ نہ اٹھائے، اگر تکبیرات پوری کرنے سے قبل امام رکوع سے اٹھ گیا تو باقی تکبیریں ساقط ہو گئیں،

امام سے پہلی رکعت کی تکبیر چھوٹ گئی اور فاتحہ و سورت سے فراغت کے بعد یاد آئی یا دوسری رکعت کی تکبیر رکوع میں یاد آئی، تو اب تکبیر نہ کہے، بلکہ سجدہ سہو سے جبر نقصان کرے، اگر کثرت ازدحام کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہو تو سجدہ سہو معاف ہے، اگر امام تکبیر کے لئے رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آیا تو ایک قول پر نماز فاسد ہو گئی، مگر عدم فساد رائج ہے، البتہ اس صورت میں رکوع دوبارہ نہ کرے ورنہ نماز واجب الاعداء ہوگی، اگر سورت پوری کرنے سے قبل تکبیر یاد آگئی تو تکبیر کہہ کر فاتحہ و سورت دوبارہ پڑھے اور سجدہ سہو کرے، و ذکر ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی وجوب اعادۃ القراءة اشکالاً ثم نقل جوابا غیر شاف فلیحذر،

وجوب اعادہ سے متعلق شامیہ میں یہ عبارت ہے: فی البحر عن المحيط ان بدأ الإمام بالقراءة سہوا فتذکر بعد لفاتحة والسورة یمنی فی صلواته وان لم یقرأ الا الفاتحة کبر واعداد القراءة لزوماً لان القراءة اذا لم تتسم کان امتناعاً عن الاتمام لرفض الفرض اه (رد المحتار ص ۱۷۸) اس عبارت کے پیش نظر موقع وجوب اعادہ میں تین احتمال ہیں، فاتحہ کے بعد بشمول حروف مخدوفہ تیس حروف پڑھنے سے قبل یا جتنی قرأت کا قصد ہو اس کی تکمیل سے قبل، یا رکوع سے قبل، سرسری تتبع سے اس بابے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بظاہر احتمال اول مراد ہے، کیونکہ فاتحہ کے بعد اتنے حروف پڑھنے سے قرأت کا اتمام ہو جاتا ہے، فتذکر

بعد القاتحة والسورة میں سورت سے یہی مقدار مراد ہے، وهو معروف فی کلام الفقہاء
رحمہم اللہ تعالیٰ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۵ رزی الحج ۱۳۸۶ھ

اذان اول کے بعد کھانا :

سوال : جمعہ کی اول اذان کے بعد کھانا وغیرہ کھانا جبکہ خطبہ کی اذان سے پہلے پہنچ جائے شرعاً جائز
ہے یا نہیں ؟ بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کھانے کی رغبت غالب ہو اور نماز سے فراغت تک کھانا بے لذت ہو جانے کا خطرہ ہو تو کھانا کھا سکتا
ہے بشرطیکہ فوت جمعہ کا اندیشہ نہ ہو، قال فی العلائق سمع النداء وهو یأکل ترکہ ان خاف فوت الجمعة او مكتوبة لا
جماعة، وفي الشامية والاکل ای الذی تمیل الیہ فضہ ویخاف ذهاب لذتہ عذر فی ترک الجماعة کما مر فی
بابہا۔ لکن یشکل ما مر من وجوب السعی الی الجمعة بالاذان الاول وترك البيع ولو ماشیا والمراد به کل عمل ینافی
السعی فتأمل (رد المحتار ص ۱۱ ج ۱)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لکن یشکل ما مر من وجوب السعی الخ) بتقیید ما مر بما هنا
یندفع الاشکال وذلك لان حضور الاکل المذكور حیث کان عذراً فی سقوط واجب الجماعة لشغل
بال المصلی یكون عذراً فی سقوط واجب السعی اذ لا فرق بین واجب و واجب بخلاف ما اذا خاف فوت
الجمعة او الوقت لفوات الفرض لا الواجب (التحریر المختار ص ۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۹ رجا دی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

اذان جمعہ کے بعد مسافر کے لئے خرید و فروخت :

سوال : جمعہ کی اذان کے بعد مسافر کے لئے خرید و فروخت یا ہوٹل میں کھانا کھانا یا چائے پینا
جائز ہے یا نہیں ؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے مگر مظنہ تہمت سے بچنے کے لئے احتراز واجب ہے، کسی کو کیا معلوم کہ یہ مسافر ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۷ شعبان، ۱۳۸۶ھ

جمعہ کی طرف جاتے ہوئے بیع و شمار :

سوال : جمعہ کی اذان اول کے بعد نماز جمعہ کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں رُکے بغیر چلتے
چلتے کسی قسم کا کوئی سودا کر سکتے ہیں ؟ بیتواتوجروا

۳. شوال ۱۲۰۰ھ

بحالتِ خطبہ اشارہ سے نہی عن المنکر جائز ہے :

سوال : خطبہ شروع ہوئے کے بعد اگر کوئی شخص سنتوں کی نیت باندھنا چاہے تو اس کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹنوا تو جروا۔

الاجواب باسم قلهم الصواب

حالتِ خطیب میں زبان سے نہی عن المنکر جائز نہیں، اشارہ سے جائز بلکہ فرض ہے، یہ حکم غیر خطیبہ کے لئے ہے، خطیب پر زبان سے بھی نہی عن المنکر فرض ہے، لہذا خطیب کسی کو سنتیں پڑھنے پر آمادہ دیکھے تو اس کو زبان سے تنبیہ کرے ورنہ مقتدی اشارہ سے منع کریں، قال فی العلائیۃ والاصح لا بأس بان یشیر برأسه
اویدہ عند رؤیۃ منکر (مرد المحتار ص ۶۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹۔ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ

کراہت بیع کے لئے اذان محلہ معتبر ہے :

سوال : جمعہ کی اذانِ اول کے بعد خرید و فروخت اور دوسرے کام ناجائز ہو جاتے ہیں، اگر کسی مسجدوں سے مختلف وقتوں میں اذان سنائی دے تو خرید و فروخت وغیرہ کس وقت ناجائز ہوگی؟ سب سے پہلی اذان یا آخری پر؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم من لم يصواب

اس سے متعلق کوئی صریح خبر نہیہ اس لئے نہیں ملتا کہ پہلے زمانے میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، لہذا اس کو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائے گا، عام اذان کی اجابت باللسان ہیں اذان اول کا اعتبار ہے اور اجابت بالقدم میں اذان محلہ کا اعتبار ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعہ وکراہت بیع میں مسجد محلہ کی اذان معتبر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ

خطبہ سے قبل سرائے متعوز مسنون ہے :

سوال : اذان دینے سے قبل یا خطبہ جمعہ پڑھنے سے قبل یا وعظ کہنے سے قبل خدا کی حمد یعنی وعظ کہنے سے قبل جو خطبہ پڑھا جاتا ہے، اس سے قبل آہستہ یا جہراً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جہاں یا ستر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خطبہ جمعہ سے قبل صرف اعوذ باللہ ستر پڑھے۔ صرف خطبہ اولیٰ سے قبل بقیہ مواضع میں اعوذ باللہ یا بسم اللہ منون نہیں۔ قال فی العلائیۃ ویبدأ بالتعوذ سترًا۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای قبل الخطبۃ الاولیٰ (رد المحتار ۵۹، ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ سوال ۸۶

نماز عید کے لئے شہر سے باہر نکلنا سنت ہے :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین درین مسئلہ کہ نماز عیدین محلہ کی مساجد میں کہ جن میں سوڈیڑھ سو آدمیوں کا اجتماع ہوتا ہو۔ بلا کراہت درست ہے یا اس اجتماع عید کے بارے میں شرعاً عظیم اجتماع مطلوب ہے؟ اور اس اجتماع کی کیا حد ہے۔ نیز کیا عید گاہ کا حدود شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے اگر یہ مطلوب شرعی ہے تو پھر موجودہ صورت میں ملتان شہر کی غالباً کوئی سی بھی عید گاہ حدود شہر سے باہر نہیں کیونکہ آج کل آبادی میں اضافہ کی وجہ سے شہر ہر طرف سے چار چار پانچ پانچ میل پھیل چکا ہے براہ کرم اس مسئلہ کو تفصیل اور دلائل و براہین سے تحریر فرما کر عامہ مسلمین کی صحیح رہنمائی فرمائیں بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عید گاہ شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے، بلکہ معذورین کو بھی ساتھ لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جاسکے رواہ ابوداؤد فی سننہ اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کے لئے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماع عظیم ہو اس میں شریعت اسلام کا مظاہرہ بھی ہے۔ مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے، اس لئے شہر کے اندر بڑے میدان میں یا بوقت ضرورت مسجد میں ادا کرنا بلا کراہت درست ہے لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے، قال فی الدر والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع هو الصحیح، وفی الشامیۃ قال فی الظہیریۃ وقال بعضہم لیس بسنۃ وتعارف الناس ذلک لضیق المسجد وکثرة الزحام والصحیح هو الاول اھ وفی الخلاصۃ والخانیۃ السنۃ ان یشخرج الامام الی الجبانۃ و یشتخلف غیرہ لیصلی فی المصر یا الضعفاء بناء علی ان صلوۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالاتفاق وان لم یشتخلف فلہ ذلک اھ (رد المحتار ۶۶، ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

منبر کے درجات :

سوال : منبر کے درجے اگر تین سے کم یا زیادہ کئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسمِ مُلہمِ الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے تین درجات تھے، اس سے موافقت اولیٰ ہے اور کمی و زیادتی بھی جائز ہے۔ قال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ ومنبرہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ثلاث درج غیر للمیۃ بالمستراح (رد المحتار منہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

نماز عید سے قبل فجر کی قضا جائز ہے :

سوال : عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، مگر کسی کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تو عید سے پہلے فجر کے فرض مع سنت قضا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسمِ مُلہمِ الصواب

جائز ہے مگر گھر میں خفیہ پڑھے تاکہ دیکھنے والوں کو بدگمانی نہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

عید مسجد میں پڑھی تو اس میں زوال کے بعد نفل جائز ہے :

سوال : بہشتی زیور میں ہے کہ جہاں عیدین کی نماز ہو وہاں عید سے قبل اور بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ تو اگر مسجد میں عید کی نماز پڑھی ہو تو اس دن کی نفل نماز جیسے ظہر کے نفل اور عصر کی چار سنت غیر مؤکدہ پڑھنا بھی اس مسجد میں مکروہ ہے یا بلا کراہت جائز ہوں گے؟ بیٹواتوجروا،

الجواب باسمِ مُلہمِ الصواب

عید گاہ میں کراہت نوافل کی وجہ یہ ہے کہ نماز عید پر زیادتی کا وہم نہ ہو، اور نماز عید کا وقت زوال تک ہے، اس لئے زوال کے بعد اس مسجد میں نوافل مکروہ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

کارخانہ میں جمعہ پڑھنا :

سوال : کارخانہ میں ایک مسجد ہے جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور دیگر پانچ وقتی نمازوں میں سے ظہر و عصر باقاعدہ ہوتی ہے کیونکہ دو وقت کے سوا لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ باقی وقتوں میں چوکیدار وغیرہ کبھی کبھی نماز پڑھتے ہیں، کارخانہ میں سے بعض وقت نماز کے بہانہ پر لوگ چوری بھی کر لیتے ہیں اب مالک

کارخانہ نماز جمعہ کے لئے عام اجازت نہیں دیتے بلکہ صرف اس کارخانہ کے اندرونی لوگوں کے لئے اجازت ہے اس مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے، نمازیوں کو روکنا مقصود نہیں، نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لہذا اذن عام نہ ہونا صحت جمعہ میں نخل نہیں، اس مسجد میں نماز جمعہ صحیح ہے، قال فی الدر تحت شروط الجمعة والسابع الاذن العام من الامام وهو يحصل بعتم ابواب الجامع للواردین کافی، فلا یضرب غلق باب القلعة لعدو او لعادة قديمة لان الاذن العام مقدر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلی نعم لولم یغلق لكان احسن كما فی مجمع الانهر، وفي الشامية تحت قوله اوقصره قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام الا فی محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا یتحقق التقویت كما افاد التعلیل تأمل (مرد المحتار ص ۱۶۷) فقط والله تعالی اعلم، ۵ جمادی الاولی ۱۳۸۶ھ

بوقت خطبہ سنتیں پڑھنا جائز نہیں :

سوال : جمعہ کی نماز ہو رہی ہے بکرنے سنتوں کی نیت باندھ لی، اس سے ایک رکعت نکل جائے یا نہ، دونوں صورتوں میں بکر پر گناہ ہو گا یا نہیں؟ بیتواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی حالت میں سنتیں شروع کرنا جائز نہیں بلکہ جب خطیب منبر پر جانے کے لئے اٹھے اسی وقت سے ہر قسم کی نماز اور کلام نا جائز ہے، البتہ اگر اس سے قبل سنتیں شروع کر چکا ہو تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دے اور اگر تیسری رکعت میں شروع ہو چکا ہو تو چاروں رکعات پوری کر لے۔ حالت خطبہ میں سنتیں شروع کرنا گناہ ہے، توبہ کرے اور بعد میں اعادہ کرے۔ فقط والله تعالی اعلم،

۱۳ جمادی الاولی ۱۳۸۶ھ

اذان ثانی کے بعد گھر میں بھی سنتیں پڑھنا جائز نہیں :

سوال : اگر کوئی جمعہ کی اذان ثانی کے وقت اپنے گھر میں چار سنتیں پڑھ لے اور پھر خطبہ میں شریک ہو جائے تو یہ جائز ہو گا یا نہیں؟ اور اس کی یہ سنتیں ہوں گی یا نہیں؟ بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اذان ثانی کے بعد گھر میں بھی سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، یہ سنتیں بطریق غیر مشروع ادا کی گئی ہیں

اس لئے قاعدہ کا مقتضی یہ ہے کہ فرض جمعہ کے بعد کی چار رکعات پڑھنے کے بعد قبلہ سنتیں دوبارہ پڑھے
لا یجب قضاء النفل المؤدی فی الوقت المکروه لاداءہ کما التزم بخلاف السنۃ المؤکدة فانہ
مأمور بادیانہا فی وقت مشروع فتسن اعادتها، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجۃ ۱۳۸۸ھ

بوقت خطبہ گھڑی میں چابی دینا جائز نہیں :

سوال : خطبہ جمعہ ہو رہا ہے، اسی دوران گھڑی میں چابی دینا اور خطبہ سننے میں خیال رہے تو
جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی التنبیہ وکل ما حرم فی الصلوۃ حرم فیہا (رد المحتار ۶/۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

ایسے مقام کا حکم جس کا شہر ہونا مشتبہ ہو :

سوال : جہاں شک ہو کہ نماز جمعہ صحیح ہوتی ہے یا نہیں وہاں نماز جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط
الظہر پڑھیں یا جمعہ چھوڑ دیں ؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ شرط ہے، جب تک وجود شرط متیقن نہ ہو جمعہ صحیح نہ ہوگا،
لہذا ایسے موضع میں جمعہ نہ پڑھا جائے، البتہ اگر پہلے سے اس میں جمعہ جاری ہے تو ترکیب ہو جائے اور بعد میں
احتیاط الظہر پڑھے، مگر عوام کو نہ بتایا جائے، صرف خواص اس احتیاط پر عمل کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۵ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ

خطبہ و اقامت کے درمیان مسئلہ بتانا :

سوال : بعد خطبہ ثانیہ تمامہ قبل اقامت صلوۃ امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا وعظ و
نصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہت ؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے، طویل وعظ جائز نہیں،
قال فی شرح التنبیہ فاذا اتم اقیمت ویکرم الفصل بامر الدینا ذکوة العینی، وفی الشامیۃ اما بنہی
عن منکر و امر بمعروف فلا، (رد المحتار ۱/۱۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ محرم ۱۳۸۸ھ

فنا میر مصر کی حد :

سوال : شہر سے ایک دو میل پر ایک گاؤں ہے جس کی آبادی سو دو سو آدمیوں کی ہے یہ بستی نئے نام سے الگ مشہور ہے، اس بستی میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بستی فنا میں شمار ہوگی یا نہیں؟ اور فنا کی حد کتنی دور تک ہے؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بستی فنا مصر میں داخل نہیں، اس لئے اس میں جمعہ وعید کی نماز جائز نہیں، فنا مصر وہ مقام ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے متعین ہو مثلاً قبرستان، کوڑا ڈالنے یا گھوڑ دوڑ یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کے لئے میدان، ہوائی اڈہ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ۔ فنا کا شہر سے اتصال ضروری نہیں اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے بلکہ شہر کی حیثیت کے مطابق اس کی فنا مختلف ہوگی، قال فی العلومیۃ او فناؤہ وهو ما حوله اتصل به اولاً کما حررہ ابن الکمال وغیرہ لاجل مصالحہ کدفن الموتی و رکض الخیل والمختار للفتاویٰ تقدیرہ بفرسخ ذکہ الولوالجی، وفي الثانیۃ والتعریف احسن من التحدید لانه لا یوجد ذلک فی کل مصر وانما هو بحسب کبر المصر وصغرہ الخ (رد المحتار ج ۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ ہجری

پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں چھوڑنا بدعت ہے :

سوال : خطبہ کے دوران مقتدیوں کو کیسی حالت پر بیٹھنا چاہئے؟ ہمارے علاقہ میں بیٹھنے کی رسم یہ ہے کہ جب خطیب پہلا خطبہ پڑھتا ہے تو مقتدی حالت تشہد میں بیٹھ کر تحت السرہ ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور دوسرا خطبہ پڑھنے کے دوران حالت تشہد میں بیٹھ کر رانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں، کیا ایسے بیٹھنا شریعت کے مطابق ہے یا مخالف؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہذا یہ فعل بدعت ہے، دونوں خطبوں کے دوران حالت تشہد میں بیٹھنا مستحب ہے، دونوں میں ہاتھ رانوں پر رکھے یہ نشست مستحب ہے، ویسے جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ قال فی الہندیۃ اذا شہد الرجل عند الخطبۃ ان شاء جلس محتباً او متربعا او کما تیسر لانہ لیس بصلوۃ عملاً و حقیقۃً کما فی المصنہرات، ویستحب ان یقع فیہا کما یقعد فی الصلوۃ کذا فی معراج الدرایۃ (عالمگیریہ مشجر ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ رجب ۱۳۸۷ھ

عرب میں عید پڑھا کر پاکستان میں بھی پڑھا سکتا ہے :

سوال : ایک صاحب کراچی میں جامع مسجد میں خطیب ہیں، وہ رمضان مبارک میں بحرین چلے جاتے ہیں اور عید بھی بحرین میں پڑھاتے ہیں لیکن پھر کراچی آتے ہیں تو رمضان شریف کے دو روز باقی رہتے ہیں اور وہ عید کی نماز کراچی میں بھی پڑھاتے ہیں، کیا یہ صاحب دوبارہ کراچی میں نماز عید پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟
بیتواتوجروا،

الجواب باسمِ ملہم الصواب

کتب فقہ میں اس کی دو نظیریں ملتی ہیں، ایک عود الشمس بعد الغروب، دوسری ہلال رمضان دیکھنے والے کی شہادت رد کر دی گئی ہو، مسئلہ اولیٰ میں عود وقت مختلف فیہ ہے، عدم عود رائج ہے اور دوسرے مسئلہ میں بالاتفاق اس شخص پر تکمیل ثلاثین کے بعد بھی دوسروں کے ساتھ روزہ وعید لازم ہے۔ نظیر اول کا مقتضی عرب سے پاکستان آنے والے کے حق میں عدم عود رمضان وعید ہے اور نظیر ثانی کے پیش نظر اس پر صوم وعید لازم ہے۔ بظاہر مسئلہ زیر بحث کی زیادہ مشابہت نظیر ثانی کے ساتھ معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ غروب شمس یقینی ہے اور رویت ہلال ظنی، علاوہ ازیں ہر شخص کے لئے ثبوت احکام موضع اقامت کا کلیہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صومکم یوم تصومون وفطرکم یوم تفترون (سواہ الترمذی)، بھی وجوب صوم وعید کو مقتضی ہے، اس لئے یہ شخص پاکستان میں آکر عید پڑھا سکتا ہے۔ معہذا احتوط یہ ہے کہ عید کی امامت نہ کرے بلکہ بصورت اقتدار نماز عید ادا کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رمضان ۱۴۰۹ھ

تکبیر تشریق بھول گیا :

سوال : منفرد اگر ذوالحجہ کی گیارہ تاریخ ظہر کے بعد تکبیر تشریق بھول جائے تو یاد آنے پر کہنا واجب ہے یا نہیں؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسمِ ملہم الصواب

واجب ہے، البتہ مانع بنا کر کوئی فعل کر لیا مثلاً مسجد سے نکل گیا یا کوئی بات کر لی یا عمدہ وضو توڑ دیا تو تکبیر ساقط ہو گئی اور سہواً وضو توڑا تو تکبیر کہے، قبلہ سے سینہ پھر گیا تو اس میں دونوں روایتیں ہیں اس لئے احتیاطاً تکبیر کہے، قال فی العلانیۃ عقب کل فرض عینی بلا فصل یمنع البناء فلو خرج من المسجد او تکلم حامداً او ساهياً او احدث عامداً سقط عنه التکبیر و فی استدبار القبلة روايتان ولو احدث ناسیاً بعد السلام الاصح انہ یکبر ولا یخرج للطہارة فتح (رد المحتار ج ۱ ص ۱۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ محرم ۱۴۱۰ھ

اذان خطبہ کا جواب جائز نہیں :

سوال : خطبہ کی اذان کا جواب کیسے دیا جائے گا زبان سے یا دل میں ؟ بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے دینا جائز نہیں، ہاں دل ہی دل میں جواب دیا جاسکتا ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام، وقال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقاً فی الاذان بین یدی الخطیب (رد المحتار منہ ۱ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ

عید گاہ میں نماز عید کی جماعت ثانیہ :

سوال : ایک عید گاہ میں عید کی دو نمازیں ہو سکتی ہیں یا نہیں، دس پندرہ آدمیوں سے نماز عید امام سے فوت ہو گئی عید گاہ میں دیر سے پہنچے، امام نماز پڑھا چکا تھا آیا یہ آدمی اپنی نماز دوبارہ اسی عید گاہ میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک عید گاہ میں عید کی نماز دوبارہ پڑھنے سے نماز صحیح تو ہو جائیگی مگر جن غوارض کی وجہ سے عید میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے وہ یہاں بھی ہیں بلکہ ایک قباحت مزید ہے کہ انتظام میں خلل اور عوام میں انتشار کا خطرہ ہے، اس لئے یہ لوگ عید گاہ کی بجائے کسی دوسرے مقام میں عید کی جماعت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴ صفر ۱۲۹۶ھ

منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا سنت ہے :

سوال : منبر کی موجودگی میں خطیب منبر کے پاس کھڑا ہو کر خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے کیا اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں ؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک میں یا اس کے بعد عیدین اور جمعہ کا خطبہ لازماً منبر پر پڑھا جاتا تھا ؟ بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی معمول تھا۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ومن السنة ان یخطب علیہ اقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم بحر وان یكون علی یسار المحراب قہستانی (رد المحتار منہ ۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۹۶ھ

اذانِ جمعہ خطیب کے سامنے ہونا:

سوال: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان کہی جاتی ہے اس کا خطیب کے سامنے ہونا ضروری ہے یا کہ دائیں بائیں بھی کہی جاسکتی ہے؟ نیز اگر پہلی صف کی بجائے صف سے آگے یا پیچھے کہی جائے تو کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صف اول کی قید تو کہیں نہیں ملتی، البتہ کتب فقہ کے الفاظ امام المنبر، عند المنبر اور بین یدی المنبر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اذان منبر کے سامنے اور قریب ہونا چاہئے وصرح بہ القہستانی حیث قال واذا جلس الامام علی المنبر اذن اذانا ثانیاً بین یدیہ ای بین الجہتین المسامتین لیمین المنبر والامام ویسارہ قریباً منہ ووسطہما بالسکون فیستمل ما اذا اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ او منفرجۃ (جامع الرموز ج ۱)، منبر سے قریب ہونا صف اول کو مستلزم نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا:

سوال: ابو داؤد میں حدیث ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان بھی مسجد سے خارج ہونی چاہئے، علاوہ ازیں اذان فی المسجد کی کراہت کا اطلاق بھی اس کو مقتضی ہے، اس کے باوجود یہ اذان منبر سے قریب کہنے کا عام دستور کیوں ہے؟ تحقیق سے مطلع فرمائیں، بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

”بین یدی“ بمعنی قریب استعمال ہوتا ہے، یہ معنی اس قدر معروف اور متبادر ہیں کہ اس کے لئے دلیل کی حاجت نہیں معہذا امام لغت امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں یقال ہذا الشیء بین یدی ای قریباً منک (مفردات ص ۱۲۲ ج ۱) لہذا حدیث مذکور میں بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نص ہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کا توارث و تعامل خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اگر یہ الفاظ حدیث سے نہ بھی ثابت ہوتے تو بھی امت کا عمل متوارث ہی اس کے ثبوت پر حجت ہے، اس زمانہ میں مسجد نبوی زیادہ وسیع نہ تھی، عمدۃ القاری ص ۳۵۸ ج ۲ میں ہے کہ مسجد کے تین دروازے تھے، صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دروازہ منبر کے سامنے تھا، عن ابی نمران سمع انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یدکر ان دجلاً دخل یوم الجمعة من باب وکان وجاہ المنبر ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائماً ینخطب فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (بخاری ص ۳۱ ج ۱)،

ادرقرب باب کو علی الباب سے تعبیر کرنا معروف ہے، حاصل یہ کہ یہ اذان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے قریب ہوتی تھی، اور سامنے کی طرف مسجد کا دروازہ بھی قریب ہی تھا کیونکہ اولاً تو مسجد ہی زیادہ وسیع نہ تھی پھر یہ دروازہ بھی صحن کا نہیں تھا بلکہ مسقف حصہ کا تھا اس لئے کہ صحن مسجد پر احاطہ ہی نہیں تھا جس میں دروازہ ہوتا کما هو ظاہر من درایۃ ابی داؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کنت ابیت فی المسجد فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت فتی شابا عزبا وکانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر فی المسجد فلم یکنوا یرشون شیئا من ذلك، اس لئے مؤذن اس دروازہ سے بھی قریب ہوتا تھا، یعنی منبر اور اس کے سامنے کے دروازہ کے درمیان مسجد کے اندر اذان ہوتی تھی، وفی اعلاء السنن وفی العنایۃ وکان الطحاوی یقول المعتبر هو الاذان عند المنبر بعد خروج الامام فانه هو الاصل الذی کان للجمعة علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكذلك فی عہد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ص ۳۸ ج ۲) ونحوہ فی الکفایۃ (ص ۳۸ ج ۲) فدل علی ان الاذان الثانی محلہ عند المنبر وهو المراد ببین یدیه وقال الشیخ وامان المعتبر لحرمۃ البیع هو هذا الاذان فهو اجتهاد من الطحاوی وكونه عند المنبر هو نقل منه وهو مقصودنا بایرادہ اما اجتهاده فلیس بحجۃ (اعلاء السنن ص ۱۸۴)

بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت جمعہ کے لئے صرف یہی ایک ہی اذان تھی اس لئے تبلیغ صوت کی خاطر مسجد سے خارج ہوتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب اذان اول کا اضافہ ہوا تو اذان ثانی میں غائبین تک تبلیغ صوت کی حاجت نہ رہی بلکہ اس سے مقصد صرف تنبیہ حاضرین رہ گیا، چونکہ حاضرین مسجد کے اندر ہی اس لئے ان کی خاطر اذان بھی مسجد کے اندر ہی متعین کر دی گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبہ عید کی ابتداء و انتہا میں مسلسل تکبیریں کہنا مستحب ہے :
سوال : بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ عیدین کے خطبے میں پہلے تکبیر سے ابتدا کرے، اول خطبہ میں نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسریں سات مرتبہ،

مگر آج کل کہیں بھی اس کے مطابق عمل نہیں، صحیح مسئلہ کیا ہے ؟، بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہشتی گوہر کا مسئلہ صحیح ہے، پہلے خطبہ کی ابتداء میں نو بار اور دوسریں سات بار اور بالکل آخر میں چودہ بار مسلسل اللہ اکبر کہنا مستحب ہے، عام خطیب اس سے غافل ہیں، قال فی التثویر ویدأ بالتکبیر فی خطبۃ العیدین ویستحب ان یستفتح الاولی بتسع تکبیرات تتری والثانیۃ بسبع ویکبر قبل نزولہ من

السنبر اربع عشرة (رد المحتار ص ۸۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۱۔ شوال ۹۸ھ

جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے :

سوال : ایک شخص جو کہ خود جمعہ پڑھ چکا ہو وہ دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے کہ نہیں ؟
بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں صریح خبریہ نہیں ملا البتہ چونکہ صحت خطبہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ خطیب پر جمعہ فرض ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص خطبہ پڑھ سکتا ہے، قال فی التویر فان قل بان خطیب صبی باذن السلطان وصلى بالغ جاز هو المختار (رد المحتار ص ۸۳ ج ۱)، فقط والله تعالى اعلم،

۱۳ شعبان ۹۷ھ

خطبہ سے قبل وعظ کی رسم :

سوال : جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ جیسا کہ عام مساجد میں ہوتا ہے

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر اس میں ایک تو یہ قباحت ہے کہ خطبہ سے قبل وعظ کی وجہ سے پہلی اذان اور خطبہ کے درمیان بہت فصل ہوتا ہے اس لئے بہت سے لوگ اذان کے بعد بھی کاروبار میں مشغول رہتے ہیں جو حرام ہے۔ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد فوراً مسجد جانے کی طیاری کرنا فرض ہے دوسرے سب کام حرام ہو جاتے ہیں، پس عوام کو حرام میں مبتلا کرنے کا سبب یہی وعظ کی رسم ہونی جس کا وبال منتظمین مسجد پر ہوگا۔ دوسری قباحت یہ کہ اگر کوئی تختہ مسجد یا سنت کے مطابق مسجد میں بہت جلد پہنچ کر کوئی عبادت کرنا چاہے تو اس میں خلل واقع ہوتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہا جائے جس کو سننے کی رغبت ہوگی بیٹھے گا۔

فقط والله تعالى اعلم،

۲۳ صفر ۹۸ھ

عورتیں ظہر جمعہ سے قبل پڑھ سکتی ہیں :

سوال : عوام میں مشہور ہے کہ جب تک جمعہ کی نماز مسجد میں ختم نہ ہو جائے مستورات گھروں میں ظہر کی نماز نہ پڑھیں کیا شرعاً اس کی اصل ہے ؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی کوئی اصل نہیں، غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ سوال ۹۸ھ

معذور کے لئے جمعہ سے تاخیر ظہر مستحب ہے:

سوال: اگر جلیوں کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ہو تو وہ ظہر کی نماز شہر میں جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جماعت جمعہ ختم ہونے کے بعد پڑھنا مستحب ہے، اس سے قبل مکروہ تنزیہی ہے، قال فی العلائیۃ ویستحب للمریض تأخیرھا الی فراغ الامام وکرة ان لم یؤخرھا الصحیح، وفی الشامیۃ (قوله ویستحب للمریض) عبادة القہستانی المعذور وہی اعم (قوله وکرة) ظاہر قوله ویستحب ان الکراہۃ تنزیہیۃ نہر، وعلیہ فمافی شرح الدرر للشیخ اسمعیل عن المحیط من عدم الکراہۃ اتفاقاً محمول علی نفی التحریمیۃ، (رد المحتار ص ۶۶)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ محرم ۹۹ھ

قضاء نماز کے بعد تکبیر تشریق کا حکم:

سوال: ایام تشریق کی قضاء شدہ نمازوں کو جب غیر تشریق میں قضاء کرے اور اسی طرح غیر ایام تشریق کی قضاء شدہ نمازوں کو ایام تشریق میں قضاء کرے تو تکبیرات واجب ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس مسئلہ میں چار صورتیں ہیں، صرف ایک صورت میں تکبیرات تشریق واجب ہیں باقی تینوں صورتوں میں نہیں، ایام عید کی فائتہ اسی سال ایام عید میں قضاء کرے تو تکبیرات واجب ہیں، قال فی العلائیۃ وقضیٰ فیہا منہما من عامہ لقیام وقتہ کالاضحیۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ المسألتہ رباعیۃ فائتہ غیر العید قضاھا فی ایام العید، فائتہ ایام العید قضاھا فی غیر ایام العید، فائتہ ایام العید قضاھا فی ایام العید من عام۔ آخر، فائتہ ایام العید قضاھا فی ایام العید من عامہ ذلک ولا یکبر الا فی الاخیر فقط کذا فی البحر الخ (رد المحتار ص ۷۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ محرم ۹۹ھ

عید میں شافعی امام کی اقتدا میں بارہ تکبیریں کہے :

سوال : حج کے دنوں میں عیدین کی نماز کے موقع پر امام شافعی یا حنبلی ہے تو بارہ تکبیریں کہنا ہے جو مقتدی حنفی ہو وہ امام کے خلاف چھ تکبیریں کہے تو یہ جائز ہے؟ اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجوابُ باسمُ مُلہم الصَّوابُ

حج میں عید الاضحیٰ کی نماز تو ویسے ہی نہیں ہوتی مسئلہ صرف عید الفطر کا ہے اس میں محض کو چاہئے کہ امام کے اتباع میں وہ بھی بارہ تکبیریں کہیں، بلکہ امام تیرہ تکبیریں کہے تو بھی اس کا اتباع کریں۔ البتہ اگر کوئی امام تیرے بھی زیادہ تکبیریں کہے تو اس کا اتباع نہ کریں قال فی العلائیۃ ولو زاد تابعہ الی ستة عشر لاند فأنذرو، وفي السامیۃ (قوله الی ستة عشر) کذا فی البہوعن المحیط. وفي الفتح قبل يتابعہ الی ثلاث عشر وقيل الی ستة عشر (الی قوله) فهذا یؤید القول الاول ولذا قدمہ فی الفقہ ونسبہ فی البدائع الی عامة المشایخ علی ان ضم الثلاث الاصلیۃ الی الزوائد بعید جدا لان القراءة فاصلة بينهما فاقمل (رد المحتار ص ۸۶)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفحہ ۹۹ ج ۱

معذورین کے لئے بروز جمعہ جماعت ظہر مکروہ ہے :

سوال : جمعہ کے روز معذورین مصر میں نماز ظہر کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجوابُ باسمُ مُلہم الصَّوابُ

مصر میں معذورین کے لئے نماز ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اس لئے وہ منفرداً نماز پڑھیں اور حالت انفراد میں بھی اذان و اقامت نہ کہیں، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ وکیہ تحریمًا للمعذور ومجون ومسافر اداء ظہر بجماعة فی مصر قبل الجمعة وبعدھا لتقلیل الجماعة وصورة المعارضة (رد المحتار ص ۸۶)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

بروز جمعہ معذور کے لئے ظہر کی اذان و اقامت مکروہ ہے :

سوال : معذور عن الجمعة مصر میں ظہر کی نماز کے لئے اذان و اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

بیٹنوا بالبرہان توجروا عند الرحمن

الجوابُ باسمُ مُلہم الصَّوابُ

بعض نے مستحب لکھا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ مکروہ ہے قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ وقیہ

بالجماعة لما في التقاريق ان المعذور يصلی الظهر باذان واقامة وان كان لا تستحب الجماعة ،
(البحر الرائق ص ۱۵۳ ج ۲) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله بغير اذان واقامة) قال في
الولواجية ولا يصلی يوم الجمعة جماعة بمصر ولا يؤذن ولا يقيم في مسجن وغيره لصلوة الظهر اه قال
في النهر: وهذا اولی ما في السراج معزياً الى جمع التقاريق من ان الاذان والاقامة غير مكروهين،
(مراد المختار ص ۴۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔
۲۲ ربیع الاول ۹۹ھ

جواثی میں جمعہ کی تحقیق :

سوال : جواب فتویٰ وصول ہوا جس سے دل کو تشفی نہیں ہوئی مزید تفصیل کی ضرورت ہے، پہلا جمعہ
بحرین کے مقام جواثی میں ادا کیا گیا اس کا شہر یا چھاؤنی ہونا اور کس سال میں پڑھا گیا بحوالہ کتب تحریر فرمائیں،
بینوا وتوجروا،

الجواب باسمِ صلہم الصواب

یہ خصم کا فرض ہے کہ جواثی کا قریہ صغیرہ ہونا ثابت کرے مطلقاً لفظ قریہ سے استدلال صحیح نہیں،
کیونکہ قرآن، حدیث اور لغت سے اس کا اطلاق مدینہ پر ثابت ہے، معہذا مانعین جمعہ فی القری نے تبرعاً
جواثی کے شہر ہونے پر یہ دلائل پیش فرمائے ہیں ① یہاں قلعہ تھا ② چار ہزار سے زیادہ آبادی تھی
③ امرؤ القیس کے شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں تجارتی منڈی تھی جس میں وسیع پیمانے پر تجارتی سامان کی
خرید و فروخت ہوتی تھی۔

جواثی میں سن آٹھ ہجری میں جمعہ قائم ہوا ہے کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ وفد عبد القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوباراً
ہے پہلے سنہ میں فتح مکہ سے قبل اور دوسری بار سنۃ الوفود یعنی سنہ ۱۰ھ میں (بذل المجہود، اعلام السنن،
لامع التدراری وغیرہا) بالفرض جواثی کا قریہ صغیرہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اتنی طویل مدت
تک کسی اور قریہ میں جمعہ کیوں نہیں پڑھا گیا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری ص ۱۸۶ میں جواثی سے
وفد عبد القیس کی وفادہ اولیٰ سنہ ۱۰ھ میں یا اس سے بھی قبل بتائی ہے، حالانکہ خود ہی اصابہ میں دو قول سنہ
اور سنہ نقل فرمائے ہیں۔ فیض الباری میں وفادہ اولیٰ سنہ ۱۰ھ میں اور ثانیہ سنہ ۱۱ھ میں تحریر ہے۔ فتح اور
فیض کے ان اقوال کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ بالفرض حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو تمام اہل سیر کے خلاف
ہے تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس اشکال سے مخلص نہیں کہ چار پانچ سال تک کسی بھی قریہ میں جمعہ کیوں نہیں پڑھا گیا؟
فقط والله تعالیٰ اعلم،

بوقت ہجرت قبا میں مدت قیام :

سوال : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام قبا میں کتب سیر میں مختلف روایتیں منقول ہیں، بخاری شریف میں دس یوم سے زیادہ اور حسن الفتاویٰ قدیم ص ۲۹۶ میں چوبیس یوم منقول ہیں۔ الغرض علماء سیر مختلف ہیں، اصح روایت کونسی ہے ؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے چودہ روز کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

بنی سالم میں ادار جمعہ کی تحقیق :

سوال : کتب سیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی سالم میں نماز جمعہ پڑھنا منقول ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اوثق العری میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ راوی کی غلطی ہے، اس کے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ روایت اس لئے صحیح نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بروز دو شنبہ قبا میں تشریف فرما ہوئے اور صحیح روایت کے مطابق وہاں چودہ روز قیام فرمایا تو قبا سے جمعہ کے روز مدینہ کی طرف خروج اور راستہ میں بنی سالم میں نماز جمعہ ادا فرمانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ؟ قیام قبا سے متعلق بائیس اور چوبیس ایام کی بھی روایات ہیں، ان کے مطابق بھی یوم جمعہ میں خروج کا حساب صحیح نہیں بیٹھتا۔ بائیس اور چوبیس میں صورت تطبیق یہ ہے کہ یوم نزول و یوم خروج کو چھوڑ کر بائیس اور ان کو شامل کر کے چوبیس ایام ہیں، لہذا یوم جمعہ میں خروج کی تصحیح کے لئے یہ تاویل صحیح نہیں کہ چوبیس والی روایت میں یوم نزول و خروج کو شمار نہیں کیا گیا،

علاوہ ازیں بنو سالم میں ادار جمعہ کی روایت کے خلاف سیر کی دوسری روایت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو سالم پر گزر ہوا اور ان کے اصرار کے باوجود وہاں نزول نہیں فرمایا بلکہ اپنی اونٹنی سے متعلق فرمایا خلوا سبیلہا فاتہما مأمورة بالغرض بنی سالم میں ادار جمعہ کی روایت صحیح تسلیم کر لی جا تو یہ ہمارے خلاف نہیں اس لئے کہ بنی سالم مدینہ منورہ ہی کا ایک محلہ تھا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

خطبہ میں ایسے تین مردوں کی حاضری شرط ہے جن سے جمعہ قائم ہو سکے :
سوال ① اگر امام نے تنہا خطبہ پڑھایا صرف عورتوں اور بچوں کے سامنے خطبہ پڑھا تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟

② اگر ایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھے اور تین یا زیادہ آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں ؟ بتنا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

① جائز نہیں، کیونکہ خطبہ جمعہ کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے جن سے جماعت قائم ہو سکے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، والخامس كونها قبلها لان شوط الشيء سابق عليه بحضرة جماعة تنعقد الجمعة بهم ولو كانوا صما ونيما، فلو خطب وحده لم يجز على الاصح كما في البحر عن الظهيرية، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله تنعقد الجمعة بهم بان يكوئوا ذكورا بالغين عاقلين ولو كانوا معذورين بسفرا ومرض، وقال شارح التنوير رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ورقتين، والسادس الجماعة واقفها ثلاثة رجال ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الامام بالنص، لانه لا بد من الذكر والخطيب وثلاثة سواه بنص فاسعوا الى ذكر الله) (رد المختار ص ۵۵ ج ۱)

② درست نہیں لہذا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ جمادی الآخرہ ۱۴۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : گزارش ہے کہ قنوی وصول ہوا جس میں شبہہ ہے قدرے وضاحت کی ضرورت ہے، اگر ایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھے اور تین یا زیادہ آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں ؟ عالمگیریہ میں خلاصہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ درست ہے، اس کا کیا جواب ہے، بتنا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال في شرح التنوير وجزم في الخلاصة بانه يكفي حضور واحد، وقال ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ مشی علیہ فی نور الايضاح وقال فی شرحہ انما اتبعناه لانه منطوق فيقدم على المفهوم اه ای يفهم من قولهم يشترط حضور جماعة انه لا يصح بحضور واحد وقول صاحب الخلاصة لو حضروا واحدا واشتان وخطب وصلى بالثلاثة جاز منطوق، وفيه نظر فان جعل

حضور الجماعة شرطاً منطوقاً ايضاً لان الجماعة من الاجتماع فتنا في الوحدة وقد جعلت شرطاً والشرط ما يلزم من عدمه العدم تأمل، (رد المحتار ص ۵۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم.

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ

خطبہ میں جہر شرط ہے :

سوال : خطبہ جہر کے ساتھ فرض ہے یا سنت ؟ بیٹواتوجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خطبہ میں اس قدر جہر شرط ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن سکیں، قال ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولو كانوا صما او نياماً) اشار الى انه لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفي حضورهم حتى لو بعد واعنه او ناموا اجزأت والظاهر انه يشترط كونها جهرًا بحيث يسمعها من كان عنده اذا لم يكن به مانع شح المنية (رد المحتار ص ۵۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم . ۲ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ

سوق بدون بیوت میں جمعہ صحیح نہیں :

سوال : بعض دیہی علاقوں میں بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں، چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے جو دن میں کھلا رہتا ہے اور رات میں سب لوگ اپنے اپنے گاؤں میں چلے جاتے ہیں، اس مقام میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر صحت جمعہ کے لئے بازار کے قیام میں لوگوں کی مستقل سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی ؟ یہاں اس میں اختلاف ہو رہا ہے اس لئے مدلل تحریر فرمائیں

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے مقام میں جمعہ صحیح نہیں، صحت جمعہ کے لئے یہاں اتنے لوگوں کی مستقل سکونت شرط ہے جن کی آبادی کو عرفاً قریہ کہا جاسکے، رہائشی مکان آپس میں متصل ہوں اور ان کے درمیان کم از کم تین گلیاں ہوں جیسا کہ مصر کی تعریف میں مافیہ سکك و اسواق سے ظاہر ہے لان التکک تكون بين المنازل المسكونة واقل الجمع ثلاث، قال الشرنبلالی رحمہ اللہ فی حدّ المصر انه بلد له مفت وامير وقاض مقيمون بها (الى قوله) بلغت ابنته قدر ابنية منى وهذا في ظاهر الرواية، قاله قاضيان وعليه الاعتماد، وقال الخطاوى (قوله مقيمون بها) قيد بها لانه اذا لم تعتبر الإقامة لا توجد قرية اصلاً اذ كل قرية مشمولة بحكم كذا في الشرح الخطاوى على المواقى ص ۱۲۷) وقال ايضاً ان موضع إقامة المرء حيث يبني فيه الا ترى انك اذا قلت لشخص اين تسكن يقول في محلة كذا وهو بالنهار يكون بالسوق نقله السيد عن العلامة مسكين (مخطاوى على المواقى ص ۲۳)

وقال قاضيان لا يكون الموضع مصرًا في ظاهر الرواية الا ان يكون (الى قوله) وبلغت ابنته ابنية منى

(خانیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۱۷۱) وقال ابن ہام رحمہ اللہ تعالیٰ قیل فیہا ثلاث سکت (فتح القدیر ص ۱۷۱) علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ بدون اقامت قریہ کا وجود نہیں ہو سکتا اور اقامت بدون بیتوت معتبر نہیں، ابن ہام رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ابنیہ منیٰ جن کو معیار قرار دیا گیا ہے ان میں تین گلیاں تھیں، بلکہ ایسے مقام ہیں تو باجماع مذاہب اربعہ صحیح نہیں، اقامت کی شرط پراجماع ہے بلکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اقامت سے بھی بڑھ کر استیطان شرط ہے، قال العلامة الدرریر رحمہ اللہ تعالیٰ وشروط صحتها خمسة اولها الاستیطان وهو اخص من الإقامة لانه الإقامة يقصد التأييد والإقامة اعم (الشرح الصغير ص ۱۷۵ ج ۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرہ ۱۲۹۶ھ

نماز عید کے بعد تکبیر شریقی :

سوال : نماز عید کے بعد تکبیر شریقی کہنا جائز ہے یا نہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عید کی نماز پڑھانے کے بعد لاؤڈ سپیکر پر تین بار اعلان کیا کہ نماز عید کے بعد تکبیر شریقی نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کے بعد تکبیر شریقی بالاتفاق ثابت وجائز ہے۔ البتہ وجوب و استحباب میں اختلاف ہے، قول وجوب راجح ہے۔ مولوی صاحب نے اعلان سے قبل ہشتی زیور سی کو دیکھ لیا ہوتا تو ایسی غلط بات نہ کہتے۔ قال فی شرح التنویر ولا بأس بہ عقب العید لاق المسلمین توارثہ فوجب اتباعہم و علیہ البلخیون، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولا بأس الخ) کلمة لا بأس قد تستعمل فی المندوب كما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنہ ہذا الموضع لقوله فوجب اتباعہم (قوله فوجب) الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح علیہ فی البحر عن المجتبیٰ والبلخیون یکثرون عقب صلوة العید لانہا تؤدی بجماعة فاشبهت الجمعة اھ وهو یفید الوجوب المصطلح علیہ (مراد المختار ص ۱۷۱ ج ۱) وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت الخ) قال السندی رحمہ اللہ تعالیٰ عند قوله لان المسلمین توارثہ، ظاہر ان ذلك صنیع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم الی اعصارنا فقول السید احمد ولم یکن فی عہد الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم والا كانت سنة لانہم لا یبتدعون من انفسہم خلاف ظاہر عبارة الشرح وقال عقب

قوله فوجب اتباعهم ظاهرة انه يريد الوجوب المصطلح عليه لا بمعنى الثبوت الحاصل بالاباحة
المستفاد من قوله اولاً (لابأس اهـ) (التحرير المختار ص ۱۷۱) فقط والله تعالى اعلم،
۱۵ ر ذی الحجہ ۹۹ ھ

تحقیق حدیث لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع :

سوال : لاجمعة ولا تشریق ولا صلوة الفطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة
عظيمة۔ یہ حدیث ہے یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے اور یہ کس حدیث میں ہے اور اس کی
صحت کیسی ہے ؟ یہ اثر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے یا موقوف کے حکم میں اور اس کی سند حضور صلی اللہ
علیہ وسلم تک پہنچتی ہے یا نہیں ؟ اس اثر کے متعلق صاحب ہدایہ کا موقف کیا ہے ؟ غیر مقلدین حضرات کو
اس کی صحت میں کلام ہے۔ اس کی تصحیح و حوالہ کتب اش ضروری ہے بلینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیاً،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ حدیث مرفوع ہے اگر کسی کو اس کے حقیقہ رفع میں اشکال ہو تو علماً مرفوع ہے۔ لانه مما لا
یدرك بالقیاس، اس کی سند پر اعتراض کرنا تعصب و لغت ہے۔ قال فی اعلاء السنن عن علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجه ابو عبیدہ باسناد صحیح الیہ
موقوفاً ومعناه لا صلوة جمعة ولا صلوة عید کذا فی فتح الباری ورواه عبد الرزاق فی مصنفہ انبأ
الثوری عن زبید الا یامی عن سعد بن عبیدة عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع کذا فی نصب الراية وفي الدرر السادة صحیح وروی ابن ابی شیبہ
فی مصنفہ حدثننا جریر عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبیدة عن ابی عبد الرحمن انه قال قال
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فذكر اللفظ الاول واسناده صحیح کذا فی عدة القاری و ذکر الاما خواهر زاده
فی مبسوطہ ان ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ فی الاملاء مسنداً مرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وابی یوسف امام الحدیث حجة اه کذا فی البیایة ای فیکون رفعه حجة لانه زیادة من ثقة فتقبل۔

قوله عن علی الخ قلت هذا الاثر له طریقان آخران ذکرهما الریلعی فی نصب الراية ص ۳۱۳، رواه عبد الرزاق فی
مصنفہ اخرنا معمر عن ابی اسحق عن حارث عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع انتهى، و
رواه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ حدثننا عباد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحق عن الحارث عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال لاجمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظيمة، انتهى۔ قال بعض
الناس والا سناد ان لا تقوم بها حجة فان ابی اسحق وهو عمرو بن عبد اللہ الحمدانی السبعی مكثر

عابد ثقة اختلط بأخوه كما في التقريب (ص ۱۵۹) قلت يا للعجب ولضيعة الادب هل يصعفا الحديث
 لأجل أبي إسحق السبيعي وهو من أئمة التابعين بالكوفة وأثبتهم وصفنا الذهبي في تذكرة الحفاظ
 له بالمحافظ أحد الأعلام (ص ۱۶۱) وقال في الميزان إلا أنه شاخ ونسي ولم يختلط وقد سمع منه
 سفيان بن عيينة وقد تغير قليلاً إلى أن قال قال النسوي وإنما تركوه مع ابن عيينة لاختلاطه اه
 (ص ۲۹۲ ج ۲) وفيه تصريح بأنه لم يختلط وإنما تغير قليلاً والتغير القليل والاختلاط اليسير ليس بجمع
 ما لم يكثر منه صرح بذلك الذهبي في الميزان في ترجمة هشام بن عروة بما نصه ولا عبرة بما
 ناله أبو الحسن بن القطان من أنه وسهيل بن أبي صالح اختلطاً وتغيراً نعم الرجل تغير قليلاً
 ولم يبق حفظه كهو في حال شبابه فنسي بعض محفوظه أو وهم فكان ما ذا أهو معصوم من النسيان
 ولما قدم العراق في آخر عمره حدث بحجة كثيرة من العلم في غضون ذلك يسيراً حديث لم يجودها
 مثل هذا يقع لما لك ولشعبة ولوكيع وكبار الثقات فدع عنك الخبط وذر خلط الأئمة
 الأثبات بالضعفاء والمخلطين فهو شيخ الإسلام اه (ص ۲۵۵ ج ۳) وفيه تصريح أيضاً بأن
 الذي سمع منه بعد تغيره قليلاً هو ابن عيينة وحده وإنما تركه من تركه مع ابن عيينة فقط
 دون غيره فصار كلام بعض الناس هباءً منثوراً، قال بعض الناس والحارث الأعور مختلف
 فيه كما تقدم في الكتاب اه قلت نعم وقد حسنت حديثه في غير ما موضع وزعمت غير مرة أن
 الاختلاف في التوثيق لا يضرك والعجب من يوثق شهر بن حوشب وعبد بن أبي ليلى وحجاج بن أرطاة ورشد بن
 ابن سعد وجبارة بن المفلس في كتابه أن يتكلم في الحارث الذي أخرج له النسائي في مجتبه مع ثقتي
 في الرجال ثم قال ومعه أخرج له الجماعة إلا أن يحيى بن معين يقول إذا حدثك معمر عن العراقيين
 فخالفه إلا عن الزهري وابن طاووس فإن حديثه عنهما مستقيم فاما أهل الكوفة والبصرة فلا اه كذا
 في التهذيب (ص ۲۲۵ ج ۱۰) قلت قد وصفنا الذهبي في التذكرة بالامام المحجة أحد الأعلام عالم اليمن
 (ص ۱۴۹ ج ۱) وأثنى عليه الأئمة قاطبة وقال ابن حبان في الثقات له كان فقيهاً حافظاً متقناً ورعاً
 وعده علي بن المديني وأبو حاتم فيمن دار الأسناد عليهم كما في التهذيب (ص ۲۲۵ ج ۱) فايش يؤثر في مثله
 ما ذكره ابن أبي خيثمة عن ابن معين وقد روى معاوية بن صالح عن ابن معين توثيقه مطلقاً
 على أن الذهبي كتب على اسمه علامة صح وهي عنده إشارة إلى أن العمل على توثيق هذا الرجل صرح
 به في اللسان (ص ۱۶۱) ثم قال الذهبي في الميزان معمر بن راشد أبو عروة أحد الثقات الأعلام له
 أو هام معروفة احتملت له في سعة ما اتقن اه (ص ۲۸۸ ج ۲) وهذا تصريح منه بأن العمل على توثيقه

والاحتجاج بروایۃ مطلقاً ثم قال بعض الناس وتحتاج بن ارطاة تقدم وهو مدلس اه قلت قد وثقته وحسنت حديثه في غير ما موضع من كتابك واما التدليس فانما يجعل الحديث الصحيح مختلفاً فيه لا ضعيفاً بالاتفاق فقد قال الحاكم الحديث الصحيح ينقسم عشرة اقسام خمسة متفق عليها وخمسة مختلف فيها فذكر المتفق عليها اولاً ثم ذكر المختلف فيها وقال فهي المرسل واحاديث المدلسين اذا لم يذكر واسمهم الخ كذا في تدريب الراوي (ص ۴۵) وقد ذكرنا في المقدمة ان المختلف فيه حسن لا ضعيف والتزم بعض الناس هذا الاصل في كتابه وقد شحنه وملاؤه بقوله ان الاختلاف لا يضره فكيف يضعف الحديث بسببه ههنا فالحق ان الاسنادين حسان وليسوا بضعيفين كما نزعهم والحجة بهما قائمة والاستدلال برواية ابن ارطاة على اختصاص تكبير التشريق باهل المصر صحيح كما هو اصل المذهب فافهم وفي عمدة القاري فان قلت قال النووي حديث علي متفق عليه ضعفه وهو موقوف عليه بسند ضعيف منقطع قلت كانه لم يطلع الا على الاثر الذي فيه الاحتجاج ابن ارطاة ولم يطلع على طريق جريح عن منصور فانه سند صحيح ولو اطلع لم يقل بما قاله واما قوله متفق على ضعفه فزيادة من عنده ولا يدري من سلفه في ذلك على ان ابا زيد زعم في الاسرار ان محمد بن الحسن قال رواه مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالك رضي الله عنهما اه (ص ۲۶ ج ۳) قلت وكذا قال الامام ابو بكر الجصاص في احكامهم روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع وروى عن علي بن ابي طالب (ص ۲۷ ج ۳) ولكن المرفوع لا يثبت المحدثون فان صح من محمد بن الحسن رحمه الله تعالى ما زعمه ابو زيد في الاسرار كان حجة لنا كافية فان محمدًا امام مجتهد وقوله حجة وكذا ان صح ما ذكره خواهرزاده ان ابا يوسف رحمه الله تعالى رواه في الاملاء مرفوعاً مسنداً كما هو الظاهر، على ان الموقف في مثله مرفوع حكماً لكونه خلاف القياس المستقر في الصلوات فانها لا تختص بمكان دون مكان قال النبي صلى الله عليه وسلم جعلت لي الارض مسجدًا وطهوراً وهو حديث صحيح اخرج به البخاري (ص ۲۲ ج ۱) فاقد امر على رضي الله عنه على نفي الجمعة في بعض الاماكن وتخصيصها بالمصر الجا مع (لا يكون الا عن سماع الخ) (ص ۲۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۱۸ ذی الحجۃ ۹۹ھ ہجری

احتیاط الظہر کی حقیقت :

سوال : احتیاط بالظہر کی کیا حقیقت ہے ؟ احتیاط الظہر کب سے ایجاد ہوئی اور کس نے ایجاد

کی؟ احتیاط کے کیا معنی ہیں؟ کیا صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کے دور مبارک میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، در صورت عدم ثبوت احتیاط الظہر کو بدعت شنیعہ کہنا چاہتے یا نہیں؟ کتب حنفیہ میں بعض عدم جواز کے قائل اور بعض جواز کے قائل، علامہ شامی کا رجحان بھی جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، امید ہے کہ قول فیصل تحریر فرمائیں گے۔ بتیو بالتفصیل اجوکہ الجلیل۔

الجواب بِاسْمِ مَلِہُمُ الصَّوَابِ

احتیاط کا مطلب یہ ہے کہ ادار عبادت میں شبہہ فساد سے احتراز کیا جائے، اس کی اصل حدیث سے ثابت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه وقال لسودة بنت زمعة رضی اللہ تعالیٰ عنہا احتجی من ابن زمعة لما رأی من شبهة بعثتہ بن ابی وقاص بوقت شبہہ فساد تکرار عبادت کی نظر فرقہ میں موجود ہیں كالجمع بين الوضوء والتيمم عند وجود الماء المشكوك والبناء على الأقل عند الشك في تعداد الركعات مع ان فيه احتمال تكرار الركعة والمجر في الثالثة ومنه ما صرحوا به من ندب احادة الصلوة عند توهم الفساد۔ پس احتیاط الظہر کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں صحت جمعہ میں کسی وجہ سے شبہہ ہو وہاں نماز جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز بھی ادا کر لی جائے تاکہ ادار فرض کا یقین ہو جائے اور شبہہ فساد باقی نہ رہے۔ صحت جمعہ میں شبہہ کی مندرجہ ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

① کچھ غیر معروف لوگوں کا کہنا ہے کہ عند الحنفیہ صحت جمعہ کے لئے وجود سلطان شرط ہے اس لئے وہ جہاں سلطان نہ ہو وہاں احتیاط الظہر کا حکم دیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ وجود سلطان کی شرط صرف رفع نزاع کے لئے ہے اور جماعت مسلین کی طرف سے امام جمعہ کی تعیین اس مقصد کی تحصیل کے لئے کافی ہے نیز اگر وجود سلطان کو صحت جمعہ کی شرط قرار دیا جائے تو اس کے عدم سے عدم صحت مستیقن ہوگی، اس صورت میں ادار جمعہ اور پھر احتیاط الظہر کا کیا مطلب؟ صرف ادار ظہر ہی کا فتویٰ دینا چاہئے

② مذہب حنفی میں ایک روایت مروجہ یہ ہے کہ ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ صحیح نہیں جو نماز یقیناً سب سے پہلے ہوئی صرف وہی صحیح ہوگی، بعد میں ہونے والی اور بیک وقت دو جگہ ہونے والی اور تقدم و تاخر میں اشتباہ کی حالت میں پڑھی ہوئی نماز میں صحیح نہیں، بحرو شایہ غیرہ میں قنہ سے منقول ہے کہ اس روایت مروجہ کی بنا پر اہل مروئے احتیاط الظہر کی ابتداء کی۔

فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اہل مروء کی تائید میں احتیاط الظہر کا قول کیا اور بعض ترک ظہر میں احتیاط کے قائل ہیں، مگر یہ اختلاف مفسدہ عارضہ سے قطع نظر پر مبنی ہے، فساد عقیدہ کی صورت میں

احتیاط الظهر کے ترک پر سب متفق ہیں، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ افتیت مراراً بعد مصلوتھا خوفاً
 حلو اعتقاد الجملۃ بانہما الفرضان الجمعة لیست بفرض (البحر الرائق ص ۱۲ ج ۲) بندہ کے خیال میں
 فساد عقیدہ سے قطع نظر بھی اس صورت میں احتیاط الظهر کا قول غیر منقول ہے، کیونکہ تعدد جمعہ کی وجہ سے شبہہ
 فساد سے بچنے کی معقول صورت یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی مقام پر ادارہ جمعہ کا اہتمام کیا جائے، یہ عجیب احتیاط
 ہے کہ جمعہ جیسے اہم شعار اسلام کو ازالہ شبہہ پر قدرت کے باوجود مشتبہ ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کا تدارک
 ظہر سے کیا جائے، اگر علماء احناف کی نظر میں شبہہ کی یہ وجہ قابل التفات ہے تو اس کا تدارک احتیاط الظہر
 کی بجائے اتحاد جمعہ سے کریں،

(۳) جس مقام کی مصریّت مشتبہ ہو اس میں احتیاط الظہر کا حکم محیط و کافی سے منقول ہے ونقل المقدسی
 عن المحيط کل موضع وقع الشک فی کونہ مصرًا ینبغی لہم ان یصنوا بعد الجمعة اربعاً بنیۃ الظهر
 احتیاطاً حتی انہ لو لم تقع الجمعة موقعہا ینخرجون عن عہدۃ فرض الوقت باء الظهر وتبعہ فی
 الکافی (مراد المختار ص ۵۶ ج ۱) مگر اس میں بھی وہی عدم مفسدہ کی شرط ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ
 تعالیٰ بعد بحث طویل نعم ان ادى الى مفسدة لا تفعل جہاداً والکلام عند عدمہا ولذا قال المقدسی نحن
 لانما مریب ذلک امثال ہذہ العوام بل نذل علیہ الخواص ولوبا بالنسبة الیہما (مراد المختار ص ۵۶ ج ۱)۔

خلاصہ کلام:

صرف ایسے موضع میں جس کے مصر ہونے میں تردد ہو صرف خواص کو مخفی طور پر احتیاط الظہر پڑھنے کی
 اجازت ہے، عوام کو بہر حال منع کرنا لازم ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ایسے مقام میں جمعہ قائم ہو چکا ہو
 اگر قائم نہیں ہوا تو جاری کرنا جائز نہیں لعدم یتقن شرط الصحة، فتاویٰ رشیدیہ میں ایک عالم
 عبد الوہاب کی تحریر درج ہے کہ احتیاط الظہر کی بدعت ایک عباسی معتزلی بادشاہ نے جاری کی تھی، اس
 ظالم نے حکم دیا تھا کہ جو احتیاط الظہر پڑھے اس کو تخریر لگائی جائے

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۷ھ

اذان اول کے بعد دینی کام کرنا بھی جائز نہیں:

سوال: جمعہ کی اذان اول کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرنا یا مسائل وحدیث لکھنا جبکہ خطبہ کی اذان سے
 پہلے مسجد میں پہنچ جانے جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اذان اول کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی کام بھی جائز نہیں خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو، قال

فی التتویر و وجب السعی الیہا وترك البیع بالاذان الاول، وفي السامیة امراد به کل عمل ینافی السعی وخصه اتباعاً للآیة نہر (رد المحتار فکج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۷ھ

قضا نماز اور عید میں ترتیب واجب نہیں :

سوال : جس نے فجر کی نماز نہ پڑھی اور عید کی نماز ادا کی تو نماز ہو گئی ؟ اور عید سے پہلے فجر کی نماز قضا کرے تو صرف فرض پڑھے یا سنت بھی ؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نماز اور عید کے درمیان ترتیب واجب نہیں اس لئے عید کی نماز ہو گئی، دوپہر سے قبل فجر کی قضا پڑھے تو فرض و سنت دونوں پڑھے خواہ نماز عید سے پہلے ہو یا بعد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ

غسل جنابت سے غسل جمعہ کی سنت ادا ہو جائے گی :

سوال : جمعہ کے دن غسل جنابت صبح کیا تو کیا غسل مسنون پھر دوبارہ کرنا ہو گا یا یہی غسل کافی ہو کر غسل مسنون کا بھی ثواب مل جائے گا۔ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہی کافی ہے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں بلکہ صفائی کا مقصد جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ

خطیب کو لقمہ دینا جائز نہیں :

سوال : اگر خطیب نے خطبہ میں غلطی کی تو فتح دینا چاہئے یا نہیں ؟ صورت اول میں فتح دینا لازم ہے یا غیر لازم ہے بلکہ سنت یا مستحب ہے ؟ نیز فتح اس وقت دے کہ خطیب بالکل خطبہ میں بند ہو گیا اس وقت میں بھی فتح دینا چاہئے کہ بہت غلط پڑھے، اور یہ بھی واضح فرمادیں کہ اگر خطیب فرض خطبہ پڑھ کر بعد میں بند ہو گیا تو اب فتح دینا ہے یا نہیں ؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ خطبہ میں کوئی متعین مضمون پڑھنا ضروری نہیں اگر ایک مضمون میں خطیب رُک گیا تو اور کچھ پڑھ سکتا ہے لہذا لقمہ دینے کی ضرورت نہیں اور حالت خطبہ میں ہر قسم کا تکلم ناجائز ہے اس لئے لقمہ دینا بھی ناجائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

۱۹ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ

بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا :

سوال : خطبہ کے وقت خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے ؟ سنت ہے یا بدعت ؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق عبارات فقہ مختلف ہیں، صورت تطبیق یہ ہے کہ فی نفسہ سنت غیر مؤکدہ ہے مگر اس کا التزام و استمرار مکروہ و بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان ۱۴۰۲ھ

تکبیر تشریق ایک بار سے زیادہ کہنا :

سوال : فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا جائز ہے یا خلاف سنت ؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض خلاف سنت فرماتے ہیں اور بعض جائز، اختلاف سے بچنے کے لئے ایک بار سے زیادہ نہیں کہنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

سوال مثل بالا : تکبیر تشریق کتنی مرتبہ پڑھنا واجب ہے، ایک مرتبہ یا تین مرتبہ ؟ کنز الدقائق میں ہے کہ ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے لیکن اگر ایک مرتبہ سے زیادہ کہے تو فضل ہے، فضل کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے تین مرتبہ کی سنیت یا استحباب یا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص تکبیر تشریق تین مرتبہ کہنے کو ضروری سمجھے تو عندا شرع یہ شخص گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کنز الدقائق میں لفظ فضل نہیں بلکہ یہ عینی کا قول ہے۔ راجح یہ ہے کہ ایک بار سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ تین بار تکبیر کو ضروری سمجھنے والا شخص گناہ گار اور مبتدع ہے، اس پر اس بدعت سے توبہ کرنا فرض ہے۔ قال فی التنویر و یجب تکبیر التشریق مرۃ، و فی الشرح و ان زاد علیہا یکون فضلاً قالہ العینی، و فی الحاشیۃ افاد ان قولہ مرۃ بیان للواجب لکن ذکر ابو السعود ان الحموی نقل عن القراحصاری ان الاتیان بہ مرتین خلاف الستۃ اھ قلت فی الاحکام عن البرجندی ثم المشہور من قول علمائنا انہ یکبر مرۃ و قیل ثلاث مرات (مراد المختار ص ۱۵، ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ رجب ۱۴۰۲ھ

نماز عید میں مسبوق تکبیرات کس وقت کہے؟

سوال :- تکبیرات زوائد کے بعد اگر کوئی شخص نماز عید میں امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشہد میں شریک ہو تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟ بیٹھا تو جروا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات زوائد کہہ لے، اگرچہ امام قرات شروع کر چکا ہو، اور اگر رکوع میں امام کو پایا تو تکبیرات کہہ کر رکوع میں جائے، البتہ اگر امام کے ساتھ رکوع میں نہ مل سکے کا خطرہ ہو تو رکوع میں بدوں ہاتھ اٹھائے تکبیرات کہے، اگر تکبیرات کی تکمیل سے پہلے امام رکوع سے اٹھ گیا تو بقیہ تکبیریں ساقط ہو جائیں گی، اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام کے بعد اٹھ کر جو رکعت پڑھے گا اس میں قرات کے بعد رکوع سے پہلے تکبیرات کہے، اور اگر تشہد میں شریک ہوا تو بعینہ اسی طرح دو رکعتیں تکبیرات کے ساتھ پڑھے جس طرح امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، قال فی العلائق ولو ادرك المؤتم الامام في القيام بعد ما كبر كثر في الحال برأى نفسه لانه مسبوق ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات، وفي السامیة (قوله فی القيام) ای الذی قبل الركوع اما لو ادرکه رکعاً فان غلب علی ظنه اذراک، فی الركوع کثر قائماً برأى نفسه ثم رکع والارکع وکثر فی رکوعه خلافاً لابى یوسف رحمه الله تعالى ولا یرفع یدیه لان الوضع علی الرکبتین سنة فی محله والرفع لا فی محله وان رفع الامام رأسه سقط عنه ما بقى من التکبیر لئلا تفوته المتابعة ولو ادرکه فی قیام الركوع لا یقضیها فیہ لانه یقضى الركعة مع تکبیراتها، فتح ویداع (در الحارثی) فقط والله تعالى اعلم

۸/ محرم ۹۸ھ

صرف عورتیں جمعہ وعید نہیں پڑھ سکتیں :

سوال :- صرف عورتیں جمعہ اور عیدین کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر سکتی ہیں یا نہیں؟ نیز تراویح کا کیا حکم ہے؟ بیٹھا تو جروا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف عورتیں جمعہ وعید کی نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتیں اور تراویح میں صرف

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے قال فی اللہ المختار فی مبحث الجمعة والسادس الجماعة واقلها ثلاثة رجال وفي الشامية قوله واقلها ثلاثة رجال (الحی قولہ) واحترز بالرجال عن النساء والصبيان فان الجمعة لا تصح بهم وخدم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال بحر عن المحيط (رد المختار ص ۶۱ ج ۱) وفي عید العلائیة تجب صلواتها فی الاصح علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة فانها سنة بعدها (رد المختار ص ۶۱ ج ۱) وفي امامة العلائیة ويكره تحريم جماعة النساء ولو فی التراويع (رد المختار ص ۵۲۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رذی قعدہ سنہ ۱۲۸۳ھ

بحالت خطبة تحيية المسجد طرہنا جائز نہیں:

سوال: دوران خطبہ حدیث سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے دیگر احادیث کا تعارض ہے، تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت تطبیق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے تھے، مگر ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا، خطبہ سے قبل حضرت سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو رکعت پڑھنے کا ارشاد فرمایا، علاوہ ازیں ممکن ہے کہ یہ واقعہ خطبہ میں حکیم انصاف سے قبل کا ہو،

صورت ترجیح یہ کہ حدیث سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خبر واحدہ ہے، اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا قلت لصاحبك انصت والامام يخطب فقد لغوت، مشہور بلکہ تقریباً متواتر ہے، خبر واحد حدیث مشہور سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی، جب حالت خطبہ میں نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں تو نفل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کی مفصل تحقیق میرے رسالہ ”نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءة الامام“ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد سوم ص ۱۴۵ تا ص ۱۵۰ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ربيع الآخر ۱۴۰۲ھ

رائے ونڈ کے قریب تبلیغی اجتماع میں نماز جمعہ:

سوال: قصبہ رائے ونڈ کے قریب جہاں تبلیغی اجتماع ہوتا ہے وہ اندازاً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اور درمیان میں کھیت وغیرہ بھی حائل ہیں، اور وہاں نماز جمعہ

قائم کی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جگہ فنا مصر میں شمار ہوتی ہے یا کہ خود اس جگہ کو شہر سمجھا جائے؟
احقر کے دل میں کافی دنوں سے خلجان ہے، امید ہے کہ جواب سے تسلی ہو جائے گی، بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تبلیغی اجتماع کے لئے ایسا میدان حوائج مصر میں داخل ہے، اس لئے یہ جگہ فنا مصر میں داخل ہے، اور فنا میں صحت جمعہ کے لئے مصر سے اتصال ضروری نہیں، اور فصل مزارع مانع نہیں، لہذا یہاں جمعہ صحیح ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(تفصیل سوال کی بناء پر تبدیل جواب تتمہ میں ہے) یوم اعراسہ ۱۴۰۱ھ

کراہتہ اطالہ خطبہ کی مقدار :

سوال : الرابع عشر تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل
(ہندیہ) اس عبارت کا کیا مطلب ہو؟ کیا ہر ایک خطبہ اتنا طویل ہو؟ یعنی اول خطبہ بھی مقدار سورت طوال ہو اور ثانی خطبہ بھی مقدار طوال ہو، یا دونوں خطبے مل کر مقدار ایک سورت طوال مفصل ہوں؟ بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور ہندیہ کی عبارت اور علامیہ کے جزئیہ و تکرہ زیادہ تمساعلی قدر سورۃ من طوال المفصل سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں خطبوں کی مجموعی مقدار مراد ہے عبارت علامیہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طوال مفصل میں سے سب سے چھوٹی سورت کی مقدار پر زیادتی مکروہ ہے، مگر عبارت ہندیہ سے ثابت ہوا کہ سب سے بڑی سورت مراد ہے، دیویدہ ما نقلہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی و زیادۃ التطویل مکروہۃ (رد المحتار ص ۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۴ ربيع الاول ۱۴۰۲ھ

خطبہ میں ذکر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

سوال : حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ نے جو خطبات شائع کئے ہیں جن میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ تین صاحبزادیوں کے نام بھی درج ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے باقی صحابہ کے ساتھ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی درج ہے، یہ خطبات جمعہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو صرف مباح کی حد تک یا موجودہ حالاً

کے پیش نظر افضل و موکد ہے؟ اگر یہ جائز و افضل ہے تو ہمارے عمائدین متقدمین و متاخرین میں جو خطبات مروج تھے اُن میں مندرجہ بالا نام کیوں درج نہیں تھے؟ نیز یہ کہ ان خطبات کے اکابر، سلف صالحین مثلاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف تو لازم نہیں آئے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر زمانہ میں خطبہ کے مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں کے مسلک اہل سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء مبارکہ اور ان کے لئے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض و خوارج پر تردید اور مسلک اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کافی تھا، جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہل سنت ہونے کی مدعی ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت کا دعویٰ کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست اُن کی زبان و قلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلک اہل سنت میں کسی صحابی سے متعلق ادنیٰ سے ادنیٰ بدگمانی کی بھی کوئی گنجائش نہیں، کسی بھی صحابی کے بدلے میں ذرا سی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہل سنت سے خارج ہیں، اور الحاد میں روافض ہی کی راہ پر چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بنات مکرمات سے بھی بغض ہے، اس لئے اُن فتنوں پر تردید کے پیش نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنات مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مناقب و فضائل کا ذکر اور ان کے لئے دعا برضی کا معمول بنانا چاہئے، اس سے حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ اُن کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں اُن میں یہ اضافہ بھی اُسی نظریہ کے تحت کیا گیا ہے جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

الْخُزْبَةُ

فِي

مَسْأَلَةِ الْجُمُعَةِ وَالْخُطْبَةِ

- گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں۔
- خطبہ غیر عربی میں جائز نہیں۔
- جمعہ فی ہتسری باذن حاکم کی تحقیق۔
- مخدوم ٹٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمعہ فی ہتسری۔
- مخدوم سید رستائی رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمعہ فی ہتسری۔
- ہندھ میں اصلاح جمعہ فی ہتسری کی ایک کوشش۔
- جمعہ فی ہتسری سے متعلق ایک کتاب پر تقریظ۔
- جمعہ فی ہتسری کے لئے مذہب کے خردج۔
- اتباع ہوی کے لئے حیلہ اذن حاکم۔
- جمعہ فی ہتسری سے متعلق اثر زہری کا جواب۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوال اول۔ کیا اداء جمعہ کے لئے شہر خاص ہے دیہات میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا؟
سوال ثانی۔ شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے کہ خطبہ جمعہ عربی کے سوا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جب خطبہ کا مقصود ہی وعظ ہے تو عربی زبان سے ناواقف لوگوں کے سامنے عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ؟ بیٹنوا بالبرہان اجمہرکم الرحمن۔

حاملاً ومصلياً ومسلماً۔ سائل کا یہ کہنا کہ جمعہ دیہات میں کیوں نہیں ہوتا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ حج کراچی میں کیوں نہیں ہوتا جیسے شریعت مطہرہ نے حج کے لئے مکہ اور اعسکاف کے لئے مسجد کی تعیین کی ہے اسی طرح جمعہ کے لئے بھی شہر خاص ہے۔ قرآن و حدیث وفقہ حنفی ثبوت جمعہ فی القری سے ساکت بلکہ نافی ہیں آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَادَى لِلصَّلَاةِ الْآخِ** اول تو عموم امکانہ سے ساکت ہے۔ دوسرے یہ قضیہ مہملہ ہے جو حکم میں جزئیہ کے ہوا کرتا ہے۔ تیسرے ہمیں موصول عہد کے لئے یا جنس کے لئے ہے، استغراق نہیں۔ **وَذَلِكَ أَنْ تَعْرِيفِ الَّذِي مِنْ بَيْنِ الْمَوْصُولَاتِ كَتَعْرِيفِ ذِي اللَّامِ فِي كَوْنِهِ لِلْعَهْدِ تَارَةً وَالْجَنْسِ آخَرَى** (میر علی الکشاف ج ۱ ص ۱۱۶) مکہ میں فرضیت جمعہ ہو جانا اور آیت کا مدنی ہونا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت ہجرت (حسب ایت بخاری مجتہبی ص ۱۶۷) چوبیسین یوم یا کم قیامین قیام فرمانا اور بالاتفاق وہاں جمعہ نہ خود پڑھنا اور نہ امر فرمانا موصول کے عہدی ہونے پر قرینہ قویہ ہے جس سے مراد صرف شہری مسلمان ہیں۔ نیز بوقت نزول اگر اذان تھی تو اذانودی کا مدلول اول اذان بدین یدی الخطیب ہے۔ پہلی اذان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بڑھائی گئی۔ گو حکماً فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی نودی کا مدلول قرار دیا ہے۔ تو اول مطلب یہ ہوا کہ اے مؤمنین جب اذان بین یدی الامام پڑھی جائے تو ذکر اللہ کی طرف آؤ تو ظاہر ہے

کہ خطبہ کی اذان سن کر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو کہ مسکن میں حاضر رہتے ہوں اور یہ عادت شہریوں کی ہے کہ بوجہ مشغلہ تجارت وغیرہ اکثر شہر میں ہی رہ کر کام کرتے ہیں۔ بخلاف اہل دیہات کے کہ بوجہ اکثریت پیشہ زراعت و درعی غنم وغیرہ ان کو مسکن سے باہر نکل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اس قرینہ کی تائید و ذروا البیع سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا قرائن کا وجہ سے اُمت مسلمہ میں سے کوئی فرد بھی جمعہ کی فرضیت مثل ظہر کے جمیع امکنہ میں ہر مرد و زن، مقیم و مسافر مریض و صحیح عبد و حر پر قرار نہیں دیتا۔ جس مقام میں بیس آدمی مقیم نہوں وہاں باتفاق ائمہ اربعہ جمعہ فرض نہیں (فیض الباری ج ۳ ص ۳۲۳) لہذا موصول کا عہد ہی ہونا اور زیادہ ہو کہ ہو گیا۔ دلائل حنفیہ میں سے بخاری ص ۱۲۳ و مسلم میں ہے عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلہم من العوالی الحدیث۔ نیز بخاری ج ۱ ص ۱۲۲ میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین الحدیث۔ پہلی حدیث سے تعامل زمانہ نبوی کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی لوگ باری باری شہر مدینہ ہی میں آکر جمعہ پڑھا کرتے تھے اور دیہات میں موجود رہنے والے صرف ظہر پڑھتے تھے۔ کیونکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ توجواثی میں ہوا ہے کما فی الحدیث الثانی علاء ابن حجر عسقلانی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت قرطبی کے قول کو جو مخالف حنفیہ ہے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وفيہ نظر لاندہ لوکان واجبا علی اہل العوالی ماتنا و بواو لکانوا یحضر و نھا جمیعا (فتح البلاء ج ۲ ص ۲۸۹)

نیز قبا میں نہ خود جمعہ پڑھنا اور نہ امر فرمانا، اسی طرح حجتہ الوداع میں عرفات میں بجائے جمعہ کے ظہر پڑھنا پڑھوانا اور متی میں عید نہ پڑھنا بھی حنفیہ کے دلائل میں سے ہے نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا امصار میں منابر قائم کرنا اور گاؤں میں جمعہ کا ادا نہ فرمانا بھی اس امر کی بین دلیل ہے۔ آثار السنن جلد دوم میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مفصل آثار ملاحظہ ہوں۔ کتب اصول مذہب ظاہر الروایہ میں مصرح ہے کہ امامنا الاعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محل اداء جمعہ مصر جامع ہے اور جامع کی تعریف میں گو فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں مگر راجح وہ ہے جو امام صاحب رحمہم اللہ سے منقول ہے اور عرف کے

سے وفد عبد القیس پہلی بار شہد میں آیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس سے قبل سوائے مسجد نبوی کے کہیں بھی جمعہ نہ ہوتا تھا۔ ۱۲ رشید احمد

قریب ہونیکے علاوہ قدر مشترک ہونے کی حیثیت سے بھی اسے حد مصر قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ حد واحد ہوا کرتی ہے اور رسوم و علامات میں تعدد بھی جائز ہے۔ لہذا وہ تعریف جو بنیائے میں امام رحمہ اللہ سے منقول ہے بوجہ صلاحیت حد و اقربیت الی العرف و منقولیت از امام رحمہ اللہ ہونے کے وہی راجح ہے۔ وہ یہ ہے۔ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کل بلدۃ فیہا سبک و اسواق و وال ینصف المظلوم من ظالمہ ای یقدر علی انصافہ و عالم یرجع الیہ فی الحوادث کذا فی النہایۃ (تعلیق آثار السنن ص ۸۵) شہر کا مدار اگر عرف پر نہ رکھا جائے تو اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بلکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیل لازم آئے گی نعوذ باللہ من ذلک مراداً۔ اس لئے کہ آپ نے اور صحابہ کرام نے انہی مقامات کو شہر قرار دیا جن کو عرف میں شہر کہتے تھے حالانکہ وہاں مساجد موجود نہ تھیں بلکہ خود تعمیر کی گئیں۔ فریق مخالف کی ادلہ میں سے جو افی والی حدیث ہے۔ جو افی کا نہ قریہ ہونا ثابت اور نہ ہی وہاں کے جمعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونا ثابت۔ قریہ کا لفظ بلد پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے کما فی قصۃ خضر و موسیٰ علیہما السلام۔ ”جمعوا حیثما ما کنتم“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اپنے نائبین حکام کی طرف ہے۔ حکام اکثر شہروں میں ہی مقیم ہوتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ”جمعوا حیثما کنتم من الامصار“ جس طرح ہم نے مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے مخالف کو بھی اسی قسم کی دلیل پیش کرنا چاہیے۔ مرفوع کے مقابلہ میں موقوف کام نہیں دے گی۔ اس قسم کے آثار کا تفصیلی جواب ملاحظہ ہو (۱) عینی شرح بخاری طبع استنبول ج ۳ ص ۲۶۵، (۲) آثار السنن طبع پٹنہ ج ۲ ص ۸۳، بذل المجہود طبع نامی میرٹھ ج ۲ ص ۱۷۔ فقط

حررہ احقر محمد خلیل غفرلہ

ابن مولانا محمد سلیم صاحب لدھیانوی ثم السندی

جواب سوال شافی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ جمعہ و عیدین وغیرہ کا عربی میں ہونا سنت اور اس کے خلاف دوسری زبانوں میں پڑھنا بدعت ہے (مصنفی شرح موطا للشاہ ولی اللہ و کتاب الاذکار للنووی و در مختار باب

عن مکہ مکرمہ کو ام القرى فرمایا گیا اور مکہ و طائف، ”عن علی بن ابی طالب“ میں قریہ کا اطلاق کیا گیا، قریہ کے

نوی معنی بھی مطلق اجتماع کے ہیں۔ یقال قریتہ الماء فی الحوض ۱۱، جمعۃ ۱۲ رشید احمد

شروط الصلوة وشرح الاحیاء للزبیدی) غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی بڑی بنا عقلی یہ ہے کہ خطبہ تذکیر ہے اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہیئے ورنہ عبث ہے۔ اسکا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی۔

تحقیقی جواب۔ اس کا تذکیر ہونا مسلم نہیں۔ خود قرآن و حدیث میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے فاسعوا ان ذکر الله وذروا البیع۔ حدیث میں ہے فاذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذکر (بخاری ج ۱ ص ۱۲۱) فاذا خرج الامام طووا صحفهم ويستمعون الذکر (بخاری ج ۱ ص ۱۲۴) اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں ولنا ان الخطبة ذکر انتی (کتب المبسوط للسخی ج ۲ ص ۲۶) ولا ينبغي للامام ان يتكلم في خطبة بشئ من حديث الناس لانه ذکر منظوم انتی (مبسوط للسخی مصری ج ۲ ص ۲۴) مذکورہ بالا آیت اور روایات و عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ ذکر ہے تذکیر نہیں الا تبعاً۔ علاوہ ازیں مختلف قرائن خطبہ کے صرف ذکر ہونے پر صریح دال ہیں۔

① امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطبہ میں صرف تمجیدہ واحدہ یا تسبیحہ واحدہ کافی ہے (مبسوط مصری ج ۲ ص ۳۱) حالانکہ تمجیدہ واحدہ یا تسبیحہ واحدہ سے تذکیر حاصل نہیں ہوتی۔

② خطبہ باتفاق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ شرائط جمعہ میں سے شمار کیا گیا ہے۔ نقل العلامة ابن الہمام فی فتح القدير الاجماع علی اشتراط نفس الخطبة (مجر ج ۲ ص ۱۰۸) اگر خطبہ کا مقصد وعظ و تبلیغ ہی تھا تو جمعہ کے شرائط میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ ادائے جمعہ اس پر موقوف ہو جائے۔

③ خطبہ جمعہ کے لئے وقت ظہر ہونا شرط ہے کما فی عامة الكتب والفاظ البحرلاند (ای وقت الظہر) شرط حق لو خطب قبله و صلى فيه (ای فی وقت الظہر) لم تصح (مجر ص ۱۵۱) اگر خطبہ کا مقصد ذکر محض نہیں بلکہ وعظ و تبلیغ مقصود ہے تو وقت ظہر کی کیا تخصیص؟ اگر زوال سے پہلے کوئی خطبہ پڑھ لے اور نماز بعد زوال پڑھے تو کیا مقصد وعظ حاصل نہوگا؟ حالانکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس صورت میں جمعہ ہی کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔

④ صحت خطبہ کے لئے صرف پڑھ دینا کافی ہے کسی کا سننا ضروری نہیں۔ اگر چند بہرے آدمیوں کے سامنے یا سوائے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھ دیا گیا اور پھر نماز جمعہ پڑھی تو خطبہ ادا ہو گیا اور نماز جمعہ صحیح ہو گئی کما فی البحر والاعیان کا نواصلاً و نیاماً۔ اگر مقصود خطبہ وعظ و

تذکیر ہے تو صورت مذکورہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

⑤ اگر پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور خطبہ و نماز میں کوئی معتد بہ فصل ہو گیا تو خطبہ کا اعادہ ضروری ہے۔ اگرچہ دوبارہ سننے والے بھی وہی لوگ ہونگے جو پہلے سن چکے ہیں کذا ذکرہ فی البحر عن الخلاصۃ ثم قال وقد صح فی السراج الوہاج بلزوم الاستیناف و بطلان الخطبۃ ہذا ہوا الظاہر (بحر ج ۲ ص ۱۵۹) اگر وعظ و پند ہی خطبہ کا مقصود ہوتا تو اس اعادہ سے کیا فائدہ مقصود ہے؟

⑥ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے (بحر ج ۲ ص ۱۰۸) ④ خطبہ کا سننا اور اسمیں خاموش رہنا واجب ہے اور زبان سے درود شریف پڑھنا یا تسبیح و تکبیر کہنا اور سلام کا جواب دینا ناجائز ہے۔ اگر مقصود وعظ ہے تو جواب سلام اور ایسے اذکار سے کیوں منع فرمایا جو سننے کے منافی نہیں۔ نیز اگرچہ خطبہ کے مضامین پہلے سے معلوم ہوں تب بھی ان کا سماع واجب کیوں قرار دیا گیا؟

امور مذکورہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصد اصلی شریعت کی نظر میں صرف ذکر اللہ ہے۔ وعظ و تذکیر اس کی حقیقت و مقصد کا جز نہیں، بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ خطبہ کے معنی ہی وعظ کے ہیں۔ لہذا واضح ہو کہ خطبہ کا لفظ صرف تکلم بغیر وعظ کے لئے بھی مستعمل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مجمع البحار میں ہے خطب خطبة بالكسر والاسم ایضاً بالكسر واما بالفہم فمع القول والكلام۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں وانا خطیبہم اذا انصتوا ای انا المتکلم من الناس حین سکتوا من الاعتذار فاعتذر بہم ولم یؤذن لغیری فلا تکلم انتہی۔ الزامی جواب ہے۔ قرآن مجید بنص قرآنی تذکیر ہے۔ قال تعالیٰ ان ہوا لا ذکر للعلمین تو چاہیے کہ اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں۔ پس جس طرح کہ اسکا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی سب سے بڑی نقلی بنا یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے نماز میں قرأت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے۔ اس کا ایک جواب نقلی ہے اور ایک عقلی نقلی جواب ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس سے رجوع فرمالیا ہے۔ اعلیٰ الامام رحمہ اللہ کان اولاً یقول ان قراءة القرآن بالفارسیۃ یجوز ثم رجع عنہ الی عدم الجواز وھو قولہما قال فی العناۃ روی ابو بکر الرازی ان ابا حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ رجع الی

قولہما وعليہ الاعتماد لتنزلہ منزلة الاجماع اہ وهو لصحیح کفاية وعليہ الاعتماد ہدایة

(اللائی المصنوعة فی الروایات المجموعة ص ۱۸)

عقلی جواب ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے اس مرجوع عنہ قول کی بناء پر یہ نہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے اسلئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے۔ اگر یہ بناء ہوتی تو دلائل مذکورہ بالا اس سے متعارض ہوتے ہیں۔ وہو باطل پس اس سے استدلال کرنا تاویل القول بمالایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول مرجوع عنہ اس شخص کے بارے میں تھا جو قرات عربی پر قادر نہ ہو۔ جو شخص عربی قرات پر قادر ہو اس کے متعلق امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے غیر عربی میں جواز قرات کا قول نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ خطبہ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ کا قول مرجوع عنہ اس صورت میں ہے جب کہ خطیب عربی خطبہ پڑھنے سے عاجز ہو۔ کیونکہ خطبہ جمعہ اور قرات کا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔ درمختار شرط الصلوٰۃ کے بیان میں ہے وعلى هذا الاختلاف الخطبة وجميع الاذکار، اس سے اچھی طرح روشن ہو گیا کہ قول مرجوع عنہ بھی اس شخص کے ساتھ خاص تھا جو عربیت سے عاجز ہو۔ اب بعد الرجوع خطبہ غیر عربی میں عاجز عن العربیۃ کے لئے بھی جائز نہیں۔ جیسے قرات اور اذان غیر عربی میں جائز نہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ جب لوگ خطبہ سمجھتے ہی نہیں تو پڑھنے سے کیا فائدہ؟ تو یہ اعتراض قرات اور اذان میں بھی وارد ہوگا۔ اذان بھی اپنی ملکی زبان میں ہونا چاہیے اور ”حی علی الصلوٰۃ“ کی جگہ ”نماز کی طرف آؤ“ کہنا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ اذان اعلان کے لئے ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے مقصود نماز کا اعلان ہے تو جواب یہ ہے کہ اعلان تو صرف دو تین کلمات سے حاصل ہو جاتا ہے اتنی لمبی اذان کی کیا ضرورت تھی؟ خصوصاً فجر کی اذان میں ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ اس کا ترجمہ کوئی نہیں سمجھتا۔

کسی دوسری زبان میں خطبہ کا ترجمہ کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے خطبہ اور جمعہ کے درمیان فصل ہو جائے گا اور فصل ہو جانے سے خطبہ کا اعادہ ضروری ہے کما ہست۔ نیز کتب فقہ میں ہے کہ خطبہ کا دس چیزوں (مثل تمجید، صلوٰۃ، دعا وغیرہ) پر شامل ہونا سنت ہے اور اس کے ساتھ ہی خطبہ کا اختصار بھی سنت ہے۔ اب اگر پوری دس اشیاں جو خطبہ میں سنت ہیں سب ذکر کرے اور ترجمہ بھی کرے تو اختصار نہ رہے گا بلکہ خطبہ دو گنا سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور اگر پوری دس اشیاں ذکر نہ کرے تو بھی خلاف سنت ہوا۔ غرضیکہ دو

سنتوں میں سے ایک کا ترک ضرور لازم آتا ہے۔

اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وھذہ نبذ من المقتضات الجلیة
والمستدلات العلیة والدلائل البہیة فی ترویج السنة السنیة واتباع ما مضت علیہ الافة المرضیة
(علیہا الرضوان) فعلیکم بالعربیة وایاکم والبدعات العجمیة۔ واسمعوا وعوا ومن اللہ فاتقوا۔
فقط واللہ المستعان

تمقہ یبناہ العبد رشید احمد بن مولانا محمد سلیم ظلم اللہ علی
لودیانوی ثم خیر پوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

جمعه فی القری باذن الحاکم کی تحقیق

- سوال ① عند الاحناف قری کبیرہ میں صحت جمعہ مطلق ہے یا کہ اذن حاکم پر موقوف ہے؟
- ② اذن حاکم سے ہر قریہ میں جمعہ جائز ہے یا کہ اس میں کچھ تحدید ہے؟
- ③ اذن الحاکم بخلاف مذہب صحیح ہے یا نہیں؟
- ④ جواز جمعہ فی القری کیلئے اذن حاکم کافی ہے یا کہ حکم وقضار فی ضمن حادثہ ضروری ہے؟
- ⑤ جیسے مصر میں جماعۃ المسلمین امیر کے قائم مقام ہو جاتی ہے ایسے ہی قری میں جماعۃ المسلمین کے اتفاق سے جمعہ ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① قال فی التنویر ویشترط لصحتها المصر وقال العلاء وفی القہستانی اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقاً علی ما قالہ السرخسی واذا اتصل بہ الحکم صار جمعا علیہ فلیحفظ وفی الشامیة (قوله وفی القہستانی الخ) تأیید للمتن وعبارۃ القہستانی وتقع فرضاً فی لقصبات والقری الکبیرۃ الی فیہا اسواق قال ابوالقاسم ہذا بلا خلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان ہذا مجتہد فیہ فاذا اتصل بہ الحکم صلا جمعا علیہ وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ الی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات (الی ان قال) فی الجواہر لو صلوا فی القری لزعمہم اداء الظہر ہذا اذا لم یصل بہ حکم فان فی فتاوی الدیناری اذا بنی مسجد فی الرستاق بامر الامام فہو امر بالجمعة اتفاقاً علی ما قالہ السرخسی (رد المحتل ص ۴۹۹)

قستانی کی عبارت مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قری تین قسم کے ہیں۔
 (۱) اتنا بڑا اور ایسی وضع و صفت کا گاؤں کہ جسے عرف میں شہر کہا جاسکتا ہو۔ یعنی اگرچہ لوگ اسے گاؤں کہتے ہوں مگر کوئی شخص اسے شہر کہے تو اس کی تکذیب اور اس پر انکار نہ کیا جاتا ہو ایسا گاؤں حقیقت میں مصر ہے لہذا اسمیں جواز جمعہ اذن حاکم پر موقوف نہیں۔
 قستانی کی عبارت میں قصبات پر قری کبیرہ کا عطف تفسیری ہے یا اختلاف اسم مع اتحاد اسمی کی بنا پر ہے۔

(۲) ایسا گاؤں کہ اس پر عرفاً مصر کا اطلاق صحیح نہ ہو اسے شہر کہنے والے پر انکار کیا جاتا ہو اس میں اذن حاکم سے جمعہ جائز ہوگا بشرطیکہ یہ موضع اقامت جمعہ کے لئے مجتہد فیہ بین الائمۃ ہو۔
 (۳) اتنا چھوٹا گاؤں کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی وہاں جمعہ جائز نہ ہو۔ اس میں اذن حاکم سے بھی جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ و فیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ الی لیس فیہا قاض و منبر و خطیب سے اسی قسم کا گاؤں مراد ہے۔

(۲) جواز الجمعة فی القری باذن الحاکم کی بنا یہ ہے کہ موضع مجتہد فیہ میں حکم حاکم افع اختلافت ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس قریہ میں کسی امام کے نزدیک بھی جمعہ جائز نہ ہو وہاں اذن حاکم سے بھی جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ کما ذکرنا فی الجواب عن السؤال الاول۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان الحكم لصحة الجمعة مبنى على كون ذلك الموضع محلا لاقامتها فيه (رد المحتار ص ۴۹ ج ۱)

شروط صحت جمعہ سے متعلق اقوال ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ ملاحظہ ہوں۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وجملۃ ما للعلماء فیہ (عد من تقوم بهم الجمعة) خمسة عشر قولا (الی قوله) التاسع، عشرون فی رواية ابن حبيب عن مالك، العاشر، ثلاثون كذلك الحادی عشر، اربعون بالامام عند الشافعی، الثاني عشر، غیر الامام عنہ، الثالث عشر، خمسون عن احمد فی رواية فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۲) وكذا نقل الشوكاني عن الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ (نبی الاوطار ص ۲۶ ج ۳) وقال ابن رشد القرطبي رحمہ اللہ تعالیٰ ومنهم من اشترط اربعين وهو قول الشافعی واحمد وقال قوم ثلاثين ومنهم من لم يشترط عددا ولكن رأى اني يجوز بمادون الاربعين ولا يجوز بالثلاثة والاربعة وهو من ذهب مالك وحدهم بانهم الذين يمكن ان تنقرع بهم قرية (بداية المجتهد ص ۱۱ ج ۱) قال العلامة ابوالبركات

احمد بن محمد بن احمد الدردير في الشرح الصغير على اقرب المسالك الى مذاهب الامام مالك
وسر وط صحتها خمسة اولها الاستيطان وهو اخص من الاقامة لانه الاقامة بقصد
التأبيد، الاقامة اعم واليه اشار بقوله (باستيطان بلد) مبنية بطوب او حجر او غيرها
او استيطان (اخصاص) من قصب او اعواد ترم بحشيش (لاخيم) من شعراو
قماش لان الغالب على اهلها الارتحال فاشبهوا المسافرين نعم ان اقاموا على كفر
من بلدها وجبت عليهم تبعاً لاهلها كما تقدم ومعنى كون الاستيطان شرط صحة انه
لولا ما صحت الجمعة لاحد وكما انه شرط صحة هو شرط وجوب ايضاً اذ لولا لما
وجبت على احد الجمعة ويشترط لهذا الشرط طان الاول كونه ببلد او اخصاص كما
قد منا الثاني كونه (بجماعة تتقري) اي تقام وتستغنى (بهم القرية) عادة بالامن على انفسهم
والاستغناء في معاشهم العرفي عن غيرهم ولا يجدون مجد كماً او اقل او اكثر فلو كانوا
لا تتقري بهم قرية يان كانوا مستنديين في معاشهم لغيرهم فان كانوا على كفر سنخ من قرية
الجمعة وجبت عليهم تبعاً لهم وان كانوا خارجين عن كفر سنخ لم تجب عليهم كاهل الخيم -
ولو احدث جماعة تتقري بهم قرية بلداً على كفر سنخ من بلد الجمعة لوجبت عليهم الجمعة
استقلالاً -

الشرط الثاني، حضور اثني عشر رجلاً لصلاقتها وسماع الخطبتين واليه اشار بقوله
(وحضور اثني عشر) رجلاً للصلاة والخطبة ويشترط لهذا الشرط طان ايضاً، الاول
ان يكونوا (منهم) اي من اهل البلد فلا تصح من المقيمين به لنحو تجلدة اذ لم يحضرها
العدد المذكور من المستوطنين بالبلد، الثاني ان يكونوا (باقين) مع الامام من
اول الخطبة (لسلاسلها) اي الى السلام من صلاتها اي سلام جميعهم فلو فسدت صلاة
واحد منهم ولو بعد سلام الامام بطلت الجمعة -

وفي الحاشية (قوله وحضور اثني عشر رجلاً) اي غير الامام، وان يكونوا مالكيين
او حنفيين او شافعيين قلداً واحداً منهما لا ان لم يقلدوا فلا تصح الجمعة المالكى مع
اثني عشر شافعيين لم يقلدوا، لانه يشترط في صحتها عندهم اربعون يحفظون
الفاتحة بشلااتها -

ثم قال المؤلف رحمه الله تعالى الشرط الثالث، الامام واليه اشار بقوله

وله شروط أربعة، ان يكون مبنياً، وان يكون بناؤه على عادتهم، وان يكون
متحداً، ومتصلاً بالبلد واليه اشار بقوله (مبنى) فلا تصح فيما حوط عليه بزرب او
احجار او طوب من غير بناء (على عادتهم) اى اهل البلد فيشمل بناءه من بوص
(اهل الاخصاص لا غيرهم) (متحد) بالبلد (فان تعدد العتيق) هو الذى تصح
فيه الجمعة دون غيره والمراد بالعتيق ما اقيمت فيه الجمعة ابتداءً، ويؤخر بناؤه
عن غيره فالجمعة له (وان تأخر اداء) اى وان تأخر اداء الجمعة فيه عن الجديد
فالصلوة فى الجديد وان سبقت فاسدة ما لم يهجر العتيق فالجمعة لا تكون الا
متحدة فى البلد متى اقيمت لا تصلى بجماعة لا فى العتيق ولا فى غيره وان
صليت فى غيره قبله فباطلة (متصل ببلدها) حقيقةً او حكماً بان انفصل عنها
انفصالاً يسيراً (لا ان انفصل كثيراً) فلا تصح به الجمعة (او خف بناؤه)
عن عادة اهل البلد فلا تصح فيه وهذا مفهوم قوله على عادتهم -

وفي الحاشية (قوله او خف بناؤه) اى بان كان اهل البلد يبنون بالاحجار او
بالطوب المحروق وبناؤه بالنىء، او كان اهل البلد يبنون بالنىء وبناؤه بالبوص
(الشرح الصغير ص ٢٩٥ الى ص ٥١٠ ج ١) وقريب من ذلك فى الفقه على المذاهب
الاربعة (ص ٣٨١ ج ١)

صحیح جمعہ کے لئے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پچاس یا چالیس افراد، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چالیس، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیس یا بیس اور کم از کم بارہ افراد کا وجود شرط ہے۔ چونکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ تسہیل ہے اس لئے ہم نے صرف شروط مالکیہ میں سے صرف چند شرائط ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

شرائط مالکیہ کا خلاصہ :

- (۱) اتنا بڑا گاؤں ہو جو اپنی ضروریات میں دوسری آبادی کا محتاج نہ ہو۔
- (۲) اگر گاؤں اس نوعیت کا نہ ہو تو اس قسم کے گاؤں سے تین میل شرعی کے اندر ہو۔
- (۳) گاؤں اہل خیمہ کا نہ ہو بلکہ مکان ہوں یا کھڑی وغیرہ کی جھگیاں ہوں۔
- (۴) امام کے علاوہ اس گاؤں کے مستقل باشندوں میں سے کم از کم بارہ افراد ابتداء خطبہ سے لیکر سلام پھیرنے تک شریک رہیں حتیٰ کہ انہیں کسی کی نماز سلام امام کے بعد بھی فاسد ہو گئی تو جمعہ باطل ہو گیا، انہیں توطن کی شرط سے ثابت ہوتا ہے کہ حریت، ذکورہ، بلوغ، عقل اور فرضیت جمعہ کے لائق صحت غیر امور بھی ضروری ہیں
- (۵) یہ بارہ افراد مالکی یا حنفی ہوں۔

(۶) امام مسافر نہ ہو۔

(۷) جو خطبہ پڑھے وہی امامت کرے۔

(۸) ایک آبادی میں جمعہ ایک ہی جگہ ہو۔

(۹) جمعہ مسجد میں پڑھا جائے۔

(۱۰) مسجد کی عمارت گاؤں کی عام عمارات کی منسبت گھٹیا نہ ہو۔

عمل بمذہب غیر کی بنا پر جواز جمعہ فی القری کے قائلین اندازہ لگائیں کہ صحت جمعہ کے لئے اسهل المذاهب میں کس قدر قیود و شروط ہیں۔ حالانکہ ہم نے سب شرائط نقل نہیں کیں۔ نمونہ کے طور پر صرف چند شرائط نقل کی ہیں۔ مذہب شافعی و حنبلی میں تو پچاس یا چالیس افراد کی شرط کے ساتھ قراۃ فاتحہ خلف الامام جیسی اور بھی کئی شرائط ہیں۔ اگر کسی مذہب کی جملہ شرائط کا لحاظ نہ کیا گیا تو بالاتفاق جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ تلیق بالاتفاق حرام ہے۔

(۳) حاکم مقلد کا حکم بخلاف المذہب بالاتفاق نافذ نہیں ہوتا۔ البحر الرائق میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت منقول ہے کہ اگر قاضی مقلد نے غلطی سے خلاف مذہب فیصلہ کر دیا تو نافذ ہو جائے گا مگر یہ روایت مرجوح ہے۔

حاکم مجتہد کے حکم بخلاف مذہب کے عدم جواز پر تو اتفاق ہے مگر نفاذ مختلف فیہ ہے۔ عند الامام نافذ ہو جاتا ہے عند الصاحبین نہیں۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ قال فی شرح التنویر وان الخلاف خاص بالقاضی المجتہد واما المقلد فلا ینفذ قضائہ بخلاف مذہبہ اصلاً مکافی القنیہ قلت ولا سیما فی زماننا فان السلطان ینص فی منشورہ علی نھیہ عن

القضاء بالا قوال الضعيفة فكيف بخلاف مذهبه - وفي الشامية ان الفتوى على قولهما
بعدم النفاذ في العمدة والنسيان -

وايضاً فيها عن الترخیر ان قول الامام بالنفاذ لا يوجب حله لاقدام على هذا القضاء لعدم وقوع
في بعض المواضع ذكر الخلاف في الحل ويجب ترجميم رواية عدمه اه (رد المحتار ص ۱۷ ج ۱)
پس بقول مفتی بہ حاکم مجتہد کے امر بخلاف المذہب بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ جب آجکل
مجتہد ہی مفقود ہے لہذا جمعہ فی القری کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بلکہ اگر کہیں یہ ثابت ہو جائے
کہ اس علاقہ میں کسی وقت میں حاکم مجتہد نے جمعہ فی القری کا حکم دیا تھا تو بھی اس وقت وہاں جمعہ
جائز نہیں کیونکہ اس قول کے غیر مفتی بہ ہونے کے علاوہ عدم جواز کی یہ وجہ بھی ہے کہ حاکم امر کی وفات
سے اس کا امر ختم ہو جاتا ہے - قال في الشامية لا يبقى الى اليوم الاذن بعد موت السلطان
الاذن بذلك الا اذا اذن به ايضاً سلطان زماننا نصره الله (ص ۱۷ ج ۱) وايضاً فيها في
باب العیدین ان امر الخليفة لا يبقى بعد موته وعزله كما صرح في الفتاوى الخيرية وفي
عليه انه لو نهي عن سماع الدعوى بعد خمس عشر سنة لا يبقى فھيہ بعد موته والله اعلم
(رد المحتار ص ۱۷ ج ۱)

البتہ اگر حاکم شافعی اپنے مذہب کے مطابق اقامت جمعہ فی القری کا امر کرے تو وہاں احضار
کا جمعہ بھی صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ سلطان نے اس سے منع نہ کیا ہو - پھر اس حاکم کی موت یا معرولی
یا تبدیلی کے بعد عدم صحت کا حکم عود کر آئے گا۔

(۴) اذن سے مراد امر ہے صرف اجازت کافی نہیں، البتہ قضائے فی ضمن حادثہ ضروری
نہیں۔ قال في الشامية وظاهر ما مر عن القهستاني ان مجرد امر السلطان او القاضي ببناء
المسجد وادائها فيه حكم رافع للخلاف في بلاد دعوى وحادثة وفي قضاء الاشباه امر القاضي
حكم كقوله سلم المحمد ود الى المذاعى والامر بدفع الدين والامر بحبسہ الخ وافتي ابن نجيم بان
تزويج القاضي الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيرة نقضه (قوله واذا اتصل به الحكم الخ)
قد علمت ان عبارة القهستاني صريحة في ان مجرد الامر رافع للخلاف بناء على ان مجرد امره
حكم (رد المحتار ص ۱۷ ج ۱)

(۵) جماعت مسلمین صرف امور انتظامیہ میں حاکم کے قائم مقام ہوتی ہے چونکہ صحت جمعہ
کے لئے امیر مقصوداً شرط نہیں بلکہ صرف تقدیم و تقدیم میں رفع نزاع کیلئے ہے جو کہ امر انتظامی ہے۔

لہذا اس میں جماعت المسلمین امیر کے قائم مقام ہو جائے گی۔ بخلاف صحت جمعہ فی القری کے کہ اس میں امر حاکم سے ایک مسئلہ مجتہد فیہا میں مقلد پر اپنے امام کی تقلید سے خروج ضروری ہو جاتا ہے اور جماعت المسلمین کے امر سے ترک تقلید جائز نہیں۔ لہذا اس میں جماعت المسلمین امیر کے قائم مقام نہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۸ ذی قعدہ سنہ ۸۵ ہجری

تحریر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ

چوں دریں زمان توانی در تنفیذ احکام شرع و اقامتہ حدود بمرتبہ غایت رسیدہ بلکہ قدرت آں از قضائے غالباً مفقود گشتہ ازین سبب اگر بموجب روایات اصل مذہب فتویٰ دادہ شود جواز صلاۃ جمعہ کہ از عظم شعائر دین ست در تمامی بلاد سندھ در زیادہ از دوسہ جا متحقق نشود بلکہ در آن ہم مشکل پس لابد ست کہ دریں باب عمل بر روایات دیگر نمودہ شود تا طور شعائر دین از دست نرود و چون قاضی اجازت داد بموجب روایت امام محمد و یا بر قول امام شافعی و یا مالک آں نماز باتفاق جائز گردد و اختلاف ست در آن کہ نفاذ قضادر مجتہدات و صیرورۃ آنها مجمع علیہ مخصوص ست بحکم قاضی مجتہد کما فی فتح القدیر یا عام ست کہ شامل باشد ہر قاضی مقلد را کما اختارہ صاحب البحر و لفظہ ہذا ان القاضی المقلد اذا قضی بمذہب غیرہ فانہ ینفذ و کذا اذا قضی بروایت ضعیفہ او بقول ضعیف انتہی و در مثل مانحن فیہ کہ محل تہمت در قاضی نیست باید کہ فتویٰ دادہ شود بروایت بحر اظہار الشعار الاسلام و لازم نیاید این شبہ کہ در تقلید شافعی لازم ست کہ جمیع شرائط مذہب شافعی را رعایت کردہ شود زیرا کہ این باب از تقلید نیست اصلاً بلکہ صحیح می شود این نماز بر جمیع مذاہب از حنفیہ و غیر ہم و لازم نیاید این شبہ کہ نفاذ قضادر مجتہدات مشروط ست بوجود تقدم دعوی صحیحہ و مقضی لہ و مقضی علیہ والا فتویٰ باشد نہ قضاء، زیرا نچہ این شرط در معاملات و دعوی ست نہ در عبادات و لہذا در مضمرات و فتاویٰ حجتہ و تا تاریخانیہ و ابی المکارم این را قضای نام نہادہ اند و حکم بصیرورۃ آن مجمع علیہ کردہ اند و لازم نیست کہ اہل آں قسریات کہ در بیوت و ابنیہ سکونت دارند قصد دوام اقامتہ داشتہ باشند بدلیل آنکہ متفق است کلمہ حنفیہ بر این کہ در مہنی جمعہ جائز ست در ایام موسم فقط زیر انچہ مہنی مصر می شود

در ایام موسم بسبب بودن ابنیه و اجتماع مردم و وجود خلیفه و قاضی اگر چه بعد از ایام موسم باقی نمی ماند مصریه او کما فی الهدایه و شروجهما و التبيين والبحر وغيرها و قید لا یظعنون صیفا و لا اشتاء در مذهب شافعی ست نه نزد حنفیه و ملوک سنده و هند فرامین خود بتقلید عمل بر مذهب حنفیه نمی نگارند بلکه اطلاق می کنند و المطلق یجری علی اطلاقه و هو تعالی اعلم پس اقامه کنندگان جمعه در آن قریها مأجور و مثاب عند الله می باشند و مانعان نماز جمعه در قریها آثم و بزه گار شوند و سبحانه تعالی اعلم بحقیقه الحال -

و تعقبه المخدم عبد الوحل السیوستانی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال

ولا یحفی ان المذهب عدم جواز الجمعة فی القرى فی الهدایه ولا یجوز فی القرى لقوله علیه وآله الصلوة والسلام لا جمعة ولا تشریع ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع فی البحر المذهب عدم صحتها فی القرى فضلاً عن لزومها و فی التجنیس ولا یجب الجمعة علی اهل القرى وان كانوا قریبة من المصر لان الجمعة انما یجب علی اهل الاصل و فی خزانه المفتین فلا یجوز اقامتها فی الرساتیق و فی خلاصة لم یجب علی اهل القرى انتی و الجمعة وان كانت من اعظم شعائر الدین تتحقق اقامتها فی کثیر من امصار السنه و غیره علی ما هو المفتی به من حل المصر المذكور فی متن التنویر و هو مالا یسمی اکبر مستجد اهلہ المكلفین بها و فی الدار المختار و علیه فتوی اکثر الفقهاء لظهور التوائی فی الاحکام انتی فلهذا التوائی فی تنفیذ احکام الشرع افتوا بذلك فلا حاجة لاجل التوائی الی القول بالعمل علی خلاف المذهب وقد قال فی البحر العجب من المشایخ کیف یختارون خلافاً لهذا المذهب مع انه واجب الاتباع علی مقلدی الی حنیفة انتی فترك الواجب مع وجود حل المصر المفتی به لیس بسدید و المفتی به هو عدم جواز قضاء المقلد فی مجتهد فیه لما فی الدار المختار و المقلد متى خالف معتد مذهب لا ینفذ حکم و ینقض هو المختار المفتی و فیه ایضاً القاضی المقلد اذا خالف مشهور مذهب لا ینفذ حکم فی الاصح و فیه ایضاً قضی من لیس مجتهداً کحنیفة زماننا بخلاف مذهب عامداً لا ینفذ اتفاقاً فی القنیة القاضی المقلد اذا قضی علی خلاف مذهب لا ینفذ و فی جمیع الفصولین الحنفی لا ینبغی له ان یحکم بخلاف مذهب الا اذا کان مجتهداً انتی و العدول عن مفتی به الی القول الضعیف و المرجوح بعید عن قضیة الفقیه و قد قال فی حسب المفتین القاضی المفتی یا ثمة بالروایة المرجوحة انتی و علی هذا انما یأثم من قضی بالمرجوح (لا من عمل بما هو واجب الاتباع من مذهب الامام - والله اعلم ، (بیاض و احادی قلی)

سندھ میں بالعموم جواز جمعہ فی القری کے لئے مخدوم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کو سند بنایا جاتا ہے مگر غالباً خواہش نفس کی خلاف ہوئی وجہ سے مخدوم سیوستانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب سے صرف نظر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ جواب نصوص مذہب کے عین مطابق ہے۔ البتہ اس میں مصر کی تعریف مالا یسع الکبر مستجدہ اللہ حد نہیں بلکہ رسم ہے۔ مصر کی حد یہ ہے کہ اس میں سلک واسواق اور ضروریات زندگی مہیا ہوئی وجہ سے اس کو عرف میں شہر سمجھا جاتا ہو۔

مخدوم سیوستانی کے جواب سے بھی زیادہ مفصل جواب بندہ کی تحریر بعنوان ”جمعہ فی القری باذن الحاکم“ میں ہے۔ اس میں مخدوم ٹھٹھوی کی تحریر کے ایک ایک جز کا جواب موجود ہے۔ مزید بریں اس تحریر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ سندھ کے کس حاکم نے کس قریہ میں اقامت جمعہ کا امر کیا تھا۔ ثانیاً اگر کسی قریہ میں کسی حاکم کی طرف سے اقامت جمعہ کا امر ثابت ہو جائے تو اس کا تعدیہ دوسرے قریہ کی طرف کیونکر صحیح ہوگا؟ ثالثاً اگر سب قریہ میں اقامت جمعہ کا امر مراد ہے تو اس کا ثبوت چاہئے۔ نیز ایسے امر کی صحت و نفاذ کے لئے کوئی صریح دلیل درکار ہے، عبارات فقہ تو خاص قریہ سے متعلق ہیں۔ رابعاً حاکم آمر کی موت کے بعد اس کا امر ختم ہو گیا کما حذرناہ فی موضعہ۔

پھر اس تحریر کے اس مضمون پر کہ ”اصل مذہب کی مطابق سندھ میں کہیں بھی جمعہ جائز نہ ہوگا“ جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض حضرات نے اصل مذہب حنفی میں تعریف مصر میں تنفیذ الاحکام و اقامۃ الحدود کی شرط لگائی مگر محققین نے ان پر رد کیا ہے کہ اصل مذہب میں قدرۃ علی تنفیذ الاحکام شرط ہے نہ کہ خود تنفیذ الاحکام پھر قدرت بھی اکثر احکام کی تنفیذ پر نہ کہ کل احکام کی تنفیذ پر آخر میں ترجیح اس کو دی گئی ہے کہ کسی ایک حکم کی تنفیذ پر بھی قدرت شرط نہیں صرف ایسا مصر ہونا شرط ہے جس کو عرف میں مصر سمجھا جاتا ہو قال فی شرح التتویر و بشرط لصحتها سبعة اشياء الاول المصر وهو ملا یسع الکبر مستجدہ اللہ المکلفین بها، وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء مجتبیٰ لظہور التوائی فی الاحکام و ظاہر المذہب انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود کما حذرناہ فیما علقناہ علی ملتقى وفي الشامیة (قوله وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء الخ) وقال ابو شجاع هذا احسن ما قيل فيه وفي لؤلؤ البجیة وهو صمیم بحر، وعلیہ مشی فی الوقایة و متن المختار و شرحه وقدس فی متن الدرر علی لقول الآخر وظاهر ترجیحه وایده صدر الشریعة بقوله لظهور التوائی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصلا (قوله وظاهر المذہب الخ) قال فی شرح المنیة والحد لصمیم ما اختاره حبیب الہدایة انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود و وزیر صدار الشریعة لہ عند اعتذارہ عن حبیب الوقایة

حیث اختار الحد المتقدم لظهور التواني في الاحكام مزيفة بان المراد القدرة على اقامتها على ما
 صرح به في التحفة عن ابي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولها راساتيق وفيها دال يقدر
 على انصاف المظلوم من الظالم مجتنبه وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا
 هو الاصح اه الا ان صاحب الهداية ترك ذكر السلك والرساتيق لان الغالب ان الامير والقاضي
 الذي شأنه القدرة على تنفيذ الاحكام واقامة الحد ولا يكون الا في بلد كذا لكاه (قوله يقدر الخ)
 افراد الضمير تبعاً للهداية لعودة على لقاضي لان ذلك وظيفة بخلاف الامير لما مر وفي التعبير يقدر
 رد على صدر الشريعة كما علمته وفي شرح الشيخ اسمعيل عن الدهلوي ليس مراد تنفيذ جميع الاحكام
 بالفعل اذ الجمعة اقيمت في عهد اظلم الناس وهو الحجاج وانه ما كان ينفذ جميع الاحكام بل المراد
 والله علم اقتداره على ذلك اه ونقل مثله في حاشية ابي السعود عن رسالة العلامة نوح افندي
 اقول وبإياديه انه لو كان الاخلاص بتنفيذ بعض الاحكام محلاً يكون البلد مصراً على هذا القول
 الذي هو ظاهر الرواية لزم ان لا تصح الجمعة في بلدة من بلاد الاسلام في هذا الزمان بل فيما قبله
 من ازمان فتعين كون المراد الاقتدار على تنفيذ الاحكام ولكن ينبغي ارادة اكثرها والافقد
 يتعذر على الحاكم الاقتدار على تنفيذ بعضها لمنع ممن ولاية وكما يقع في ايام الفتنة من تعصب
 سفهاء البلد بعضهم على بعض او على الحاكم بحيث لا يقدر على تنفيذ الاحكام فيهم لانه قادر على
 تنفيذها في غيرهم وفي عسكرة على ان هذا عارض فلا يعتبر ولذا لومات الوالي او لم يحضر لفتنة
 ولم يوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطيباً للضرورة كما سيأتي مع انه لا
 امير ولا قاضي ثمة اصلاً وبهذا ظهر جهل من يقول لا تصح الجمعة في ايام الفتنة مع انها تصح
 في البلاد التي استولى عليها الكفار كما سنذكر فتأمل (رد المحتار ص ۴۷ ج ۱)

صحیح بات تو یہ ہے ایسی ساقط تحریر کو دیکھ کر یہی باور کرنا مشکل ہے کہ یہ واقعہ مخدوم ٹھٹوی
 رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تحریر ہے۔ آپ کی بلند پایہ تحقیقات شاہد صدق ہیں کہ اس تحریر کو آپ کے مقام تفقہ
 سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ علاوہ ازیں شخص و متبع کے باوجود حضرت ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی تصنیف
 میں اس تحریر کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

ہا شوال سنہ ۹۷۰ ہجری یوم الجمعہ

سندھ میں اصلاح جمعہ فی القریٰ کی ایک کوشش

سندھ میں حنفی کہلانے والے عوام بلکہ علماء بھی دیہاتوں میں جمعہ پڑھتے ہیں پھر تم بالائے تم یہ کہ ایسے مقامات میں بھی جمعہ پڑھا جاتا ہے جہاں نایاب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی جمعہ پڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں اس کی اصلاح کے لئے میرے خیال میں یہ تجویز آئی کہ سندھ کے مشہور علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو اس مسئلہ سے متعلق اجتماعی غور کے بعد متفقہ فیصلہ کے اعلان پر آمادہ کر دوں، چنانچہ میں نے ادائل شعبان ۱۳۹۸ھ میں سندھ کے مختلف علاقوں میں مشہور علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضری کے لئے ان کو خطوط لکھے، مگر ان میں سے کسی نے بھی میرے خط کا جواب تک نہیں دیا بلکہ بعض تو خوف سے سہم گئے اور بعض میرا خط بڑھ کر بلبلاتا ٹھے اور برادر محترم مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کے پاس "پچاؤ پچاؤ" کی فریادیں شروع کر دیں، بالآخر ان سے مایوس ہو کر مجھے ان کے آستانہ پر حاضری کا ارادہ منسوخ کرنا پڑا۔ اس قصہ کی پوری روئیداد درج ذیل ہے۔

مکتوب بنام علماء سندھ

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۷ شعبان ۱۳۹۸ھ بسم اللہ الرحمن الرحیم

کرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ امر مسلم اور کتب مذہب میں مصرح ہے کہ مذہب حنفی میں جمعہ فی القریٰ جائز نہیں، مگر سندھ کے اکابر علماء بھی دیہاتوں میں جمعہ پڑھتے ہیں اور ان میں یہ تعامل آج سے عن جد چلا آتا ہے۔ اس کے برعکس علماء ہند اس مسئلہ میں مذہب حنفی کے اس حد تک پابند ہیں کہ کسی کو بیعت کرنے اور اس سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے جمعہ فی القریٰ سے توبہ کی شرط لگاتے ہیں۔ حدود شرع کی حفاظت کا مقتضی بھی یہی ہے۔

مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر بندہ کا خیال ہے کہ سندھ کے علماء اور مفتیان کرام سے بالمشافہہ بات کر کے ان کا موقف معلوم کیا جائے، اگر وہ جواز کے قائل ہیں تو ان کے دلائل پر اجتماعی غور کر کے فیصلہ کیا جائے، اگر مذہب حنفی کے مطابق عدم جواز ثابت ہو

توسندھ سے اس منکر کے ازالہ کی تدابیر پر غور کیا جائے۔

لہذا بندہ اس سلسلہ میں ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ میں سندھ کے دینی مدارس کا دورہ کرنے کا خیال رکھتا ہے، جناب کی خدمت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حاضری ہوگی، جناب سے گزارش ہے کہ جو اذاعہ فی القریٰ کے بارے میں جناب کے علم میں کوئی دلیل ہو یا آپ کے پاس اکابر کی کوئی تحریر ہو تو ارسال فرمائیں تاکہ بوقت ملاقات اس پر اجتماعی غور میں سہولت ہو، عریضہ ہذا کی رسید سے بہر کیف مطلع فرمائیں، وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی، آمین، والسلام علیکم

رشید احمد

مکتوب برادر مولا محمد خلیل الشصاحب

۱۷ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ

برادر مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عزیز بخیر باد

سندھ کے بعض مدارس سے فریادیں موصول ہوئیں کہ آپ جمعہ فی القریٰ کے موضوع پر مناظرہ کرنے کے لئے سفر کریں گے۔

ان حضرات نے اس فعل پر شدید نفرت کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کو زنا، شراب، سود وغیرہ فواحش کی روک تھام کے لئے کام کرنا چاہیے۔ آپ کی نظر میں بڑی برائی بس جمعہ فی القریٰ ہے،

جواب ۱:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رشید احمد

اخى المکرم زیدت محالیکم

۱۸ شوال ۱۳۹۸ھ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نامہ گرامی موصول ہوا، میں نے سندھ کے مشہور مدارس کی طرف جو خط ارسال کیا تھا اس کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں، میں نے اس میں جمعہ فی القریٰ کے مسئلہ پر اجتماعی غور کے بارے میں لکھا ہے، مجھے یہ خیال تھا کہ کوئی حنفی عالم اس کے جواز کا قائل نہ ہوگا، ایک رسم پڑچکی ہے بس اس کو نباہ رہے ہیں

اس لئے میرے دورے کا اصل مقصد یہ تھا کہ خلافت مذہب اس رسم کو ختم کرنے کی تجاویز پر اجتماعی غور کیا جائے شاید کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ عوام میں فتنہ و انتشار بین المسلمین سے بچتے ہوئے اس رسم کا علاج ہو جائے، میرے خیال میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ سندھ کے مشہور علماء کی طرف سے متفقہ طور پر یہ مضمون شائع کیا جائے "مذہب حنفی میں جمعہ فی القری جائز نہیں اور مذہب اہل حدیث میں جائز ہے، فریقین کو عالی ظرفی اور ذلت نظر سے کام لینا چاہیئے اور آپس میں فتنہ و فساد سے احتراز چاہیئے، لہذا اہل حدیث حضرات گاؤں میں جمعہ پڑھیں تو احناف ان پر اعتراض نہ کریں اور احناف نہ پڑھیں تو اہل حدیث ان پر اعتراض نہ کریں، اگر کوئی حنفی جمعہ پڑھنا چاہے تو اس کو لطف و ولایت سے مذہب حنفی بتا دیا جائے مہذا اگر وہ پڑھنے ہی پر بضد ہو تو اس سے تعرض نہ کیا جائے" اس قسم کے مضمون کی اشاعت میں دو فائدے ملحوظ تھے ایک یہ کہ عوام کو مذہب حنفی معلوم ہو جائے، دوسرا یہ کہ اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتا تو لوگ اس پر لعن و طعن نہ کریں۔

مگر مولانا عبدالمہادی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلہ میں علماء سندھ کے تعاون سے مایوس ہیں اس لئے کہ یہ علماء جو از جمعہ کے قائل ہیں اور اجتماعی غور سے بھی کترائیں گے، لہذا میں نے آپ کا گرامی نامہ موصول ہونے سے قبل ہی اس کا رخیہ اور بزنہ عم یاران طریقت کا رشرکارادہ چھوڑ دیا تھا،

آپ کے خط سے مزید تعجب اس بات پر ہوا کہ یہ حضرات کسی دینی مسئلہ پر اجتماعی غور و خوض کو مناظرہ سمجھتے ہیں، غالباً ان کو یہ مغالطہ اس لئے ہوا کہ ان کے ہاں مسائل شرعیہ پر اجتماعی غور کا نہ کوئی دستور ہے اور نہ ہی ان کے قلوب میں اس کی کوئی اہمیت ہے، اس کے برعکس ہمارے ماحول میں اس کی بہت اہمیت اور سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور اس ضرورت کا احساس روز بروز بڑھ رہا ہے، دارالافتاء والارشاد دارالعلوم کراچی اور مدرسہ نیوٹاؤن کراچی کی مشترک مجلس تحقیق اجتماعی طور پر کئی اہم مسائل کا متفقہ فیصلہ کر کے کتابی شکل میں شائع کر چکی ہے، جن مسائل میں اختلاف رہے ختم نہ ہوا ان میں بھی آخر تک نہایت محبت و خلوص سے بات ہوتی رہی اور ان کی تحریر بھی اس انداز سے کی گئی کہ اس کے پڑھنے والوں کو بھی اس مجلس کے ارکان کے اخلاص

اور آپس میں محبت و تعاون کا یقین ہو جائے، اس کی نظرائے ماہنامہ البلاغ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو ہر الفقہ میں موجود ہیں۔ ہمارے اجتماعی غور کا سلسلہ صرف مذکورہ تین اداروں تک محدود نہیں بلکہ اس سلسلہ میں ملک اور بیرون ملک کے اور بھی بہت سے ادارے شامل ہیں اور اب اس سلسلہ کو اور زیادہ وسعت دینے کے طریق پر غور ہو رہا ہے۔

دینی مسئلہ پر اجتماعی غور کو مناظرہ سمجھنے والے حضرات اپنے مدارس کی مجلس شوریٰ کو اور سیاسی جماعتوں کے اجتماع کو مناظرہ کا نام دیکر اس سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ ان حضرات کا یہ فرمان کہ مسئلہ جمعہ فی القریٰ کی بجائے زنا، شراب، سود وغیرہ فواحش کی روک تھام کے لئے کام کرنا چاہیے، اس سے متعلق گزارش ہے کہ ”الایہم فالایہم“ کا اصل واقعہ مسلم ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب تک بڑے منکر کا بالکلیہ زوال نہ ہو جائے اس وقت تک چھوٹے منکر کی اصلاح کی فکر نہ کرنا گناہ ہے، اگر اس کا یہی مفہوم ہے تو ربیے بڑا منکر کفر ہے لہذا جب تک دنیا بھر سے کفر کا بالکلیہ قلع قمع نہیں ہو جاتا اس وقت تک زنا، شراب وغیرہ جیسے منکرات کی اصلاح جائز نہ ہوگی۔

بہر کیف آپ فریادیوں کو مطمئن فرمادیں کہ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اس لئے وہ پریشان نہ ہوں، دراصل میں نے ان کو اپنے ماحول پر قیاس کر لیا، اگر مجھے پہلے سے اس کا انداز ہوتا کہ ان میں اجتماعی غور کی صلاحیت نہیں اور وہ اس کو مناظرہ سمجھتے ہیں تو میں ان کی طرف عریضہ بھیج کر ہرگز ان کی وحشت کا سبب نہ بنتا وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی، امین، فقط والسلام علیکم

الحاق

جمعہ فی القریٰ سے متعلق ایک کتاب پر تقریظ

اس تقریظ میں بھی بعض کام کی باتیں آگئی ہیں اس لئے اس کا رسالہ النخبۃ الحاق مناسب ہے
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ امر مسلم اور متفق علیہ ہے کہ مذہب حنفی میں چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں، مگر تعجب

اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ سندھ میں حنفی کہلانے والے عوام بلکہ علماء بھی دیہاتوں میں جمعہ پڑھتے ہیں پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسے مقامات میں بھی جمعہ پڑھا جاتا ہے جہاں مذاہب الیہ میں سے کسی مذہب میں بھی جمعہ پڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں، مزید بریں بمصداق "عذر گناہ بدتر از گناہ" یہ کہا جاتا ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے، حالانکہ اس میں مندرجہ ذیل قبائح ہیں۔

① عمل بذہب غیر ضرورت جائز ہے اور وہ بھی بشرائط معروفہ، جمعہ فی القری میں کوئی ضرورت داعیہ ہے کہ اپنا مذہب چھوڑ کر مذہب غیر پر عمل کیا جائے، اگر یہ ضرورت بیان کی جائے کہ جمعہ نہ پڑھنے میں فتنہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس فتنہ کا وبال ان علماء کی گردن پر ہے جنہوں نے عوام تک صحیح مذہب پہنچانے میں غفلت کی بلکہ مداہنت سے کام لیا ہے، اگر علماء مذہب حنفی پر قائم رہتے اور عوام کو بھی صحیح مذہب بتاتے رہتے تو فتنہ کا کوئی امکان نہ تھا۔

اب بھی اگر علماء احناف بلا خوف لومۃ لائم متفقہ طور پر عدم جواز کا فتویٰ دیدیں اور خود بھی مذہب حنفی پر عمل کے پابند ہو جائیں تو فتنہ نہیں ہو سکتا، بحمد اللہ تعالیٰ اب تک بھی عوام علماء کے تابع ہیں، ہاں اگر کہیں غیر مقلد لوگ جمعہ پڑھیں تو ان کو نہ روکا جائے، احناف نہ پڑھیں اور غیر مقلد پڑھتے رہیں تو اس میں کیا فتنہ ہے؟ آخر رفع یدین، آئین بالجہر اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام وغیرہ میں بھی تو احناف اور غیر مقلدین میں اختلاف ہے، یہ اختلاف باعث فتنہ کیوں نہیں؟ اور اس کے خوف سے احناف اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدین کا مذہب کیوں نہیں اختیار کرتے؟

② جمعہ فی القری کے موجود دستور سے مذہب حنفی کی تحریف، صاحب مذہب رحمہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور عوام میں تبلیغ مذہب لازم آتی ہے اس لئے کہ علماء کے اس طرز عمل سے عوام یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا عمل مذہب حنفی کے مطابق ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

③ علماء کی اس مداہنت سے عوام کو ایسی کھلی چھٹی مل گئی ہے کہ سب قیود و شرط سے آزاد ہو کر ایسے مقامات میں بھی جمعہ پڑھ رہے ہیں جہاں کسی مذہب میں بھی جمعہ جائز نہیں بلکہ بہت سے علماء بھی اس میں مبتلا ہیں۔

(۴) جمع فی القری کے گناہ کے علاوہ دوسرا بڑا عذاب یہ ہے کہ ظہر کی نمازیں غارت ہو رہی ہیں اور وہ بھی جمع جیسے مقدس دن کی۔

اس لئے علماء پر فرض ہے کہ عوام کو صحیح مذہب حنفی سے آگاہ کریں اور خلافت مذہب عمل سے روکنے کی ہر ممکن سعی کریں، اللہ تعالیٰ مولانا عمر دراز صاحب کو جزا و خیر دیں کہ انھوں نے اس اہم فرض کو محسوس فرمایا کہ اس سے متعلق زیر نظر مفصل کتاب تحریر فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کی اس غنت کو قبول فرمائیں اور امت کے لئے باعث ہدایت بنائیں اور دوسرے علماء احناف کے لئے سبق آموز بنائیں کہ وہ بھی اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے پوری کوشش کریں، بالخصوص ان علماء سے درد مندانہ گزارش ہے جنھوں نے مدامت اور جمعہ فی القری کے عمل سے عام حنفیوں کو دھوکہ دے رکھا ہے اور مذہب میں تلبیس و تحریف کے مرتکب ہیں کہ خدا را وہ احناف کو حنفی مذہب بتائیں اور تلبیس و دھوکہ دہی کے جرم عظیم سے توبہ کا اعلان کریں، اگر خدا نخواستہ یہ علماء اس جرم سے توبہ نہیں کرتے تو حنفی عوام پر فرض ہے کہ ایسے علماء کا شدت سے محاسبہ کریں، اور ان سے جمعہ فی القری سے متعلق حنفی مذہب کے اظہار کا مطالبہ کریں اور ان کو مجبور کریں کہ وہ یا تو مذہب حنفی پر عمل کریں ورنہ حقیقت چھوڑ کر غیر مقلدیت کا اعلان کریں کہ آدھا تیرا آدھا بیڑ ٹھیک نہیں۔

اللہ تعالیٰ یوم الحساب سے قبل رجوع و توبہ کی توفیق عنایت فرمائیں اور فکر آخرت و خوف حساب کا وہ درجہ عطا فرمائیں جو دنیوی تعلقات اور خود ساختہ مصالح کو مسالے کی طرح پیس ڈالے، واللہ الموفق وهو المستعان ولا حول ولا قوة الا بہ،

رشید احمد

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۳۰ صفر ۱۴۳۲ھ

جمعہ فی القری کے لئے مذہب سے خروج

بخدمت اقدس محترم المقام حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فتویٰ جمعہ فی القری ارسال خدمت ہے، فاضل محترم نے مذہب احناف کی پُر زور مخالفت کی ہے، اپنے خیال کی تائید میں چند حوالجات بھی پیش کئے ہیں، احناف کے

مسلم اور متفقہ اصول کے خلاف فتویٰ دیا ہے، امید ہے کہ جواب فتویٰ قدرے تفصیل سے تحریر فرمائیں گے تاکہ اس کو کتاب میں درج کیا جائے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بات کے بارے میں کہ احناف کے نزدیک قریہ صغیرہ میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں، قریہ صغیرہ میں نماز جمعہ ادا کرنے سے نماز ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گی یا نہیں۔ در صورت عدم جواز پڑھانے والا اور پڑھنے والا گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۲) قریہ کبیرہ اور قریہ صغیرہ کی کیا تعریف ہے؟

(۳) آیت کریمہ اذ انودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع کا حکم خاص ہے یا عام حوالہ کتب تحریر کریں۔ فقط والسلام

الجواب وهو الموفق للصواب والصواب

(۱) اولاً = احناف کے نزدیک جمعہ فی القرای جائز نہیں، اس لئے کہ جمعہ کے وجوب کے لئے مصر کا ہونا شرط ہے، تمام متون کی کتب میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ قال فی الہدایۃ لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع اونی مصلی المصر ولا تجوز فی القرای (الہدایۃ ص ۱۲۱) وکذا لا یصح اداء الجمعة الا فی المصر وتوابعہ فلا تجب علی اهل القرای التي لیست بتوابع المصر ولا یصح اداؤها فیہا الخ (بدائع ص ۲۵۹) عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو مقام خود مصر یا توابع مصر سے نہ ہو اس میں جمعہ جائز نہیں۔ لیکن علماء متأخرین میں سے ہندوستان میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور سندھ میں حضرت مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ فی القرای کے جواز کے ساتھ نہ قائم کرنے والوں کو آثم اور گنہگار بھی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اقول وذلك لانه لما كان حقيقة الجمعة اشاعة الدين في البلد وجب ان ينظر الى تمدن وجماعة والا يصح عندي انه يكفي اقل ما يقال فيه قرية لمادوى من طرق شتى بقوى بعضها بعضاً خمسة الجمعة عليهم وعد منهم اهل البادية قال صلى الله عليه وسلم الجمعة على الخمسين رجلاً. اقول الخمسون يتقراى بهم قرية وقال صلى الله عليه وسلم الجمعة واجبة على كل قرية، واقل ما يقال فيه جماعة الحديث الا نقضاً من الظاهر اهتم لم يرجعوا والله اعلم فاذا حصل ذلك وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الاثم ولا يشترط اربعون الخ

(حجة الله البالغة ص ۱۱۱) اسی طرح مخدوم محمد ہاشم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتوے میں جمعہ فی القرای پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پس اقامت کنندگان دران قریباً مأجور و مثاب عند اللہ باشند و مانعان نماز جمعہ در قریباً آثم و بزرگ کار شوند و ہو سبحانہ و تعالیٰ انعم بحقیقۃ الحال اور اس فتوے پر اس وقت کے علماء میں سے مفتی ضیاء الدین، مفتی عزت اللہ، مفتی محمد تقیم، قاضی ابوالحسن، قاضی عبدالرحمن، عبداللہ عفی عنہ کے دستخط ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو فتاویٰ واحدی ص ۲۳

ثانیاً فتاویٰ رشیدیہ میں ہے البتہ حسب مذہب شوافع و بعض محدثین کے جمعہ ادا ہو گیا اور ظہر ساقط ہو گئی۔ اور قانون ہے کہ مجتہد فیہ مسئلہ میں جب قاضی ایک طرف فیصلہ دیدے تو اس مسئلہ میں دوسرے مذاہب پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔ جیسے فتاویٰ واحدی میں ہے۔

نعم لو اذن الوالی او القاضی ان یعقد الجمعة و ببناء الجامع فی القرية الكبيرة فیها سوق جازلما فی المتانة لو اذن الوالی او القاضی ان یعقد الجمعة و ببناء الجامع فی قرية كبيرة فیها سوق جائز بالاتفاق لان عند الشافعی رحمہ اللہ یصلی الجمعة بالقرية التي فیها اربعون حراً بالغاء عاقل ما قیما فكان هن افضلا مجتهداً فیہ فاذا اتصل به الحكم والقضاء صار جمعا علیہ ونحوہ فی شرح المکارم الخ (فتاویٰ واحدی ص ۲۳)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسئلہ میں قصار قاضی کے بعد بالاتفاق عمل کرنا جائز ہے۔ توجیب جمعہ فی القری مختلف فیہ مسئلہ بین الاحناف والشافع ہے تو مخدوم صاحب اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے فتوے کے بعد اس پر بالاتفاق عمل کرنا صحیح ہے خصوصاً جبکہ پورے ملک میں جمعہ فی القرای عملاً نافذ ہے اب اس کو ترک کرنا مفاسد عظیمہ کا حامل ہو سکتا ہے، لہذا جہاں جمعہ پہلے سے جاری ہے اس کو بند نہ کرنا چاہیے اور جہاں گاؤں میں جمعہ جاری نہیں وہاں جاری نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ کفایۃ المفتی میں سوال کیا گیا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے مگر نہ روکنے کی صورت میں جو لوگ جمعہ پڑھیں گے ان کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں۔ اگر نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ جس جگہ جمعہ فرض نہیں وہاں جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے لحاظ سے چند مکروہات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اول، نفل کی جماعت۔ دوم، نفل نہار میں جہر۔ سوم، غیر لازم کا التزام۔ چہارم، ترک جماعت فرض ظہر۔ پنجم، اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فرض نہ کہ حرام و فسق ہے۔

الجواب :- گاؤں میں جمعہ کا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک

جواز جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے تاہم جس مقام میں زمانہ قدیم سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ کو ترک کرنے میں جو مفساد ہیں وہ ان مفساد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں جو لوگ جمعہ کو جائز سمجھ کر پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ نقل کی جماعت یا جہر بالقراءة درنفل نہار یا ترک فرض ظہر لازم نہیں آتا (کفایۃ المفتی ص ۱۸۵) اس فتویٰ سے ظاہر ہوا کہ جمعہ فی القرائی کے مسئلہ میں بضرورت دفع فتنہ دوسرے مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے خصوصاً جبکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اختلاف مجتہدین سے تخفیف پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ہدایہ ص ۲۲ میں ہے لمکان الاختلاف۔ قال فی العناية فان اختلاف العلماء یورث تخفیفاً کما سیجی۔ پس اس فتنہ و فساد کے دور میں جہاں جہاں جمعہ پہلے سے قائم ہے اس کو بند نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح علماء دیوبند سے بھی حضرت مولانا محمد تاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند اور علامہ عبدالعلی بحر العلوم رحمہم اللہ تعالیٰ جمعہ فی القری پڑھتے تھے (کفایۃ المفتی ص ۱۹) آگے چل کر مفتی کفایت اللہ رحمہم اللہ لکھتے ہیں قلت وهذا دان کان غیر موافق لما علیہ الحنفیۃ ولكنه اشد موافقة للمصالح الاسلامیۃ الاجتماعیۃ خصوصاً فی هذا القطر وفي هذا الزمان فان اعداء الاسلام یظفرون بمقاصدہم المشؤمۃ فی قری لا تقام فیہا الجمعۃ ویخیبون فی مواضع اقامۃ الجمعۃ والتوفیق من اللہ عزوجل وحفاظۃ الاسلام خیر من الاصرار علی ترکہا والمسألتۃ مجتہد فیہا (کفایۃ المفتی ص ۲۳) مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ وہ گاؤں جہاں پہلے سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ پڑھنے سے ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور جمعہ فی القری پڑھنے والے گنہگار نہیں،

(۲) مصر یا قصبہ بن کو قصبہ کبیرہ کہا جاتا ہے کی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں۔ ایک تعریف امام اعظم رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ یہ ہے ذروی عن ابی حنیفۃ انہ ببلدۃ کبیرۃ فیہا سلک واسواق ولہا رساتیق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمہ و علمہ او علم غیرہ والناس یرجعون الیہ فی الحوادث وهو الاصح (بدائع ص ۲۶)

دوسری تعریف یہ ہے وفي العالم کبیرۃ ولادھا (الجمعیۃ) شرائط فی غیر المصلی مہا

المصرکذا فی الکافی والمصر فی ظاہر الروایۃ الموضع الذی یکون فیہ مفت او قاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام وبلغت ابنتہ ابنتہ منی ہکذا فی الظہیرۃ وفتاویٰ قاضی خان و فی الخلاصۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التتارخانیۃ ومعنی اقامۃ الحدود القدرۃ علیہا ہکذا فی العنایۃ ۱۵۳

تیسری تعریف - قال سفیان الثوری المصر الجامع ما یعدہ الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقۃ وعن عبد اللہ البلخی انه قال احسن ما سمعت انه اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدہم لم یسعو فیہ فهو مصر جامع، وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ هو ما یجتمع فیہ مرا فقاصلہ (ہدایۃ ص ۱۴) یہ کل پانچ تعریفیں ہیں تو مصر کی شرط میں فقہاء نے بہت تنزل کیا حتیٰ کہ آخری تعریف تک اتر آئے اور اس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر مثلاً لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہو جاتے ہیں، نیز بہت سے دیہات بھی مصر کی اس تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس تعریف پر بہت سے مشائخ خفیہ نے فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور تنفیذ احکام و اقامۃ حدود والی تعریف آج کل کسی شہر پر بھی صادق نہیں ہے اور قدرۃ علی التنفیذ کی تاویل بھی اقامت حدود میں صحیح نہیں کیونکہ حدود شرعیہ قانون مروج کے ماتحت تمتنع الاقامۃ میں حتیٰ کہ والسرائے ہند بھی رجم پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے اس کو جواز جمعہ کے لئے مدار حکم ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں کذا فی کفایۃ المفتی مولانا کفایۃ اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ والتفصیل فلیتظر ثمة (۳) آیت کریمہ احناف کے نزدیک خاص ان امکان سے ہے جہاں جمعہ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب باسم ملہم الصواب

اس تحریر میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مذہب حنفی میں جمعہ فی القری کا کوئی جواز نہیں، اس کے بعد غلاف نصوص مذہب چند اقوال کا سہارا لے کر جواز کا قول کیا گیا ہے جو کسی اہل علم کے لئے ہرگز زیبا نہیں، تنقیر و تنقیث سے ہر مسئلہ میں ہر قسم کے اقوال ملیں گے مگر ان کی بنا پر خروج عن المذہب ہرگز جائز نہیں، ورنہ مذہب صرف باز بچہ اطفال بن کر رہ جائے گا ہر ہوسناک اپنی ہوس کے مطابق کوئی نہ کوئی قول کھود کر بیکر نکال لائے گا اور گلستان مذہب میں اس کا بیوند لگائے گی کوشش کرے گا جو مذہب پرستی نہیں بلکہ ہوس پرستی ہے اور قولہ تعالیٰ ایت من اتخذ

اللہ دواہ اذنت تکتون علیہ وکیلا (الفرقان) دمن اضل فمن اتبع ہواہ بغیر ہدی من اللہ (القصاص)
افرایت من اتخذ اللہ ہواہ واضلہ اللہ علی علمہ الآیۃ (البجاثہ) کا مصداق ہے۔

انسان مذہب کا قلاوہ کلمے سے نکال پھینکنے کے بعد ایسا بے مہار ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے
بڑے سے بڑے فتنے میں مبتلا بھی کوئی بڑی بات نہیں اس لئے امن و سلامتی کی راہ بھی ہے کہ بڑی
ضرورت شدیدہ قول امام سے ہرگز ہرگز انحراف نہ کیا جائے، ضرورت شدیدہ کی تفصیل اور جواز
فتویٰ بمذہب غیر کی شرائط حیلہ ناجزہ اور بندہ کے رسالہ السبک الفرید مندرجہ احسن الفتاویٰ جدید
جلد اول میں ملاحظہ ہوں، تحریر مذکور کے جواب کے لئے بالاسطور کافی ہیں مہذبہ قدیے اس کا تجزیہ بھی کیا جاتا ہے۔

قولہ، ہندوستان میں حضرت امام شاہ دلی الشرحہ اللہ الخ،
اقول، حضرت شاہ دلی الشرحہ اللہ تعالیٰ نے جواز جمعہ کے لئے کم از کم پچاس نفر کا قریہ ہونا
شرط قرار دیا ہے اور آپ اس سے مطلقاً جواز ثابت کر رہے ہیں، بلکہ سندھ کے ایسے قری
میں بھی جمعہ پڑھا جاتا ہے جہاں باجماع ائمہ اربعہ جمعہ صحیح نہیں اس پر بھی سندھ کا کوئی عالم
نکیر نہیں کرتا،

قولہ، اور سندھ میں حضرت مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ الخ
اقول، اس کا مفصل جواب میں پہلے لکھ چکا ہوں جو میرے رسالہ النخبہ کا جز بن کر احسن الفتاویٰ
جدید جلد چہارم میں عنقریب طبع ہونے والا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کے آخر میں یہ بھی ہے
کہ حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مطبوعہ یا مخطوطہ تصانیف میں اس تحریر کا کوئی سراغ نہیں
ملتا اور استدلال کے لحاظ سے ایسی ساقط تحریر سے مقام مخدوم بہت بلند ہے،

قولہ، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے الخ
اقول، فتاویٰ رشیدیہ میں خروج عن المذہب کا جواز کہیں مذکور نہیں،
قولہ، اور قانون ہے کہ مجتہد فیہ مسئلہ میں جب قاضی ایک طرف فیصلہ دیدے الخ
اقول، کس قریہ میں کس قاضی نے اقامت جمعہ کا فیصلہ دیا ہے؟ نیز آپ تو ہر قریہ میں جواز
کے قائل ہیں، جواز جمعہ باذن حاکم کی مفصل بحث کا بھی رسالہ النخبہ میں اضافہ کر دیا گیا ہے،
قولہ، تو جب جمعہ فی القری مختلف فیہ بین الاحناف والشوافع ہے تو مخدوم صاحب اور شاہ
دلی الشرحہ اللہ تعالیٰ کے فتوے کے بعد اس پر بالاتفاق عمل کرنا صحیح ہے۔

اقول، من لا یعرف البعق بین الافتاء والقضاء لا یجوز لہ الافتحام فی ہذا المقام، علاوہ ازیں سندھ

میں تو ایسے قری میں بھی جمعہ ہو رہا ہے جہاں باجماع المذاہب الاربعہ کوئی گنجائش نہیں، آپ نے اس کا کیا تدارک کیا؟

قولہ، جبکہ پورے ملک میں جمعہ فی القری نافذ ہے اب اس کو ترک کرنا مفسد عظیمہ کا عامل ہو سکتا ہے الخ

اقول، یہ علماء کی مذہبت اور عوام سے کتمان حق و تبلییس مذہب کا ثمرہ ہے، اگر اب بھی دعوت بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ پر عمل کیا جائے اور الامردون بالمعروف والنہی عن المنکر والحافظون لحدود اللہ کے تحت امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں حفظ حدود کا اہتمام کیا جائے تو فساد کا کوئی خطرہ نہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حنفی علماء کرام و مشائخ عظام متفقہ طور پر فیصلہ لکھیں کہ "جمعہ فی القری مذہب حنفی میں جائز نہیں۔ اور بعض قری میں بالاجماع ہل ہے، گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فرض ساقط نہ ہوگا، مزید بریں مذہب کے خروج، مذہب میں تبلییس، نوافل کی جماعت، دن کے قوافل میں جہراً قرأت اور جماعت ظہر کے ترک کا گناہ الگ ہوگا، نیز اخفاء قرأت کا وجوب عداً ترک کرنے کی وجہ سے یہ دو گناہ نفل واجب الاعادہ ہوگا، لہذا احناف گاؤں میں جمعہ نہ پڑھیں، اگر اہل حدیث پڑھیں یا کوئی حنفی خلاف مذہب پڑھنے پر مصر ہو تو اس سے تعرض نہ کریں اسی طرح جمعہ پڑھنے والے لوگ مذہب حنفی کے مطابق جمعہ نہ پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض اور طعن و تشنیع نہ کریں"

پھر علماء و مشائخ اس فیصلہ کا اعلان کریں اور خود اس کی پابندی کریں، کم از کم اسے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ کتمان حق اور مذہب میں تبلییس و تحریف کے جرم کا تدارک ہو جائیگا اور اظہار حق کا فرض ادا ہو جائے گا، عوام مذہب حنفی کے بارے میں غلط فہمی میں نہ رہیں گے اس سے بھی بڑھ کر ظن غالب بلکہ یقین ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت علماء کے متفقہ فیصلہ سے انحراف نہ کھمے گی۔

جمعہ فی القری بند کرنے کے مفسد مہومہ سے ڈرایا جا رہا ہے اور اجازت جمعہ کے مفسد موجودہ سے اعراض کیا جا رہا ہے، کیا یہ صریح تعنت نہیں ہے؟ جمعہ فی القری کی اجازت کا ایک بڑا فتنہ یہ ہے کہ اس بنا پر ایسے مقامات میں بھی جمعہ پڑھا جا رہا ہے جہاں عدم صحت جمعہ پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ سندھ میں بکثرت ایسے مقامات ملیں گے، کیا ان کا وبال و عذاب مذہب علماء کی گردن پر نہیں ہوگا؟

قولہ، علماء دیوبند سے بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند اور علامہ عبد العلی بحر العلوم رحمہم اللہ تعالیٰ جمعہ فی القریٰ پڑھتے تھے۔
(کفایۃ المفتی ص ۱۹ ج ۳)

اقول، میرے پاس کفایۃ المفتی نہیں، اس لئے میں نے دارالعلوم ٹیلیفون کیا، مفتی عبد الرؤف صاحب نے کفایۃ المفتی کی کچھ عبارت ٹیلیفون پر مجھے سنائی، جس کا حاصل یہ تھا کہ کسی نے موضع پھلت کے ایسے کوائف بیان کئے ہیں جن سے اس کا قصہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں علماء مذکورہ کا جمعہ ادا کرنا لکھا ہے، اس کے جواب میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خود سوال میں مذکورہ کوائف کے پیش نظر اس موضع میں جمعہ صحیح ہے، میں یہ باور نہ کر سکا کہ کوئی عالم نقل میں ایسی صریح خیانت کی جرأت کر سکتا ہے اس لئے میں نے مفتی عبد الرؤف صاحب سے کہا کہ کفایۃ المفتی کی عبارت نقل کر کے بھیجیں تاکہ میں اس پر غور کر سکوں، چنانچہ مرسلہ عبارت مندرجہ ذیل ہے،

ضلع مظفرنگر میں ایک جگہ پھلت ہے جس میں کل تعداد اکیس سو آدمیوں کی ہے، اشیاء ضروری دستیاب ہو جاتی ہیں، چھ دکانیں پرچون کی ہیں، ددبہراڑ کی، دد عطار کی، تین درزی کی، پانچ چھ دکانیں اور متفرق ہیں، دس گیارہ دکانیں قصابوں کی ہیں، پانچ چھ حکیم ہیں، حافظ پندرہ بیس کے قریب ہیں، مولوی پندرہ بیس کے قریب ہیں، ایک بازار ہفتہ وار ہوتا ہے، چار مسجدیں ہیں ایک ان میں سے جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جو فیض الاسلام کے نام سے موسوم ہے، جفت فروشی کی کوئی دکان نہیں، تھانہ، ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ سرکاری ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، الخ، جواب، پھلت کی یہ حیثیت جو سوال میں مذکور ہے اس کو قریہ کبیرہ بنا دینے کے لئے کافی ہے اس لئے اس میں اقامت جمعہ جائز ہے الخ“

میں نے بہت غور کیا کہ کفایۃ المفتی کی مذکورہ عبارت سے تحریر پیش نظر کے استخراج کی کوئی صورت اور محرر کی طرف نسبت خیانت سے حفاظت کے لئے کسی بعید سے بعید تاویل کی کوئی گنجائش نکل آئے مگر اب تک میرے ذہن میں ایسی کوئی صورت نہیں آرہی واللہ العاصم،

علاوہ ازیں یہ امر مسلم ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا محقق جمہور کے خلاف قول کرے تو اس کا اتباع جائز نہیں، مسلک جمہور ہی واجب الاتباع ہے، جب دائرۃ مذہب کے اندر بھی جمہور کے خلاف قول کا اتباع ممنوع ہے تو خلاف مذہب قول کا اتباع بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا، چنانچہ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد فی المذہب ہیں، آپ کا مقام تفقہ صرف مشایخ احناف ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں مسلم ہے، معہذا یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ آپ کی جو تحقیقات خلاف مذہب ہیں ان کا اتباع جائز نہیں، (شرح عقود رسم مفتی ص ۲۵)

قولہ، مصر یا قصبہ جس کو قریہ کبیرہ کہا جاتا ہے کی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں،
اقول، مصر کی اصل تعریف یعنی حد تام یہ ہے کہ اس کو عرف عام میں مصر شمار کیا جاتا ہو۔
کما نقلہ المحرر عن الامام الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور عرف عام میں مصریت کے لئے یہ لازم ہے کہ گلی کوچے ہوں، بازار میں دور و یہ آپس میں متصل دوکانیں ہوں، عمارتیں پختہ ہوں اور ضرورت کی اکثر اشیاء مل سکتی ہوں۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تعریف ”انہ بلدة کبيرة فیہا سکت واسواق ولہا دساتیق الخ“ سے بھی اصل مقصود یہی ہے، اس تعریف میں مذکور دوسرے امور اور دوسری تعریفیں مصر کی حد تام نہیں بلکہ رسوم ہیں جو ہر زمان و مکان میں بدلتی رہتی ہیں، درایہ بھی ظاہر اور مسلم ہے کہ جن الفاظ کے شریعت نے خود کوئی مخصوص معنی متعین نہیں کئے وہ اصل لغت اور عرف عام پر ہی محمول ہوتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرف عام سے الگ مصر کے کوئی خاص معنی متعین نہیں فرمائے اس لئے یہ لفظ عرف عام پر ہی رہیگا۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے زمانہ میں مصر کی علامات کے مطابق مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں اس لئے نہ ان تعریفوں میں کوئی تضاد ہے اور نہ ہی ان کے وجود و عدم پر مصریت کا مدار۔

قولہ، اس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر مثلاً لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہو جاتے ہیں،
اقول، حیرت ہے کہ آج کی دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو لندن کے شہر ہونے میں شبہہ ہے۔

قولہ، نیز بہت سے دیہات بھی اس تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں،
اقول، ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ والی، مفتی، قاضی، قدرت علی اقامۃ الحدود، عدم الوسعة فی اکبر المساجد اجتماع رافق الابل وغیرہ مصر کی حد تام نہیں بلکہ رسوم ہیں اس لئے مصریت کا وجود و عدم

ان امور کے وجود و عدم پر موقوف نہیں، رسوم و علامات مختلف ازمنہ و مکثہ و حالات میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں،
 قولہ، آیت کریمہ احناف کے نزدیک خاص ان ائمہ سے ہے جہاں جمعہ واجب ہے،
 اقول، آیت کی تخصیص کے صرف احناف ہی قائل نہیں بلکہ اس کے عدم عموم پر اجماع ہے،
 فقط واللہ العالیٰ من فتن ابتلاء الہدی

رشید احمد

۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۸۰ھ

اتباع ہوی کے لئے حیلہ اذن حاکم

سوال، جمعہ فی القری کے مسئلہ پر ہمارے شہر سنگان واقع ایرانی بلوچستان میں کافی
 اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس وقت وہاں صف اول کے مختلف علماء کرام کے درمیان
 اختلاف ہے، ایک فریق کے نزدیک کسی بھی قریہ صغیرہ میں استانداریا فرماندار یعنی
 صوبہ کے گورنر یا علاقہ کے کمشنر یا ڈپٹی کمشنر کی تحریری اجازت سے ہر قسم کے
 گاؤں میں جمعہ و عیدین جائز ہے کیونکہ مجتہد فیہ مسائل میں حکم حاکم رافع اختلاف ہے۔
 اور دوسرا فریق اس کے برخلاف عدم جواز کا قائل ہے، فریقین کی تحریریں ارسال
 خدمت ہیں، براہ کرم ان پر نظر فرما کر فیصلہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس حیلہ سے خروج عن المذہب ہرگز جائز نہیں، اس فریق کے قول میں

مندرجہ ذیل غلط ہیں،

① صحت جمعہ فی القری کے لئے حاکم سے اجازت حاصل کر لینا کافی نہیں بلکہ حاکم کی
 طرف سے اقامت جمعہ کا امر لازم ہے۔

② امر حاکم سے ہر قریہ میں جمعہ جائز نہیں بلکہ صرف ایسے قریہ میں جائز ہے
 جہاں مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں جمعہ صحیح ہو، جہاں با اتفاق مذاہب اربعہ
 جمعہ باطل ہو وہاں امر حاکم سے بھی جائز نہیں،

③ حکم بخلاف مذہب نافذ نہیں ہوتا، اس لئے اقامت جمعہ فی القری کا حکم ایسے

حاکم کی طرف سے ہونا ضروری ہے جس کے مذہب میں اس کا جواز ہو، حنفی حاکم کا امر صحیح نہیں،
 (۴) امر حاکم صرف اس کی حدود ولایت تک محدود ہوگا، اس کی حدود سے باہر قری میں
 جمعہ جائز نہیں۔

(۵) حاکم آمر کے عزل یا موت سے اس کا امر ختم ہو جائے گا، اس کے بعد بدول امر حاکم
 جدید جمعہ فی القری جائز نہ ہوگا،

ان امور پر دلائل کی تفصیل میرے رسالہ "السنۃ فی مسئلۃ الحجۃ والخطبۃ" میں ہے،

اس زمانے میں ایسے حکام معدوم ہیں جو دینی جذبہ کے تحت اقامت جمعہ کا حکم
 دیں، بلوچستان ہی کا ایک ساتھ ہے کہ کسی حاکم کے پاس مولویوں کی ایک جماعت
 جمعہ فی القری کی اجازت کے لئے حاضر ہوئی، اس نے کہا کہ آپ کتنے دنوں کے بعد
 جمعہ پڑھتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہفتہ میں ایک بار، حاکم بولا روزانہ پانچ بار
 پڑھا کرو، کیا شعائر دین کے ساتھ اس تلعب و استہزاء کا عذاب ان مولویوں پر
 نہیں ہوگا؟ ایسا حاکم ملنا مشکل ہے جو مسلمان ہو شیعہ نہ ہو، دین کا مذاق اڑانے
 والا نہ ہو، غیر حنفی ہو، پھر اقامت جمعہ فی القری کا حکم صادر کرنے میں اس کو کوئی تردد
 نہ ہو، یعنی صرف اجازت نہیں بلکہ واجب التعمیل سرکاری حکم جاری کرے،
 علاوہ ازیں اگر حکم حاکم سے جمعہ فی القری رائج ہو گیا تو عوام اس کو مسند
 بنا کر شرائط مذکورہ کی رعایت کئے بغیر ہر جگہ جمعہ پڑھنے لگیں گے، عوام کی اس گمراہی
 اور ان کی نمازوں کی بربادی کا وبال و عذاب ان مولویوں پر ہوگا جو اتباع ہوائی
 کے لئے اذن حاکم کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں،

سوال میں لکھا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں وہاں صف اول کے علماء میں اختلاف ہے
 اس پر بہت تعجب ہوا، ایسی بدیہی اغلاط اور مذہب کے ساتھ تلعب کسی معمولی صاحب
 علم سے بھی بہت بعید ہے چہ جائیکہ صف اول کے کسی عالم سے ایسی جہالت کا ظہور ہو،
 اگر خدا نخواستہ واقعہ وہاں کے صف اول کے علماء کی یہ حالت ہے تو ایسی قوم کا
 خدا ہی حافظ، فقط واللہ العاصم من فتن الجہالۃ فی رقی العلم،

رشید احمد

مرزئی الحجۃ ۱۳۹۵ھ

جمعہ فی اہتری سے متعلق اثر زہری کا جواب

سوال: کیا مجوزین جمعہ فی القری کا یہ استدلال صحیح ہے جو بخاری شریف باب الجمعہ میں یونس سے مروی ہے کہ رزق بن حکم نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڑانی مسلمان وغیرہ رہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ضرور مجوزین جمعہ نے اس حدیث سے جواز پکڑا کہ محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے رزق کو ایک چھوٹے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا، اس سے متعلق چند سوالات دریافت طلب ہیں:

- ① جہاں امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی اجازت دی تھی یہ جگہ گاؤں یا فنار شہر میں سے تھی؟
- ② اگر یہ جگہ گاؤں میں ہی تھی تو امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فتویٰ کیا اپنے اجتہاد سے دیا تھا؟
- کیا احناف کے لئے قابل قبول ہو جبکہ عدم جواز جمعہ فی القری کے سلسلہ میں حدیث صراحت کے ساتھ موجود ہے؟
- ③ یا ایلہ میں امام زہریؒ نے حاکم ہونے کی صورت میں جمعہ کا حکم دیا تھا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مختلف احتمالات ہیں:-

- ① اس مقام کا قریہ ہونا ثابت نہیں، وجود والی واجتماع ناس سے قصہ ہونا رائج ہے،
- ② ممکن ہے کہ یہ جگہ فنار ایلہ میں ہو، ایلہ مصر کبیر تھا،
- ③ رزق کا استیذان اپنی قیام گاہ پر اقامت جمعہ سے متعلق نہیں بلکہ ایلہ میں حضور جمعہ سے متعلق ہے،
- ④ رزق کا استفتاء جمعہ فی القری سے متعلق نہیں بلکہ اذن امیر کے بارے میں ہے، یعنی امیر عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایلہ میں اذن اقامت جمعہ ہے، اس صورت میں حوالی ایلہ میں اذن ثابت ہوگا یا نہیں؟ زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح آپ کی ایلہ پر ولایت اس کے حوالی پر بھی شامل ہے اسی طرح اذن اقامت جمعہ بھی حوالی ایلہ پر شامل ہے،
- ⑤ یہ اثر زہری رحمہ اللہ تعالیٰ ہے جو حجت نہیں،

مندرجہ بالا جوابات تبرعاً لکھ دیے ہیں، ورنہ قری میں عدم جواز جمعہ پر قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اس قسم کے اقوال کوئی حیثیت نہیں رکھتے، ان کی طرف التفات اور جواب کی کاوش تفسیح اوقات ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۶ رجب ۱۴۰۱ھ

(ضمیمہ تہمہ میں ہے)

بَابُ الْجَنَائِزِ

حياة الانبياء عليهم السلام

سوال : ما قولكم رحمكم الله في حياة الانبياء عليهم السلام اهي برزخية او دنيوية ؟ بيتنوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

حياة الانبياء عليهم السلام برزخية ولكن بلغت حد الكمال فلذا يترتب عليها بعض الاحكام الحياتية الدنيوية من تحريم نكاح الازواج المطهرات وعدم اكل الارض اجسادهم وعدم جريان الارث في اموالهم فقط والله تعالى اعلم.

۵ ار جادی الاولی ۱۳۴۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : حياة النبي صلى الله عليه وسلم کی حقیقت پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بقار روح تو ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں، جمیع مسلمانوں بلکہ جملہ انسانوں کی ارواح بالاتفاق باقی رہتی ہیں فنا نہیں ہوتیں پس انبیاء علیہم السلام یا شہداء پر احیاء کا اطلاق خصوصیت سے اس لئے ہوتا ہے کہ حیات سے مراد عدم تعطل اور موت بمعنی تعطل ہے۔ عام محاورات میں بھی تعطل پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ ارواح انبیاء علیہم السلام چونکہ قبر میں معطل نہیں بلکہ عبادات مثل اذان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ افعال میں مشغول ہیں لہذا ان پر حیات کا لفظ اطلاق کیا گیا اور جو لوگ دنیا میں اعمال خیر سے معطل تھے برزخ میں بھی ان کی ارواح خیر سے معطل رہتی ہیں اس تعطل پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے، نفوس سعیدہ کے لئے بڑی لذت عبادت میں ہی ہے۔ اگر یہی نعمت ان سے قبر میں سلب کر لی جائے تو یہی امر ان کے لئے عذاب ثابت ہوگا کیونکہ لذت اور عبادت کا سلب ہو جانا بھی ایک بڑا عذاب ہے پس بموجب ارشاد نبوی ”قرۃ عینی فی الصلوۃ“ ان ارواح سعیدہ کو قبور میں بھی عبادات کی نعمت عطا فرما کر ان کی

آنکھیں ٹھنڈی کی جاتی ہیں، جیسے دنیوی حیات میں اعمال خیر کے ہزار ہا مراتب ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں تفاوتِ اعمال کی وجہ سے برزخی زندگی میں بھی تعطل اور اشتغال فی اعمال الخیر کے مختلف مراتب ہیں۔ اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ”جب کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو روکرتے ہیں تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں؟“ اس کا مفصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت معارف الہیہ میں مستغرق رہتے ہیں، جب کوئی سلام کہتا ہے اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں، معارف الہیہ توجہ ہٹا کر عالم دنیا کی طرف توجہ کرنے کو روک دے۔ جیسا کہ حضرت بلال کے بروقت نہ جاگنے کے عذر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اِنَّ اللّٰهَ قَبْضُ اَرْوَاحِكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ، قبضِ ارواح سے مراد یہ ہے کہ نوم کی وجہ سے دنیوی افعال سے معطل ہو جاتی ہیں اور رد سے مراد ہے افعال دنیا میں اشتغال و عدم تعطل۔ غرضیکہ انبیاء، شہداء اور اولیاء چونکہ قبور میں افعال خیر سے معطل نہیں، اس لئے ان پر ایثار کا اطلاق کیا گیا۔ باقی یہ اعتراض فضول ہے کہ قبور سے اذان وغیرہ کی آواز کیوں سنائی نہیں دیتی یا اولیاء قبور سے نکل کر حج وغیرہ کرنے دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ اس لئے کہ عالم برزخ کی مشابہت عالم رویا کے ساتھ ہے۔ وجود عینی اور وجود ذہنی کی طرح وجود منامی اور وجود برزخی بھی ایک مستقل وجود ہے جیسا کہ نائم کے پاس بیٹھنے والے کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ اس وقت نائم رویا میں کیا دیکھ رہا ہے حالانکہ اسے رویا میں کبھی عذاب ہو رہا ہے سانپ کاٹ رہا ہے، یا کوئی قتل کر رہا ہے یا خواب میں جماع کر رہا ہے یا پھل وغیرہ عمدہ عمدہ طرح طرح کے کھانے کھا رہا ہے۔ یا خواب میں حج، زکوٰۃ، اذان، صلوٰۃ و صوم وغیرہ افعال ادا کر رہا ہے مگر پاس بیٹھنے والے کو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا ایسے ہی عالم برزخ کے افعال و اعمال اور عذاب قبر وغیرہ تفصیلات اس عالم کے رہنے والوں پر مخفی ہیں۔ ہلکذا افاد مولانا الشاہ محمد انور الکشمیری قدس اللہ سرہ العزیز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال مثل بالا :

سوال : آجکل پنجاب میں مسئلہ حیاۃ النبی کا بہت چرچا ہے۔ ہر جگہ اسی سے متعلق سرگوشیاں نظر آرہی ہیں۔ امید ہے کہ اس میں قول محقق و فیصل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں گے واللہ اعلم بالصواب،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بندہ کے خیال میں اس مسئلہ کو جانبین نے اہمیت دیکر اتنا غلو کیا ہے کہ حدود سے بہت تجاوز کر گئے ہیں۔ مسئلہ کی ایسی اہمیت نہ تھی کہ اس پر اختلاف و افتراق تک نوبت آئے اور اگر کچھ اختلاف کرنا ہی تھا تو صرف علماء تک محدود رکھنا ضروری تھا۔ ہزاروں مسائل میں علماء کا اختلاف انتظار ہے

مگر ایسے مسائل کو عام سطح پر لا کر عامۃ المؤمنین کے اذہان کو مشتوش کرنا، مناظروں کے چیلنج دینا۔ ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی اور پمفلٹ شائع کرنا۔ اور اسی موضوع پر چلبے قائم کر کے امت کے شیرازہ کو اس طرح منتشر کرنا کوئی جواز نہیں رکھتا۔ علماء کا افراق لازمی طور پر اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ عوام علماء دین سے متنفر ہو کر دین کی رہی رہی رغبت و محبت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، ان حالات کے پیش نظر اس مسئلہ پر قلم اٹھانے پر نہ عقل آمادہ ہے نہ طبیعت مطلق حیات بنفق قرآن ثابت ہے، بس اس اجمال پر ایمان رکھنا فرض ہے، اس کی تفصیل نہ منصوص ہے نہ اس پر ایمان رکھنا ضروری اور نہ ہی اس کی تحقیق و تدقیق کے ہم مکلف ہیں، مجھے تو خطرہ ہے اس کی تحقیق میں پڑا گسٹنی نہ ہو ورنہ کم از کم غیر ضروری امر میں اوقات و قوی کی تضییع کے وبال سے تو خالی نہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه، وقال صلی اللہ علیہ علامۃ اعراض اللہ تعالیٰ عن العبد اشتغاله بما لا یعنیه، وقال صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عز و جل انی اعوذ بک من علم لا ینفع و قلب لا یخشع و من دعویٰ لا یتجاب لہا۔ تعوذ کے ان تینوں جملوں کی ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ علم غیر نافع میں شغل سلب خشوع قلب کا سبب ہے اور سلب خشوع قلب عدم استجاب دعا کا سبب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے :

سوال : مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟ اگر جائز نہیں تو حرمین شریفین میں کیوں پڑھتے ہیں ؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، البتہ اگر نماز کے لئے کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو عذر کی وجہ سے مسجد میں کراہت نہیں قال فی العلائق و کوہت تحریماً و قید تنزیہاً فی مسجد جماعة هو ای المیت فیہ (الی ان قال) والمختار الکراہۃ مطلقاً، و فی الشامیۃ انما تکرم فی المسجد بلا عذر فان کان فلا الخ (رد المحتار ج ۱) حرمین شریفین میں نماز جنازہ سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ ان کا مسلک ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

۵ کراہت تنزیہیہ کا قول راجح ہے تفصیل تتمہ میں ہے۔

سوال مثل بالا:

سوال: امام اور بعض قوم مسجد کے باہر ہوں اور باقی مقتدی مسجد میں تو کیا نماز جنازہ ہو جائے گی یا نہیں؟ حاشیہ ہدایہ میں یہ کریمہ صورت بالاتفاق جائز ہے، اذ اکانت الجنائزۃ فی المسجد فالصلوة علیہا مکروہۃ باتفاق اصحابنا وان كانت الجنائزۃ والامام وبعض القوم خارج المسجد الباقی فیہ لم تکرہ باتفاق اصحابنا وان كانت الجنائزۃ وحدها خارج المسجد ففیہ اختلاف المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ بعضہم قال لا یکرہ منہم السید ابو شجاع لما ان المسجد بنی لاداء المكتوبات وقال بعضہم لا یکرہ لان المعنی الموجب للکراہۃ وهو احتمال تلویث المسجد مفقود رہدایہ اولین باب الجنائز ص ۱۸۱) اس صورت کو اصلاحات فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مطبعہ دارالعلوم کراچی میں بھی بلا کراہت جائز قرار دیا ہے، برادر کرم مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں جواب کے مطلع فرمائیں، بینوا وجودہ

الجواب باسم ملہم الصواب

حاشیہ ہدایہ عنایہ سے ماخوذ ہے، در سکر تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو غلط قرار دیا ہے، اور اس صورت میں جواز بالاتفاق کے قول پر تردد فرمائی ہے، قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ ولا فی مسجد جماعة، لحدیث ابی داؤد مرفوعاً من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر له فی رباۃ فلا شیء لہ اطلقہ فمثل ما اذا کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وهو المختار خلافاً لما اورده النسفی کذا فی الخلاصۃ و هذا الاطلاق فی الکراہۃ بناء علی ان المسجد انما بنی للصلوة المكتوبۃ وتوابعها من النوافل والذکر وقد رسی العلم وقیل لا یکرہ وهو مبنی علی ان الکراہۃ لاحتمال تلویث المسجد والاول هو الاول لان اطلاق الحدیث کذا فی فتح القدیر فی غایۃ البیان والعناۃ من ان المیت وبعض القوم اذا کان خارج المسجد والباقون فیہ لا کراہۃ اتفاقاً ممنوع (البحر الرائق ص ۱۸۶ ج ۲)

کتب ذیل میں بھی یہی فیصلہ تحریر ہے:

فتح القدر ص ۲۶۲ ج ۱، تبیین الحقائق مع حاشیۃ الشلبی ص ۲۴۳ ج ۱، نور الایضاح ص ۱۲۸،

مراقی الفلاح ص ۳۲، عالمگیریہ ص ۱۶۵ ج ۱، الدر المنثور مع رد المحتار ص ۸۲ ج ۱، بذل الجہود ص ۲۰۳ ج ۵،

عمدة القاری ص ۱۱۷ ج ۲، الکوکب الدرری ص ۳۱۵، العرن الشذی ص ۳۵۱، کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ص ۵۲۷ ج ۱

فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۴، امداد الفتاویٰ ص ۵۳۳ ج ۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۳۵ ج ۱،

بہشتی گوہر ص ۹۴۲ وغیرہا من کتب المذہب فی الفقہ والحديث،
غرضیکہ میت، امام اور بعض مقتدیوں کے مسجد سے خارج ہونے کی صورت میں عتایہ کا بالاتفاق
بلا کر اہت جواز کا قول بالاتفاق صحیح نہیں، سب نے بالاتفاق اس کو رد کیا ہے، اور علامہ شامی
رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار اور منحة الخالق میں نہر سے صورت تطبیق نقل فرمائی ہے، کہ عدم
کراہت بالاتفاق کا قول صرف ان لوگوں کے حق میں ہے جو مسجد سے خارج ہیں، جو نمازی مسجد
کے اندر ہیں ان کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے اور کراہت رائج ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۹ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

نماز جنازہ کا سلام آہستہ کہنا:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کا سلام آہستہ کہنا افضل ہے،
کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں:

- ① دونوں سلام آہستہ کہے،
- ② ایک سلام بلند آواز سے کہے دوسرا آہستہ،
- ③ دونوں بلند آواز سے کہے،

فی نفسہ پہلی صورت افضل ہے، مگر تیسری صورت پر عام تعامل ہونے کی وجہ سے اس کو
فضیلت ہے، پہلی صورت خستیار کرنا عوام میں فتنہ و انتشار کا موجب ہے، اس لئے اس سے
احتراز کیا جائے، قال فی العلائیۃ ویس الکمل الا التکبیر لکن فی البدائع العمل فی زماننا
علی الجہر بالتسلیم وفی جواہر الفتاویٰ یجہر بواحدۃ، وقال ابن عابدین رحمہ
اللہ تعالیٰ والذی فی البدائع ولا یجہر بہا یقرأ عقب کل تکبیرۃ لانہ ذکر والسنة فیہ
المخافتۃ وهل یرفع صوتہ بالتسلیم لم یتعرض لہ فی ظاہر الروایۃ وذكر الحسن بن زیاد
رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا یرفع لانہ للاعلام ولا حاجۃ لہ لان التسلیم مشروع عقب
التکبیر بلا فصل ولكن العمل فی زماننا علی خلافہ اھ (رد المحتار ص ۸۱ ج ۱)،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

عورتوں کو قبرستان جانا منع ہے :

سوال : عورتوں کے لئے قبرستان میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز نہیں، حدیث میں ایسی عورت پر لعنت وارد ہوئی ہے خصوصاً اس زمانہ میں خرافات پر نظر کرتے ہوئے کسی حالت میں بھی اجازت کی گنجائش نہیں سداً للذرائع وحماً للمادة کلیۃً منع کرنا ضروری ہے قال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجديد الحزن والبكاء والندب علی ما جرت به عاداتهم فلا تجوز وعلیه حمل حدیث لعن اللہ زائوات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز ویکره اذا کن شوب کحضور الجماعة فی المساجد اه وهو توفیق حسن (رد المحتار ص ۱۴۳ ج ۱) ویعضده المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی اشارت الیه عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بقولہا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء بعده لمنعن کما منعت نساء بنی اسرائیل وهذا فی نساء زمانہا فما ظنک بنساء زماننا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ محرم ۱۴۲۰ھ

قبر پر قرآن پڑھنا :

سوال : قبر پر قرآن مجید پڑھ کر میت کو ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹواتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے۔ البتہ اجر تہ قرآن مجید پڑھنا اور پڑھوانا جائز نہیں (قوله ویقرأ ینس) لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة یس خفف اللہ عنهم یومئذ وکان له بعدد من فیہا حسنات بحر، وفی شرح الباب ویقرأ من القرآن ما یتستر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون و آية الكرسی وأمن الرسول وسورة یس وتبارک المملک وسورة التکاثر والاخلاص ثنی عشر مرة او احدى عشر او سبعة او ثلاثاً ثم یقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناک الی فلان او الیہم (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ محرم ۱۴۲۰ھ

پختہ قبر بنانا :

سوال : علماء یا سادات کی قبور کی تجصیص بالاجر جائز ہے یا نہیں ؟ شامیہ میں ہے و فی الاحکام

عن جامع الفتاویٰ وقیل لا یکره اذا کان المیت من المشایخ والعلماء والسادات،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قبر پر اینٹ اور چوہ لگانا جائز نہیں، البتہ گارے سے لینا جائز ہے، قال فی شرح التنویر ولا یخصص للنہی عنه ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا بأس بہ وهو المختار، وفي الشامیة (قوله وقیل لا بأس بہ الخ) المناسب ذکرہ عقب قوله ولا یطین لان عبارة السراجیة كما نقلہ الرحمٰن ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطین القبور مکروه والمختار انه لا یکره اه وعزا الیہ المصنف فی المنہ ایضاً واما البناء علیہ فلم ار من اختار جوازہ (شامیہ ج ۱) تعمیر کے متعلق جو خبر یہ قبل کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث و روایت عن الامام کے خلاف ہے۔ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ بکر ان یبنی علیہ بناء من بیت اوقبة او نحو ذلك لما روى جابر رضى الله تعالى عنه نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان يبنى عليها رواه مسلم (شامیہ ج ۱) بالخصوص بدعت و غرافات کے اس پُرفتن زمانہ میں اس قسم کے اسباب صلات سے احتراز نہایت ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

قبریں اینٹ، پتھر، لوہا وغیر لگانا :

سوال : قبریں بوقت ضرورت سیمنٹ یا سیمنٹ اور بجری کی بنی ہوئی اینٹ یا پتھر کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ سیمنٹ کی اینٹ اور مٹی کی پختہ اینٹ میں کچھ فرق ہے یا کہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے ؟ بیٹھا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر واحد لہ عند الحاجة كرخاوة الارض، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولا بأس باتخاذ تابوت الخ) ای یرخص ذلك عند الحاجة والا کرہ كما قد مناه انفا، قال فی الحلیۃ، نقل غیر واحد عن الامام ابن الفضل انه جوزہ فی اراضیہم لرخاوتہا وقال لکن ینبغی ان یفرش التراب وتطین الطبقة العليا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علی یمین المیت ویسارہ لیصیر بمنزلة اللحد، والمراد بقوله ینبغی یست كما افصح بہ فخر الاسلام وغیرہ بل فی الینابیع والسنة ان یفرش فی القبر التراب، ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذہ من حديد بستیء ولا شک فی کراہتہ كما هو ظاهر الوجه اه ای لانه لا یعمل الا بالنار فیکون کالاجر المطبوخ بہا، كما

یأتی (رد المحتار ص ۱۳) وفي شرح التنوير ويستوى اللبن عليه والقصب لا الأجر المطبوخ والخشب لحواله اما فوقه فلا يكره ابن ملك، وجاز ذلك حوله بارض رخوة كالتابوت، وفي الشامية (قوله لحواله الخ) قال في الحليلة وكرهوا الأجر والواح الخشب وقال الامام القمي تاشي هذا اذا كان حول الميت، فلو فوقه لا يكره لانه يكون عصمة للتبع وقال مشايخ بخاري لا يكره الأجر في بلد تنال الحاجة اليه لضعف الاراضى (قوله وجاز ذلك) اي الأجر والخشب (رد المحتار ص ۱۳) وفي العلائقة ولا يحقصر للنهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناء وقيل لا بأس به وهو المختار، وفي الشامية (قوله وقيل لا بأس به الخ) المناسب ذكره عقب قوله ولا يطين لان عبارة السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد ابي الفضل ان تطيين القبور مكروه، والمختار انه لا يكره اه وعزاه اليها المصنف في المنع ايضاً، واما البناء عليه فلم ار من اختار جازه، وفي شرح المنية عن مدينة المفتي المختار انه لا يكره التطيين وعن ابي حنيفة رحمه الله تعالى يكره ان يبني عليه بناء من بيت اوقية او نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالى عنه نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان يبني عليها، رواه مسلم وغيره اه نعم في الامداد عن الكبرى واليومر اعتادوا التسليم باللبن صيانة للقبور عن النباش ورواؤ ذلك حسناً وقال صلى الله تعالى عليه وسلم ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن اه (رد المحتار ص ۱۳۹ ج ۱)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوئے ،

① قبر کے اندر میت کے اطراف میں بلا ضرورت لکڑی کے تختے، پتھر، سیمنٹ کی اینٹ، لوہا اور بھٹی میں پکی ہوئی اینٹ لگانا مکروہ تحریمی ہے۔

② اگر زمین بہت نرم ہو یا اس میں نمی ہو اور قبر گرنے کا خطرہ ہو تو بقدر ضرورت مذکورہ اشیاء لگانے کی اجازت ہے، اگر لکڑی، پتھر یا سیمنٹ کی اینٹ سے ضرورت پوری ہو جائے تو بھٹی کی بجائے اینٹ اور لوہے سے احتراز کیا جائے، اس لئے کہ ان میں آگ کا اثر ہے، پتھر اور سیمنٹ کی اینٹ میں یہ قیامت نہیں۔ ایسی ضرورت کے وقت لکڑی، پتھر اور لوہے کے تابوت میں رکھ کر دفن کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ البتہ لوہے کے تابوت سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، ہر قسم کے تابوت میں بہتر یہ ہے کہ نیچے مٹی بچھالی جائے اور میت کی دونوں طرف کچی اینٹیں لگا دی جائیں اور ڈھکنے کے اندر کی طرف مٹی سے لپیپ دی جائے۔

③ میت کے اوپر کی طرف یعنی قبر کا شق پاٹنے میں بلا ضرورت بھی لکڑی، پتھر سیمنٹ کے سلیپ اور

لوہا وغیرہ لگانا جائز ہے۔

(۴) اوپر سے قبر کو مٹی سے لپینے کی گنجائش ہے مگر احتراز بہتر ہے۔

(۵) قبر کے اوپر سیمنٹ کا پلستر اور کسی بھی قسم کی اینٹ لگانا جائز ہے، پلستر اور بنار کی ممانعت صراحتاً حدیث میں وارد ہے، اینٹ لگانا بھی بنا میں داخل ہے جو بغرض زینت حرام ہے۔ اور بغرض استحکام مکروہ تحریمی ہے، جو گناہ میں حرام ہی کے برابر ہے۔ البتہ درندوں کے خوف سے کچی اینٹ لگانے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ رجب ۱۴۱۷ھ

قبر پر چار دیواری یا چبوترہ بنانا منع ہے :

سوال : قبر پر چار یا پانچ فٹ بلند صرف چار دیواری بغیر پت کے بغرض حفاظت بنانا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز چبوترہ بنا کر اس کے اوپر قبر بنانا تاکہ بارش کے سیلاب سے حفاظت رہے اور زائرین کے بیٹھنے کے لئے صفائی رہے جائز ہی نہیں ؟ بیٹنوا تو جروا،

الجواب باسمہم الصواب

قبر پر ہر قسم کی بنا بغرض زینت حرام ہے اور بغرض استحکام مکروہ تحریمی، گناہ میں مکروہ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے، چار دیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ بلکہ صل مٹی سے زائد مٹی ڈالنا بھی بنا میں داخل ہے، قال فی العلانیۃ ویہال التراب علیہ وتکثر الزیادۃ علیہ من التراب لانه بمنزلۃ البناء، وفي الثانیۃ (قوله وتکثر الزیادۃ علیہ) لما فی صحیح مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخصّص القبر وان ینبئ علیہ، زاد ابوداؤد ویزاد علیہ حلیۃ (قوله لانه بمنزلۃ البناء) کذا فی البدائع وظاہر ان الکراہۃ تحریمیۃ وهو مقتضی النہی المذکور لکن نظر صاحب الحلیۃ فی هذا التعلیل وقال وروی عن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ انہ لا بأس بذلك ویؤیدہ ماروی الشافعی وغیرہ عن جعفر بن محمد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رش علی قبر ابنہ ابراہیم ووضع علیہ حصباء، وهو مرسل صحیح، فتحل الکراہۃ علی الزیادۃ الفاحشۃ وعدمہا علی القلیلۃ المبلغۃ له مقدار شبرا وما فوقہ قلیلاً (رد المحتار ص ۱۶) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی احیاء الموات وان حوطها و سنہا بحیث یعصم الماء یكون احیاء لانه من جملة البناء (رد المحتار ص ۱۶ ج ۵)

امداد الاحکام میں چار دیواری کو بنا علی القبر سے خارج قرار دینا غیر ظاہر ہے اور بغرض صحت خروج عدم جواز کی یہ وجہ ہے کہ اس سے زینت و اظہار عظمت میت کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا، البتہ پورے

قبرستان پر چار دیواری سے حدود قبرستان کی تعیین و حفاظت مقصود ہوتی ہے اس لئے جائز ہے، علاوہ ازیں قبر پر چار دیواری کی رسم قبہ سازی کا ذریعہ بن رہی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور عالم کی قبر پر بعض جیلہ سازوں کی تجویز ایسی گنبد نما بلند چار دیواری کی ہے جو چاروں طرف سے بند ہو اور صرف قبر کے اوپر کا حصہ کھلا ہو، مزید بریں چار دیواری میں دوسروں کی حق تلفی کا گناہ بھی ہے، احاطہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو تو بھی دیواروں کے نیچے آنے والی زمین کو بلا ضرورت مشغول کرنے میں دوسروں کی حق تلفی ظاہر ہے۔

زارین کے لئے بغرض صفائی چوترا بنانا کوئی مقصد شرعی نہیں، اور سیلاب کا خطرہ ہو تو قبر کے اندر اینٹیں لگا کر سیمینٹ کے سلیپ سے قبر کا شق پاٹ کر حفاظت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اس تدبیر سے قبر بیٹھنے سے محفوظ ہو جائے گی اور نشان باقی رکھنے کے لئے قبر کے سرہانے کوئی پتھر گاڑ دینا یا کتبہ وغیرہ لگا دینا کافی ہے۔ اگر سیلاب قبر کی مٹی بہہ گئی تو اس نشان پر دوبارہ مٹی ڈال کر قبر درست کی جاسکتی ہے۔ معہذا اگر قبر پر زیادہ مٹی کی واقعہ ضرورت ہو تو چوترا کے بجائے قبر کے چوگرد ڈھلان کی صورت میں مٹی ڈال کر اس مقام کو بقدر ضرورت اونچا کر دیا جائے۔ نیز حفاظت قبر کی ضرورت صرف اس وقت تک ہے جب تک میت خاک نہیں ہو جاتی اس کے بعد حفاظت کی ضرورت نہیں، اس لئے قبر کی مضبوطی کا زیادہ اہتمام درست نہیں، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لافہما (الآجر والخشب) لاحکام البناء والقبر موضع البلاء (البحر الرائق ص ۱۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ رجب ۱۴۳۸ھ

نماز جنازہ میں سبق کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں دیر سے پہنچا تو فوت شدہ تکبیریں کیسے ادا کرے؟
بیّنوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مقتدی کو چاہئے کہ جس وقت بھی پہنچے تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہو جائے اگرچہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو مگر سلام نہ پھیرا ہو، باقی تکبیریں امام کے فارغ ہونے بعد کہے۔ اگر شریک ہوتے وقت یہ علم ہو کہ یہ کونسی تکبیر ہے تو وہی دعا پڑھے جو امام پڑھ رہا ہو اور فوت شدہ تکبیروں میں باقی دعائیں بالترتیب پڑھے۔ اگر یہ علم نہ ہو کہ امام کس تکبیر میں ہے تو پہلی تکبیر والی دعا یعنی ثنا پڑھے اس کے بعد اسی ترتیب سے دعائیں پڑھتا جائے، فوت شدہ تکبیروں میں دعا پڑھنے سے اگر جنازہ اٹھ جانے کا خوف ہو تو دعائیں نہ پڑھے، فقط تکبیریں کہہ لے۔ اگر جنازہ اٹھا لیا گیا مگر تاحال زمین سے قریب ہے، تو تکبیر کہہ لے

اور اگر اٹھانے والوں کے کندھوں کے قریب پہنچ چکے ہیں تو تکبیر نہ کہے نماز صحیح نہ ہوگی۔ قال فی شرح التنویر
والمسبوق ببعض التكبيرات لا يكبر في الحال بل ينتظر تكبيرا لالامام ليكبر معه للافتتاح لهما من كل
تكبيرة كركعة المسبوق لا يبدأ بما فاتة وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يكبر حين يحضر كما لا ينتظر
الحاضر في حال التحريمة بل يكبر اتفاقا للتحريمة لانه كما لمدر ك ثم يكبر ان ما فاتهما بعد الفراغ نسقا
بلادعاء ان خشي ارفع الميت على الاعناق وما في المجتبى يكبر الكل للحال شاذ فنهرو فلو جاء المسبوق بعد
تكبيرة الامام الرابعة فاتته الصلوة لتعذر الدخول في تكبيرة الامام وعند ابى يوسف رحمه الله
تعالى يدخل لبقاء التحريمة فاذا سلم الامام كبر ثلاثا كما في الحاضر وعليه الفتوى ذكره الحلبي ۱ هـ ،
والتفصيل في الشامية . فقط والله تعالى اعلم .
۲ ذی الحجہ ۱۲۰۲ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : آپ نے نماز جنازہ میں مسبوق کے سب احکام میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ
دیا ہے ، حالانکہ در مختار میں قول ابی یوسف کو صرف اس صورت میں مفتی نہ لکھا ہے جب تکبیرہ الرابعہ کے بعد شریک ہوا ہو ،
بہشتی زیور میں بھی اسی طرح ہے لہذا اس پر نقطہ ثانی فرما کر تحریر فرمائیں ۔ بیٹواتوجروا

الجواب یا سميعي السلام الصواب

نماز جنازہ میں مسبوق کی پوری تفصیل میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی نہ ہے جس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں ،

- ① در مختار کی عبارت کے سیاق بالخصوص فلو جاء بعد تكبيرة الامام الرابعة میں فام تفریجیہ سے ثابت
ہوتا ہے کہ شرکت بعد رابعہ کوئی مستقل مسئلہ نہیں بلکہ مسبوق کے حکم سابق پر تفریج ہے ۔
- ② قال فی الشامية (قوله فلو جاء الخ) هذا ثمرة الخلاف بينهما وبين ابى يوسف رحمهم الله تعالى
كما في النهر ، اس میں تصریح ہے کہ شرکت بعد رابعہ مستقل مسئلہ خلافیہ نہیں بلکہ خلاف سابق کی فرع و ثمرہ ہے ۔
- ③ وفيها (قوله لتعذر الدخول الخ) لما مر ان المسبوق ينتظر الامام ليكبر معه وبعد الرابعة لم يبق
على الامام تكبير حتى ينتظره ليتابعه فيه ، قال في الدرر والا صل في الباب عندهما ان المقتدى يدخل في
تكبيرة الامام فاذا فرغ الامام من الرابعة تعذر عليه الدخول وعند ابى يوسف يدخل اذا بقيت التحريمة
كذا في البدائع اه اس میں بھی تصریح ہے کہ شرکت بعد رابعہ کا حکم قاعدہ سابقہ پر متفرع ہے ۔

- ④ وفيها (قوله وعليه الفتوى) اي على قول ابى يوسف في مسألة المسبوق خلافا لما مشى عليه في
المتن (رد المحتار ص ۱۲ ج ۱) اس میں مسبوق عام ہے جو سب صورتوں کو شامل ہے ، فقط والله تعالى اعلم

۳۰ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

جوتے پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا :

سوال : اگر جوتے کا تلا پیدا اور اندر کا حصہ اور اوپر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟

بیٹواتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے۔ ہر ایسی چیز جس پر ایک طرف نچاست لگنے سے دوسری طرف سرایت نہ کرتی ہو اس کی پاک جانب پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ مصلیٰ کی حرکت سے جانبِ نجس بھی حرکت کرے گی جو مانعِ صلوٰۃ ہے۔ ہاں اگر نیچے سے تلا بھی پاک ہو تو پہن کر بھی نماز درست ہے۔ قال فی شرح التوہی فی مفصلات الصلوٰۃ وصلوٰۃ علی مصلی مضرب نجس البطانة، وفي الشامية شرح هذا قول ابی یوسف وعن محمد یجوز (الی قولہ) وعلى هذا الوصلی علی حجر الرخی او باب او بساط غلیظ او مکعب اعلاه طاهر و باطنه نجس عند ابی یوسف لا یجوز نظرا الی اتحاد المحل فاستوی ظاهره و باطنه کالثوب الصفیق وعند محمد یجوز لانه سلی فی موضع طاهر کثوب طاهر تحت ثوب نجس بخلاف الثوب الصفیق لان الظاهر نفاذ الرطوبة الی الوجه الاخر او وظاهره ترجیح قول محمد وهو الاشبه ورجح فی الخانیة فی مسألة الثوب قول ابی یوسف بأنه اقرب الی الاحتیاط وتامه فی الحلیة و ذکر فی المنیة وشرحها اذا كانت النجاسة علی باطن اللبنة او الآجرة وصلی علی ظاهرها جاز وكذا الخشبة ان كانت غلیظة بحيث یمکن ان تنشر نصفین فیما بین الوجه الذی فیہ النجاسة والوجه الآخر والا فلا و ذکر فی الحلیة ان مسألة اللبنة والآجرة علی الاختلاف المار بینہما وانه فی الخانیة جزم بالجواز وهو اشارة الی اختیاره وهو حسن متجه وكذا مسألة الخشبة علی الاختلاف وان الاشبه الجواز علیہما مطلقاً ثم ایدہ باوجه فراجعہ (رد المحتار ج ۱) وفی الہندیة ولو خلع نعلیه وقام علیہما جاز سواء کان مایلئ الارض منہ نجسًا او طاهرًا اذا کان مایلئ القدم طاهرًا (عالمگیری ج ۱ ص ۳۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا :

سوال : ایک حجرہ وقف علی المسجد میں متولی نے اپنے باپ کو دفن کر دیا ہے۔ کیا یہ فعل شرعاً

جائز ہے ؟ اور ایسے متولی کے لئے کیا حکم ہے ؟

بیٹواتوجروا۔

الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوَابُ

یہ خیانت ہے اس لئے متولی واجب العزل ہے اور حاکم یا عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ اس قبر کو اکھاڑ کر میت کو نکال دیں یا قبر کو زمین کے برابر کر دیں کیونکہ ابقار قبر سے وقف مسجد کا تعطل اور اشغال باغیر لازم آتا ہے۔ قال فی التتویر ولا ینخرج منه الا ان تكون الارض مغسوبة او اخذت بشقعة وفي الشرح ینحیر المالك اخراجه ومساواته بالارض۔ وفي الحاشية لان حقه فی باطنها وظاهرها فان شاء ترك حقه فی باطنها وان شاء استوفاه (رد المحتار ص ۸۷ ج ۱) شامیہ کی عبارت واحترز بالمغسوبة عما اذا كانت وقفاً الخ سے شبہہ نہ کیا جائے، کیونکہ اس جگہ وقف سے مراد وقف علی المقابر ہے چنانچہ خود شامیہ ہی میں دوسری جگہ اس کی تصریح ہے۔ قال فی شرح التتویر حفر فدفن فیہ آخر میتاً فهو علی ثلاثة اوجه ان الارض للحافر فله نبشه وله تسويته وان مباحة فله قيمة حفرة وان وقفاً فذلك وفي الشامية هذا الوقف للدفن فلو علی مسجد للزرع والغلة فکالمملوكة تأمل (رد المحتار ص ۸۷ ج ۱) کتاب الغصب، فقط والله تعالى اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر ۱۲۸۵ھ

غیر کی زمین میں دفن کرنا :

سوال : اگر مردہ کو بلا اذن مالک ارض غیر میں دفن کر دیا تو کیا مالک اسے نکالنے پر مجبور کر سکتا ہے ؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

مردہ کے متولی سے کہا جائے کہ اپنی میت کو نکال لے اگر اس پر بھی نہ نکالے تو مالک ارض کو اختیار ہے کہ قبر اکھاڑ کر میت کو نکال دے یا قبر کو زمین کے برابر کر دے، قال فی شرح التتویر ینحیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض وفي الشامية لان حقه فی باطنها وظاهرها فان شاء ترك حقه فی باطنها وان شاء استوفاه (رد المحتار ص ۸۷ ج ۱)، فقط والله تعالى اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر ۱۲۸۵ھ

قبر پر سلام کہنے سے کیا فائدہ ؟ :

سوال : انسان کے فوت ہو جانے بعد روح جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتی ہے پھر قبرستان

میں سلام کا جواب کس سے ملتا ہے ؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

مردے کی روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے، اس لئے السلام علیکم کہا جاتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الروح لابن القيم وشرح الصدور للسیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ، علاوہ ازیں مردے کی طرف سے جواب ملتا

کتب صحاح سے ثابت نہیں، اگرچہ غیر صحاح کی روایات میں ہے جس کی اسناد میں کلام ہے، صحاح کی روایات میں صرف السلام علیکم کہنے کا حکم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مردہ اگرچہ نہ سنتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے مگر قبر پر یہ الفاظ محض زائر کے لئے عبرت ہونے کی وجہ سے مشروع ہیں، چنانچہ انتہی لئنا سلف و نحن لکم خلف و فی بعض الروایات قدیم اولادکم و آم ازواجکم و تملک اموالکم و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنت نہیتکم عن زیارة القبور الا فزودوها فانها تذکرة الآخرة یہ جمل اسی کے شعر ہیں کہ مقصد اعتبار للزائر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جسم بلا روح کو عذاب کیسے ہوگا ؟ :

سوال : قبر میں انسان کا صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے تو عذاب قبر کس چیز پر ہوتا ہے ؟ بیوقوف و جودا

الجواب ومنه الصدق والصواب

بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح و جسد دونوں پر ہوتا ہے، کیونکہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن قولہم ” رَبَّنَا اَمِّنَّا اِثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اِثْنَتَيْنِ “ فان اللہ تعالیٰ ذکر الموتۃ مرتین و ہما لا تتحققان الا ان یكونا فی القبر حیۃ و موت حتی تكون احدی الموتین ما یتحصل عقیب الحیۃ فی الدنیا و الاخری ما یتحصل عقیب الحیۃ الی فی القبر (عمدة القاری ص ۱۶۱) روایت میں نکیرین کے بارہ میں یقعدانہ کا لفظ و غیرہ من الروایات بھی اعادہ روح پر دال ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ جسم پر وقوع عذاب ہمیں معلوم نہیں ہوتا یا جسم کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اور انھیں مٹی کھا جاتی ہے، سو اس کے حل کے لئے مصوفیاء نے یہ قول کیلئے ہے کہ اعادہ روح جسم مادی میں نہیں بلکہ جسم مثالی میں ہوتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مگر اسے ہم معلوم نہیں کر سکتے جیسا کہ خواب میں کسی کو تکلیف ہو رہی ہو۔ بلکہ یقظان کو تخیل و تفکر کی وجہ سے سرور یا غم لاحق ہو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

جسم اگرچہ مٹی ہو جائے تب بھی احادیث سے ثابت ہے کہ ریڑھ کی ہڈی مٹی نہیں ہوتی، تو اسی کا اجزاء ہو سکتا ہے۔ بالفرض سارا جسم ہی مٹی ہو جائے تب بھی جسم کی ہیبت و صورت بدل گئی اس کا اصل مادہ تو باقی ہے۔ پس مٹی ہو جانے کے بعد بھی ان اجزاء میں ایسے طریق سے اعادہ روح کہ ہم اسے معلوم نہ کر سکیں قدرت باری تعالیٰ سے خارج نہیں۔ قال السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الصدور عذاب القبر هو عذاب البرزخ (الی قولہ) و محله الروح و البدن با تفاق اہل السنۃ، و فی فیض الباری قیل العذاب علی الروح

فقط وقیل علی الروح والجسد معاً و مال الی الاول الحافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ والا قرب عندی
هو الثاني وذهب الصوفیة الی انه علی الجسد المثالی الخ (فیض الباری جلد ۲ ص ۴۹۲) وایضاً فیہ بعد
بمحت بدیع ثم لا حاجة الی اثبات عذاب القبر الی ما قالہ الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی دون
المادی وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احداً یعذب فی قبره الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۶) وفي عمدة القاری
ان المصلوب لا بعد فی الاحیاء والمسألة منه مع عدم المشاهدة كما فی صاحب السکرفانہ حتی مع ان لا
نشاهد حیاته كما فی رؤية النبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام وهوبین اظهر اصحابہ
مع سترة عنہم ولا بعد فی رد الحیة الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسألة والعذاب و
ان لم یکن ذلك مشاهد لنا (عمدة القاری ج ۲ ص ۱۶۳) وكذا حقق جیل الحديث الحافظ ابن حجر
رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً فی الفتم فراجعہ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

۷/ صفر ۱۳۵۵ھ

حشر میں اولاد اور بیوی سے ملاقات ہوگی :

سوال : حشر میں اولاد اور بیوی سے ملاقات ہوگی یا نہیں ؟ اور اگر ملاقات ہوگی تو کس وقت تک
باقی رہے گی ؟ بیتواتوجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال الله تعالى اذ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا الخ وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم المرء
مع من احب اس قسم کی آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ آپس میں ملاقات ہوگی، بلکہ مکالمہ بھی ہوگا۔ بعدہ
اگر جانبین اہل جنت سے ہیں تو ملاقات دائمی ہوگی والا فلا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷/ صفر ۱۳۵۵ھ

تلاوت کے ایصالِ ثواب سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے :

سوال : قرآن پڑھ کر ثواب مردہ کو بخشا جائے تو عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا نہیں ؟ بیتواتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

قرآن پڑھ کر نختے سے عذاب میں کمی ہوتی ہے قال الخطابی فیہ دلیل علی استحباب تلاوة الكتاب
العزیز علی القبور لانه اذا كان یرجى عن الميت التخفيف بتسبیح الشجر فتلاوة القرآن العظیم اعظم رجاء
وبركة (عمدة القاری ج ۱ ص ۸۷۵) وایضاً عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرفعہ من دخل المقابر فقرأ
یسر خفف اللہ عنہم یومئذ ومن زاد قبر والدیہ او احدهما فقرأ عنده او عندهما یسر

عقلہ (عمدة القاری ج ۱ ص ۸۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ صفر ۱۲۵۵ھ

مردے کو صدقات کا ثواب ملتا ہے :

سوال : مردہ کو صدقات و خیرات کا ثواب بخشا تو اسے ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا،

الجواب وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوَابُ

ثواب پہنچتا ہے، کافی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمر وقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصدق احدکم صدقة تطوعاً فلیجعلها عن ابویہ فیکون لہما اجرہا ولا ینقص من اجرہ شیئاً وان شئت الاطلاع علی مزید الروایات الواردة فی هذا الباب فعلیک بعدة القاری ص ۸۷۵ و ص ۸۷۶ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ صفر ۱۲۵۵ھ

خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ :

سوال : خودکشی کرنے والے کو مسلمان سمجھا جائے گا یا کافر، اس کی نماز جنازہ جائز ہے یا

نہیں ؟ بیٹو! توجروا

الجواب بِاسْمِ مَلَهُمُ الصَّوَابُ

اگرچہ خودکشی بہت بڑا گناہ ہے مگر اس کا مرتکب کافر نہیں اس لئے اس پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے قال فی شرح التویر من قتل نفسه ولو عمداً یُغسل ویُصلی علیہ، بہ یُغتبی وان کان اعظم وزراً من قاتل غیرہ (رد المحتار ص ۸۱۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۳ ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ

خودکشی کرنے والے کو ایصالِ ثواب :

سوال : خودکشی کرنے والے کو ایصالِ ثواب و دعا و مغفرت جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا،

الجواب بِاسْمِ مَلَهُمُ الصَّوَابُ

خودکشی کرنے والا فاسق ہے کافر نہیں، لہذا اس کے لئے دعا و مغفرت و ایصالِ ثواب جائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳۳ ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ

بعد تکفین خروج نجاست مضر نہیں :

سوال : کیا فرماتے ہیں بزرگان دین کہ اگر میت کو کفن و غسل دینے کے بعد کوئی نجاست خارج ہو تو کیا اسے دوبارہ غسل دیا جائے گا یا یہی غسل کافی ہے صرف نجاست کو دھو دیا جائے؟ یتنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

غسل کا اعادہ نہیں البتہ تکفین سے قبل نجاست نکلی تو اس کو دھونا ضروری ہے اور تکفین کے بعد نکلی تو دھونا ضروری نہیں خواہ میت کے بدن پر ہوا یا کفن پر، بدون دھوئے نماز جنازہ صحیح ہے۔ یہ حکم خود میت سے نکلنے والی نجاست کا ہے، خارجی نجاست کا دھونا ضروری ہے بلا دھوئے نماز نہ ہوگی، قال فی الشاہیة دفی طعن الخزانة اذا تنجس الکفن بنجاسة الميت لا یضرد فعلاً للخرج بخلاف الکفن المتنجس ابتداءً وكذا لو تنجس بدنه بما خرج منه ان یکن غسل وبعده لا كما قد مناه فی الغسل فیقید ما فی القنیة بغير النجاسة الخارجة من الميت (رد المحتار ص ۱۱۲ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم۔

۶ ربیع الآخر ۱۲۸۶ھ

رمضان میں موت عذاب قبر سے امن :

سوال : ماہ رمضان میں مسلمان عاصی وفات پا جائے تو عذاب قبر قیامت تک اس سے معاف ہے یا صرف ماہ رمضان تک؟ یتنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کافر سے صرف رمضان تک عذاب قبر مرتفع ہوتا ہے اور مسلمان عاصی کو قیامت تک امن ہو جاتا ہے، غیر رمضان میں مرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے کہ کافر کو جمعہ کے دن اور رمضان میں عذاب نہیں ہوتا اور عاصی مؤمن پر جب روز جمعہ یا رمضان آتا ہے تو اس سے قیامت تک عذاب مرتفع ہو جاتا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اخر باب الجمعة قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال منکرو نکیر وضغطة القبر حق لكن ان کان کافراً فعذابه یدوم الی یوم القيمة ویرفع عنه یوم الجمعة وشهر رمضان فیعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم فیتألم الروح مع الجسد وان کان خارجاً عنه والمؤمن المطیع لا یعذب بل له ضغطة یجدها ذلک وخوفه والعاصی یعذب ویضغط لئن یقطع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتهائم لا یعود وان مات یومها اولیلتها یشد العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم ینقطع، کذا فی المعتقدات للشیخ ابی المعین النسفی الحنفی من حاشیة الحموی للخصا (رد المحتار ص ۱۱۲ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم۔

۱۹ شوال ۱۲۸۶ھ

جمعہ کی موت سے قیامت تک عذاب قبر معاف:

سوال: جمعہ کے دن مرنے والے کو صرف اسی دن عذاب نہیں ہوتا یا کہ قیامت تک معاف ہو؟
بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مومن کو قیامت تک معافی مل جاتی ہے البتہ کافر سے صرف جمعہ اور رمضان میں عذاب مرتفع ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ اشوال ۱۳۸۶ھ

جمعہ و رمضان میں کافر کو بھی عذاب قبر نہیں ہوتا:

سوال: مشہور ہے کہ ماہ رمضان المبارک و جمعہ میں کافر سے سوالات نکیرین اور عذاب قبر میں تخفیف ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جمعہ و رمضان میں کافر سے عذاب قبر مرتفع ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر شروع ہو جاتا ہے۔ کذا فی الشامیۃ فی آخر باب الجمعة۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ رمضان ۱۳۸۶ھ

رمضان میں موت کی فضیلت کا حوالہ:

سوال: شاہی باب الجنائز میں من لایسل فی قبورہم کی تفصیل ہے اس میں رمضان میں موت کا ذکر نہیں لہذا اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ میں باب الجمعة کے آخر میں رمضان میں مومن سے تا قیامت اور کافر سے اختتام رمضان تک ارتفاع عذاب منقول ہے جو رمضان میں موت کو بھی شامل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ رمضان ۱۳۸۶ھ

جمعہ کی موت سے عذاب قبر نہ ہونے پر اشکال کا جواب:

سوال: جو مسلمان جمعہ کے دن مرجائے اس کو عذاب قبر معاف ہے، اور حدیث ہے کہ قبر پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا اس کے لئے آئندہ منزلیں آسان ہوں گی، سوال یہ ہے کہ جم کو سود خور، شرابی، بدکار بھی ملتے ہیں، کیا ان کی بھی مغفرت ہو جائے گی؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے مندرجہ ذیل جواب ہو سکتے ہیں،

- ① دوسری نصوص کے پیش نظر اس حدیث میں اجتناب عن الکبائر کی قید ہے۔
- ② بعض عصاة بلا حساب بھی جنت میں جائیں گے، جن کے لئے یہ سعادت مقدر ہے جمعہ کے روز صرف انہی کی موت واقع ہوتی ہے،
- ③ جمعہ کے روز نہ موت سے صرف عذاب قہر معاف ہے، عذاب آخرت نہیں، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ برکت جمعہ کے سوا عمل کی بدولت عذاب قبر سے بچ گیا تو آئندہ منازل زیادہ سہل ہوں گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
- شب جمعہ میں دفن کی فضیلت :**
- سوال :** اگر کوئی شخص جمعرات کے دن فوت ہو مگر اس کو دفن جمعہ کی شب کو کیا اس کو عذاب قہر معاف ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ وعدہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں موت پر ہے، دفن پر نہیں، البتہ عذاب قبر چونکہ دفن کے بعد شروع ہوتا ہے اور مسلم میت پر شب جمعہ سے حشر تک عذاب مرتفع ہو جاتا ہے اس لئے ایسا شخص عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، قال ابن البزار رحمہ اللہ تعالیٰ السؤال فيما يستقر فيه الميت حتى لو اكله سبع فالسؤال في بطنه فان جعل في تابوت ايا ما لنقله الى مكان آخر لا يسأل ما لم يدفن (بازنہ علی ہامش الطلکیر ص ۱۱۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۸ شعبان ۱۴۰۹ھ

قبر پر کتبہ لگانا :

سوال : قبر پر کتبہ لگانا نام اور تاریخ وفات پتھر پر کندہ کرنا کہ میت کی قبر معلوم رہے اور بے نشان نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علامت کے طور پر نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے۔ حدیث میں قبر پر کتابت سے ممانعت وارد ہوئی ہے اور علامت کے لئے پتھر رکھنا ثابت ہے، اس لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث نہیں کو غیر ضرورت پر محمول فرمایا ہے اور بضرورت علامت کتابت کی اجازت دی ہے، معہذا احتیاط اس میں ہے کہ کتبہ قبر کے سر ہانے سے کچھ ہٹا کر لگایا جائے تاکہ ظاہر حدیث کی مخالفت نہ ہو، قرآن کی آیت، شعر اور میت کی مدح لکھنا بہر کیف ناجائز ہے۔ وتفصیل الکلام فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غائبہ نماز جنازہ :

سوال : غائبہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ غائبہ ادا کی تھی۔ زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟ بیٹو اتوجرو

الجواب باسم ملہم الصواب

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان احکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعاً وهم لا یظنون الا ان جنازتہ بین یدیه رواہ ابن حبان فی صحیحہ کذا فی نصب الرایۃ وفی فتح الباری بعد نقلہ ما نصتہ اخرجہ من طریق الادزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی قلابۃ عن ابی المہلب عنہ و لا ابی عوانہ (فی صحیحہ) من طریق ابان وغیرہ عن یحیی فصلینا خلفہ ونحن لا نری الا ان الجنائزۃ قد اُمنّا قال العلامة العثماني و یعارضہ ما اخرجہ الطبرانی واسلہ فی ابن ماجہ من حدیث مجمع بن جاریۃ فی قصۃ الصلوۃ علی النجاشی قال فصفنا خلفہ صفین وما نری شیئاً ذکرہ فی فتح الباری ص ۱۵۲ والتوفیق کما افادہ الشیخ بانہا کشف لبعض دون بعض (الی ان قال) فقد اخرج الطبرانی وابن الفریس فی فضائل القرآن وسمویہ فی فوائدہ وابن مندۃ و البیہقی فی الدلائل کلہم من طریق محبوب بن ہلال عن عطاء بن ابی ميمونۃ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نزل جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد مات معاویۃ بن معاویۃ المزنی ائتہ ان تصلی علیہ قال نعم فضرب بجناحیہ فلم یبق اکمۃ ولا شجرۃ الا تضعضعت فرفعت سریرہ حتی نظر الیہ فصلی علیہ وخلفہ صفان من الملائکۃ کل صف سبعون الف ملک فقال یا جبریل بم نال معاویۃ ہذہ المنزلۃ قال بحب قل هو اللہ احد وقرأتہ ایاہا جائباً وذاہباً وقائمًا وقاعدًا وعلى کل حال ، وعبوب قال ابو حاتم لیس بالمشہور و ذکرہ ابن حبان فی الثقات وفی روایۃ قال جبریل فہل لك ان تصلی علیہ فاقبض لك الارض قال نعم فصلی علیہ وفی روایۃ فوضع جبریل جناحہ الایمن علی الجبال فتواضعت حتی نظرنا الی المدینۃ ، ذکر الروایات کلہا الحافظ فی الاصابۃ ثم قال قد یحتمل بہ من یحیی الصلوۃ علی الغائب ویدفعہ ما ورد انہ رفعت الحجب حتی شہد جنازتہ اھ (ص ۱۱۶ ج ۲) قلت ولو كانت الصلوۃ علی المیت الغائب مشروعۃ لم یکن لسؤال جبریل ائتہ ان تصلی علیہ وضربہ بجناحیہ بعد قوله نعم معنی لا مکان الصلوۃ علیہ بغير ذلك ایضاً وكذا لم یکن لقوله فہل لك ان تصلی علیہ فاقبض لك الارض معنی لعدم الاحتیاج الی ذلك للصلوۃ علیہ فالحدیث ان ثبت كما زعمہ الحافظ فہو حجة لنا

لاعلینا، فافهم (اعلاء السنن ص ۸۴ ج ۸)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرت نجاشی اور معاویہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ اس طور پر پڑھی کہ دور سے بطور معجزہ ان کے جنازے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیئے گئے تھے اس لئے ان دو واقعات سے غائبانہ نماز جنازہ کی صحت پر استدلال باطل ہے۔

بالفرض یہ معجزہ حدیث سے ثابت نہ ہوتا تو بھی ان واقعات کو معجزہ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول کرنا ضروری ہے اس لئے کہ وَصَلِ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَوَتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کے مطابق آپ ہر صحابی پر نماز جنازہ پڑھنے پر حریص تھے، حتیٰ کہ اگر کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کے بغیر دفن دیا گیا تو آپ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور اس کی قبر پر تشریف لے جا کر نماز جنازہ پڑھی، معہذا آپ سے دور کسی مقرب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے مخصوصین حضرات پر آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، یہ واضح دلیل ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ صحیح نہیں اور حضرت نجاشی و معاویہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نماز جنازہ بطور معجزہ یا بنا بر خصوصیت کے ادا فرمائی گئی تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

ملبے میں دبنے والے کی نماز جنازہ :

سوال : کوئی شخص ملبے کے نیچے دب کر مر جائے اور بڑی کوشش کے بعد وہاں سے نہ نکالا جائے تو اس کی نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ ملبے کے قریب کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنے سے ادا ہو جائیگی۔ آیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ بیٹواتو جروا،

الجواب باسمہم الصواب

ایسے شخص پر صحت نماز جنازہ میں اختلاف ہے، عدم غسل کی وجہ سے قیاس عدم صحت کو مقفی ہے مگر استحساناً جواز کا قول کیا گیا ہے بشرطیکہ میت کے عدم تقسح کا ظن غالب ہو، حالت شک میں بالاتفاق اس پر نماز صحیح نہیں، قال فی الدر وان دفن واهیل علیہ التراب بغیر صلوٰۃ او بہا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ صلی علی قبرہ استحساناً ما لہ یغلب علی الظن تفسحہ من غیر تقدیر ہوا لا صبح و ظاہرہ انہ لو شک فی تفسحہ صلی علیہ لکن فی النہر عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا کأنہ تقدیر ما لمانع، وفی الشامیۃ (قولہ او بہا بلا غسل) ہذا روایۃ ابن سماعۃ والصحیح انہ لا یصلی علی قبرہ فی ہذہ الحالۃ لانہا بلا غسل غیر مشروعۃ کذا فی خایۃ البیان۔ لکن فی السراج وغیرہ قیل لا یصلی علی قبرہ وقال لکرخی

یصلیٰ وهو الاستحسان لان الاولیٰ لم یعتقد بها الترتیب الشرط مع الامکان والآن زال الامکان فسقطت فرضیۃ الفصل وهذا یقتضی ترجیح الاطلاق وهو الاولیٰ نهر،

(تنبیہ) ینبغی ان یکون فی حکم من دفن بلا صلوٰۃ من تردی فی تحویر او وقع علیہ بنیان ولم یمکن اخراجه بخلاف ما لو غرق فی بحر لعدم تحقق وجودہ امام المصلیٰ، تأمل (قوله کأنه تقدیم المانع) الخبر محدوثاً ای کأنه قال ذلك تقدیماً ای انه دار الامر بین التفسخ المقضی عدم الصلوٰۃ و بین عدمه الموجب لها، فاعتبرنا المانع وهو التفسخ ط اقول وفي الحلیۃ نص الاصحاب علی انه لا یصلیٰ علیہ مع الشک فی ذلك ذکرہ فی المفید والمزید وجوامع الفقہ وعامة الكتب وعلمہ فی المحيط بوقوع الشک فی الجواز اه وتماہ فیہا (رد المحتار ص ۸۲ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۳ شوال ۱۳۸۸ھ

ختمی نابالغ پر نماز جنازہ کی دعا :

سوال : ایک بچہ پیدا ہوا، اس کی شناخت نہیں ہو سکتی کہ لڑکا ہے یا لڑکی، اگر یہ اسی حالت میں مرجأ تو اس کی نماز جنازہ میں لڑکے والی دعا پڑھیں یا لڑکی والی ؟ بیتواتوجروا،

الجوابُ بِاسْمِہُمُ الصَّوَابُ

اختیار ہے چاہیں لڑکے والی دعا پڑھیں یا لڑکی والی، التذکیر بتأویل المیت والتأنیث بتأویل النفس، فقط والله تعالیٰ اعلم۔

مسلم و کافر مخلوط اموات پر نماز جنازہ :

سوال : اگر دو شخص ایک ہی جگہ جل جائیں، ان میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان، ان کی شناخت نہیں ہو سکتی کہ مسلمان کون ہے اور کافر کون، تو مسلمان کی نماز جنازہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ بیتواتوجروا،

الجوابُ بِاسْمِہُمُ الصَّوَابُ

دونوں میتوں کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھیں اور نیت یہ کریں کہ ان میں سے مسلمان پر پڑھ رہے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ، فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۱۰ محرم ۱۳۸۷ھ

قبر بیٹھ جائے تو کھود کر درست کرنا جائز نہیں :

سوال : اگر پرانی قبر بیٹھ جائے اور مٹی ڈالنے سے قبل جن پتھر اور اینٹوں سے قبر کو ڈھکا جاتا

ہے وہ نیچے گر جائیں تو کیا ان اینٹوں کو قبر میں سے نکال کر دوبارہ درست کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کر سکتے ہیں؟ بَيِّنُوا تَوَجُّرًا

الجواب باسم ملہم الصواب

قبر کے اوپر مٹی ڈال کر درست کر دیجئے، قبر اکھاڑ کر اندر سے پتھر وغیرہ درست کرنا یا میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کرنا جائز نہیں، قال فی العلائیۃ ولا ینخرج منه بعد اہالة التراب الا لحق آدمی، وفي الشامیۃ احتراز عن حق الله تعالى كما اذا دفن بلا غسل او صلوة او وضع علی غیر یمینہ او الی غیر القبلة فانه لا ینبش علیہ بعد اہالة التراب كما مر (رد المحتار ص ۸۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

بوقت دفن قبر گرجانے کا حکم :

سوال : میت کو قبر میں رکھ کر اوپر پتھر لگا کر مٹی ڈال رہے تھے کہ پتھر نیچے گر گئے، اب ان کو نکال کر دوبارہ درست کرنا یا میت کو دوسری قبر میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بَيِّنُوا تَوَجُّرًا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مٹی سے پتھر چھپ گئے تھے تو اکھاڑنا جائز نہیں ویسے ہی مٹی ڈال دی جائے، البتہ پتھر چھپنے سے قبل پتھر اکھاڑ کر درست کرنا جائز ہے اور یہ قبر مرمت کے قابل نہ رہے تو بضرورت دوسری قبر بنانا جائز ہے، لان کون الحجر منفصل عن جسد المیت سنة والنیش حرام فلا یرتکب لاجلہا، قال فی العلائیۃ ولا ینبش لیوجہ الیہا، وفي الشامیۃ ای لو دفن مستدبراً لہا و اہالوا التراب لا ینبش لا ق التوجہ الی القبلة سنة والنیش حرام بخلاف ما اذا کان بعد اقامة اللین قبل اہالة التراب فانه یزال ویوجہ الی القبلة عن یمینہ، حلیۃ عن التحفۃ (رد المحتار ص ۸۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۴ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

اہل میت کو کھانا پہنچانا :

سوال : اہل میت کو تین دن تک کھانا پہنچانا مستحب ہے اگر ایک دو دن تک پہنچا کر ختم کرے تو قباحت تو نہیں؟ بَيِّنُوا تَوَجُّرًا

الجواب باسم ملہم الصواب

میت کے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب کے لئے اہل میت کو صرف ایک روز کا کھانا پہنچانا جو دن

اور رات کے لئے کافی ہو جائے مستحب ہے۔ قال ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی السمع ویسحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم یسبعهم یومهم ولیلتهم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لاکل جعفر طعافا فقد جاءهم ما یسغلهم یحسنہ الترمذی وصححه المحاکم ولانه برؤ معرفت وبلغ علیہم فی الاکل لان الحزن یمنعہم من ذلك فینعفون اه (رد المحتار ص ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶۔ ذی الحجۃ ستہ

سوال مثل بالا

سوال : ہمارے ملک میں ایک رسم مدتِ مدید سے چلی آرہی ہے وہ یہ کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو کئی دنوں تک بلکہ کبھی کبھی چار پانچ ہینوں تک اہل میت کے لئے دوست یا رشتہ دار مثلاً سسرال وغیرہ کھانا تیار کرتے ہیں، کیا اس طرح کھانا تیار کرنے کا ثبوت کتبِ حدیث یا کتبِ فقہ میں ملتا ہے یا نہیں۔ کتبِ فقہ سے اس کی کراہت معلوم ہوتی ہے، قاضی خان میں ہے ولا بأس بان یکون حمل الطعام الی اهل المصيبة وهو فی اليوم الاول غیر مکروہ لشغلهم بجهاز المیت و فی اليوم الثاني مکروہ اذا اجتمعت النیاحۃ لانه احانة لهم علی الاتم والعدوان (قامی خان کتاب الحظر والاباحۃ ص ۴۵) اور عزیز الفتاویٰ ص ۴۲ پر بھی لکھا ہے کہ ایک دو وقت میت کے لئے کھانا دیگر اقرباء نہ بھیجیں۔ اور عالمگیریہ میں لکھا ہے حمل الطعام الی صاحب المصيبة والاکل معهم فی اليوم الاول جائز لشغلهم بالجهاز وبعده یکرہ کذا فی التتارخانیۃ (عالمگیریۃ ص ۴۴ کتاب الکراہیۃ) ترمذی میں بھی جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں بھی پہلے ہی دن کے لئے اہل مصیبت کے لئے کھانا تیار کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے فتح القدر میں بھی اسی کے قریب قریب الفاظ ہیں ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم یسبعهم یومهم ولیلتهم (فتح القدر ص ۳۴۳) ان لوگوں کا اس طرح کھانا تیار کرنے سے مقصد فقط اہل میت کی تسلی ہے۔ اس کھانے میں شرعی ممنوعات نہیں ہوتے ہیں۔

بیتوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک دن سے زیادہ کھانا بھیجنا مکروہ ہے، اس رسم میں غیر معمولی حرج اور تکلیفیں غلو کے علاوہ یہ قبحیت بھی ہے کہ عوام اس کو حکم شرع سمجھتے ہوں گے یا سمجھنے لگیں گے جو ثروت پر زیادتی اور بدعت ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رمضان ۱۴۰۹ھ

مردہ پیدا ہونے والا بچہ بھی سفارش کرے گا :

سوال : جو بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہو جائے آیا قیامت کے دن وہ اپنے والدین کیلئے سفارش کرتا ہے یا نہیں، یا سفارش صرف اس بچہ کے لئے مخصوص ہے جو زندہ پیدا ہو کر مر جائے یا بتواتر جودا،
الجواب باسم ملہم الصواب

مردہ پیدا ہونے والا بچہ بھی والدین کی سفارش کرے گا، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان السقط لیراغمر بہ اذا دخل ابویہ النار فیقال ایہا السقط المراغمر بہ ادخل ابویک الجنة فیجرہما بسورہ حتی یدخلہما الجنة، وفی حدیث اخر والذی نفسی بیدہ ان السقط لیجرامہ بسورہ الی الجنة اذا احتسبتہ (ابن ماجہ ص ۱۱۵)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب ۱۳۸۸ھ

نابالغ کو ایصالِ ثواب :

سوال : نابالغ کو ثواب پہنچانے میں نابالغ کے درجات بلند ہوں گے یا نہیں؟ جبکہ نابالغ غیر مکلف ہے، بتواتر جودا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کو اپنی حسنات کا ثواب ملتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کو غیر بھی اپنی حسنات کا ایصالِ ثواب کر سکتا ہے۔ نیز اس پر نماز جنازہ کی دعاء بھی اس کے لئے مفید ہے اس سے بھی ایصالِ ثواب کا افادہ ثابت ہوا۔ قال العلانی فی دعاء جنازة الصبی وهو دعاء له ایضاً بتقدمہ فی الخیر لا سیما وقد قالوا حسنات الصبی لہ لا لبویہ بن لہما ثواب التعلیم (رد المحتار ص ۱۱۹ ج ۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۶ رجب ۱۳۸۸ھ

قبرستان سے الگ دفن کرنا مکروہ ہے :

سوال : عام مسلمانوں کے مدفن سے علیحدہ کسی کو دفن کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، ایک صاحب عدم جواز کے قائل ہیں، کیا وہ ٹھیک کہتے ہیں؟ بتواتر جودا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے، اس کے خلاف کسی خاص مقام میں دفن کرنا مکروہ ہے، عالم اور بزرگ کو کسی مدرسہ یا مسجد یا اور کسی خاص مقام میں دفن کرنے کی وبا عام ہو گئی ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر خصوصیت سے نکیر فرمائی ہے ایسے مقتدا حضرات پر یہ دھیت کرنا

واجب ہے کہ ان کو مرنے کے بعد عام قبرستان میں دفن کیا جائے، قال فی شرح التنویر ولا یبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیراً لاختصاص هذه السنة بالانبياء، وفي الشامية (قوله فی الدار) کذا فی الحلیة عن منیة المفتی وغیرها وهو اعم من قول لفتح ولا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذلك خاص بالانبياء بل ینقل الی مقابر المسلمین اه ومقتضاه انه لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعل من یدفن مدرسة ونحوها ویبغی له بقبرها مدفنًا، تأمل (رد المحتار ص ۸۳۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۳ شوال سنہ ۱۴۱۸ھ

مردہ پیدا ہونے والے بچے کے غسل وغیرہ کا حکم :

سوال : اگر بچہ پیدائش سے پہلے ہی مر گیا یا اسقاط ہو گیا تو عام طور پر اسے کہیں کھڑا کھود کر گاڑ دیتے ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا کہ اس کو غسل اور کفن دے کر قبرستان میں دفن کرنا چاہیے، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسقاط کی صورت میں اگر کوئی عضو بن گیا ہو مگر پورا جسم نہ بنا ہو تو اس پر پانی بہا کر کپڑے میں پیٹ کر کہیں بھی دفن کر کے زمین ہموار کر دی جائے، غسل اور کفن و دفن میں طریق مسنون کی رعایت نہیں کی جائے گی اور پورا جسم بن چکا ہو تو غسل اور کفن و دفن بطریق مسنون میں اختلاف ہے، بطریق مسنون کا قول احوط اور دوسرا ایسر ہے۔ نام رکھنا دونوں صورتوں میں مختلف فیہ ہے، رکھنا احوط ہے۔ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے البتہ پیدا ہونے کے بعد مرا تو نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور سنت کے مطابق قبرستان میں دفن کیا جائے گا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۱۰ محرم سنہ ۱۴۱۸ھ

عالم میت کے سر پر عمامہ باندھنا مکروہ ہے :

سوال : میت کے سر پر عمامہ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ متأخرین فقہاء نے میت عالم کے عمامہ باندھنا بھی بہتر لکھا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

میت خواہ عالم ہو یا عامی بہر حال عمامہ باندھنا مکروہ و بدعت ہے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی والاھم انه تکرہ العانة بکل حال کما فی الزاھدی اه (رد المحتار ص ۸۰۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۱۰ محرم سنہ ۱۴۱۸ھ

نماز جنازہ میں طہارت مکان میت شرط نہیں :

سوال : جنازہ کے لئے جگہ پاک ہونا شرط ہے یا نہیں اور میت کو ناپاک جگہ رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بیتواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

راجح یہ ہے کہ میت کا مکان پاک ہونا شرط نہیں، میت ناپاک جگہ پر ہو تو بھی نماز جنازہ صحیح ہے
قال فی الدرر فی القنیۃ الطہارۃ من النجاسة فی ثوب و بدن و مکان و ستر العورۃ شرط فی حق المیت و الامام جمیعاً و فی الثامیۃ (قوله و فی القنیۃ الخ) مثله فی المفتاح و المجتبی مغزياً الی التجرید اسماعیل لکن فی التتارخانیۃ مسئل قاضی خان عن طہارۃ مکان المیت هل تشترط لجواز الصلوۃ علیہ قال ان كانت المیت علی الجنازۃ لاشک انہ یجوز و الا فلا روایۃ لہذا و ینبغی الجواز و ہکذا اجاب القاضی بدر الدین اھ (رد المحتار ص ۸۳ ج ۱) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ صفر ۸۹ھ

نماز جنازہ کے ولی کی تفصیل :

نماز جنازہ ادا کرنے میں سب سے زیادہ حق دار کون ہیں ؟ بیتواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سب سے پہلے سلطان پھر اس کا نائب پھر قاضی پھر امام جامع مسجد پھر امام محلہ بشرطیکہ امام دلی سے افضل ہو، ولایۃ کی تقدیم واجب ہے اور امام کی مندوب پھر دلی بترتیب ولایت نکاح مگر اس میں باپ بیٹے سے مقدم ہے، پھر شوھر پھر پڑوسی، کذا فی العلائق، فقط و اللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ صفر ۸۹ھ

امام محلہ نے نماز جنازہ پڑھا دی تو ولی کو لوٹانے کا حق نہیں :

سوال : اگر امام محلہ نے نماز جنازہ بغیر اذن ولی کے پڑھا دی تو ولی دوبارہ لوٹا سکتا ہے

یا نہیں ؟ بیتواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام دلی سے افضل ہے تو اس کو حق تقدیم ہے، اس صورت میں ولی دوبارہ نماز نہیں پڑھ سکتا
قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ و ان صلی من له حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحق او من لیس له حق التقدم و تابعہ الولی لا یعید لانہم اولی بالصلوۃ منہ (رد المحتار ص ۸۲ ج ۱) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ صفر ۸۹ھ

متعدداً موت پر دفعۃً نماز جنازہ :

سوال : جبکہ ایک ساتھ بہت جنازے جمع ہو جائیں تو کس طریقہ سے نماز جنازہ ادا کی جائے گی ؟

بیّنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

افضل یہ ہے کہ ہر ایک پر الگ نماز پڑھی جائے، سب پر ایک ساتھ بھی جائز ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک میت امام کے سامنے رکھی جائے، اس کے پاؤں کی طرف دوسری کا سر اور اس کے پاؤں کی طرف تیسری کا سر، دوسری صورت یہ کہ جو میت امام کے سامنے ہے اس کے قبلہ کی طرف دوسری اور اس سے قبلہ کی طرف تیسری، سب کا سینہ امام کے سامنے ہو، تیسری صورت یہ کہ پہلی میت کے قبلہ کی طرف دوسری میت اس طرح رکھی جائے کہ پہلی کے کندھوں کے برابر دوسری کا سر ہو، اسی طرح دوسری کے کندھوں کے برابر تیسری کا سر ہو، تینوں صورتوں میں امام کے قریب مرد کی میت ہو، پھر لڑکا پھر عورت، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ صفر ۱۳۹۰ھ

میت کو مقام موت سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا :

سوال : میت کو جائے موت سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں کیا تحقیق ہے ؟

بیّنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

میت کو دوسرے شہر کی طرف نقل کرنا مکروہ تحریمی ہے، قال فی الشامیۃ (قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه) قیل مطلقاً وقیل الی ما دون مدة السفر وقیدہ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بقدر میل او میلین لان مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فیکره فیما زاد قال فی النہر عن عقد الفرائد وهو الظاهر اه (رد المحتار ص ۸۴ ج ۱) وقال فی المراقی وکره نقله لا کثر منہ ای اکثر من المیلین کذا فی الظہیریۃ وقال شمس الائمۃ السرخسی وقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الکتاب لا بأس ان یتقل المیت قدر میل او میلین بیان ان النقل من بلد الی بلد مکروہ قالہ قاضی خان، وقال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ مکروہ ای تحریم (لطحاوی ص ۳۳) وفی منحة الخالق وقد جرم فی التاجیۃ بالکراہۃ وفی التجنیس وذكر انہ اذا مات فی بلدۃ بکرم نقله الی اخری لانه اشتغال بمالا یعید وفیہ تأخیر دفنه وکفی بذلك کراہۃ (البحر الرائق ص ۱۹۵ ج ۲) نقل میت میں تاخیر دفن وخطرہ

فساد میت کے علاوہ کچل مزید مندرجہ ذیل مفاسد پیدا ہو گئے ہیں :

- ① اس کا التزام ہونے لگا ہے ② مصارف کثیرہ و مشقت شدیدہ کا تحمل ③ آبائی قبرستان میں دفن کرنے کے التزام اور اس پر اصرار سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مقام میں دفن ہونے والے اموات کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے، حالانکہ یہ عقیدہ غلط ہے ④ جنازے کو نقل کرنا عموماً نماز جنازہ کے تکرار کا سبب بنتا ہے جو ناجائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

سوال مثل بالا :

سوال : بہشتی زیور میں میت کو دوسرے شہر کی طرف لے جانے کو ناجائز لکھا ہے، عام مشہور بھی اسی طرح ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ ان کی تحقیق کے مطابق مقام موت میں دفن کرنا صرف مستحب ہے اور دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں۔ امید ہے کہ اس بارے میں مدلل جواب عنایت فرمائیں گے، بتواتر جواب دہ،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال ابن نجيم رحمه الله تعالى ولم يتكلم المصنف على نقل الميت من مكان الى اخر قبل دفنه قال في الواقعات والتجنيس القيل والميت يستحب لهما ان يدفنا في المكان الذي قتل او مات فيه في مقابر اولئك القوم لما روى من عائشة رضي الله تعالى عنها انها زارت قبر اخيها عبد الرحمن بن ابي بكر رضي الله تعالى عنهما وكان مات بالشام وحمل من هناك فقالت لو كان الامر فيك بيدي ما نقلتك ولد فنتك حيث مت لكن مع هذا اذا نقل ميلاً او ميلين او نحو ذلك فلا بأس وان نقل من بلد الى بلد فلا اثم فيه لانه روى ان يعقوب صلوات الله عليه مات بمصر فحمل الى ارض الشام من مصر ليكون عظام ابيه وسعد بن ابي وقاص رضي الله تعالى عنهما في ضيعة على اربعة فراسخ من المدينة فحمل على اعناق الرجال الى المدينة اه وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى في حاشيته على البحر (قوله لانه روى ان يعقوب صلوات الله تعالى عليه الخ) لا يخفى ان هذا شرع من قبلنا ولم تتوفر فيه شروط كونه شرعاً لانه في شرح العلامة المقدسي ومثله في شرح الشيخ اسمعيل عن الفتح واوضحه بان من شرط كونه شريعة لنا ان يقصده الله تعالى اورسوله صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يوجد ذلك مع ان ما نقل من نقل سعد رضي الله تعالى عنه وان لم يرد من انكره لكن ورد ما عن عائشة رضي الله تعالى عنها حين نقل اخوها الا ان يقال ذلك من بلد الى بلد ونقل سعد دون

ه وفي رواية الترمذي بالحديث، وهو موضع قريب من مكة - رشيد احمد

لكن ما استدل له به هو من بلد الى بلد فليأتمل، قال وقد جزم في التاجية بالكراهة وفي التجنيس وذكراته اذامات في بلدة يكره نقله الى اخرى لانه اشتغال بملا يفيد وفيه تأخير دفنه وكفى بذلك كراهة (البحر الرائق ج ۹ ص ۲) وقال في حاشية الدرر (قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقاً وقيل الى ما دون مدة السفر وقيدة محمد رحمه الله تعالى بقدر ميل او ميلين لان مقابر البلد بما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد، قال في النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر اهـ واما نقله قبل دفنه فلا مطلقاً قال في الفتح والتفتت كلمة المشايخ في امرأة دفن ابنها وهي غائبة في غير بلد ها فلم تصبر وارادت نقله على انه لا يسعها ذلك فتجوز شواذ بعض المتأخرين لا يلتفت اليه واما نقل يعقوب ويوسف عليهما السلام من مصر الى الشام ليكونا مع آبائهما الكرام فهو شرع من قبلنا ولم يتوفر فيه شروط كونه شريعاً لنا اهـ ملخصاً وتامه فيه (رد المحتار ج ۱ ص ۱) وقال العلامة الشرنبلالي رحمه الله تعالى وكذا نقله لاكثر منه اي اكثر من الميئين كذا في الظهيرية وقال شمس الكاظمة السرخسي رحمه الله تعالى وقول محمد رحمه الله تعالى في الكتاب لا بأس ان ينقل الميت قدر ميل او ميلين بيان ان النقل من بلد الى بلد مكروه قاله قاضي خان وقد قال قبله لومات في غير بلده يستحب تركه فان نقل الى مصر اخر لا بأس به لما روى ان يعقوب صلوات الله عليه مات بمصر ونقل الى الشام وسعد بن ابي وقاص رضي الله تعالى عنه مات في صبيحة على اربعة فراسخ من المدينة ونقل على اعناق الرجال الى المدينة، قلت يمكن الجمع بان الزيادة مكروهة في تغير الراحة او خشيتهما وتنتفي بانتفائهما لمن هو مثل يعقوب عليهما السلام وسعد رضي الله تعالى عنهما لانهما من احياء الدارين، وقال الطحطاوي رحمه الله تعالى (قلت الخ) اصله للكمال فانه قال في ردة كلام صاحب الهداية في التجنيس انه لا اشتر في النقل من بلد الى بلد لما نقل ان يعقوب الخ ما نصه ان ذلك شرع من قبلنا ولم تتوفر فيه شروط كونه من شرعنا ولان اجساد الانبياء عليهم السلام اطيب ما يكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضي الله تعالى عنه ليسوا كغيرهم ممن جيفتهم اشد نتناً من جيفة البهائم فلا يلحق بهم اهـ (طحطاوي على مراقي الفلاح ص ۲۳)

تحقیق بالاسے ثابت ہوا کہ نقل میت کا عدم جواز امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے اور یہی ظاہر المذہب ہے۔ فقہاء حنفیہ امام ابن ہمام، شرنبلالی، طحطاوی، حلبی، شامی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں، اس کے بعد کسی حنفی کے لئے قول جواز اور اس پر مختلف واقعات سے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں بالخصوص امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدم جواز کے بعد مقلد کے لئے کسی دلیل کی طرف التفات جائز نہیں، کیونکہ یہ وظیفہ مجتہد ہے اس لئے ان واقعات کے جواب کی ضرورت نہیں جن سے جواز کا شبہ ہوتا ہے بمعہذا تحقیق

بالا میں ان واقعات کے جوابات بھی مذکور ہیں، نقل میت کے باب میں کل چار حضرات کے واقعات منقول ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان چاروں واقعات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں،

حضرت یعقوب و حضرت یوسف علیہما السلام :

① ان واقعات کی صحت ہی میں کلام ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

② شرع من قبلنا جب تک قرآن یا حدیث میں منقول نہ ہو محبت نہیں۔ قرآن یا حدیث میں منقول ہونے کے باوجود اس کی حجت کے لئے یہ شرط ہے کہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف حکم نہ ہو اور مسئلہ زیر بحث میں دفن میں تعجیل کا حکم اس قدر مؤکد ہے کہ اوقات مکروہہ میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جمع عظیم کے انتظار کے لئے نماز میں تاخیر کی اجازت نہیں دی گئی، اسراع جنازہ کا حکم احادیث صحیحہ میں وارد ہے، ③ یہ واقعات نقل بعد دفن سے متعلق ہیں جو باتفاق مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

اس میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نقل نہیں پایا گیا، آپ کا انتقال مدینہ منورہ سے باہر بارہ میل کے فاصلہ پر زرعی زمین میں ہوا، قوی احتمال بلکہ ظن غالب ہے کہ وہاں کوئی قبرستان نہیں ہوگا اس لئے مدفن مدینہ میں لائے گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ہیں، اس نقل مکانی پر آپ کا انکار فرمانا اس کے عدم جواز پر قوی دلیل ہے۔

بعض نے چاروں واقعات کا مشترک جواب یوں دیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جنازہ میں فساد میت کا اندیشہ نہیں تھا، اس لئے جب فساد میت کا خطرہ نہ ہو نقل مکانی جائز ہے، اس کو صورت تطبیق قرار دیا ہے مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ احادیث اسراع، قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ و افتاء مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اطلاق کے خلاف ہے اور انکار عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو صراحتہً اس تطبیق کا ابطال کر رہا ہے، وقت مکروہہ میں بھی ادارہ جنازہ کا حکم ہے حالانکہ چار پانچ منٹ تاخیر میں فساد میت کا کوئی احتمال نہیں۔ علاوہ ازیں نقل میت کا فی نفسہ کوئی جواز ہوتا تو بھی اس زمانہ میں اس کا جس قدر اہتمام ہونے لگا ہے اور اس میں جو مفسد پیدا ہو گئے ہیں ان کے پیش نظر اس کا کوئی جواز نہیں، ان مفسد کی تفصیل جواب سابق کے آخر میں ہے

نابالغ کو غسل موت میں وضو کرانا چاہیے :

سوال : آیا نابالغ بچہ کے مرنے کے بعد اس کو غسل میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کو بھی وضو کرانا چاہیے، قال فی الشامیۃ (قوله ویوضأ من یومر بالصلوۃ) خرج الصبی الذی لم یعقل لاند لم یکن بحیث یصلی قالہ الحلوانی وھذا التوجیہ لیس بقوی اذ یقال ان ھذا الوضوء ستۃ الغسل المفروض للمیت لا تعلق لکون المیت بحیث یصلی اولاً کما فی المجنون، شرح المیت، ومقتضاه انہ لا کلام فی ان المجنون یوضأ وان الصبی الذی لا یعقل الصلوۃ یوضأ ایضاً علی خلاف ما یقتضیہ توجیہ الحلوانی من انہما لا یوضآن (رد المحتار ص ۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ ربیع الآخر ۱۲۸۹ھ

زیارت قبور کا مسنون طریقہ :

سوال : قبرستان میں کس روز جانا افضل ہے اور قبرستان میں جا کر مردے کے لئے دعاء

معفرت اور ایصالِ ثواب کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہفتہ میں ایک روز قبرستان جانا چاہیے، جنیس، جمعہ، ہفتہ اور پیر کا دن افضل ہے۔ قبرستان میں داخل ہو کر یوں سلام کہے السّلام علیکم دار قوم مؤمنین واثان شاء اللہ بکم الاحقون وسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ، پھر میت کے پاؤں کی طرف سے چہرے کے سامنے آکر کھڑا ہو کر دیر تک دعا کرے، اگر بیٹھنا چاہے تو زندگی میں میت کے ساتھ تعلق کے مطابق قریب یا دور بیٹھے، جس قدر میسر ہو تلاوت کرے بالخصوص سورۃ بقرہ کا اول مفلحون تک، آیۃ الكرسي، آمن الرسول، سورۃ یسین، سورۃ ملک، نکاثراور سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۹ ربیع الآخر ۱۲۸۹ھ

نابالغ کو بوقت نزع یس سنانا :

سوال : نابالغ بچے کو سورۃ یس نزع کے وقت سنانا کیسا ہے باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟

بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

میت خواہ بالغ ہو یا نابالغ بہر صورت بوقت نزع یس سنانا مستحب ہے، قال فی الشامیۃ

(قوله ويندب قراءة يس) لقوله صلى الله عليه وسلم اقرءوا على موتاكم يس، صححه ابن حبان وقال المراد به من حضره الموت (رد المحتار ص ۴۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۲ ربیع الآخر ۱۲۸۹ھ

نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں :

سوال : تعدد نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ سے جواز پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں، البتہ بدون اذن ولی پڑھی گئی ہو تو ولی کو اعادہ کا حق ہے، اس صورت میں بھی جو لوگ پہلے پڑھ چکے ہوں ان کو ولی کے ساتھ دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، قال فی العلائیۃ لیس لمن صلی علیہا ان یعيد مع الولی لان تکرارہا غیر مشروع (رد المحتار ص ۸۲ ج ۱) وقال العلامة العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا انتہی الی جنازۃ قد صلی علیہ دعا وانصرف ولم یعد الصلوۃ، قال ابو عمر فی التمهید هذا هو الصحیح المعروف من مذهب ابن عمر من غیر ما وجہ عن نافع وقد یحتمل ان یکون معنی روایت من روی انه صلی علیہ انه دعا له لان الصلوۃ دعاء وقال مالک وابو حنیفۃ واصحابہما لا تقاد الصلوۃ علی الجنازۃ ولا یصلی علی القبر وهو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن حی واللیث (اعلاء السنن ص ۲۱۸ ج ۸) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تکرار نماز حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت تھی یا ہر بار دوسرے شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ رکھنے سے آپ پر نماز مقصود نہ تھی بلکہ موضع صلوۃ وجوار صالحین کی بکرت کے لئے ہر بار ساتھ رکھے جاتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الآخر ۱۲۸۹ھ

میت گھر میں ہوتے ہوئے کھانا جائز ہے :

سوال :- سنا ہے کہ ہمسایہ کے مکان میں جب تک میت رکھی رہے اُس وقت تک کھانا کھانا درست نہیں خواہ کتنی ہی بھوک لگے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ خود اہل میت کے لئے بھی کھانے سے پرہیز کا شرعاً کوئی حکم نہیں، صدمہ اور غم کی وجہ سے کھانا نہ کھا سکیں تو اور بات ہے، آجکل یہ رسم بن گئی ہے، اور اس کا ایسا اہتمام

ہونے لگا ہے کہ میت گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا گناہ سمجھتے ہیں، اس لئے اس رسم کا ترک واجب ہے؛
بتکلف کچھ نہ کچھ کھانا چاہئے، عزیز واقارب اور پڑوسیوں پر لازم ہے کہ اہل میت کو ترغیب و امرا سے کھانا
کھلائیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳ صفر ۸۷ھ

قبر میں کوئی سامان رہ جائے تو کھو کر نکالنا جائز ہے؛

سوال :- اگر کسی شخص کی قبر میں دفن کرتے وقت کچھ رقم یا سامان رہ جائے تو قبر کو دوبارہ
کھود کر رقم وغیرہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولو بقی فیہ متاع لا انسان فلا بأس
بالنیش ظہیریۃ (رد المحتار، ص ۱۳۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر ۸۶ھ

صالح میت کے جنازہ کے ساتھ جانا نوافل سے افضل ہے؛

سوال :- کیا صرٹ پر ہیز گار آدمی کے جنازہ کے ساتھ جانا نفل نماز سے افضل ہے یا کہ ہر مسلمان
کے جنازہ کا یہی حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

میت کا پڑوسی ہو یا اس سے قرابت ہو یا میت صالح ہو تو اس کے جنازہ کے ساتھ قبرستان
تک جانا نوافل سے افضل ہے، قال فی العلائقۃ الاتباع افضل من النوافل ولقرابة
اوجوار اوفیہ صلاح معروف (رد المحتار، ص ۱۳۸۲۰) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال ۸۸ھ

دفن سے قبل لوٹنے کے لئے ولی میت سے اجازت لینا؛

سوال :- کیا نماز جنازہ کے بعد کوئی لوٹنا چاہے تو میت کے رشتہ داروں سے اجازت کی
ضرورت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مستحب ہے، قال قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ ولا يرجع عن الجنائزۃ قبل
الدفن بغیر اذن اہلہا، (رخانیۃ ص ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال ۸۸ھ

میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے کی میت کو دیکھنا یا نہ ملانا:

سوال :- اگر شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک فرد کا انتقال ہو جائے تو دوسرا فرد اسے دیکھ سکتا ہے یا چھو سکتا ہے، یا اس کا جنازہ اٹھا سکتا ہے یا قبر میں اتار سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی سب کچھ کر سکتی ہے، مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہ ملتا ہے، اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے قال فی التتویر ویمنع زوجہا من غسلہا ومسہا لا من النظر الیہا علی الاصح وہی لا تمنع من ذلك (رد المحتار ص ۸۰۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۹۳ھ

کفار کی نابالغ اولاد کا حکم:

سوال :- کافروں کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اور ان سے قبر میں سوال ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ان دونوں امور میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں توقف فرمایا ہے، اور یہی اسلم ہے، کذا فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۹ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا:

سوال :- میت کو ثواب پہنچانے کے لئے قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، کما ورد فی حدیث مسلم، البتہ بزرگوں کے مزار پر ہاتھ نہ اٹھائے، تاکہ اہل قبر سے مانگنے کا ایہام نہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۸/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

نماز جنازہ میں قبر سامنے ہونا مکروہ نہیں:

سوال :- نماز جنازہ کسی مزار کے برابر یا آگے پیچھے رکھ کر ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے، فقہ میں بھی یہ حکم مذکور ہے کہ کوئی بدوں نماز دفن کر دیا گیا ہو تو میت کے پھٹنے سے پہلے اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے،

دوسری نمازوں میں قبر کا سامنے یا دائیں بائیں ہونا اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں غیر اللہ یعنی میت کی عبارت کا احتمال ہے، فیکرہ التوجہ والتیامن والتیاسر کا لصورۃ، نماز جنازہ میں جب خود میت ہی سامنے رکھی جاتی ہے تو قبر کا سامنے ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۳ ربيع الاول ۱۳۹۰ھ

نماز جنازہ میں رکنیت و دعا کی تفصیل:

سوال :- جو شخص نماز جنازہ کی دعا نہ جانتا ہو اور صرف نیت کر کے یونہی امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا، کیا اس کی نماز جنازہ ہو گئی، اور میت کو ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب
نماز ہو گئی، اور میت کو ثواب ملے گا، نماز جنازہ میں دعا کی رکنیت مختلف فیہا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکنیت کو ترجیح دی ہے، مگر بوقت عذر یہ رکن بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
غرة ربيع الآخر ۱۳۹۱ھ

عید گاہ میں نماز جنازہ جائز ہے:

سوال :- جس جگہ نہ پنج وقتہ نماز پڑھی جاتی ہو، نہ جمعہ پڑھا جاتا ہو، بلکہ صرف عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو یعنی عید گاہ میں نماز جنازہ ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
غرة ربيع الآخر ۱۳۹۱ھ

نماز جنازہ میں عورت کی محاذات مفسد نہیں:

سوال :- اگر جنازہ کی نماز میں عورت کسی مرد کی تھاکھڑی ہو گئی تو مرد کی نماز جنازہ صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب
نماز جنازہ میں عورت کی محاذات مفسد نہیں، نماز ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۶ شعبان ۱۳۹۲ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کس طرح پڑھی گئی؟:

سوال :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ جماعت کی صورت میں ہوئی یا انفرادی صورت میں؟ اگر جماعت کے ساتھ ہوئی تو نماز کس نے پڑھائی؟ اگر انفرادی طور پر ہوئی تو اس میں کیا

نکلتے ہیں؛ مینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ انفراداً پڑھی، ایک جماعت حجرہ شریفہ میں داخل ہوتی اور انفراداً نماز پڑھتی جب یہ فایغ ہو کر نکلتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی، روی الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ عن سالم بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل قالوا لابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا صاحب رسول اللہ انصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا وکیف قال یدخل قوم فیکبرون ویدعون ویصلون ثم یدخلون ویصلون ویدعون ثم یدعون ثم یدعون حتی یدخل الناس الحدیث (شمائل مع السنن ص ۶۰۰) قال القاضی عیاض الصحیح الذی علیہ الجہود ان الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم كانت صلوۃ حقیقیۃ لا مجرد الاء فقط واجب عما اعتل بہ الاولون بان المقصود من الصلوۃ علیہ عود التشریف علی المسلمین مع ان الکامل یقبل زیادۃ التکمیل نعم لا خلاف انہ لم یؤمہم احد علیہ کما مر لقول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوا ما مکم حیا ومیتا فلا یقوم علیہ احد الحدیث رواہ ابن سعد (زرقانی ص ۲۹۲ ج ۸)

بلاجماعت پڑھنے کی علماء نے کسی وجہ بیان فرمائی ہیں:-

① نہ زرقانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت حیات کی طرح بعد المات بھی خود امام ہیں،

② امامت خلیفہ کا حق ہے اور اس وقت تک کوئی خلیفہ مفتر نہیں ہوا تھا،

③ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ تجیز و تکفین کے بعد مختلف گروہوں کی صورت میں حجرہ میں داخل ہو کر بلاجماعت نماز پڑھیں، وقد ورد فی بعض الروایات انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اوصی علی الوجه المذکور ولذا وقع التأخیر فی دفنہ، (حاشیۃ الثمائل لابی الطیب السندی) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۴ ربیع الآخر ۹۳ھ

نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھی جائے:

سوال:- وقتی کے فرض کے بعد سنتوں سے پہلے نماز جنازہ پڑھی جائے یا سنتوں سے

فارغ ہو کر! بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے کہ نماز جنازہ سنتوں سے قبل پڑھی جائے یا بعد؟ اس زمانہ میں سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہو، فرض کے بعد نماز جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنت مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

نماز جنازہ میں ایک سلام پر اکتفا جائز نہیں:

سوال :- کیا نماز جنازہ میں دوسری طرف سلام نہ پھیرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جنازہ میں دونوں سلام واجب ہیں، لہذا ایک پر اکتفا جائز نہیں، قال الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ ویسلم وجوباً بعد التکبیرۃ الرابعۃ (مرآۃ الفلاح مع حاشیۃ الطحاوی ص ۳۲) وقال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وسنھا أربع الخ) الأولى ان يذكر الواجب قبل السنن وهو التسليم مرتین بعد الرابعۃ كما ذكره بعد (طحاوی علی المراتی ص ۳۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۹۲ھ

میّت کو اس کے رشتہ دار خود نہ ہلائیں:

سوال :- میّت کو نہ لانے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ بغیر اجرت لئے کوئی

غسل نہ دے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سوائے ایک شخص کے دوسرا کوئی بھی نہ لانے والا نہ ہو تو اس کو اجرت لینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس پر نہ لانا فرض عین ہے، اور اگر دوسرے بھی نہ لانے والے ہوں تو اجرت جائز ہے، کذا فی العلائق مگر یہ فریضہ میّت کے رشتہ داروں کو ادا کرنا چاہئے، اپنے عزیز کو خود غسل نہ دینا اور دوسروں کے سپرد کرنا انتہائی بے مروتی، بے غیرتی اور دلیل کبر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ شعبان ۱۳۹۳ھ

نہلانے اور دفنانے کی اجرت:

سوال :- مردہ کو نہلانے اور دفن کرنے والوں کو اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر دوسرا کوئی نہ ہو تو چونکہ اسی فرد واحد پر غسل دینا اور دفن کرنا فرض عین ہے اس لئے اجرت جائز نہیں، قال فی شرح التتویر والافضل ان يغسل المیت مجاناً، فان ابتغى الغاسل الاجرة جاز ان كان ثمة غیره والا لا لتعینہ علیہ، وینبغی ان یكون حکم الحمال والحفار كذلك، سلج ر (المختار ص ۸۰۴ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم، ۳۰ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

میت کا منہ دکھانے کی رسم:

سوال :- میت کو کفن کرنے کے بعد اس کا منہ دکھانے کی رسم کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رسم میں مندرجہ ذیل مفاہد ہیں، اس لئے واجب ترک ہے :-

- ① بعض علاقوں میں میت کا منہ دیکھنے کو باعثِ اجر و ثواب سمجھا جاتا ہے، حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، لہذا اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے، اور اگر ثواب نہ بھی سمجھے تو اس سے بدعت کی ترویج و تائید ہوتی ہے،
- ② شرعی حکم یہ ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اور کفناتے وقت کم سے کم آدمی ہوں اور وہ میت کے اقارب و احباب میں سے ہوں، تاکہ میت میں خدا سخا استہ کوئی عیب یا تغیر پیدا ہو جائے تو اس کا افشاء نہ ہو، منہ دکھانے کے رسم شریعت کے اس حکم و حکمت کے خلاف ہے،

- ③ اگر میت کوئی مشہور شخصیت ہے تو اس کی منہ دکھائی کی رسم میں کئی گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں، حالانکہ میت کے دفن میں تاخیر جائز نہیں،

- ④ رُونمائی کی رسم کا نتیجہ یہ ہے کہ میت کی تصویریں لے کر اخبارات میں شائع کی جاتی ہیں جس میں تصویر کی لعنت و عذاب کے علاوہ میت کے چہرے میں تغیر کی اشاعت

ہے، جو حرام ہے،

آجکل یہ قبیح رسم خواص علماء و مشائخ میں بھی عام رائج ہو گئی ہے، اس لئے اس سے احتراز

کی وصیت کرنا واجب ہے، وصیت نہ کرنے کی صورت میں اس کا وبال وعذاب میت پر بھی ہوگا، واللہ الحفیظ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 ۲۲ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
 شیعہ کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں:

سوال :- شیعہ کی نماز جنازہ یا جنازہ میں سنی کی شرکت از روئے شرع کیسی ہے؟ جبکہ روزنامہ ”جنگ“ کراچی میں ہمارے بعض علماء کرام کی شرکت کی خبر شائع ہو چکی ہے، اگر شیعہ کی نماز جنازہ میں شرکت جائز ہے تو خیر ورنہ اُن علماء کی شرکت کا کیا مطلب؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وَلَا تَقْصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (الایۃ ۹ - ۸۴)
 مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلنَّاسِ كَيْفَ الْأَيۡةِ (۹ - ۱۱۳) شیعہ کا
 کفر ظاہر ہے، اور مذکورہ آیات میں صراحتہ کفار کی نماز جنازہ پڑھنے، اُن کی قبر پر جانے اور اُن کے لئے
 طلبِ مغفرت سے منع کیا گیا ہے، اگر شیعہ کی نماز جنازہ میں کسی عالم کی شرکت کی خبر شائع ہوئی ہے تو
 اس عالم سے وضاحت طلب کی جائے، اخبار کی خبر معتبر نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ محرم ۱۴۲۸ھ

جنازہ کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں:

سوال :- میت کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی شرح التتویر ولا یقوم من فی المصلیٰ لہا اذار اھا قبل وضعہا
 ولا من مرت علیہ هو المختار وما ورد فیہ منسوخ، زیلعی، رسد المختار ص ۸۳۲ ج ۱،
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ربیعہ ۱۴۲۸ھ

جنازہ کی چادر پر آیات قرآنیہ لکھنا جائز نہیں:

سوال :- آجکل جنازہ کے اوپر ایسی چادریں ڈالی جاتی ہیں جن پر قرآنی آیات اور کلمات
 لکھے ہوتے ہیں، کیا ایسی چادریں ڈالنا درست ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور بے ادبی کا خطرہ ہے، اس لئے جائز نہیں، نقل ابن عابدین

رحمہ اللہ تعالیٰ عن الفتح انه تکررہ کتابۃ القرائن واسماء اللہ تعالیٰ علی الذراہم
والمعاریب والجدران وما یفرض وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطمئنه ونحوہ مما
فیہ اہانة فالمنع ہنا بالاولیٰ ما لم یتثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت
فتأمل (رد المحتار ص ۱۳۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ محرم ۹۵ھ

خنثی میت کے غسل کی تفصیل:

سوال ۱۔ اگر خنثی مشکل مرد جائے تو اس کو مرد غسل دے یا عورت؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں تک ہو سکے خنثی کو سب احکام میں مرد یا عورت کے حکم میں شمار کیا جائے گا، اگر اس میں
علامات مرد کی زیادہ ہوں مثلاً ڈاڑھی نکل آئے، یا مرد کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتا ہو یا اس سے کسی
عورت کو حل ہو گیا ہو، تو اس کو مرد سمجھا جائے گا، اور عورت کی علامات زیادہ ہوں مثلاً حاملہ ہو گئی یا پستان
ظاہر ہو گئے یا حیض آنے لگے یا عورت کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتی ہو تو اس کو عورت شمار کریں گے،
اگر دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہو تو جہاں سے پہلے نکلتا ہو اسی کا اعتبار ہوگا، اگر حالت ایسی مشتبہ ہو
کہ کسی وجہ سے مرد یا عورت ہونے کو ترجیح نہ دے سکیں تو اس کو خنثی مشکل کہتے ہیں، اگر خنثی مشکل چار
سال یا اس کم عمر کا ہو تو اس کو عورت بھی غسل دے سکتی ہے مرد بھی، چار سال سے زائد ہو تو اس کو
تیمم کرایا جائے گا، قال فی شرح التنبیر ویتمیم الخنثی مشکل لو مرأھا قوالا فکغیرہ
فیغسلہ الرجال والنساء، وفی الشامیۃ رقلہ والا فکغیرہ ای من الصغار والصغائر
قال فی الفتح الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا حد الشہوۃ یغسلہما الرجال والنساء و
قد رۃ فی الاصل بان یکون قبل ان یتکلم اھ (رد المحتار ص ۸۰۶ ج ۱) وفی شرط الصلوۃ
من العلائیۃ عن السراج لاعورۃ للصغیر جد اشم مادام لم یشتہ فقبل ودبر ثم تغلظ
الی عشر سنین ثم کبالغ، وفی الشامیۃ رقلہ لاعورۃ للصغیر جدا، وکن الصغیرۃ
کما فی السراج فیباح النظر والمس کما فی المعراج قال ج وفسرہ شیخنا بابن اربع فسادونہا
ولم ادر لمن عزاء اھ اقول قد یؤخذ مما فی جنائز الشرنبلالیۃ ونصہ واذالم یبلغ الصغیر
والصغیرۃ حد الشہوۃ یغسلہما الرجال والنساء وقد رۃ فی الاصل بان یکون قبل ان
یتکلم اھ (رد المحتار ص ۸۱۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

رات میں دفن کرنا:

سوال :- رات کو جنازہ دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی کہتا ہے کہ جائز نہیں، اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے: لا تدفنوا موتاكم بالليل الا ان تضطروا ابن ماجہ ص ۱۱۰ باب ماجاء في الاوقات التي لا يصلح فيها على الميت ولا يدفن، تو کیا اس مولوی کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

رات میں دفن کرنا بلاشبہ جائز ہے، قال في العلامية لا يكره الدفن ليلاً، رد المحتار ص ۸۴ ج ۱ وقال النووي رحمه الله تعالى قال جماهير العلماء من السلف والخلف لا يكره (الدفن ليلاً) واستدلوا بان ابا بكر الصديق رضي الله تعالى عنه وجماعة من السلف دفنوا ليلاً من غير انكار ومحدث المرأة السوداء والرجل الذي كان يقيم المسجد فتر في بالليل فدفنوه ليلاً ام رنودي على صحيح مسلم ص ۳۰۶ ج ۱ وروى الترمذي رحمه الله تعالى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل قبراً ليلاً فاسرج له السراج فاخذه من قبل القبلة وقال رحمك الله ان كنت لا واهاً تلاءم للقبر ان (ترمذي ص ۱۷۱ ج ۱) وروى ابن ماجه رحمه الله تعالى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ادخل رجلاً قبره ليلاً واسج في قبره رابن ماجه ص ۱۰۹) وفي جميع الفوائد عن القزويني انه دفن صلى الله عليه وسلم وسط الليل من ليلة الاربعاء، روايات بالا کے علاوہ کراہت تاخیر جنازہ کی روایات بھی جو از دفن باللیل پر دلیل ہیں، اس لئے محدثین نے روایت نہی کے مختلف جوابات دیئے ہیں:-

① اس روایت میں ابراہیم بن یزید ضعیف ہے، مگر یہ جواب اس لئے کافی نہیں کہ نہی سے متعلق صحیح مسلم میں بھی ایک حدیث ہے، عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب يوماً فذكر رجلاً من اصحابه قبض فكفن في كفن غير طائل وقبر ليلاً فزجر النبي صلى الله عليه وسلم ان يقبر الرجل بالليل حتى يصل على عليه الا ان يضطربا ان الى ذلك، وقال النبي صلى الله عليه وسلم اذا كفن احدكم اخاه فليحسن كفنه (صحيح مسلم ص ۳۰۶ ج ۱) صحیح مسلم کی اس روایت میں چونکہ

زیادہ تفصیل ہے، اس لئے ابن ماجہ کی روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ اسی تفصیل پر محمول کی جائے گی اور اس کے بھی وہی جوابات ہوں گے جو روایت مسلم کے ہیں،

(۲) بعض لوگ میت کو کفن اچھا نہ دیتے تھے، اور اس حرکت کی پردہ پوشی کے لئے رات میں دفن کرتے تھے اس سے منع فرمایا، حدیث کے الفاظ فکفن فی کفن غیر طائل اور اذا کفن احدکم اخاف فلیحسن کفنه اس توجیہ پر کافی دلیل ہے،

(۳) رات کے وقت نماز جنازہ میں کم لوگ شریک ہوں گے، یہ جواب بھی حتی یصلی علیہ سے اخذ کیا گیا ہے، اسی یصلی علیہ بجمع کثیر، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمع کثیر کی خاطر دن کا انتظار کرو، بلکہ یہ مطلب ہے کہ حتی الامکان رات آنے سے قبل فارغ ہو جانا چاہئے، اگر کوشش کے باوجود رات ہو گئی تو صبح کا انتظار نہ کیا جائے، اتنا ان تضطروا کا یہی مطلب ہے،

(۴) حتی یصلی علیہ صیغہ معروف ہے، اور ضمیر فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض اموات کو رات میں دفن کر دیا گیا، اور تکلیف کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی گئی، اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ دن میں دفن کرنے کی کوشش کیا کرو تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر نماز جنازہ پڑھ سکیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خاص رحمت کا سبب ہے،

(۵) بندہ کے خیال میں یہ بھی شفقت کی بنا پر بھی ہو سکتی ہے، کہ رات کو دفن مکر نے میں مشقت کے علاوہ قبر سے کوئی موزی جانور نکلنے کا احتمال ہے جس سے خطرہ بھی ہے، اور میت کے لئے بدفالی لے کر لوگوں کے گناہ میں مستلا ہونے کا اندیشہ بھی ہے،

بہر کیف حاصل یہ ہے کہ رات سے قبل دفن کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، معہذا اگر رات ہو جائے تو صبح کا انتظار جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۹۶ھ

دفن کے بعد دُعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے:

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ دیر ٹھیرنا اور دُعا کرنا ثابت ہے، مگر اس دُعا میں رفع یدین کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گزری، لہذا اس بارے میں تحقیق عالی سے ممنون فرمائیں کہ اُس وقت دُعا میں رفع یدین ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو رفع یدین حبانہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بمقتضائے قاعدہ رفع یدین مستحب ہے، اور دعا بوقت زیارۃ القبور میں ثبوت رفع یدین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر اکابر کے تعامل عدم رفع کے پیش نظر رفع یدین کے قول و عمل کی ہمت نہ ہوتی تھی، اسی بنا پر احسن الفتاویٰ جدید جلد اول "باب رد البدعات میں عدم رفع کا فتویٰ تحریر ہے، اس کے بعد حدیث میں رفع یدین کی تصریح مل گئی، قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ و فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی البجادین الحدیث، وفیہ فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلة رافعاً یدیه، اخرجہ ابو عوانہ فی صحیحہ (فتح الباری ص ۱۲۲ ج ۱۱) اب استجاب رفع یدین میں کوئی تاویل نہیں رہا، اس لئے عدم رفع کے فتویٰ سے رجوع کرنا ہوں البتہ اس سے اجتماعی دعاء کی بدعت کا ثبوت نہیں ملتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

قبر پر پانی چھڑکنا:

سوال :- قبر میں جب مردے کو دفن کرتے ہیں تو سب کاموں سے فارغ ہو کر اخیر میں چلتے وقت قبر پر پانی چھڑکتے ہیں اور سب طرف مٹی پھر ڈالتے ہیں، یا جب بھی کوئی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہے تو پانی ضرور ڈالتا ہے آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قبر کی مٹی جمانے کی غرض سے پانی چھڑکنا مندوب ہے، اس کو ضروری سمجھنا یا مستقل کارِ ثواب سمجھنا بدعت اور گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ شوال ۱۴۰۶ھ

میت کو قبر میں دائیں پہلو پر لٹانا سنت ہے:

سوال :- آپ نے وصیت نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر میں سنت کے مطابق دائیں کرپٹ پر لٹایا جائے، چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا دستور غلط ہے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ عام دستور کے مطابق چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف جھکا دینے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے، دائیں کرپٹ پر لٹانا مستحب، سنت نہیں، درمختار کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں ینبغی کو ذہ علی شقہ الامین ہے، اس بارے میں تحریر فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

در مختار کا جملہ و مبنیٰ کونہ علی شقہ الایمن عبارت تنویر و یوجہ الیہا کی شرح و تفسیر ہے، مقصود یہ ہے کہ استقبال قبلہ کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: دائیں پہلو پر، بائیں پہلو پر، چت لٹا کر قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سر اونچا کر دیا جائے، جیسا کہ صلوٰۃ مرلیض اور غسل میت میں بیان کیا جاتا ہے، ان تین صورتوں کے سوا استقبال قبلہ کی اور کوئی صورت نہیں، پس مروج دستور میں استقبال قبلہ نہیں پایا جاتا، اسی لئے حدیث وفقہ میں اس سے ممانعت آئی ہے، کما سیاتی، بوقت دفن ان تینوں صورتوں میں سے صرف پہلی صورت مسنون ہے، تنویر کی عبارت چونکہ تینوں صورتوں کو شامل تھی، اس لئے شارح کو اس وضاحت کی ضرورت پیش آئی، لفظ مبنیٰ صرف استحباب ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ عبارات فقہاریں وجوب کے لئے بھی مستعمل ہیں، کما صحاح ابہ، متن، شرح اور حاشیہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تینوں کی مجموعہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قبر میں دائیں پہلو پر لٹانے میں قول وجوب بھی ہے، مگر قول راجح کے مطابق مسنون ہے، چنانچہ یہ مفہوم دوسری کتابوں کی عبارات میں بہت واضح ہے، قال فی الہندیۃ ویوضع فی القبر علی جنبہ الایمن مستقبل القبلة کذا فی الخلاصة (عالمگیریہ ص ۱۶۱ ج ۱) وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى ويوجه الميت في القبر الى القبلة على جنبه الایمن ولا يلتقي على ظهره (رغنية المستملی، ص ۵۵۳) وقال الشرنبلالی رحمه الله تعالى ويوجه الى القبلة على جنبه الایمن بذلك امر النبي صلى الله عليه وسلم وفي حديث أبي داود البيت الحرام قبلتكم احياء وامواتاً، وقال الطحاوی رحمه الله تعالى بذلك امر النبي صلى الله عليه وسلم علياً رضي الله تعالى عنه لما مات رجل من بني عبد المطلب فقال يا علي استقبال به القبلة استقبالاً وقلوا جميعاً باسم الله وعلى ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره كذا فی الجوهر فی الحلبي یسند الميت من ورائه بنحو تراب لئلا یقلب اه (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۲) وقال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى لحديث علي رضي الله تعالى عنه هذا غريب واستونس له بحديث أبي داود والنسائي ان رجلاً قال يا رسول الله ما الكبائر؟ قال هي تسع فذكر منها استحلال البيت الحرام قبلتكم احياء وامواتاً، والله اعلم رفیع القدیر، ص ۱۶۲ ج ۱) وقال ابن نجيم رحمه الله تعالى ويوجه الى القبلة

بذلك امر النبي صلى الله عليه وسلم ويكون على شقه الأيمن كما قد منهاه ربح ص ۱۹۴)۔
 وقال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى ويوضع على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة
 لما روى عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال شهد رسول الله صلى الله عليه وسلم
 جنازة رجل فقال يا علي استقبل به استقبلاً (إلى قوله) ولا تلقوا ظهره (ربد ألع ص ۳۱۹ ج ۱)
 فقط والله تعالى أعلم
 غرة شعبان ۱۴۲۸ھ

ایسی میت کا حکم جس کا اسلام یا کفر معلوم نہ ہو:

سوال:- حالیہ بارش کے سیلاب میں جولاشیں پائی گئیں ان میں سے بعض لاشوں میں
 شبہ ہے کہ وہ کافروں کی ہیں یا مسلمانوں کی؟ اس لئے کہ برساتی نالہ اور ندی کے کنارے ہندو
 بھی آباد تھے، کیا ان مشکوک لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ مینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر میت میں مسلمان کی کوئی علامت پائی جائے تو اس کو مسلمان سمجھا جائے گا، اور اگر کوئی
 علامت نہ ہو تو دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا، اس لئے غسل
 دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، احتیاط اس میں ہے کہ یقینی مسلم اور مشکوک اموات کو بجا رکھ کر
 ان پر نماز جنازہ اس طرح پڑھی جائے کہ ان میں سے صرف مسلمانوں پر نماز کی نیت ہو، قال فی
 شرح التنویر لو لم یدر المسلم ام کافر ولا علامة فان فی دارنا غسل وصلى عليه
 والا لا، اختلط موتانا بکفار ولا علامة اعتبر الا کثر فان استوا وغسلوا واختلفت
 فی الصلوة عليهم ومحل دفنهم، وفي الشامية وقيل يصلى ويقصد المسلمین
 لانه ان عجز عن التعین لا يعجز عن القصد كما فی البدائع قال فی الحلیة
 فعلى هذا ينبغي ان يصلى عليهم فی الحالة الثانية ايضاً ای حاله ما اذا كانت الکفا
 اکثر الى قوله كما قالت به الائمة الثلاثة وهو وجه قضاء لحق المسلمین بلا ارتکاب
 منه عنده ملخصاً رد المحتار ص ۸۰۵ ج ۲ فقط والله تعالى أعلم،

۱۴ رجب ۱۴۲۸ھ

سیلاب میں مرنے والے کو غسل دینا فرض ہے:

سوال:- سیلاب سے جولاشیں مسلمانوں کی ملیں ان کو دوبارہ غسل دیا جائے گا یا

سیلاب کا غسل کافی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو غسل دینا فرض ہے، بدون غسل بھی نماز جنازہ صحیح ہو جائے گی، مگر غسل نہ دینے والے گنہگار ہوں گے، صحت نماز کے لئے سیلاب کا غسل کافی ہے، کذا فی العلائقہ والشامیہ،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ رجب ۱۴۰۹ھ

ناخن پالش چھڑائے بغیر غسل اور نماز جنازہ صحیح نہیں؛

سوال :- فرض کریں کسی بہن کو ناخن پالش لگانے کی عادت تھی، اور اس کا انتقال ہو گیا جب عورتوں نے اسے غسل دیا تو اس کا خیال نہ کیا اور نہ لانے کے بعد پتہ چلا کہ ناخن پالش لگتی، تو دوبارہ غسل دینا چاہئے یا نہیں؟ ایک جگہ کسی کا انتقال ہو گیا، غسل دیتے وقت کسی نے توجہ نہ دی، بعد میں دیکھا گیا تو بتایا گیا کہ اب اسی طرح رہے گی، اب کچھ نہیں ہو سکتا، لہذا اسی طرح دفنایا گیا، تو شریعت کی رو سے کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پالش چھڑا کر صرف ناخن دھو دینا کافی ہے، پورے غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں، پالش چھڑا کر ناخن دھونا فرض تھا، بدون چھڑائے غسل صحیح نہیں ہوا، اس لئے نماز جنازہ بھی نہ ہوئی، جس جاہل نے یہ مسئلہ بتایا کہ اب دھونے کی ضرورت نہیں، وہ سخت مجرم ہے، اس پر توبہ و تضرع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

نماز جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دے؛

سوال :- جنازہ کی نماز میں آخری تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں یا کہ سلام پھیرنے کے بعد چھوڑ دیئے جائیں؟ عام دستور تو سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑنے کا ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، فی صفة الصلوۃ من التنویر وهو سنة قیام له قرار فیہ ذکر مسنون، فی الشرح فیضع حالۃ الثناء فی القنوت و تکبیرات الجنائزۃ (رد المحتار ص ۵۵ ج ۱) اس کلیہ سے

ثابت ہوتا ہے کہ سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، علاوہ ازیں وتکبیرات الجنائزۃ کی تخصیص سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، اور جزئیات ذیل میں اس کی تصریح ہے؛ فی خلاصۃ الفتاویٰ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحيح انه یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین (عزیز الفتاویٰ ص ۲۶۲ ج ۱) وقال العلامة الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ومن ہہنا ینخرج الجواب عما سئلت فی سنة ست و ثمانین ایضاً من انه هل یضع مصلی الجنائزۃ بعد التکبیر الاخیر من تکبیراتہ ثم یسلم ام یرسل ثم یسلم وهو انه لیس بعد التکبیر الاخیر ذکر مسنون فیسن فیہ الامر سال (سعاۃ ص ۱۵۹ ج ۲)

سندھ کے ایک معروف مفتی مولانا احمد ہالائی کے فتاویٰ محمدیہ قلمی میں یہ جزئیات ہیں؛ ولا یعقد بعد التکبیر الرابعۃ فالصحيح ان یحلل الیدین ثم یسلم کذا فی الظہیریۃ والخانیۃ والذخیرۃ اھ، جواہر القلوب، ویرسل بعد الرابعۃ ینذیرہ لانہ لیس بعد ہاذک کما فی الجلابی اھ روح البیان، ولا یعقد بعد التکبیر الرابعۃ لانہ لا یبقی ذکر مسنون فالصحيح ان یحلل الیدین ثم یسلم تسلیمتین کذا فی فتاویٰ الحسامی والوجیز اھ رسالۃ مستقلۃ، فتاویٰ محمدیہ کے ان حوالہ جات میں سے خانیہ میں سرسری تلاش سے صریح جزئیہ نہیں ملا، اور دوسری کتب دستیاب نہیں، امام اوجہ فی عزیز الفتاویٰ بقولہ لکن قد یقال ان التسلیمتین بعد التکبیر الرابع ذکر مسنون فجوابہ ان الوضع سنة قیالہ قرار ولذا لا وضع فی القومۃ مع اشتمالہا علی ذکر مسنون، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ رمضان ۱۳۹۵ھ

غسل میت میں کلوخ کا استعمال؛

سوال :- ”بہشتی زیور میں ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے ڈھیلے سے استنجاء کرایا جائے پھر پانی سے دھویا جائے، مگر امداد الفتاویٰ میں ہے کہ میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال ثابت نہیں، دونوں میں سے کونسا فتویٰ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کتب فقہ میں میت کے لئے استنجاء کا حکم تو مصرح ہے، اس لئے ڈھیلے کے استعمال کی صراحت اگر نہ بھی ملے تو بھی چونکہ استنجاء کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ ڈھیلے کے بعد پانی استعمال

کیا جائے اور اس اطلاق میں میت بھی داخل ہے، لہذا اس کے لئے بھی ڈھیلے کا استعمال مسنون ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۵ رمضان ۱۴۲۸ھ

میت کا سر بائیں جانب ہو تو نماز جنازہ صحیح ہے؛

سوال :- جنازہ کی نماز کے لئے میت کو غلطی سے الٹا رکھ دیا گیا، یعنی سر بائیں طرف اور پاؤں دائیں طرف، نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس غلطی کا علم ہوا تو کیا نماز جنازہ دوبارہ پڑھی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: باسم ملہم الصواب

نماز جنازہ صحیح ہوگئی، ٹوٹانے کی حاجت نہیں، البتہ عمدۃ میت کو اس طرح رکھنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، غلطی سے ہو گیا تو کوئی کراہت نہیں، قال فی شرح التنویر وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلین واساؤا ان تعدوا رأساً منہم فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۹ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز جنازہ پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا؛

سوال :- جنازہ کی نماز ہو رہی ہو اور سامنے کوئی سترہ بھی نہ ہو، تو سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سامنے سے گزرنے کی ممانعت عام نمازوں کے لئے ہے، نماز جنازہ میں جائز ہے، نیز امام کے سامنے جنازہ کا سترہ ہے، اور امام کا سترہ مقتدیوں کو بھی کافی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۹ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز جنازہ میں سلام بھول گیا تو نماز ہوگئی؛

سوال :- جنازہ کی نماز میں امام چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا بھول گیا، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جنازہ میں سلام فرض نہیں، بلکہ واجب ہے، عام نمازوں میں ترک واجب موجب سجدہ ہو جاتا ہے، مگر نماز جنازہ میں سجدہ سہو معہود نہیں، لہذا نماز صحیح ہوگئی، اعادہ واجب نہیں، فتاویٰ الشریعہ نبلائی رحمہ اللہ تعالیٰ ویسلم وجوباً بعد التکبیرۃ الرابعۃ (مرآۃ الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۳۲۱) وقال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ علی (قوله وسنہا

اربع الخ) الاولیٰ ان یدکر الواجب قبل السنن وهو التسليم مرتین بعد الرابعة کما ذکرہ بعد (طحاوی علی المراقی ص ۳۲۰) فی المراقی ولو سلم الامام بعد الثلاثة ناسیاً کبر الرابعة ویسلم فی العاشیة ولم یبینوا هل یج علیہ سجود السهو؟ (طحاوی ص ۲۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۸ شوال ۹۸ھ

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر بھول گیا:

سوال :- امام نے جنازہ کی نماز میں تین تکبیروں کے بعد بھول کر سلام پھیر دیا، رقمہ دینے پر چوتھی تکبیر کہہ لی، اور پھر سلام پھیرا تو کیا نماز صحیح ہو گئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت مذکورہ میں نماز صحیح ہو گئی، قال الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو سلم الامام بعد الثلاثة ناسیاً کبر الرابعة ویسلم وقال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یبینوا هل یجب علیہ سجود السهو حاشیة الطحاوی علی المراقی ص ۳۲، فقط والله تعالیٰ اعلم
۳ ربیع الاول ۹۹ھ

نماز جنازہ میں نظر کہاں رکھے؟:

سوال :- جنازہ کی نماز میں نظر کہاں رہنی چاہئے؟ سجدہ کے مقام پر یا کہ ہاتھوں پر؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، قاعدہ کا مقتضی یہ ہے کہ دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی مقام سجدہ پر نظر رکھنا چاہئے، نماز کے مختلف ارکان میں نظر کے لئے مختلف مقامات کی تعیین سے اصل مقصد خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے، ایک مقام پر نظر کو مرکوز کرنے سے یکسوئی پیدا ہوتی ہے، جو خشوع میں تعیین ہی، قیام، رکوع، سجود اور قعدہ میں سے ہر رکن میں جس مقام پر نظر رکھنا طبعاً سہل تھا بلکہ طبعی حالت کے موافق تھا اس کی تعیین کر دی گئی، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الاول ۹۸ھ

شیعہ کو غسل و کفن دینے کا حکم:

سوال :- اگر شیعہ مرجعاً اور کوئی شیعہ نہ ہو تو کیا مسلمان اس کو غسل دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو مسلمان غسل دے کر دفن کر دے، مگر غسل، کفن اور دفن سنت کے مطابق نہ دیں،

بلکہ اس پر پانی بہا کر کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال کر مٹی ڈال دیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

قبر کے سرہانے آیت قرآنیہ لکھنا جائز نہیں:

سوال :- قبر کے سرہانے لوح پر میت کا نام اور آیت قرآنی لکھنا جائز ہی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نام لکھنا جائز ہے، آیت قرآنیہ لکھنے میں بے ادبی ہے، اس لئے حباتز نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

میت پر مروجہ منکرات کے احتراز کی وصیت واجب ہے:-

سوال :- آجکل کسی کے انتقال پر جو خرافات ورثہ کرتے ہیں، مثلاً روضائی کی رسم وغیرہ

کیا میت پر بھی اس کا گناہ ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

موت پر بہت سے منکرات کا عام رواج ہو گیا ہے، مثلاً:-

- ① روضائی کی رسم،
- ② روضائی کے لئے جنازہ کئی گھنٹے رکھے رکھنا،
- ③ اعزہ واقارب کی خاطر نماز جنازہ میں تاخیر،
- ④ کثرت اجتماع کی غرض سے مسجد میں جماعت فرض کا انتظار،
- ⑤ میت کی تصویر لینا،
- ⑥ تصویر کی اخبارات میں اشاعت،
- ⑦ جنازہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا،
- ⑧ نماز جنازہ متعدد بار پڑھنا،
- ⑨ غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا،
- ⑩ عام قبرستان سے الگ مخصوص مکان میں دفن کرنا،
- ⑪ قبر کے گرد چار دیواری یا چوترہ بنانا،
- ⑫ ایصال ثواب کے لئے خلاف سنت اجتماعات،

⑬ تعزیتی جلسے کرنا،

⑭ میت کے مناقب میں غیر واقعی حالات کی اشاعت وغیرہ،

آجکل ان منکرات کی دہا اس حد تک پھیل گئی ہے کہ علماء و صلحاء تک اس میں مبتلا ہیں، بلکہ مشہور مذہبی رہنماؤں کے جنازوں میں ان منکرات کا ارتکاب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، ان حالات میں جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اس کے انتقال پر اس کے ناعاقبت اندیش، فکر آخرت کے غافل، دنیوی نام و نمود کے بھوکے پسماندگان، نالائق معتقدین، ناخلف خلفاء اور دین کے روپ میں بے دین عناصر اس پر ایسے مظالم کریں گے، اور مرنے کے بعد اس کو اس طرح رُسوا کریں گے، اس پر یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ اس کے انتقال پر ایسے محظورات و ممنوعات شرعیہ ہرگز ہرگز نہ ہونے دیئے جائیں، بلکہ تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، اور ایصالِ ثواب وغیرہ جملہ امور سنت کے مطابق ادا کئے جائیں، اگر ایسی وصیت نہ کی تو سخت گنہگار اور سختی عذاب ہوگا، صحیح بخاری کی حدیث متعلق تعذیب المیت ببکاء اہلہ علیہ کی مشہور توجیہ یہ ہے کہ مرنے پر ارتکابِ معصیتِ نوحہ کا علم ہوتے ہوئے جس نے اس سے نہ روکا، اور ایسی وصیت نہ کی اس کو عذاب ہوگا، وصیت میں ان منکرات کی تفصیل لکھ کر ان سے روکا جائے، بالخصوص دینی رہنماؤں اور مقتدا حضرات پر اس وصیت کا وجوب اور زیادہ مؤکد ہے، فقط واللہ المستعان وھو الموفق ولا حول ولا قوۃ الا بہ،

۱۵/ صفر ۹۹ھ

شافعی امام کے پیچھے نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر نہ کہے؛

سوال :- زیرِ حنفی ہے، اس نے نماز جنازہ میں شافعی المسلک امام کی اقتدار کی، شوافع کے نزدیک جنازہ میں پانچ تکبیریں ہیں، تو کیا حنفی کو پانچویں تکبیر میں بھی اقتدار کرنی ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حنفی کی شافعی کے پیچھے اقتدار تو صحیح ہے، لیکن پانچویں تکبیر میں متابعت نہ کرے، بلکہ خاموش کھڑا رہے، اور امام کے ساتھ سلام پھیرے، قال فی الشامیۃ اوبین یرمی تکبیرات الجنائزۃ خمساً لا یتابعہ لظہو خطئہ بیقین لان ذلک کلمۃ منسوخہ بدائع (رد المحتار ج ۱) وفي العلانیۃ ولو کبر امامہ خمساً لم یتبع لانه منسوخ فیمکن الموت حتی یسلم معہ اذا سلم بہ یفتی، (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸/ صفر ۹۹ھ

شافعی امام کے پیچھے تکبیرات جنازہ میں رفع یدین مستحب ہے:
سوال :- زید حنفی ہے، اس نے نماز جنازہ میں شافعی مسلک کی اقتدار کی شوافع
کے نزدیک نماز جنازہ میں رفع یدین ہے، تو کیا حنفی رفع یدین میں متابعت کرے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

حنفی کو تکبیرات جنازہ میں شافعی امام کی متابعت کرنا مستحب ہے، قال ابن عابدین
رحمہ اللہ تعالیٰ اقول یؤخذ منه ان الحنفی اذا اقتدی بشافعی فی صلوة الجنائزۃ
یرفع یدہ لانه مجتہد فیہ فهو غیر منسوخ لانه قد قال بہ ائمة بلخ من
الحنفیۃ (رد المحتار، ص ۸۰، ۱۳۷) وفي شرح التنویر یرفع یدہ فی الاولی فقط
وقال ائمة بلخ فی کلہا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وقال ائمة
بلخ فی کلہا) وهو قول الائمة الثلاثة وروایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ
کما فی شرح درر البعار والاول ظاہر الروایۃ کما فی البحر فی حاشیئہ للرملی ربما
یستفاد منه ان الحنفی اذا اقتدی بشافعی فالاولی متابعتہ فی الرفع ولم ارہ
اقول ولم یقل یجب لان المتابعة انما تجب فی الواجب او الفرض وهذا الرفع
غیر واجب عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۸۱، ۱۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۴، ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

غیر مسلم کی مسلم کے جنازہ میں شرکت :

سوال :- محلہ میں کوئی غیر مسلم رہتا ہو، تو وہ مسلمانوں کی میت کے ساتھ قبرستان
میں جاسکتا ہے یا نہیں، اور مٹی دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

۴، ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت :

سوال :- غیر مسلم کی میت کے ساتھ ان کے مرگٹ تک مسلمانوں کو جانا جائز ہے یا
نہیں؟ جبکہ یہ غیر مسلم محلہ کا ہو، یا غیر محلہ کا بھی ہو اور اس کا رد بار ہو، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

۴، ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

جائز نہیں تعزیت کر سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

جنازہ دوسرے مکان میں رکھ کر نماز پڑھنا:

سوال :- آجکل دستور ہے کہ مساجد میں قبلہ کی جانب محراب کے باہر جنازہ رکھنے کے لئے چبوترہ بناتے ہیں، اور محراب میں اس طرف کھڑکی یا دروازہ رکھتے ہیں، امام محراب کے اندر کھڑا ہو کر نماز جنازہ پڑھاتا ہے، کیا اس طرح نماز میں کوئی کراہت تو نہیں کہ جنازہ باہر ہو، اور امام مسجد سے اندر؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں نماز جنازہ بہر حال مکروہ ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، البتہ بارش وغیرہ جیسا عذر ہو یا باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں نماز جائز ہے،

ایسی صورت میں اگر جنازہ باہر ہے تو بہتر یہ ہے کہ امام اور چند مقتدی بھی مسجد سے باہر چبوترہ پر کھڑے ہوں، کیونکہ جنازہ من وجہ بحکم امام ہے، اور صرت امام کا الگ مکان میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لانه كالا امام من وجه) لا اشتراط هذه الشرط وعدم صحتهما بقصد ها او فقد بعضها (رد المحتار ص ۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲، صفر ۱۴۲۷ھ

تعزیت کا مستنون طریقہ :

سوال :- تعزیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس میں دنوں کی تعیین اور زیادتی خلاف سنت ہوگا کہ نہیں؟ چند ساتھی اہل محلہ وغیرہ جماعت کی شکل میں آجائیں تو ایک کی دعاء سب کے قائم مقام ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ یا سب اہل مجلس کی طرف سے کافی ہونے کہ نہیں؟ تعزیت کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ تعزیت کا عملی یا قولی طریقہ جو سیدنا و سید الانبیاء علیہ اعطی التیمۃ والسلام سے ثابت ہو اگر بیان فرمادیں تو کئی افراد کے لئے مشعل راہ بن جائیگا، انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ بندہ تبلیغی جماعت والوں کی طرح دین کی ضروری اور اہم بات کو ہر مجلس میں بیان کرتا ہے، صرف منبر اور ایلیج کا منتظر نہیں ہوتا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تعزیت تین روز کے بعد جائز نہیں، البتہ غائب تین روز کے بعد آئے تو بھی کر سکتا ہے، جماعت کی شکل میں آنے کا اہتمام درست نہیں، اتفاقاً ایک ساتھ ہو گئے تو حرج نہیں، ہر ایک کے لئے مستقلاً تعزیت مسنون ہے، البتہ اگر ایک گھرانے کا کوئی بڑا

ہے، اور اس کے ساتھ اس کے ماتحت لوگ بھی ہیں تو صرف بڑے ہی کی تعزیت کافی ہے تعزیت کی دعا یہ ہے: اعظم الله اجرک واحسن عزاءک وغفر لیتک، اس سے زائد بھی ایسا مضمون بیان کیا جاسکتا ہے جس سے غم ہلکا ہو، تسکین اور فکر آخرت پیدا ہو، تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
(اس پر اشکال وجواب تتمہ میں ہے) ۲۸، ربیع الآخر سنہ ۱۴۲۵ھ

نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ:

سوال: کیا فرماتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلم کی نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے بارے میں کہ اگر نہ پڑھی جائے تو مکمل دلائل کیا ہیں؟ نیز صحیح بخاری شریف کی یہ دونوں روایتیں بھی ملحوظ خاطر رہیں:

① عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب،

② عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أنه صلى على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب قال ليعلسو! أتمها سنة، بينوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز جنازہ میں اصل مقصد واللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور میت کے لئے دعا ہے، اس لئے اگر سورۃ فاتحہ بنیت حمد و ثناء و دعا پڑھی جائے تو درست ہے، بنیت تلاوت نہ پڑھی جائے،

سوال میں مذکور روایات میں سے پہلی روایت مطلق نماز سے متعلق ہے، نماز جنازہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نماز جنازہ کئی احکام مثلاً رکوع، سجود اور تشهد وغیرہ میں عام نمازوں سے مختلف ہے، اس لئے عام نمازوں پر اس کا قیاس صحیح نہیں، اس حدیث پر مفصل بحث میرے رسالہ ”نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءة الامام“ میں ہے، دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سورۃ فاتحہ پڑھنا منقول ہے، آپ نے سورۃ فاتحہ بقصد ثناء و دعا پڑھی تھی، اسی طرح آپ کا سنت فرمانا بھی اسی معنی سے ہے کہ اس میں حمد و ثناء ہے، اور نماز جنازہ میں حمد و ثناء سنت ہے، اس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

① عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبيه أنه سأل أبا هريرة رضي الله تعالى عنه

کیف نسلی الجنائز فقال ابو هريرة رضي الله تعالى عنه انا لعمر الله اخبرك اتباعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك الحديث (موطأ مالك ص ۷۹) اس حدیث کے رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں، البتہ سعید کے حافظہ میں ان کے انتقال سے چار سال قبل کچھ تغیر آگیا تھا، (تقریب ص ۷۰) مگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت سے بہت بعید ہے کہ تغیر کے بعد ان سے روایت کریں،

اس روایت میں تکبیر کے بعد حمد و ثناء کا ذکر ہے، سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سورۃ فاتحہ بقصر دعاء پڑھنا مقصود ہے، اور روایات میں تعارض لازم آئے گا،

② ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیت قرأت کی ہوتی تو ہر تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھتے، کیونکہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر بمنزلہ رکعت ہے، اور سورۃ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے،

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فاتحہ کے بعد سورت بھی پڑھی (اعلاء السنن ص ۱۵ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے فاتحہ اور سورت دونوں بنیت ثناء و دعاء پڑھی تھیں، اس لئے کہ نماز جنازہ میں بغرض قرأت فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا کوئی بھی قائل نہیں،

④ حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، واثلہ بن الاسقع وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ نہیں فرماتے تھے (المدونۃ الکبریٰ) جب یہ اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرأت نہیں فرماتے تھے حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہی حضرات سے علم حاصل کیا ہے، تو ان کے فعل و قول میں لازماً فاتحہ بنیت دعاء ہی مراد ہے،

⑤ قال ابن وهب وقال مالك ليس ذلك بمعمول به في بلدنا انما هو التعاء ادرکت اهل بلدنا على ذلك (المدونۃ الکبریٰ ص ۱۵۹ ج ۱) مدونۃ کبریٰ میں یہ بھی منقول ہے کہ قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، ابن المسیب، ربیعہ، عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ جیسے جبال علم بھی نماز جنازہ میں قرأت نہیں فرماتے تھے، پس قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اگر سنت سے بعینہ فاتحہ کی سنیت مراد لی جائے تو امام مالک اور دوسرے اجلہ صحابہ و تابعین پر اس کا مخفی رہنا بعید از قیاس ہے،

ایک اور روایت ابن ماجہ میں اُمّ شریک انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بایں الفاظ کا
امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقأ علی الجنائز بفاتحة الكتاب، اس روایت
کے مختلف جواب ہیں:-

- ① اس کی سند مختلف فیہ ہے، (اعلام السنن ص ۵۵ ج ۸)
- ② اُمّ شریک انصاریہ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے (اصابہ ص ۲۲ ج ۸) اگرچہ
صحابی کی چہالت مضر نہیں، مگر اجلۃ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلہ میں قول مجہولہ قابل قبول
نہیں، بالخصوص جبکہ نماز جنازہ کے امور عورتوں کی بنسبت مردوں پر زیادہ واضح ہوتے ہیں
- ③ صیغۃ امر کی دلالت علی الوجوب مسلم ہے، مگر لفظ امر کی دلالت وجوب پر مسلم نہیں،
اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سے قوی ہے، اور اس میں لفظ سنت ہی، لہذا اس
روایت میں لفظ امر مذکور پر محمول ہوگا، ورنہ یہ حدیث اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے معارض
کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی، فان الضعیف لا یصلح لمعارضۃ القوی، پھر امر مذکور بھی
بقصد دعا ہے، کما حذرنا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۵ جمادی الآخرہ ۱۴۰۲ھ

مردہ عورت کو نہلانے میں ستر کی حد:

سوال:- مردہ عورت کو نہلاتے وقت اس کے پورے بدن پر کپڑا ڈالنا ضروری ہے
یا مرد کی طرح صرف ناف سے گھٹنوں تک چھپانا کافی ہے، بیدن و اتوجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو عورت سے اس قدر پردہ ہے جتنا مرد کو مرد سے، اس لئے عورت کو نہلاتے
وقت صرف ناف سے زانو تک کپڑا ڈالنا کافی ہے، قال فی الدردستر عورتہ الغلیظۃ
فقط علی الظاہر من الروایۃ وقیل مطلقاً الغلیظۃ والخفیفة وصححہ الزلیعی
وغیرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله صححہ الزلیعی وغیرہ)
وفی الشرنبلالیۃ وھذا شامل للمراۃ والرجل لان عورة المرأة للمرأة كالرجل
للرجل (در المختار ص ۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۳۲ رجب ۱۴۰۲ھ

حائضہ کے غسل موت میں منہ میں پانی نہ ڈال جائے:

سوال:- حالت حیض یا نفاس میں وفات پانے والی کو غسل دیتے وقت منہ اور

ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حالت جنابت یا حیض یا نفاس میں موت واقع ہو تو بھی غسل دیتے وقت منہ اور ناک میں پانی ڈالنا درست نہیں، البتہ دانتوں اور ناک میں ترکیڑا پھیر دیا جائے تو بہتر ہے ضروری نہیں، قال فی شرح التتویو ویوضاً من یؤمر بالصلوة بلا مضمضة واستنشاق للحرج، وقیل یفعلان بخرقۃ، وعلیہ العمل الیوم، ولو کان جنباً او حائضاً او نفساء فعلاً اتفاقاً تسمیاً للطہارۃ کما فی امداد الفتح مستمداً من شرح المقدسی وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقولہ ولو کان جنباً لم یقل ابو السعود عن شرح الکتر للشلبی ان ما ذکرہ الخلفاء ای فی شرح القدوری من ان الجنب یضمض ویستنشق غریب مخالف لعامة الكتب اھ، قلت وقال الرملی ایضاً فی حاشیة البحر اطلاق المتون والشروح والفتاویٰ یشمل من مات جنباً ولم ار من یخرج بہ لکن الاطلاق یدخلہ العلة تقتضیہ اھ وما نقلہ ابو السعود عن الزیلعی من قولہ بلا مضمضة واستنشاق ولو جنباً صریح فی ذلك لکنی لم ارہ فی الزیلعی (قولہ اتفاقاً لم اجد فی الامداد ولا فی شرح المقدسی (رد المحتار ص ۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۵ رجب ۱۴۲۸ھ

مرد نہ ہوں تو عورتیں نماز جنازہ پڑھیں:

سوال :- اگر کوئی مرد موجود نہیں تو کیا عورتیں جنازہ کی نماز پڑھ سکتی ہیں؟ اگر ان کی نماز صحیح ہے تو عورت امامت کیسے کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتیں افراداً نماز جنازہ پڑھیں، نماز جنازہ میں جماعت واجب نہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عورتیں جماعت نہ کریں، بلکہ الگ نماز پڑھیں، مگر سب بیک وقت پڑھیں، ایک کی فراغت کے بعد دوسری شروع نہ کرے، اور جماعت بھی بلا کراہت جائز ہے، اس صورت میں امام عورت وسط صف میں کھڑی ہو، مرد امام کی طرح صف سے آگے نہ بڑھے، قتال فی العلائیۃ ویکرہ تحریراً جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوة الجنائز لانہما لم تشرع مکررۃ، فلوا نفرودن تفوتہن بفراغ احد اھن؛ و فی الشامیۃ بقولہ لانہما لم تشرع مکررۃ الخ، قال فی الفتح واعلم ان جماعتہن لا تکرہ فی صلوة

الجنائز لانها فريضة وترك التقديم مكروه فدار الامر بين فعل المكروه لفعل
الفرض او ترك الفرض لتركه فوجب الاول، بخلاف جماعتهم في غيرها، ولو
صلين، فرادى فقد سبق احداهن فتكون صلوة الباقيات نفلا والتفعل بها
مكروه، فيكون فراغ تلك موجبا لفساد الفريضة لصلوة الباقيات كتقييد الخامسة
بالسجدة لمن ترك القعدة الاخيرة ام ومثله في البحر وغيره، ومفاده ان جماعتهم في
صلوة الجنائز واجبة حيث لم يكن غيرهم، ولعل وجه الاحتراز عن فساد
فرضية صلوة الباقيات اذا سبق احداهن وفيه ان الرجال لو صلوا منفردين
يلزم فيها مثل ذلك، فيلزم عليه وجوب جماعتهم فيها مع ان المصريح به ان الجماعة
فيها غير واجبة فتأمل (رد المحتار ص ۱۳۵۲) وقال الرافعي رحمه الله تعالى
وقوله ومفاده ان جماعتهم في صلوة الجنائز واجبة الخ انما يتم بارجاع ضمير
لانها فريضة للجماعة كما فعل في حاشية البحر وهو خلاف الظاهر بل هو راجع
لصلوة الجنائز فانها فرض كفاية على كل منهن قال السندي نقلنا عن شرح
المنية ويستحب ان يصلين منفردات وتجوز جماعتهم ام فرادا لفتح وغيره
من الوجوب معناه اللغوي اى ثبت الاول ويكون مقدما على الترتيب لا على الافراد
المستحب والتحرير المختار ص ۱۳۵۲ قلت ويمكن الجواب عن اشكال ابن عابد
رحمه الله تعالى بان يشرع في الصلوة معا ولا اعتبار للفراغ متعاقبا لان البقاء
ليس له حكم الابتداء بل يظهر بعد التأمل انه لو شرعت الاخرى قبل فراغ الاولى
فلا اشكال فيه ايضا، فقط والله تعالى اعلم،

الرجيب سنة ۱۲۸۴

بحری جہاز میں فوت ہونے والے کا حکم :

سوال :- کوئی شخص بحری جہاز میں فوت ہو گیا، تو اس کو فوراً سمندر میں ڈال دیا جائے
یا کہ کنارے تک لے جانے کی کوشش کی جائے اور خشکی میں دفن کیا جائے؟ بینوا تو جبروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کنارے تک میت میں کسی قسم کے تغیر کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو خشکی میں دفن کیا
جائے، ورنہ سمندر میں ڈال دیا جائے، سمندر میں ڈالتے وقت کوئی دزنی پتھر وغیرہ ساتھ باندھ

بہتر ہے تاکہ میت نیچے بیٹھ جائے تیرے نہیں، قال فی العلائیۃ مات فی سفینۃ غسل
وکفن وصلی علیہ والقی فی البحران لم یکن قریباً من البر، وفی الشامیۃ رقلہ والقی
فی البحر، قال فی الفتح وعن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ یثقل لیرسباً ومن الشافعیہ
کذلک ان کان قریباً من دار الحرب والاشد بین لوحین لیقتلہ البحر فیدفنہ
رقلہ ان لم یکن قریباً من البر، الظاہر تقدیرہ بان یكون بینہم وبين البر مدۃ
یتغیر المیت فیہا ثم رأیت فی نور الايضاح التعبير بخوف الضرر بہ (رد المحتار ص ۸۳۶)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رجب سنہ ۱۲۰۰ھ

میت خاک ہو جائے تو اسی قبر میں دوسرے کو دفن کیا جائے؛

سوال :- حرمین شریفین میں دستور ہے کہ پُرانی قبروں میں ہی نئے مرنے والے گھڑتے
ہوتے ہیں، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ بیٹو! توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

جب میت اول خاک ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے، قال
فی الشامیۃ قال الزیلعی ولوبلی المیت وصارت تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ و
البناء علیہ ام، قال فی الامداد یخالفہ ما فی التتارخانیۃ اذا صار المیت تراباً فی القبر
یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ، لان الحرمة باقیۃ، ولن جمعا وعظامہ فی ناحیۃ ثم دفن
غیرہ فیہ تبرکاً بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یمکن دفنہ فیکرہ ذلک ام قلت لکن
فی ہذا مشقۃ عظیمۃ، فالاولیٰ اناطۃ انجاز بالبلایۃ اذ لا یمکن ان یعد لكل میت
قبر لا یدفن فیہ غیرہ وان صار الاول تراباً لاسیما فی الامصار الکبیرۃ الجامعۃ،
والالزام ان تعمد القبور السہل والوعر علی ان المنع من الحفر الی ان لا یبقی عظم
عیر جسد او ان امکن ذلک لبعض الناس لکن الکلام فی جعلہ حکماً عاماً لكل احد
فتأمل (رد المحتار، ص ۸۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب سنہ ۱۲۰۰ھ

میت کے مٹنے میں مصنوعی دانت رہ جائیں؛

سوال :- ایک آدمی مر گیا مرنے کے بعد اس کے مٹنے میں مصنوعی دانت تھے جو کہ

غسل دینے کے وقت بغیر تکلیف کے نہیں نکل سکتے تھے، اگر وہ دانت منہ میں رہ جائیں تو اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں، اور اگر دانت قیمتی ہوں اور میت کے منہ سے نہایت تکلیف کے ساتھ نکلے ہوں تو کیا ایسے دانت کا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں اگر دانت منہ میں رکھنے کی گنجائش ہے، تو کیا غسل میت اور دفن میت میں تو کچھ خرابی نہیں ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دانت منہ سے نکالنا مشکل ہو، اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دینے جائیں، غسل و دفن میں کوئی محذور نہیں، مال کی حرمت سے میت کی حرمت زیادہ ہے، قال فی العلائقہ ولو بلغ مال غیرہ ومات هل یشق قولان والاولیٰ نعم فتح، و فی الشامیۃ وان کان حرمة الادمی اعلیٰ من صیانة المال لکنہ زال احترامہ بتعدیہ کما فی الفتح ومفادہ انه لو سقط فی جوفہ بلا تعد لا یشق اتفاقاً المختار فی ۴۲، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۷ رجب سنہ ۱۴۲۰ھ

حضرت عائشہ کا حضرت عمر کی قبر پر بے پردہ نہ جانا:

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد روضہ مبارکہ میں بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں، اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال کے بعد وہاں دفن ہوئے تو باقاعدہ جب بھی جاتی تھیں تو پردہ کرنے لگیں، ایک صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پردہ کرنے لگیں، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نامحرم تھے اور مرے کے بعد بھی وہ زندوں کی طرح دیکھ لیتے ہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے صرف احترام مقصود تھا، مرنے کے بعد دیکھنا ثابت نہیں، قال الطیبی فیہ ان احترام المیت کا احترام حیا و مراقاة ص ۱۱۷ ج ۴، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۱۴۲۰ھ

لحد کی گہرائی :

سوال :- مشہور ہے کہ فرشتے میت کو قبر میں حساب و کتاب کے لئے بٹھاتے ہیں اس لئے لحد اتنی گہری ہونی چاہئے کہ اس میں میت آسانی سے بیٹھ سکے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جبراً

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ محض جہالت ہے، فرشتے میت کو ظاہری قبر میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں بٹھاتے ہیں، لحد یا شق کی گہرائی صرف اتنی ہونی چاہئے کہ اس میں میت کو سنت کے مطابق کروٹ پر لٹایا جاسکے، بالائی سطح میت کے جسم سے الگ مگر بالکل قریب ہو، تاکہ قبر کے گرد درندوں سے حفاظت رہے، ولایس السقف المیت (مخطاوی علی المراتی ص ۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
محرم ۱۴۰۱ھ

نماز جنازہ کے لئے جماعت مسجد کے انتظار کی رسم :

سوال :- آجکل عموماً یہ دستور ہے کہ نماز جنازہ کے لئے محلہ کی مسجد میں وقتی نماز کی جماعت کا انتظار کیا جاتا ہے، نماز کے مقررہ وقت پر جنازہ مسجد کے پاس لے آتے ہیں، اور فرض نماز کی جماعت سے فارغ ہو کر جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم خلاف شرع ہے، نماز جنازہ میں اس لئے تاخیر کرنا کہ زیادہ لوگ شریک ہوں مکروہ ہے، جنازہ میں تعجیل اس قدر مذکور ہے کہ اوقات مکروہہ میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے، یعنی مکروہ وقت میں جنازہ تیار ہو تو اسی وقت ہی نماز پڑھ لی جائے، مکروہ وقت گزرنے تک بھی انتظار نہ کیا جائے، اس رسم کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدوں کے اندر نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں، جو مکروہ ہے، تحویماً وقتاً قولاً مصححان - واللہ تعالیٰ اعلم،
محرم ۱۴۰۱ھ

میت کے پاس تلاوت کا حکم :

سوال :- میت کو نہلانے سے پہلے اس کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

میت کو کپڑے سے ڈھانک دیا جائے تو اس کے پاس تلاوت میں کوئی حرج نہیں، ورنہ مکروہ ہے، اور نہلانے کے بعد ہر صورت کوئی کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۸ محرم ۱۴۰۱ھ

میت کو نہلانے والے کے لئے غسل مستحب ہے :

سوال :- میت کو نہلانے کے بعد نہلانے والے پر غسل واجب ہے یا سنت،
یا مستحب ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب
مستحب ہے، کذا فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸، محرم ۱۴۰۱ھ

فرض کا ایصالِ ثواب :

سوال :- فرض کا ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں ؟ یعنی فرض بھی ادا ہو اور میت
کو بھی ثواب ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے، والراجح الجواز، نقل فی الشامیۃ عن البحرانہ لا فرق
بین الفرض والنفل وعن جامع الفتاویٰ قیل لا یجوز فی الفرائض (رد المحتار ص ۸۴۲) ،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸، ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

تلقین بعد الموت :

سوال :- بعد دفن میت عند القبر تلقین کرنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کا جواز مختلف فیہ ہے، لہذا احتراز اولیٰ واسلم ہے، بالخصوص اس دورِ فسادِ عقیدہ
میں اجازت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸، ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

فصل فی الشہید

حادثہ میں مرنے والے کا حکم:

سوال :- ریل یا موٹر سے گر کر مر جائے یا ان میں کٹ کر مر جائے، یا کسی چیز سے
اکسیڈنٹ ہو جائے تو ایسا شخص شہید صغیر شمار ہوگا یا نہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شہادت صغریٰ ہے، شہدار کے احکام دنیویہ کا جریان اس پر نہ ہوگا، لیکن
آخرت میں فی الجملہ شہدار میں محسوب ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ رزی الحجہ ۱۴۲۸ھ

شیعہ شہید نہیں ہو سکتا:

سوال :- اس عشرہ محرم میں جو مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں سے مارے گئے،
یہ لوگ شہید ہیں یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ شہادت کبریٰ نہیں تو صغریٰ تو ہوگی؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شہادت کی شرط اول اسلام ہے، شیعہ مسلمان نہیں، اس لئے ان کی موت نہ شہادت
کبریٰ ہے نہ صغریٰ، بلکہ نار جہنم ہے، شیعہ مذہب کی تفصیل میرے رسالہ تحقیقت شیعہ میں
ہے، (یہ رسالہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں شائع ہو چکا ہے، مرتب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۹ محرم ۱۴۲۸ھ

بمباری سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال :- جنگ میں ہوائی حملوں کے دوران جو مسلمان شہید ہو جائیں ان کو غسل
دینا ضروری ہے یا نہیں؟ شہید حقیقی کس کو کہتے ہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شہری آبادیوں پر ہوائی حملہ سے شہید ہونے والوں پر شہادت کے دنیوی احکام جاری

ہونگے، انھیں غسل نہیں دیا جائے گا، شہادت کے دنیوی احکام جن لوگوں پر جاری ہوتے ہیں اُن کی تفصیل بہشتی گوہر میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ

مسلمانوں کے باہم قتال میں مرنے والے کا حکم:

سوال :- دو مسلمان جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی، نہ اُن میں سے کوئی جماعت باغی تھی، اور نہ قطاع الطريق تھی، اور نہ حربی تھی، بلکہ سب مسلمان تھے، اور مسلمانوں کے ایک گاؤں میں رہتے تھے، لیکن ایک جماعت بالکل ظالم تھی، دوسری جماعت مظلوم تھی، مظلوم جماعت سے دو آدمیوں کو آلہ غیر جارحہ سے قتل کیا گیا، اور دونوں وہیں معرکہ میں ہلاک ہو گئے نہ کوئی کلام کیا، اور نہ کچھ کیا، البتہ ایک آدمی کا قاتل بھی معلوم ہوا، اور دوسرے کا قاتل معلوم نہیں ہوا، بلکہ جماعت کے ہر فرد پر شبہ قتل کیا جاسکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اُن ہلاک شدگان میں سے کس کو غسل دیا جائے اور کس کو غسل نہ دیا جائے؟ سب سے زیادہ وضاحت شامی میں ہے، مگر بعض عبارات میں مجھ سے تطبیق نہیں ہو سکی، شامی کی عبارت کی بھی وضاحت فرمائیں؛ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں کو غسل نہ دیا جائے، غسل سے متعلق شامیہ کی عبارت اس صورت میں ہے جبکہ ظلم متیقن ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ومفادہ انہ لو كانت احدى الفرقین ظالمة للاخری بان علموا حالہم لا يغسل من قتل من الاخری وان جہل قاتلہ عینا لكونہ مدافعا عن نفسه وجماعته تأمل (رد المحتار ص ۴۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۰ شعبان ۱۲۹۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال :- شہید کے بارے میں شامی کی ان دو عبارتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، ان میں تطبیق کس طرح دی جاسکتی ہے، مثلاً در مختار کی عبارت (بل قصاص) کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں: اما اذا لم يعلم قاتلہ فسیأتی انہ يغسل، یہاں شامی نے اس صورت میں غسل دینے کا لکھا ہے، پھر ماتن اور شراح کی عبارت (وکن ایکن شہیدا) کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں؛ ومفادہ انہ لو كانت احدى الفرقین ظالمة بان علموا حالہم لا يغسل من قتل من الاخری وان جہل قاتلہ عینا لشامیہ ص ۶۱۶

ایک جگہ تو ایسے مقتول کو جس کا قاتل معلوم نہ ہو غسل کا لکھا ہے، اور دوسری جگہ اسی کو عدم غسل کا لکھا ہے، کیا تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پہلی عبارت سے وہ مقتول مراد ہے جس کا قاتل بالکل نامعلوم ہو، اور دوسری عبارت سے مراد وہ مقتول ہے جس کا عینی اور فردی قاتل تو نامعلوم ہے مگر بحیثیت جماعت معلوم ہے، یا یہ کہ پہلا مقتول مظلوم نہیں ہے دوسرا مظلوم ہے،

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو مسلمان جماعتوں کے درمیان لڑائی ہو گئی، ان میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت کے دو آدمیوں کو ظلماً قتل کیا، جبکہ آلہ غیر جارحہ تھا، اور قاتل کی جماعت ظالم تھی، مقتول کی جماعت مظلوم تھی، نیز یہ بھی معلوم ہو کہ ان دو ہلاک شدگان میں سے ایک کا قاتل معلوم ہے، دوسرے کا نامعلوم ہے، اب ایسی صورت میں ان ہلاک شدگان کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ بالکل ایسی صورت کے جواب میں آپ نے گزشتہ فتویٰ مرسلہ ۳۰ شعبان ۱۳۹۹ھ میں لکھا ہے کہ دونوں کو غسل نہ دیا جائے، اب سوال یہ ہے کہ جب لڑائی کے طرفین مسلمان ہوں اور ایک طرف میں کسی کو ظلماً مارا جائے تو غسل اُس وقت نہ دیا جائے گا، جبکہ آلہ جارحہ ہو، اور اگر ان میں سے کسی کو ظلماً آلہ جارحہ کے ساتھ قتل کیا گیا تو ایسے مقتول کو غسل نہ دینے کا کہاں لکھا ہے؟ آپ نے شامی کی عبارت ومفادہ انہ لو كانت احدي الفرقتين ظالمة للاخرى بان علموا حالهم الخ تحریر فرمائی ہے، مگر شرح وقایہ ص ۱۶۱ والی عبارت واما مقتول غیر هو لاء وهو مسلم قتله مسلم غیر باغ وغیر قطاع الطريق فانه يكون شهيداً عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اذا قتل بحدّ ظلماً کا کیا جواب ہو گا؟ اس لئے کہ اس میں تو شہید کے لئے ظلم کے علاوہ قتل بالحدّ کی شرط ہے، نیز ہامش فتح القدیر ص ۴۱ ج ۱ میں بھی لکھا ہے والقید بالحدید انما هو اذا كان القتل من المسلمين، اگر قتل بالحدید کی قید اس صورت میں نہیں تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ ہے، اور اس کا محل کیا ہے، اگر یہ قید لغو ہے تو لغویت کی کیا دلیل ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

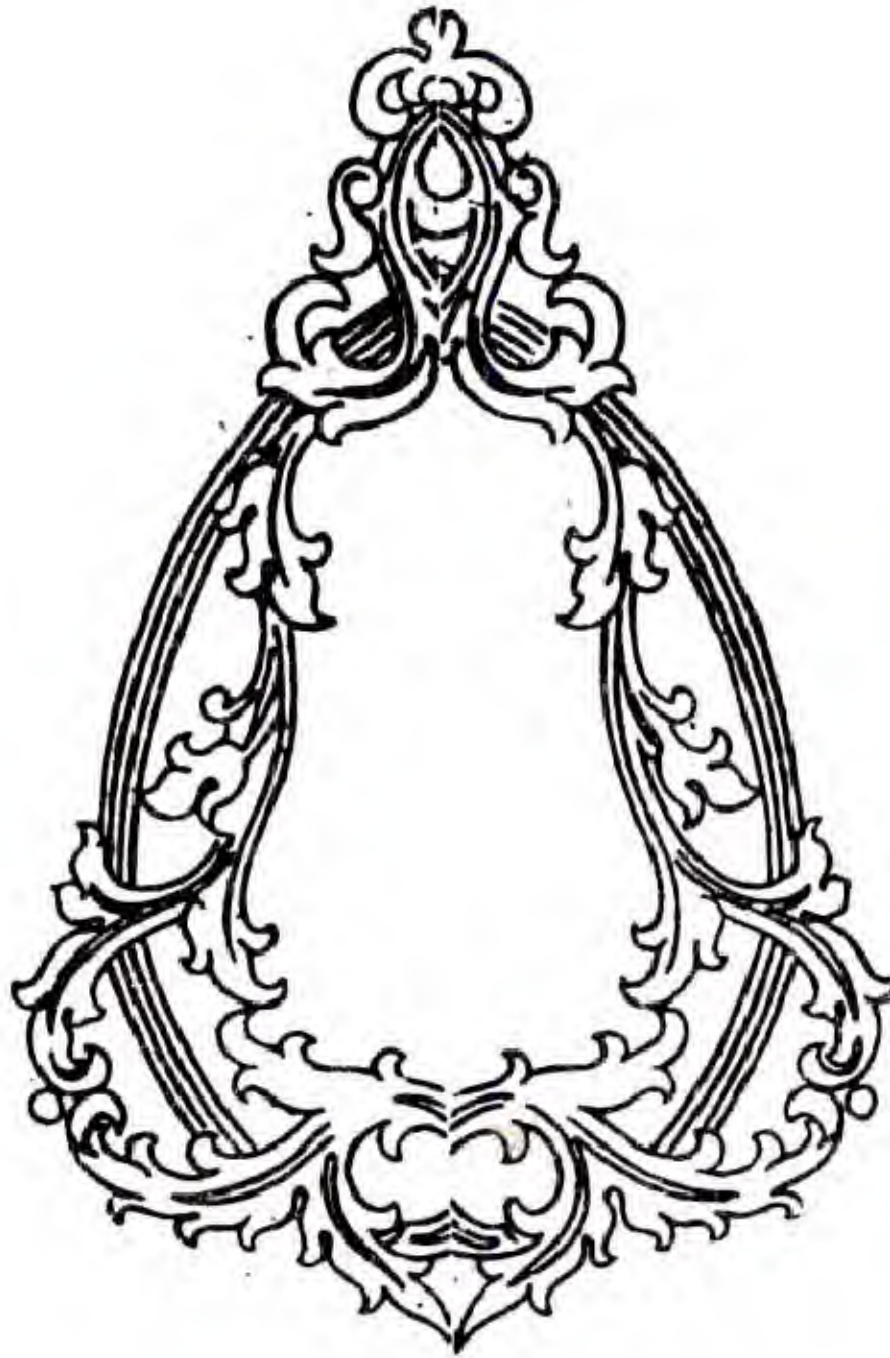
اصل مراد اس پر ہے کہ قتل موجب دیت ہو تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں، اس لئے شامیہ کی عبارت اما اذا لم يعلم قاتله فسیأتی انہ یغسل میں قتل موجب

مراد ہے، بان وجد فی محلّہ، چنانچہ قول ماتن ویغسل من وجد قتیلًا فی مضر، فیہا
یجب فیہ الدیۃ ولم یعلم قاتلہ میں اسی کا بیان ہے، اور قول ابن عابدین رحمہ
تعالیٰ فسیأتی میں اسی طرف اشارہ ہے،

شرح وقایہ کی عبارت میں مقتول غیر مدافع کا حکم ہے، جو شامیہ وغیرہ
میں بھی ہے، اور شامیہ کی عبارت مذکورہ میں مقتول مدافع کا حکم ہے، فلا منافاة،
قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ بقی من قتل مدافعًا عن نفسه او عن ماله
او عن اهل الذمۃ من غیر ان یکون القاتل واحدًا من الثلاثة فی الكتاب
فلان المقتول شہید کما صرح بہ فی المحيط وعطفہ علی الثلاثة وجعلہ سببًا
رابعًا ولا یسکن دحوزہ تحت قولہ او قتله مسلم ظلمًا لان المدافع المذکور
شہید بائی الہ قتل بحدیدۃ او حجر او خشب کما صرح بہ فی المحيط ومقتول
المسلم ظلمًا لا یکون شہید الا اذا قتل بحدیدۃ کما قد مناه البجوالرائق ص ۱۹۶
وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقال فی النہر کونہ شہیدًا وان قتل
بغیر محد ومشکل جدّ الوجوب الدیۃ بقتلہ، فتدبرہ معنا النظر فیہ ام قلت
یسکن حسلہ علی ما اذا لم یعلم قاتلہ عینًا، کما لو خرج علیہ قطاع طریق او
لصوص او نحوہم وفی البحر عن المجتبی اذا التقت سربتان من المسلمین
وکل واحدۃ تری انہم مشرکون فاجلوا عن قتلی من الفریقین قال محمد
رحمہ اللہ تعالیٰ لادیۃ علی احد ولا کفارة لانہم دافعون عن انفسہم
ولم یدکر حکم الغسل ویجب ان یغسلوا لان قاتلہم لم یظلمہم ام
ومفادہ انہ لو كانت احدى الفرقتین ظالمًا لاخری بان علموا حالہم
لا یغسل من قتل من الاخری وان جہل قاتلہ عینًا لکونہ مدافعًا عن
نفسہ وجباۃتہ تأمل (رد المحتار، ص ۵۰ ج ۱) وقال فی منحة الخالق والجوا
عن اشکالہ ان ہذا القاتل ان کان مکابرًا فی المصلیٰ فسیأتی انہ بمنزلۃ
قاطع الطريق وان کان لصًا نزل علیہ لیلاً لیقتلہ او یاخذ ماله فهو بمنزلتہ
ایضًا کما فی النہر، وعلیٰ کل فلا دیۃ فی قاطع الطريق فقوله لوجوب الدیۃ منوع
۱۷ وعلیٰ کل فهو شہید ولا اشکال تدبر البحر الرائق، ص ۱۹۰ ج ۲ علامہ ابن عابدین

رحمہ اللہ تعالیٰ کا لو کہ انت احدی الفرقتین ظالمة للاخری میں عدم وجوب دیت کی توجیہ لکونہ مدافعا سے کرنا اور اس کا بحر عن المجتبیٰ کے جزئیہ اذا التقت سریتان الخ سے استنباط بندہ کے خیال میں محل تأمل ہے، اس لئے کہ مقیس علیہ میں قاتل بھی مدافع ہو، لہذا اس پر عدم وجوب دیت ظاہر ہے، مگر مقیس میں قاتل مدافع نہیں، صرف مقتول مدافع ہے، غالباً ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں تأمل سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، پس صورت زیر بحث میں عدم وجوب دیت وثبوت شہادت کی صحیح توجیہ وہی ہے جو ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے منجۃ الخالق میں بیان فرمائی ہے، یعنی ایسے قاتلین بحکم قطاع الطريق ہیں، اور ان کی مدافعت بحکم جہاد ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲، شوال ۱۳۹۹ھ



کتاب الزکوٰۃ

دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا؛

سوال؛ زید اپنی زکوٰۃ اور فطرانہ اپنے شہر کے مساکین کو نہیں دیتا، بلکہ دور دور کے شہروں میں بھیجتا ہے، آیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، مگر وہاں کوئی رشتہ دار مسکین ہو یا اپنے شہر کے مساکین سے کوئی زیادہ حاجت مند ہو یا زیادہ نیک ہو، یا طالب علم دین ہو یا دوسری جگہ بھیجنے میں عامۃ المسلمین کا زیادہ فائدہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اہل قرابت کا حق اپنے شہر کے مساکین سے زیادہ ہے، کسرہ نقلہا الا الی القرابة بل فی الظہیریۃ لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابۃ محتاج حتی یبدأ بہم فیسد حاجتہم، او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین او من دار الحرب الی دار الاسلام او الی طالب العلم و فی العراج التصدق علی العالم الفقیر افضل او الی الزہاد او کانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصۃ (الد المختار ج ۲)

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجل ولہ قرابة محتاجون الی صلۃہ ویصرفہا الی غیرہم والذی نفسی بیدہ لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ اہم رحمۃ والمراد بعدم القبول عدم الاثابۃ علیہا وان سقط بہا الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج وفي القرب جیم بین الصلۃ والصدقۃ (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

سرزقینہ سلمہ

مسکین کو قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی؛

سوال؛ ایک شخص کا کسی فقیر پر قرض ہے، اس نے مقروض سے کہا کہ میں نے تجھے اپنا قرض زکوٰۃ میں معاف کیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا
الجواب منه الصدق والصواب

قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، صحیح صورت یہ ہے کہ اس شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے کر قرض میں واپس لے لے، اگر واپس نہ کرے تو جبراً بھی لے سکتا ہے، اگر واپس نہ کرنے کا خطرہ ہو تو اس سے کہا جائے کہ کسی کو اپنی طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے اس سے قرض ادا کرنے کا وکیل بنائے، لسانی شرح التنویر واعلم ان اداء الدين عن الدين والعين عن العين وعن الدين يجوز واداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زکوٰۃ ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المدين مديده واخذها لكونه ظفر بجنس حقه فان مانعه رفعه للقاضي وفي الشامية تحت قوله واعلم وفي صورتين لا يجوز الاولى اداء الدين عن العين كجعله مافي ذمة مديونه زکوٰۃ لماله الحاضر (رحم المختار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۵، ذیقعدہ ۱۲۷۲ھ

مذکر زکوٰۃ سے کسی کا قرض ادا کرنا؛

سوال؛ ایک غریب آدمی قرضدار ہے، زکوٰۃ سے اگر اسکی مدد کی جاتی ہے تو خطرہ ہے کہ خود رکھ لے گا، اور قرض ادا نہیں کرے گا، کیا اس کا قرض اتارنے کے لئے زکوٰۃ کی رقم براہ راست قرضخواہ کو دینا جائز ہے؟ کیا مسکین کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کا قرض زکوٰۃ کی رقم سے ادا کر رہے ہیں؟ بیّنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسکین کی اجازت سے اس کا قرض مذکر زکوٰۃ سے ادا کیا جائے تو جائز ہے، مسکین کو مذکر زکوٰۃ کا بتانا ضروری نہیں، فقط والله تعالى اعلم

۲۰، رجب ۱۴۰۱ھ

قرض سے فارغ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں؛

سوال؛ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ ہے مگر اسی قدر یا اس سے زائد اس پر قرض

بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر قرض سے فارغ مال حد نصاب تک نہیں پہنچتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر وجوب زکوٰۃ کے بعد قرض ہو گیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی، قال فی التنبیہ و سببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد، وقال فی الشرح سواء كان لله كزکوٰۃ وخراج او للعبد ولو كفالة او مؤجلاً الخ وفي الشامية (قوله فارغ عن دین) وهذا اذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزکوٰۃ فلو لحقه بعد لم تسقط الزکوٰۃ لانها ثبتت في ذمته فلا يسقطها ما لحق من الدين بعد ثبوتها جوهرة (شامية ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

غرة ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے:

سوال: زید کے ذمہ ہندہ کا دین مہر ہے، تحقیق طلب یہ امر ہے کہ دین معجل یا مؤجل وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے یا نہیں؟ ادارہ کرنے کی نیت ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فتح القدیر، طحاوی اور بدائع وغیرہ میں چار اقوال مذکور ہیں:-

① دین خواہ مؤجل ہو یا معجل مہر ہو یا غیر مہر بہر صورت مانع وجوب زکوٰۃ ہے،

② دین مؤجل مانع نہیں، مہر ہو یا غیر مہر،

③ صرف مہر مؤجل مانع نہیں،

④ زوجہ ادبہر کا عزم رکھتا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں،

قول اول راجح معلوم ہوتا ہے، اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا، وان نقل عن الجواهر القہستانی تصحیح الثانی ورجح بعض الکابر الشافعی اولاً والرابع

۲۸ صفر ۱۲۹۹ھ

ثانیاً، فقط والله تعالى اعلم،

مذکور زکوٰۃ سے مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں:

سوال: مال زکوٰۃ سے مدرسہ اسلامیہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجوابُ منه الصدق والصواب

جائز نہیں، قال فی شرح التنویر لا یصرف مال الزکوٰۃ الی بناء نحو مسجد
وفی الشامیة کبناء القناطیر والسقايات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج
والجهاد وکل مال لا تمليك فيه زیلعی رر المعارج ۲ ص ۸۵ فقط والله تعالی اعلم
وزیعہ ۴۲ھ

مذہب زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں،

سوال: زکوٰۃ کے مال سے معلم علوم اسلامیہ کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ معلم صاحب
نصاب نہیں، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

معلم اگرچہ مسکین ہو تب بھی اسے تنخواہ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں، قال فی الہند
ولو نوى الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفة بحال
ولم یدفعه یعلم الصبیان ایضا اجزأه وآفلا وکن اما یدفعه الی الخدم من
الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکوٰۃ کن فی معارج الدایة (عالمگیری ص ۹)
فقط والله تعالی اعلم
وزیعہ ۴۲ھ

غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں؛

سوال: طالب علم غنی جو طلب علم کی وجہ سے عاجز عن الکسب ہو مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا،

الجوابُ منه الصدق والصواب

ایسے طالب علم کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، واما ما ذکر فی شرح التنویر من ان
طالب العلم یجوز له اخذ الزکوٰۃ ولو غنیاً الخ فهو غیر معتمد علیہ کما قال فی الشامیة
معزیا الی الطحطاوی ونصها وھذا الفرع مخالفت للاحقہم الحرمة فی الغنی ولم
یعتدہ احد طقلت وهو کذلک والاوجه تقييده بالفقير ویكون طلب العلم مرخصاً
لجواز سؤاله من الزکوٰۃ وغیرھا وان کان قادراً علی الکسب اذ بدونه لا یحل له
السؤال کما سیأتی ومذہب الشافعیة والحنابلة ان القدرة علی الاکتساب

تمنح الفقر فلا يجعل له الاخذ فضلاً عن السؤال الا اذا اشتغل عنه بالعلم الشرعی، (رد المحتار ص ۸۱ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ

بدائع میں ”فی سبیل اللہ“ کو عام نہیں کہا گیا:

سوال: مولانا آزاد نے ”فی سبیل اللہ“ کے لفظ کو عام رکھا ہے، جمیع قربات کو شامل کہتے ہیں، یعنی تملیک ضروری نہیں، پس بنا بر مسجد و مدرسہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے، حوالہ بدائع کا دیا ہے، امین احسن اصلاحی اور جماعت اسلامی کے دیگر افراد بھی بدائع کی عبارت پیش کرتے ہیں، کیا واقعی یہ جزیئہ بدائع میں ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قال فی البدائع واما قوله تعالى و فی سبیل اللہ عبارة عن جمیع القرب قد دخل فیہ کل من سعی فی طاعة الله وسبیل الخیرات اذا كان محتاجاً، وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ المراد منه فقراء الغزاة الخ، اس عبارت میں ظاہر ہے کہ اس قدر عموم مقصود نہیں کہ شرط تملیک منتفی ہو جائے، بلکہ اس سے مقصود ہر ایسے فقیر کی تملیک ہو جو کسی بھی کار خیر میں لگا ہوا ہو، اور اس تعمیم سے اُن اقوال پر رد مقصود ہے جن میں بعض خاص انواع مراد لی گئی ہیں، صاحب بدائع اگر قول تملیک کے مقابلہ میں یہ قول لاتے تو اس سے استدلال ہو سکتا تھا، مگر بدائع میں ایسا نہیں، بلکہ تملیک کی چند خاص صورتوں کے مقابلہ میں یہ بھی تملیک کی ایک عام صورت بیان کی ہے، در مختار اور رد المحتار میں بھی بدائع کے جزیئہ کو تملیکات خاصہ کے مقابلہ میں بیان کیا ہے، اگر نفس تملیک کا انکار ہوتا تو کوئی فقیہ ضرور اس کی تصریح کرتا، و ما فی کتاب الخراج لابن یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ من تفسیر سبیل اللہ باصلاح طرق المسلمین فهو مخالف لما نقل عنه اثنتا الف رحمہم اللہ تعالیٰ کما قد مناع البائع ولم ينقله صاحبه محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وهو اعلم بمن هبہ، و هذا دلیل علی وقوع الخطأ فی نسخة کتاب الخراج وهو کتاب غیر منحدوم فلا يجوز الاعتماد علی ما فیہ من خلاف الكتب المخرومة، فقط والله تعالى اعلم،

۱۲ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

زکوۃ کا نصاب:

سوال: کسی کے پاس سونا پاء، تولے سے کم ہو تو اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سونے کا نصاب $\frac{1}{2}$ تولہ = ۸۷،۴۹۹ گرام اس شخص کے لئے ہے جس کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو، اسی طرح چاندی کا نصاب $\frac{1}{2}$ تولہ = ۳۵۰-۶۱۲ گرام اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا، مال تجارت اور نقدی بالکل نہ ہو، اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ بھی ہے تو سب کی قیمت لگائی جائے گی، اگر سب کی مالیت ۸۷،۴۹۹ گرام سونے یا ۳۵۰-۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہے،

نصاب زکوٰۃ کا خلاصہ یہ ہے، سونا $\frac{1}{2}$ تولہ = ۸۷،۴۹۹ گرام یا چاندی $\frac{1}{2}$ تولہ = ۳۵۰-۶۱۲ گرام، یا مال تجارت یا نقدی یا ان چاروں اشیاء یا ان میں سے بعض کا مجموعہ سونے یا چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر ہو، مال تجارت سے وہ چیز مراد ہے جو تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور یہی نیت باقی ہو، اگر بوقت خرید تجارت کی نیت نہ تھی یا بعد میں تجارت کی نیت نہ رہی یا خریدنے کی بجائے کسی دوسرے ذریعہ سے کوئی چیز ملی، اگرچہ لیتے وقت تجارت کی نیت ہو، ان سب صورتوں میں زکوٰۃ نہیں،

تنبیہ: بندہ کی تحقیق مندرجہ رسالہ "بسط الباع لتحقيق الصاع" کے مطابق چاندی کا نصاب ۴۸۰-۶۸۰ گرام اور سونے کا ۲۷،۹ گرام بنتا ہے، صدقۃ الفطر کے لئے وہی تحقیق رائج ہونے کے علاوہ احوط بھی ہے، مگر نصاب زکوٰۃ میں کم وزن لینے میں احتیاط ہے، اس لئے یہاں عام مشہور وزن لکھا گیا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۶ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ

زکوٰۃ کا مصرف :

سوال: کتنی مالیت رکھنے والے پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی؟ بینوا تو حروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سونے، چاندی، مال تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۸۷،۴۹۹ گرام سونے یا ۳۵۰-۶۱۲ گرام چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ نہیں لے سکتا، تین جوڑے کپڑے سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی، فی اضحیۃ الشامیۃ وصاحب الثیاب

الاربعة لوساوی الرابع نصاباً غنی وثلاثة فلا، لان احدها للبذلة والاخر للمهنة
والثالث للجمع والوفد والاعیاد، (رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۵) فقط والله تعالی اعلم
۶ ر ذی قعدہ ۸۳ھ

نصاب زکوٰۃ پر سال گزرنے کا مطلب :

سوال : میں رمضان کی پہلی تاریخ کو زکوٰۃ نکالتا ہوں، اگر شعبان کے آخر میں کچھ رقم
آجائے تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے؟ بیادینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ قمری ماہ کی جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوئے تھے ہمیشہ وہی تاریخ آپ کی زکوٰۃ
کے حساب کے لئے متعین رہے گی، اُس تاریخ میں آپ کے پاس سونا چاندی، مال تجارت اور
نقدی جو کچھ بھی ہو خواہ ایک ہی روز قبل ملا ہو سب پر زکوٰۃ فرض ہوگی، زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ
اسی تاریخ میں ہوگا، ادا جب چاہیں کریں، اگر درمیان سال میں بقدر نصاب مال نہیں رہا مگر
متعین تاریخ میں نصاب پورا ہو گیا تو بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر درمیان میں مال بالکل نہ رہا
تو اب پھر جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوں گے وہ متعین ہوگی، اگر صاحب نصاب بننے
کی قمری تاریخ یاد نہ ہو تو غور و فکر کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی، اگر کسی تاریخ کا
بھی ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کر لیں، فقط والله تعالی اعلم،

۶ ر ذی قعدہ ۸۳ھ

زوجہ معسر کی زمین حواجج اصلیه سے ہے :

سوال : ہمارے ملک میں بیوی کو ہر میں گھریلو سامان اور کپڑوں کے علاوہ زمین اور کھجور
کے درخت بھی دیتے ہیں، اور یہ زمین اور درخت شوہر کے تصرف میں رہتے ہیں، وہ اُن کی پیداوار
بیوی اور اولاد پر خرچ کرتا ہے، کیا اس صورت میں بیوی غنیہ شمار ہوگی؟ زوج معسر ہو یا موسر
دونوں صورتوں میں فرق ہوگا یا نہیں؟ شامی میں ہے سئلت عن المرأة هل تصیر غنیة
بالجهاز الذي تزف به الى بيت زوجها والذي يظهر متامران ما كان من اثاث
المبزل وثياب البدن وادانی الاستعمال مدا لید لا مثاله امنه فهو من الحاجة
الاصلیة وما زاد علی ذلك من الحلی والاواني والامتعة التي یقصد بها الزینة اذا
بلغ نصاباً تصیر به غنیة (ص ۸۸ ج ۲) اس میں یہ اشکال ہے کہ ثیاب بدن زوج پر نفقات

واجبہ میں سے تو عورت کی حوائجِ اصلیہ میں کیوں شمار کئے گئے؟ اگر ثیابِ حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں تو عورت کی غذا بھی زوج پر نفقہ واجبہ ہونے کے باوجود عورت کی حوائجِ اصلیہ میں داخل ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زوجہ کا نفقہ اگرچہ شوہر پر واجب ہو، مگر اس میں احتمالِ سقوط ہے، چنانچہ زوج کے معسر ہونے یا زوجہ کے طلب نہ کرنے یا طلب کے باوجود مصنی مدت سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے اعسارِ زوج کی حالت میں عورت کی زمین اگر اس کے مصارف سے زائد پیداوار نہ دیتی ہو تو وہ عورت کی حوائجِ اصلیہ میں داخل ہوگی، اسی طرح عورت کا مکان بھی اعسارِ زوج کی حالت میں اس کی حوائجِ اصلیہ میں داخل ہے، حالانکہ یہ بھی نفقاتِ واجبہ میں سے ہے کما فی اضحیۃ الشامیۃ والمرأۃ موسرۃ بالمعجل لوالزوج ملیا وبالمتعجل لا و بدار تسکنھا مع الزوج ان قدر علی الاسکان (رد المحتار، ص ۲۱۹ ج ۵) سوال میں اثاث المنزل وثیاب البدن وغیرہ سے متعلق شامیہ کے جزئیہ میں اعسارِ زوج کی قید اس لئے نہیں کہ بیوی کے پاس ان اشیاء کی موجودگی میں شوہر سے ان کا مطالبہ عرفاً نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لئے یہ اشیاء بہ صورت عورت کی حوائجِ اصلیہ میں شمار ہوں گی خواہ زوج معسر ہو یا موسر، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

دینِ مہر کی وجہ سے عورت کی غنا کی تفصیل:

سوال: عورت کا شوہر کے ذمہ مہر واجب ہے، اور کوئی چیز اس کے پاس نہیں، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مہر معجل ہو اور زوج موسر ہو تو عورت غنیہ شمار ہوگی اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اگر زوج معسر ہو یا مہر متعجل ہو تو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، فی اضحیۃ الشامیۃ والمرأۃ موسرۃ بالمعجل لوالزوج ملیا وبالمتعجل لا (رد المحتار، ص ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشر، ۸۵ھ

حکم اداء زکوٰۃ بذریعہ نوٹ:

سوال: اگر زکوٰۃ میں فقیر کو نوٹ دیئے گئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک روپیہ کا نوٹ خورد مال ہے، اس سے زکوٰۃ کی صحت میں کوئی اشکال نہیں، البتہ ایک روپیہ سے بڑا نوٹ مال کی رسید ہے، مگر رسیدی نوٹ جب فقیر کو دیا گیا تو یہ حکومت پر حوالہ ہوا، اگر فقیر نے حکومت سے اس نوٹ کی رقم وصول کی تو اس وقت زکوٰۃ ادارہ ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ فی صورتین لا یجوز الا ولی اداء الدین عن العین کجعلہ مافی ذمۃ مدیونہ زکوٰۃ لہ مالہ الحاضر بخلاف ما اذا امر فقیراً بقبض دین لہ علی آخر عن زکوٰۃ عین فانہ تجوز لانہ عند قبض الفقیر یمیر عیناً فکان عیناً عن عین (رد المحتار ص ۲۳۱۳) اور اگر حکومت سے وصول کرنے کی بجائے کسی اور سے نوٹ کی رقم یا مال خریدا تو اگرچہ فقیر کا دین پر قبضہ نہیں ہوا، مگر دین کے عوض پر قبضہ ہو چکا ہے، وللعرض حکم المعوض، لہذا زکوٰۃ ادارہ ہو جائے گی، اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ فقیر نے دین علی الحکومتہ کے عوض میں اگر کچھ خریدا تو یہ تصرف تملیک الدین من غیر من علیہ الدین بالعوض ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ بیع و شراء بعوض الدین علی الحکومتہ نہیں ہوتی بلکہ عقد تو مطلقاً ہوتا ہے، مگر بعد میں نوٹ دے کر ثمن کا حوالہ حکومت پر کر دیا جاتا ہے، پس نوٹ سے خریدا ہوا مال اگرچہ ابتداءً دین کا عوض نہیں مگر انتہاءً عوض دین ہونے کی وجہ سے اسے للعوض حکم المعوض کے کلمہ میں داخل کیا جاسکتا ہے، اگر فقیر نے یہ نوٹ کسی کو سبہ یا اجرت یا ادارہ دین کے طور پر دیا تو اس نے دین زکوٰۃ حکومت سے خود وصول کرنے کی بجائے دوسرے کے حوالہ کر کے اسے مسلط علی القبض کر دیا ہے، پس اگر دوسرے شخص نے حکومت سے دین وصول کیا، تو گویا پہلے فقیر کی طرف سے وکالۃ اس پر قبضہ کیا، اس کے بعد اپنے لئے قبضہ کیا، قال فی الشامیۃ والحیلۃ اذا خاف ذلك ای منع الفقیر عن اخذ الدین مافی الاشباہ وھو ان یوکل المدیون خادماً الدائن بقبض الزکوٰۃ ثم بقضاء دینہ بقبض الوکیل صار ملکاً للموکل ولا یسلم المال للموکل الا فی غیبة المدیون لاحتمال ان یعزلہ عن وکالۃ قضاء دینہ حال القبض قبل الدفع (رد المحتار ص ۲۳۱۳) وایضاً فی بیوع الشامیۃ (قولہ لا یجوز من غیرہ) ای لا یجوز تملیک الدین من غیر من علیہ الدین الا اذا سلطہ علیہ واستثنی فی الاشباہ من ذلك ثلاث صور اذا سلطہ علی قبضہ فیکون وکیلاً قابضاً للموکل ثم لنفسہ الثانیۃ الحوالۃ الثالثۃ الوصیۃ (رد المحتار ص ۱۸۵)

اور اگر حکومت کی بجائے کسی اور سے نوٹ بٹھوایا یا کچھ خرید تو بقاعدہ للعوض حکم المعوض اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ نوٹ گم ہو گیا یا جل گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، لہذا احتیاط اس میں ہے کہ زکوٰۃ میں رسیدی نوٹ نہ دیئے جائیں، معہذا اگر دیدیے تو اس پر صحت ادا کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ گم ہونے یا جل جانے کا احتمال بہت بعید ہے، بدون ثبوت محض احتمال بعید معتبر نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربيع الاول ۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ مانگنا اور مانگنے والے کو دینا حرام ہے؛

سوال: زید دیندار شخص ہے، مستحق صدقات واجبہ ہے، اس کو زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر وغیرہ صدقات واجبہ سے سوال کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو یا کمانے پر قدرت ہو، اس کا خوراک کے لئے سوال کرنا حرام ہے، اور اس کو دینا بھی حرام ہے، دوسری ضروریات لباس، مکان وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے کہ بقدر ضرورت موجود ہونے کی صورت میں سوال کرنا حرام ہے، آجکل لڑکیوں کا جہیز بنانے کے لئے زکوٰۃ مانگنے کا عام دستور ہو گیا ہے، شرعاً یہ ضرورت میں داخل نہیں، اس لئے سوال ناجائز ہے، البتہ بدوں سوال از خود کوئی دیدے تو مضائقہ نہیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسکین طالب علم دین کو سوال کی اجازت تحریر فرمائی ہے، مگر یہ اُس زمانہ کی بات ہے جبکہ عوام میں علم دین سے نفرت نہیں تھی، علم دین اور اس کے پڑھنے پڑھانے والوں سے نفرت کے اس دور میں طالب علم دین کو بھی سوال کی اجازت نہیں، اس میں دین کی تذلیل و تحقیر ہے، اہل ثروت سے استغناء اور توکل علی اللہ کی برکات کی تفصیل کے لئے میرا رسالہ "صیانة العلماء عن البذل عند الاغنياء" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول ملاحظہ ہو، قال فی العلائق ولا یحل ان یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل او بالقوة كالصحيح المكتسب ویأثم معطیه ان علم بحاله لا عانتہ علی المحرم (رد المحتار، ص ۲۷۶) وفي الشامية ویكون طلب العلم مرتخصاً لجواز سؤاله من الزکوٰۃ وغیرها وان كان قادراً علی الکسب اذ بدونه لا یحل له السؤال كما سیأتی ومن هب الشافعية والحنابلة ان القدرة علی الاکتساب تمنع الفقر فلا یحل

لہ الاخذ فضلاً عن السؤال الا اذا اشتغل عنه بالعلم الشرعی،
(رد المحتار ص ۶۵ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،
، ارجاوی (آخرہ ۸۶)

فقیر کو زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز کا استعمال غنی کے لئے جائز نہیں:

سوال: اگر کسی فقیر کو کوئی کتاب مد زکوٰۃ سے ملی، تو غنی کے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ کے مسئلہ ذیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے:

مسئلہ، طلبہ کا کھانا جو کسی جگہ مقرر ہوتا ہے اور وہاں سے لاتے ہیں، صاحب نصاب کو وہ کھانا بحسب رغبت طلبہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: طلبہ کا کھانا جو مقرر ہوتا ہے اگر وہ واجب مثل کفارہ اور عشر اور نذر اور زکوٰۃ نہیں ہو تو طلبہ کے ساتھ ان کی اجازت سے غنی بھی کھا سکتا ہے، اور اگر ان میں سے کسی ایک میں کھانا مقرر ہوا ہے تو جب وہ طالب علم کسی کو مالک بنادے اُس وقت غنی اس کھانے کو کھا سکتا ہے صرف ساتھ کھلانے سے کھانا اس کا درست نہیں ہے، فقط (فتاویٰ رشیدیہ ۳۸ مطبوعہ قرآن محل) اس کے خلاف دیوبند، سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی، فنجوری دہلی، دارالعلوم نانک داڑہ کراچی، اور مولانا ظفر احمد صاحب ٹنڈو الہیاء نے صورت مذکورہ کے خلاف جواز کا فتویٰ دیا ہے، یہ فتاویٰ ارسال ہیں، اپنی تحقیق سے نوازیں، والاجر عند اللہ الکریم،

الجواب باسم ملہم الصواب

فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ صحیح ہے، فقیر نے مال زکوٰۃ غنی کو اباحت یا عاریت دیا تو اس کے لئے حلال نہیں، البتہ تملیک کے بعد حلال ہو جائے گا، قال فی العلائق فی باب موت المکاتب وعجزہ، وطاب لسیدہ وان لم یکن مصر فالصدقة ما ادى اليه من الصدقات فعجز لتبدل الملك واصله حدیث بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی للی صدقة ولنا ہدیۃ کما فی وارث شخص فقیر مات عن صدقة اخذها وارثه الغنی وکما فی ابن سبیل اخذها ثم وصل الی مالہ وہی فی یدہ ای الزکوٰۃ وکفقیر استغنی وہی فی یدہ فانہا تطیب لہ بخلاف فقیر اباح لغنی او ہاشمی عین زکوٰۃ اخذها لا یحل لان الملك لم یتبدل، وفی الشامیۃ (قولہ لان الملك لم یتبدل)، لان المباح لہ یتناولہ علی ملک المبیح ونظیرہ المشتري شراء فاسداً اذا اباح لغيره لا یطیب ولو ملکہ یطیب، ہدایۃ (رد المحتار، ص ۸۰ ج ۵)

وفي التبيين وتبديل الملك كتب لال العين فصار كعين اخر واليه اشار النبي صلى الله عليه وسلم في حديث بروية رضى الله تعالى عنها هي لها صدقة ولنا هدية وطحطاوي على الدر ص ۱۲ ج ۴) حديث سے ثابت ہوا کہ حلت بوجہ تبدل ملک بسبب ہدیہ ہوئی بصورت اباحت نہیں، عبارات مذکورہ کے علاوہ ہدایہ، عنایہ، فتح القدير، بحر، ہندیہ، طحاوی علی المراقی اور زیلعی وغیرہ جملہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، مجوزین حضرات نے فتویٰ لکھتے وقت کتب کی طرف رجوع نہیں فرمایا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ شعبان ۱۳۸۵ھ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں کہ اس پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی؟ بینوا قجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، جس کی وجہ سے احکام میں بھی فرق ہوگا، گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ میں حکومت مستاجر ہے، اور ملازم اجیر ہے، فنڈ کی رقم مستاجر (حکومت) کے قبضہ میں رہتی ہے، اس اجیر کا قبضہ نہیں ہوتا، قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے بدستور حکومت پر دین ہے، لہذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، وصول ہونے کے بعد بھی اُس پر گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ نہیں، بلکہ آئندہ کے لئے زکوٰۃ فرض ہوگی، لانہ دین ضعیف کدین المہر ولا یقاس علی دین اجرة الارض والدار والعبد فانه دین متوسط لان منفعة المال مال من وجه والحر لیس بمال فدين اجرتہ لیس بمقابل للنال الحقيقي ولا الحکمی علی ان الدین المتوسط ایضا کالدین الضعیف فی عدم وجوب الزکوٰۃ علی المراجع، البتہ اگر اس فنڈ میں سے ملازم نے کسی انشورنس کمپنی میں حصہ لیا تو اب بیمہ کمپنی کا قبضہ اجیر کی طرف منسوب ہوگا، اور کمپنی بمنزلہ وکیل ہوگی، اور وکیل قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہذا اجیر کے قبضہ میں آجانے کی وجہ سے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، پرائیویٹ کمپنیوں کا پراویڈنٹ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دیدیا جاتا ہے جس میں ملازمین کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہے، لہذا کمپنی کا قبضہ ملازم کا قبضہ شمار ہوگا، واللہ تعالیٰ

۵ شوال ۱۳۸۵ھ

قرض پر وجوب زکوٰۃ کی تفصیل :

سوال: ایک شخص کا کسی پر کئی سالوں سے قرض چلا آتا ہے، قرضخواہ پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ وصول ہونے پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی اس پر فرض ہوگی یا کہ صرف آئندہ سالوں کی؟ براہ کرم قرض پر زکوٰۃ کے احکام تفصیل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، بینواتوجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

اصطلاح شریعت میں قرض صرف اس مال کو کہا جاتا ہے جو بجنسہ واپسی کی شرط پر دیا گیا ہو، مگر عرف عام میں ہر واجب الذمہ رقم کو قرض کہہ دیا جاتا ہے، جو اصطلاح شریعت میں دین کہلاتا ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر قسم کے دین پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر حضرت امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ دین کی تین قسمیں فرماتے ہیں:-

① دین قوی: اس سے وہ رقم مراد ہے جو کسی کو نقد دی گئی ہو یا مال تجارت کے عوض میں واجب ہوئی ہو، یا ایسے مواشی کا عوض ہو جن پر زکوٰۃ فرض ہے، ایسے دین پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر زکوٰۃ کی ادائیگی جب فرض ہوگی کہ چالیس درہم (ایک درہم = ۴۰۰ گرام چاندی) کے برابر وصول ہو جائے، وقت وجوب دین سے سال پورا ہونے پر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ واجب ہوگی،

② دین متوسط: وہ دین جو مال کے عوض میں کسی پر واجب ہوا ہو، مگر یہ مال تجارت کا نہ ہو، اس پر وجوب زکوٰۃ سے متعلق امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ دین قوی کی طرح اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، مگر وجوب ادار کے لئے چالیس درہم کی بجائے دو سو درہم کی قید ہے، بقدر دو سو درہم وصول ہونے پر ان کی گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ دین متوسط پر زکوٰۃ فرض نہیں، بلکہ دو سو درہم وصول ہونے کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی، گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں، یہ روایت راجح ہے،

③ دین ضعیف: وہ دین جو مال کے عوض میں نہ ہو، جیسے دین ہر اس پر وصول سے قبل زکوٰۃ فرض نہیں، بعینہ وہی حکم ہے جو دین متوسط کی روایت ثانیہ میں گزرا، زمین اور مکان وغیرہ کی اجرت کا دین،

چونکہ مال کی منفعت بھی من وجہ مال ہے، اس لئے مکان، زمین اور دوسرے اموال کی اجرت کے دین سے متعلق امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین روایتیں ہیں، ایک یہ کہ دین اجرت ضعیف ہے

دوسری روایت دین متوسط کی ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ مال تجارت کی اجرت دین قوی ہے، پس مال غیر تجارت کی اجرت سے متعلق صرف دو روایتیں ہوتیں، ضعیف اور متوسط، ان دونوں میں سے کسی کی ترجیح منقول نہیں، مگر نتیجہ کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ قول راجح کے مطابق دین متوسط بھی دین ضعیف ہی کے حکم میں ہے، کما مرقا، مال تجارت کی اجرت کے متعلق روایات ثلاثہ میں سے آخری دو روایتوں کی تصحیح میں اختلاف ہے، لہذا اس کو دین قوی قرار دینا احوط ہے اور متوسط شمار کرنا اوسع،

ملازم کی تنخواہ کا دین:

دین اجرت سے متعلق مذکورہ روایات مال کی اجرت کے بارے میں ہیں، ملازم مال نہیں، اس لئے تنخواہ کا دین ہر کی طرح دین ضعیف ہے،

ورثہ میں ملنے والا دین:

اگر قرضخواہ کا انتقال ہو گیا، اور اس کا دین اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا، تو وارث کے حق میں یہ دین متوسط ہے، اگرچہ اصل میت کا دین قوی ہی کیوں نہ ہو،
تنبیہ:

① وجوب ادا کے لئے دین قوی سے چالیس درہم اور دین متوسط و ضعیف سے دو سو درہم وصول ہونے کی شرط، نیز دین قوی میں وقت وجوب دین سے اور دین متوسط و ضعیف میں بعد قبض حوالان حول کی شرط اس صورت میں ہے کہ اس کے پاس دین کے سوا اور کوئی مال زکوٰۃ نہ ہو، اگر مال زکوٰۃ میں سے کوئی اور چیز بھی موجود ہے جیسا کہ عموماً ہوتا ہی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس دین کے سوا مال زکوٰۃ بقدر نصاب موجود ہے، تو ہر قسم کے دین سے قلیل یا کثیر جو کچھ بھی وصول ہو گا وہ اُس سابق نصاب کے ساتھ شامل ہو جائے گا، اور اسی کے ساتھ اس وصول شدہ دین کی زکوٰۃ بھی واجب الادا ہوگی، اور اگر مال زکوٰۃ بقدر نصاب نہیں مگر دین قوی کے ساتھ مل کر نصاب کامل ہو جاتا ہے تو دین قوی سے جب اتنی مقدار وصول ہو جائے کہ پہلے سے موجود مال زکوٰۃ سے مل کر چالیس درہم کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ میں ایک درہم کی ادائیگی واجب ہوگی، اور جب سے نصاب کامل ہو لے اس وقت سے سال کی ابتداء شمار ہوگی، اور دین متوسط و دین ضعیف میں سے جب اتنی مقدار وصول ہو جائے کہ پہلے سے موجود مال زکوٰۃ سے مل کر دو سو درہم کے برابر ہو جائے اُس وقت سے

صاحبِ نصاب شمار ہوگا، اس کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے،
 (۲) دین قوی میں چالیس درہم کی قید اس پر مبنی ہے کہ ایک نصاب کامل ہونے کے بعد
 زائد مال جب تک چالیس درہم کی قیمت سے برابر نہیں ہوتا اس پر امام رحمہ اللہ تعالیٰ
 کے ہاں زکوٰۃ فرض نہیں، اس لئے کہ چالیس درہم سے کم کی صورت میں درہم کی کسر سے زکوٰۃ
 ادا کرنے میں حرج ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں نصاب کے بعد قلیل و کثیر سبب
 میں زکوٰۃ ہے، (رد المحتار ص ۳۹ ج ۲، برائع ص ۱۰ ج ۲، البحر الرائق مع الحاشیۃ منخۃ الخالق
 ص ۲۰۸ ج ۲، مبسوط ص ۱۹۶ ج ۲) آجکل چالیس درہم سے کم مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنے
 میں کوئی مشکل نہیں، بلکہ برعکس چالیس درہم کی مالیت کا اندازہ کرنے اور ہر دو سو درہم
 کی مالیت کے نصاب کا الگ حساب لگانے میں حرج ظاہر ہے، لہذا آجکل صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ
 کے قول کے مطابق عمل ہوگا، احتیاط بھی اسی میں ہے، اس لئے دین قوی سے قلیل و کثیر جو
 کچھ بھی وصول ہو اس کی زکوٰۃ ادا کر دینا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ / محرم ۱۴۹۹ھ

جماعت اسلامی کو زکوٰۃ دینے سے ادارہ نہ ہوگی :

سوال : جماعت اسلامی گشتی شفا خانے کے ذریعہ جو مرلینوں کو دوا دیتی ہے، اور یہ
 ادویہ زکوٰۃ و چرمِ شربانی سے ہسپاکی جاتی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ امیر آدمی کے لئے ایسی دوا
 لے کر پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی امیر نے بھول کر لے لی تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا
 ہوگی یا نہیں؟ اور ہر آدمی سے یہ دشل نئے پیسے وصول کرتے ہیں، اور دوا زیادہ قیمت کی ہے،
 شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جرءا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت اسلامی کو زکوٰۃ دینے سے شرعاً زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ اسے شرعی
 مصرت میں خرچ نہیں کرتی، یہی حکم صدقۃ الفطر اور چرمِ شربانی کا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 ۱۸ / ربیع الاول ۱۴۹۹ھ

بنام قرض زکوٰۃ دی تو ادارہ ہوگئی :

سوال : زید نے بکر کو ستر روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدیے، اور زکوٰۃ کا نام نہ لیا، اور
 ۱۸ کہا کہ ان روپیوں سے اپنا کام کر لے، جب تیرے پاس ہوں دیدینا، زکوٰۃ کا نام یوں نہ لیا کہ

بکر زکوٰۃ لینے کو معیوب جانتا تھا، اب سال دو سال کے بعد بکر نے زید کو تئو روپے واپس دیے تو زید ان روپیوں کو دوسرے مسکین کو دیدی یا کیا کرے؟ اور شرعاً اس طرح زکوٰۃ دینا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زکوٰۃ ادا ہو گئی تھی، اس لئے واپس لینا جائز نہیں، بکر کو واپس دینا لازم ہے، اگر زکوٰۃ کا اظہار مناسب نہ ہو تو بکر پر یوں ظاہر کرے کہ میں نے قرض معاف کر دیا ہے، یا ہدیہ کے نام سے دیدے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو سماها ہبۃ او قرضاً تجزیہ فی الاصح (شامیہ ص ۱۱۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ رجب ۱۲۸۹ھ

حج کے لئے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

سوال: ایک شخص ہر سال یکم رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال اس کی حج پر جانے کی نیت ہے، لہذا حج پر جانے کے لئے پیشگی رقم تین ہزار چھ سو بیالیس روپے جمع کرائے، اب اس کی روانگی شعبان میں متوقع ہے، لہذا جو رقم جمع کی گئی اس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آمد و رفت کے کرایہ اور معلّم وغیرہ کی فیس کے لئے جو رقم دی گئی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں، اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اس کو واپس ملے گی اس میں سے یکم رمضان تک جتنی رقم بچے گی اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہو گئی اس پر نہیں، قال فی الشامیۃ اذا امسکھ لیسفوق منه کل ما یحتاجہ فحال الحول وقد بقی معہ منه نصاب فانہ یشترک فی ذلک الباقی وان کان قصده الانفاق منه ایضاً فی المستقبل لعدم استحقاق صرفہ الی حوائجہ الاصلیۃ وقت حوالان الحول (المختار ص ۲۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرہ شعبان ۱۲۸۹ھ

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: ایک شخص نے دو تین سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اب وہ دوسرے اور تیسرے سال کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت کل سرمایہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا کہ پہلے سال کی زکوٰۃ نکالنے کے

بعد باقی کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلی زکوٰۃ منہا کرنے کے بعد جو رقم بھی دوسرے سال اس کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر اس کے بعد جو رقم باقی ہے، تیسرے سال اس کی زکوٰۃ لے، قال فی التنبیہ وسببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد، وقال فی الشرح سواء كان لله زکوٰۃ وخارج، وفي الشامية (قوله زکوٰۃ) فلو كان له نصاب حال عليه حولان فلم يترك فيه سال زکوٰۃ عليه في الحول الثاني (مراد المختار ص ۲۵ ج ۲) وفي البدائع اذا كان لرجل مائتا درهم او عشرون مثقال ذهب فلم يؤدي زکوٰۃ سنتين يترك السنة الاولى وليس عليه للسنة الثانية شئ عند اصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى وعند زفر يؤدي زکوٰۃ سنتين (بدائع الصنائع ص ۲۷ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،
۱۴ رجب الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے فوت ہو گیا؛

سوال؛ زکوٰۃ کی نیت سے زکوٰۃ کی رقم الگ کر لی یا وکیل کو دیدی، اس حالت میں ادائیگی سے قبل انتقال ہو گیا، تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر میت نے اس کی وصیت بھی کی ہو تو یہ رقم زکوٰۃ میں دی جائے گی، بشرطیکہ کل ترکہ کی ایک تہائی سے زائد نہ ہو، اور اگر وصیت نہیں کی تو ترکہ میں شمار کر کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، قال فی العلائق ولا يخرج عن العمدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء، وفي الشامية فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوٰۃ ولو مات كانت ميراثا عنه بخلاف ما اذا ضاعت في يد الساعي لان يد كيد الفقراء بحر عن المحيط رد المختار ص ۱۳ ج ۲) وکیل مرن کی فیکر کے قائم مقام نہیں، اور موت مرن کی سے یہ معزول ہو گیا ہے، اس لئے اس کو یہ رقم زکوٰۃ میں صرف کرنے کا اختیار نہیں، فقط والله تعالى اعلم،
۱۳ رجب الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں؛

سوال؛ زید کا لوگوں پر قرض ہے، تقریباً تین سال سے مقرض لوگ صرف وعدہ کرتے ہیں، کہ ہم قرض ادا کریں گے، لیکن اب تک کسی نے کچھ بھی ادا نہیں کیا، اس قرض پر

کوئی گواہ نہیں، اور قرضداروں کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض ادا نہیں کریں گے ایسی صورت میں اس رقم کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ رزی الحجہ ۱۴۱۶ھ

رقم منذور پر زکوٰۃ فرض ہے:

سوال: ایک شخص نے کسی آمدنی کا تیسرا حصہ اللہ کے نام مان لیا، جب کوئی شخص قابل رحم نظر آیا تو اس کی مدد کی، کیا اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی جو اس نے غریبوں کے لئے یا اللہ کے نام رکھی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر زبان سے نذریا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر واجب ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر الگ سے ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسی رقم کا چالیسواں حصہ نیت زکوٰۃ دے سکتا ہے، باقی بہ نذر صدقہ کرے، بقدر زکوٰۃ کی نذر ساقط ہو جائے گی، اگر یہ کل رقم بدو نیت زکوٰۃ مساکین کو دیدی تو بھی اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں گیا اور باقی نذر میں، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ نذر کی رقم الگ متعین ہو، ورنہ مطلق رقم کی نذر میں یہ ساری رقم بہ نذر واجب التصدق ہوگی، اور اس کی زکوٰۃ الگ فرض ہوگی، اگر بدو نیت زکوٰۃ کل رقم صدقہ کردی، تو بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی، مگر بقدر زکوٰۃ مزید بہ نذر صدقہ واجب ہوگا، کذا فی الثامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

بکری کے بچوں پر زکوٰۃ کا حکم:

سوال: بکریوں کی زکوٰۃ کے نصاب میں بکریوں کے بچے بھی شمار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صرف بچے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر ان کے ساتھ کوئی ایک سال کی یا اس سے بڑی بکری بھی ہے تو اس کے ساتھ بل کر نصاب میں بچوں کا اعتبار ہوگا، اور محبسوعہ چالینس پر ایک بڑی بکری فرض ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

کوئی چیز بنیت تجارت خریدی پھر نیت بدل گئی پھر دوبارہ نیت کر لی تو اس پر زکوٰۃ نہیں؛
سوال: زید نے تجارت کرنے کی غرض سے کوئی چیز خریدی درمیان میں ارادہ ترک کر دیا
اس کے بعد پھر تجارت کی نیت کی تو آیا اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس چیز پر زکوٰۃ نہیں؛ قال فی شرح التنویر لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلاً اشتراه
لها فنوی بعد ذلك خد متہ ثم مانواہ للخدمة لا یصیر للتجارة وان نواہ لہا ما
ثم یبعہ بجنس ما فیہ الزکوٰۃ والفرق ان التجارة عمل فلا تتم بمجرد
النية، (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۸ محرم ۱۳۹۹ھ

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں؛

سوال: نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ فرض نہیں تو اس حدیث
کا کیا جواب ہوگا؟ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس فقال الا من ولی یتیمًا
لہ مال فلیتجر فیہ ولا یترکہ حتی لا تأکلہ الصدقة (ترمذی ص ۱۱۶) صدقہ سے کیا
مراد ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں، کیونکہ یہ مکلف نہیں، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ
عنہا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی
یستيقظ وعن الصبی حتی یجتمروا وعن المجنون حتی یعقل اخرجہ ابوداؤد والنسائی
وابن ماجہ ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال علی شرط مسلم، علاوہ ازیں اثر ابن عباس
وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تصریح ہے کہ مال صبی میں زکوٰۃ نہیں،
حدیث حتی تأکلہ الصدقة کے رد جواب میں ۱۔

① اس حدیث کی سند میں مثنی ابن صباح راوی ضعیف ہے،

② حدیث میں صدقہ سے انفاق علی نفس مراد ہے، جیسا کہ دیگر روایات سے مرفوعاً ثابت ہے

کساروی احمد بسند جید عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مرفوعاً ما اطعمت نفسك فهو لك صدقة وردی مثله عن ابی امامة وجابر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً، اسی مراد پر ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ مال کا استیصال صرف نفقہ ہی سے ہو سکتا ہے، زکوٰۃ سے استیصال نہیں ہو سکتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

مال زکوٰۃ میں اُس مقام کی قیمت معتبر ہوگی جہاں مال ہے :

سوال : ادائیگی زکوٰۃ میں مال زکوٰۃ کی قیمت جہاں مزکی ہے وہاں کی معتبر ہوگی یا جہاں مال موجود ہو؟ اسی طرح حوالان حول کے متعلق بھی وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں مال موجود ہو وہاں کی قیمت معتبر ہوگی، قال فی شرح التئویر ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ فتح، وفی الشامیۃ فلو بیعت عبداً للتجارۃ فی بلد اخر یقوم فی البلد الذی فیہ العبد، بحررقولہ ففی اقرب الامصار الیہ) ای الی المفازۃ وذكر الضمیر باعتبار الموضع وعبارۃ الفتح الی ذلک الموضع، قال فی البحر فی الباب الآتی وھذا اولی مسا فی التبیین من انہ اذا کان فی المفازۃ یقوم فی المصر الذی یصیر الیہ (رد المحتار ص ۲۴۲ باب زکوٰۃ الغنم) حوالان حول سے متعلق کوئی خاص جسزئیہ نہیں ملا، رد المحتار کی عبارت زیل سے ایک کلیہ معلوم ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حوالان حول بھی وہاں کا معتبر ہوگا جہاں مال موجود ہو، رقولہ وکرہ نقلہا، ای من بلد الی بلد اخر (الی قولہ) ویعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فی الروایات کلہا واختلف فی صدق الفطر کمایاتی (رد المحتار ص ۲۴۲ باب الفطر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ صفر ۱۲۰۰ھ

سونے کی زکوٰۃ میں وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے :

سوال : سونے کی زکوٰۃ میں کس وقت کی قیمت معتبر ہوگی؟ آیا وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے یا وقت ادار کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سونے چاندی کی زکوٰۃ ادر عشر میں وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے، البتہ زکوٰۃ سوائم میں وقت ادار کی قیمت کا اعتبار ہے، قال فی التئویر وجاز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وكفارة غیر الاعتاق، وفی الشرح وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب قالوا

یوم الاداء و فی السوائیم یوم الاداء اجماعاً و هو الاصح رۛ المختار ص ۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۰ صفر سنہ ۱۴۲۵ھ

ادارہ عشر کے باوجود زمین کی پیداوار سے حاصل کردہ نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے :

سوال : ایک زمیندار اپنی تنوں من گندم سے عشر ادا کر دیتا ہے، اور پھر اس گندم کو فروخت کر کے رقم بنالیتا ہے تو حوالان حول میں دیگر سرمایہ کے ساتھ کیا گندم سے بنائی ہوئی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب ہو تو یہ دُور ہمالی حق نہ بنے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زکوٰۃ فرض ہوگی، تبدیل جنس کی وجہ سے جدید حکم ہوا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ ذیقعدہ سنہ ۱۴۲۵ھ

جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں :

سوال : زید نے اپنی لڑکی فاطمہ کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں دیا، اس حال میں کہ اس کی شادی بھی کرادی، اب فاطمہ کی اولاد بھی ہوگئی ہے، آیا زید فاطمہ یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا یوں فرض کر لیں کہ زید کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے بیٹے عمر و بکر موجود ہیں، اور بہن کا حق میراث انھوں نے بھی ادا نہیں کیا ہے، تو یہ بھی اپنی بہن مسماۃ فاطمہ یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کن رشتہ داروں پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے؟ تفصیل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

باپ اپنی بیٹی اور اس کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، بھائی اپنی بہن اور اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، زکوٰۃ سے وراثت کا کوئی تعلق نہیں، حق وراثت دیا ہو یا نہ دیا ہو، بہر صورت زکوٰۃ کا وہی حکم ہے جو بیان ہوا،

مندرجہ ذیل رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں :

- ① اصول : یعنی جن سے پیدا ہوا ہے، ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ،
- ② فروع : یعنی اولاد، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ،
- ③ میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، طلاق کے بعد بھی جب تک عدت نہیں گزر جاتی زکوٰۃ دینا جائز نہیں، قال فی التنبیہ ولا من بینہما اولاد او زوجۃ و فی الشرح

ولومبانیة وفي الحاشية ای فی العدة ولوبثلاث نهر عن معراج الدرایة (رد المحتار ج ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳ ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ

زیور کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات:

سوال: زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں کچھ سوالات ارسال خدمت ہیں، مفصل جواب سے نوازیں؟

- ① مختلف اوقات میں مختلف زیور خریدے گئے، اُن پر زکوٰۃ کب منسوخ ہوگی؟
- ② زیورات کی خرید کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کہ موجودہ قیمت پر؟
- ③ زیورات کی قیمت میں موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور بنوائی کی اجرت بھی لگائی جائے گی یا کہ صرف سونے کی قیمت لگائیں گے؟
- ④ زیور میں سونے کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی ہے، کیا اس کی زکوٰۃ بھی فرض ہے؟ بینوا تو جو روا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① آپ کے پاس جس روز اتنا مال ہو گیا کہ سونا چاندی، مال تجارت اور نقدی، ان چاروں یا بعض کا مجموعہ یا ان میں سے کوئی ایک چیز ۳۵۰ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو گئی، اُس روز آپ صاحب نصاب ہو گئے، اُس دن کی قمری تاریخ یاد رکھیں، ایک سال کے بعد پھر جب یہی قمری تاریخ آئے گی اس میں آپ کے پاس مذکورہ چاروں چیزوں میں سے جو مقدار موجود ہوگی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگرچہ کوئی چیز تاریخ مذکور سے صرف ایک ہی روز پہلے آپ کی ملک میں آئی ہو، بشرطیکہ اس تاریخ میں نصاب پورا ہو، یعنی چاروں چیزوں کا مجموعہ ۳۵۰ گرام چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو،

② جس قمری تاریخ میں سال پورا ہوا اس میں جو نرخ ہو گا وہ لگایا جائے گا،
③ صرف سونے کی قیمت پر زکوٰۃ ہے، موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور زیور بنوانے کی اجرت نہیں لگائی جائے گی،

④ زیور بنانے میں جس حساب سے ملاوٹ شامل کی گئی اس قسم کے مخلوط قیراطی سونے کی قیمت لگائی جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب:

سوال: زید کے پاس پینتیس^۲ بھینسیں ہیں، دودھ نہیں دیتیں، گائے بھینس ہیں، مگر زمینداروں کے پاس ہیں، کسی کے پاس چار بھینسیں، کسی کے پاس دو، کسی کے پاس آٹھ، اس طرح کل ملا کر پینتیس ہو گئیں، اور یہ جنگل میں اپنے منہ سے چر کر اکتفاء کرتی ہیں، اور کسی پر سال پورا ہوا کسی پر نہیں، اور جب یہ بچہ دینے کے قریب ہو جاتی ہیں تو ان کو لے کر لے جاتے ہیں، اُن کو ان کی محنت دینی پڑتی ہے، یعنی ماہانہ جو کچھ ملے ہو جائے، تو شرعاً اُن پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کتنی؟ اور اس سے زیادہ ہو جائیں تو زکوٰۃ کا کیا حساب ہوگا؟ اور گائے کی زکوٰۃ کا کیا حساب ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اُن میں سے تین^۳ بھینسوں پر پورا سال گزر گیا تو اُن پر زکوٰۃ واجب ہوگی، تین^۳ بھینسوں پر ایک سال کی بھینس یا بھینسا، پھر چالیس^۴ پر دو سال، پھر ساٹھ^۵ پر دو عدد یک سالہ، پھر ستر^۶ پر ایک یک سالہ اور ایک دو سالہ، اسی طرح ہر تین^۳ پر ایک یک سالہ اور ہر چالیس^۴ پر ایک دو سالہ واجب ہے، اور جو عدد تین اور چالیس دونوں پر تقسیم ہو جائے اس میں اختیار ہے کہ تین کے حسابے زکوٰۃ دے یا چالیس کے حساب سے، مثلاً ایک سو بیس پر چار ہے چار یک سالہ دے یا تین دو سالہ گائے کی زکوٰۃ میں بھی یہی تفصیل ہے، قال فی التئویر و شرحہ نصاب البقر والجاموس ثلاثون سائمة غیر مشترکہ وفيہا تبیع ذو سنة کاملۃ او تبیعۃ وفي اربعین مسن ذوسنتین او مسنۃ وفيہما زاد علی الاربعین بحسابہ فی ظاہر الروایۃ عن الامام رحمہ اللہ تعالیٰ وعنه لاشی فیہما زاد الی ستین ففيہما ضعف ما فی ثلاثین وهو قولہما والثلاثۃ رحمہم اللہ تعالیٰ وعلیہ الفتاویٰ بحر عن الینابیع وتصحیح القدوری ثم فی کل ثلاثین تبیع وفي کل اربعین مسنۃ الا اذا تداخلا کما فی عشرة عشرین فیخیر بین اربع اتباعہ وثلاث مسنات وھکذا (رد المحتار ص ۲۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شوال ۱۲۸۵ھ

بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب:

سوال: جو بکریاں باہر چرتی ہیں اور تجارت کے لئے نہیں، اُن کی زکوٰۃ کا کیا حساب ہے؟ کتنی بکریوں پر ایک بکری واجب ہے؟ بکری اور بھیڑ کا حکم ایک ہے یا دونوں میں منسوق ہے؟

تفصیل سے تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چالینس بکریوں پر ایک سال کی ایک بکری یا بکر ادا جب ہے، چالینس سے ایک سو بیس تک بھی واجب ہے، پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں، پھر دو سو ایک سو تین سو ننانوے تک تین بکریاں، پھر چار سو پر چار بکریاں، اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہے، بھیڑوں کا بھی یہی حکم ہے، بھیڑ اور بکری مخلوط ہوں تو بھی یہی نصاب ہے، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ فرق ہے کہ بھیڑ اور بکری میں سے جو زیادہ ہوں زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے، اور اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے کہ اعلیٰ قسم سے ادنیٰ قیمت کا جانور دے یا ادنیٰ قسم سے اعلیٰ قیمت کا دے، قال فی التئیر نصاب الغنم ضأنًا أو معزًا أربعون وفيها شاة وفي مائة واحدی وعشرون شاتان وفي مائتين وواحدة ثلاث شياه وفي اربع مائة أربع شياه ثم في كل مائة شاة ويؤخذ في زكوتها الثني وهو ماتت له سنة، وقال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ لانی اداء الواجب لان النصاب اذا كان ضأنًا يؤخذ الواجب من الضأن ولو معزًا فمن المعز ولو منهما فمن الغالب ولو سواء فمن ايها شاء جوهرۃ ای فیعطی ادنی الاعلیٰ او الاعلیٰ الادنیٰ كما قد مناه فی الباب السابق (در المختار ص ۲۲۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ شوال ۱۴۲۵ھ

اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب :

سوال: زکوٰۃ میں اونٹوں کا نصاب اور ان پر زکوٰۃ کا حساب بہت مشکل ہے، آپ ایسے واضح طریقہ سے تحریر فرمائیں کہ سہولت سمجھ میں آجائے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے، ان پر زکوٰۃ نہیں، اس کے بعد بحساب

ذیل زکوٰۃ فرض ہے :-

۵ سے ۹ تک	یک سالہ ایک بکری یا بکر،
۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا بکرے،
۱۵ سے ۱۹ تک	تین بکریاں یا بکرے،
۲۰ سے ۲۴ تک	چار بکریاں یا بکرے،

یک سالہ اونٹنی (بنت مخاض)	تک	۳۵	ے	۲۵
دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)	تک	۴۵	ے	۳۶
سہ سالہ اونٹنی (حقہ)	تک	۶۰	ے	۴۶
چار سالہ اونٹنی (جدعہ)	تک	۷۵	ے	۶۱
دو سالہ دواؤنٹنیاں	تک	۹۰	ے	۷۶
سہ سالہ دواؤنٹنیاں	تک	۱۲۴	ے	۹۱
سہ سالہ دواؤنٹنیاں اور ایک بکری	تک	۱۲۹	ے	۱۲۵
سہ سالہ دواؤنٹنیاں اور دو بکریاں	تک	۱۳۴	ے	۱۳۰
سہ سالہ دواؤنٹنیاں اور تین بکریاں	تک	۱۳۹	ے	۱۳۵
سہ سالہ دواؤنٹنیاں اور چار بکریاں	تک	۱۴۴	ے	۱۴۰
سہ سالہ دواؤنٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی	تک	۱۴۹	ے	۱۴۵
سہ سالہ تین اونٹنیاں	تک	۱۵۴	ے	۱۵۰
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور ایک بکری	تک	۱۵۹	ے	۱۵۵
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور دو بکریاں	تک	۱۶۴	ے	۱۶۰
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور تین بکریاں	تک	۱۶۹	ے	۱۶۵
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور چار بکریاں	تک	۱۷۴	ے	۱۷۰
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی	تک	۱۸۵	ے	۱۷۵
سہ سالہ تین اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی	تک	۱۹۵	ے	۱۸۶
سہ سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں	تک	۲۰۴	ے	۱۹۶
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری	تک	۲۰۹	ے	۲۰۵
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو بکریاں	تک	۲۱۴	ے	۲۱۰
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں	تک	۲۱۹	ے	۲۱۵
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں	تک	۲۲۴	ے	۲۲۰
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی	تک	۲۳۵	ے	۲۲۵
سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی	تک	۲۴۵	ے	۲۳۶

۲۴۶	سے	۲۵۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۵۵	سے	۲۵۹	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۶۰	سے	۲۶۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۶۵	سے	۲۶۹	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۷۰	سے	۲۷۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۷۵	سے	۲۸۵	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور یکسالہ ایک اونٹنی
۲۸۶	سے	۲۹۵	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۹۶	سے	۳۰۴	تک	سہ سالہ چھ اونٹنیاں

اس نقشہ میں ۱۵۰ سے آخر تک دیئے گئے اعداد سے ایک کلیہ حاصل ہوا، اس کے مطابق جہاں تک چاہیں ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکوٰۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اس کلیہ کا حاصل یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۲۵ تک یکسالہ اونٹنی، پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک سالہ اونٹنی، اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر یکسالہ اونٹنی، ۳۶ پر دو سالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک سالہ،

ہدایات :

① جہاں بکری واجب ہے اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے، اور مذکور مؤنث میں اختیار ہو چاہے بکری دے یا بکرادے، مگر اونٹنی مؤنث ہی دینا لازم ہے، اونٹ دینا جائز نہیں، البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر اس قیمت سے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دیدینا جائز ہے،

② جہاں سالہ چار اونٹنیاں واجب ہیں وہاں اختیار ہے کہ ان کی بجائے دو سالہ پانچ اونٹنیاں دیدے،

③ زکوٰۃ کا حساب مذکور اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کے لئے نہ ہوں اور ان کا غائب چارہ باہر چرنا ہو، گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو، یا باہر خرچہ کرنے کی بنسبت گھر کا چارہ کم ہو، اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکوٰۃ نہیں،

④ اگر اونٹ تجارت کے لئے ہوں تو ان پر حساب مذکور کے مطابق بکری یا اونٹنی واجب نہیں بلکہ دوسرے اموال تجارت کی طرح ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ باہر چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو، تجارت کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خریدتے وقت ان کو فروخت کرنے کی

نیت ہو، اگر خریدنے کے بعد بیچنے کی نیت کی، یا اصل کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی نسل کو بیچنے کی نیت ہو خواہ اصل کو خریدتے وقت یہ نیت ہو یا بعد میں، ان سب صورتوں میں یہ مالی تجارت نہیں،
 ⑤ جوائنٹ سواری یا بار برداری کے لئے ہوں اُن پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 ۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

گائے بھینس کا مجموعہ بقدر نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہے:

سوال: اگر کسی کے پاس کچھ گائے ہیں اور کچھ بھینسیں، دونوں میں سے کسی کا بھی نصاب کامل نہیں، البتہ دونوں کا مجموعہ بقدر نصاب ہے، یعنی گائے اور بھینس ملا کر تین یا اس سے زیادہ ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو زکوٰۃ میں گائے نکالنا فرض ہے یا بھینس؟ یا کہ اختیار ہے کہ خواہ گائے دیدے یا بھینس دیدے؟ اسی طرح بکری اور بھیڑ کا بھی ایک ہی حکم ہے یا الگ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گائے اور بھینس زکوٰۃ اور اضحیہ کے احکام میں ایک ہی جنس ہے، لہذا دونوں کا مجموعہ تین ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہے، دونوں میں سے جس کا عدد زیادہ ہو زکوٰۃ میں وہی دی جائے اور اگر دونوں برابر ہوں تو دونوں میں سے اعلیٰ قسم سے ادنیٰ قیمت کا جانور اور ادنیٰ قسم سے اعلیٰ قیمت کا جانور دیا جائے، بکری اور بھیڑ کا بھی یہی حکم ہے، قال فی التنبیہ نصاب البقر والجاموس ثلاثون، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله والجاموس) هو نوع من البقر كما فی المغرب فهو مثل البقر فی الزکوٰۃ والاضحیۃ والرباویکمل بہ نصاب البقر وتؤخذ الزکوٰۃ من اعلیہا وعند الاستواء يؤخذ اعلیٰ الادنیٰ وادنیٰ الاعلیٰ نہرو علیٰ ہذا الحکم البخت والعراب والبضآن والمعز ابن ملک (رد المحتار ص ۱۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

جو مویشی جنگل اور گھردونوں جگہ کھائیں اُن کی زکوٰۃ کا حکم:

سوال: گائیں جنگل میں بھی خرتی ہیں اور گھر میں بھی چارہ دیا جاتا ہے، تو اُن پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، جبکہ نصاب کامل ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

غالب خوراک کا اعتبار ہے، اگر جنگل میں چرنے کی خوراک غالب ہے تو زکوٰۃ فرض ہے، اور اگر گھر کا چارہ غالب ہے یا دونوں برابر ہیں تو زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کے لئے ہوں تو مال تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی، قال فی التنبیہ المکتفیۃ بالرعی المباح فی اکثر العام لقصد الدرد النسل والزیادة والسمن فلو علفها نصفه لا تكون سائمة، وفي الشرح فلا زکوٰۃ فیہا للشک فی الموجب، وفي الحاشیة بکسل لجیم وهو کونها سائمة فانه شرط لکونها سبباً للوجوب قال فی فتح القدیر العلف الیسیر لا یزول به اسم السوم المستلزم للحکم و اذا کان مقابله کثیراً بالنسبة کان هو یسیراً والنصف لیس بالنسبة الی النصف کثیراً ولانه یقع الشک فی ثبوت سبب الایجاب فانهم (رد المحتار ص ۲۷۱) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو علوفہ فلا زکوٰۃ فیہا الا اذا كانت للتجارة فلا یعتبر فیہا العدد بل القيمة (رد المحتار ص ۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)

گھر میں چارہ کھانے والے مواشی پر زکوٰۃ نہیں:

سوال: میرے پاس چالینس گائیں ہیں، جن کو گھر میں ہی چارہ دیا جاتا ہے، البتہ کبھی کبھار جنگل میں بھی چرنے جاتی ہیں، ان پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملهم الصواب

جن مواشی کا غالب چارہ گھر میں ہو باہر چرنا کم ہو ان پر زکوٰۃ نہیں، البتہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے، قال فی التنبیہ المکتفیۃ بالرعی المباح فی اکثر العام (رد المحتار ص ۲۷۱) وفي باب زکوٰۃ البقر منه نصاب البقر والجاموس ثلاثون سائمة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو علوفہ فلا زکوٰۃ فیہا الا اذا كانت للتجارة فلا یعتبر فیہا العدد بل القيمة (رد المحتار ص ۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)

تجارتی مواشی کی زکوٰۃ:

سوال: ہم بکریوں کی تجارت کرتے ہیں، چالینس پچاس بکریاں موجود رہتی ہیں، مگر خرید و فروخت کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں، کوئی بکری پورا سال نہیں رہتی، یہ بکریاں جنگل میں چرتی ہیں،

ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ہے تو کتنی بکریاں واجب ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری واجب نہیں، بلکہ دوسرے اموال تجارت کی طرح ان بکریوں کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے، قال فی التئویر فی باب السائمة هی الراعیة المکتفیة بالرعی المباح فی اکثر العام یقصد الدر والنسل والزیادة والسمن فی الشرح عن البدائع لو اسامها للحم فلا زکوٰۃ فیہا کما لو اسامها للحمل والذکوب ولو للتجارة ففیہا زکوٰۃ التجارة (رد المحتار ص ۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

دودھ بیچنے کی نیت پالی ہوئی بھینسوں پر زکوٰۃ نہیں:

سوال: زید نے دودھ فروخت کرنے کی نیت سے بھینسیں پال رکھی ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں بڑھتی رہتی ہے، لیکن کبھی بھی چالینس یا پچانش سے کم نہیں ہوتی، زید ان کا تمام کھانا پینا خود کرتا ہے، تمام خرچہ خود اٹھاتا ہے، کہیں مفت کے جنگل میں چرنے نہیں بھیجتا اس کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ بھینس والے عموماً بڑھے لکھے نہیں ہوتے، اس لئے انھیں سمجھانا آسان نہیں ہے، آسان زبان میں جواب دیجئے گا، تاکہ ہم انھیں سمجھا سکیں ہر سال بھینسوں میں ایک مخصوص قسم کی بیماری پھیلتی ہے، اور پورے علاقہ میں تباہی آتی ہے، ہزاروں بھینسیں مرجاتی ہیں، ان کا کوئی علاج کامیاب نہیں ہوتا، ایسا تو نہیں ہے کہ یہ وہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے پھیلتی ہو؟ کچھ طریقہ کار ان کا ایسا ہے کہ پیسہ دودھ بیچ کر ان کے پاس جمع نہیں ہوتا، بچوٹی پیسہ ملتا ہے یہ ان کی اور بھینسیں خرید لاتے ہیں، ایک ایک بھینس والا کروڑوں کا مالک ہے، مگر اپنے آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بھینسیں جنگل میں نہیں جرتیں بلکہ ان کو گھر میں خود کھلایا جاتا ہے اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ اگر بھینسوں کی تجارت بھی مقصود ہو، یعنی بھینس خریدتے وقت اس کا دودھ بیچنے کے ساتھ خود بھینس بیچنے کی بھی نیت ہو تو ایسی بھینسوں کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

بکریوں کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات :

سوال : بکریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں چند سوالات ارسال خدمت ہیں، مفصل

جواب عنایت فرمائیں :

① یہاں ایک آدمی کی میراث میں تقریباً اتنی بکریاں تھیں، اور ان بکریوں کو بھی تمام ترکہ میں محسب کر کے اور تمام جائیداد کی قیمت مع بکریوں کے لگا کر اس قیمت کو سات درہہ پر تقسیم کیا، اب ان بکریوں میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ جبکہ ان کی قیمت سات افراد درہہ پر تقسیم کی گئی ہے، اور یہ بکریاں ایک کے حصہ میں شمار کی جائیں گی یا تمام درہہ کے حصہ میں شمار کی جائیں گی؟

② اور اگر زکوٰۃ ہے تو اس سال تو نہیں ہوگی؟ اس لئے کہ ابھی تو حولانِ حول نہیں ہوا ہے، اگرچہ میت کی ملک کے وقت سے ایک سال گزر گیا تھا،

③ اگر یہ بکریاں تقسیم نہ کرتے، بلکہ تمام درہہ آپس میں مشترک ہی چھوڑ دیتے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوتی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① جس نے بکریاں خریدی ہیں اس پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی،

② وقت خرید سے حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی، البتہ اگر خریدار کے پاس پہلے سے بکریوں کا نصاب موجود ہے تو ان بکریوں کو سابق نصاب کے ساتھ شمار کر کے اُس کے ساتھ ہی ان کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی،

③ اس صورت میں ہر وارث کا حصہ نصاب سے کم رہتا اس لئے کسی پر بھی زکوٰۃ فرض نہ ہوتی، بکریوں کا نصاب چالیس ہے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن البحر تحت، رقلہ وما بینہما عفو ولو کان بین رجلین اربعون شاة لا تجب علی واحد منہما الزکوٰۃ ولسا علی ان یجمعہا ویجعلہا نصاباً یاخذ الزکوٰۃ منہا لان ملک کل واحد منہما قاصر عن النصاب اھ (در المختار ص ۲۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رجب ۱۴۱۹ھ

سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں :

سوال : سید یا ہاشمی اگر انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے

ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادارہ نہ ہوگی، کیا اہل محلہ میں اتنی مروت بھی نہیں کہ غیر زکوٰۃ سے ان کی حاجت پوری کر دیں، اگر کسی کا والد انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو کیا اس کو بھی مدد زکوٰۃ ہی سے دے گا؟ قال فی شرح التنویر ولا الی بنی ہاشم الا من ابطال النص قرابۃ وہم بنو لہب فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لنبی المطلب ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع وقول العینی والہاشمی یجوز لہ دفع زکوٰۃ لمثلہ صوابہ لا یجوز نہر الخ (رد المحتار ص ۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جس کی صرف مال سید ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے :
سوال : اگر کسی شخص کی صرف مال سید ہو، باپ سید نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، اس لئے کہ نسب والد کی طرف سے ہوتا ہے، جس کا والد سید نہ ہو وہ صرف والد کی وجہ سے سید نہیں ہو سکتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان من کانت امہا علویۃ مثلاً وابوہا عجمی یکون العجمی کفوا لہا وان کان لہا شرف ما لان النسب للاباء ولہذا اجاز دفع الزکوٰۃ الیہما فلا یعتبر بالتفاوت بینہما من جہۃ شرف الام (رد المحتار باب الکفایۃ ص ۳۴۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ صفر ۱۳۹۰ھ

جو ہاشمی شجرہ نہ رکھتا ہو اس پر بھی زکوٰۃ حرام ہے :

سوال : زید اپنے آباؤ اجداد سے یہی سنتا آیا ہے کہ ہمارا سلسلہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، لیکن زید کے پاس کوئی مکمل شجرہ نسب نہیں ہے، جس سے صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ ہم واقعی قریشی عباسی ہیں، تو اس صورت میں زید کو مال زکوٰۃ دینا جبکہ زید کے پاس کوئی مال زکوٰۃ کی چیز نہیں ہے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ثبوت نسب کے لئے عام شہرت کافی ہے، شجرہ ہونا ضروری نہیں، لہذا زید کے لئے زکوٰۃ

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

۱۹ لینا حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

کسی کو زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مصرف نہ تھا:

سوال: زید ہاشمی ہے، اس کو کسی نے زکوٰۃ دیدی، تو اب زید کے لئے کیا حکم ہے؟ جس نے دی ہے اُسے واپس کرے یا کہ ادارہ ہو گئی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دینے والے نے غور و فکر کے بعد مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دی تھی تو اس کی زکوٰۃ ادارہ ہو گئی، مگر زید کو اس چیز کے زکوٰۃ ہونے کا علم ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ معطی کو واپس کرے، قال فی شرح التنویر دفع بتحریم یظنہ مصرفاً بانہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستأمناً اعداھا لہما مروان بان غناہ او کونہ ذمیاً او انہ ابوہ او ابنہ او امرأۃ او ہاشمی لا یعید لانہ اتی بسا فی وسعہ حتی لو دفع بلا یحرم یجزان اخطأ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لمن یظنہ مصرفاً) اما لو تحری قدفع لمن ظنہ غیر مصرف او شک ولم یتحر لم یجز حتی یظہر انہ مصرف فیجزیہ فی الصحیح خلافاً لمن ظن عدمہ وتسامہ فی النہر وقولہ ولو دفع بلا تحرم ای ولا شک کما فی الفتح و فی القہستانی بان لم یخطر بالبالہ انہ مصرف او لا وقولہ لم یجز ان اخطأ ای تبین لہ انہ غیر مصرف فلو لم یظہر لہ شیء فهو علی الجواز وقد منالوشک فلم یتحر او تحری وغلب علی ظنہ انہ غیر مصرف،

(تنبیہ) فی القہستانی عن الزاہدی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبد او حربی و فی الہاشمی روایتان ولا یسترد فی الولد والغنی و ہل یطیب فیہ خلاف واذا لم یطیب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطى ام (رد المحتار ص ۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۵ / ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ

شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینے سے ادارہ نہ ہوگی:

سوال: شیعہ یا قادیانی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادارہ ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ اور قادیانی کافر ہیں، بلکہ دوسرے کفار سے بھی بدتر ہیں، اور کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا بہت سخت گناہ ہے، اور زکوٰۃ ادارہ نہ ہوگی، بلکہ اُن کو کسی قسم کا بھی

صدر دینا جائز نہیں، قال فی شرح التنبیہ ولا تدفع الی ذمی لحديث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجبا کذا رو کفارة وفطرة خلافاً للثانی وبقوله یفتی حاوی القدسی وأما الحربی ولو مستأمناً فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقاً بحر عن الغایة وغیرها، رد المحتار ص ۳، ج ۲، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی کفارة الظہارت تحت رقبته ومصرفاً، قال الرملی وفي الحاوی وان اطعم فقراء اهل الذمة جائز و قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا يجوز وبہ نأخذ اہ قلت بل صرح فی کافی المحکم بانه لا يجوز ولم یذکر فیہ خلافاً وبہ علم انه ظاہر الروایة عن الكل، رد المحتار ص ۶۳۳، ج ۲، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳، صفر ۹۰ھ

مذکر زکوٰۃ سے خیراتی دواخانہ کھولنے کا حکم:

سوال: ہم لوگ اپنے محلہ شیر شاہ میں ایک دواخانہ کھولنا چاہتے ہیں جس کا خرچ زکوٰۃ اور حرم قربانی کے پیسوں سے چلانا ہے، اور اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے گا، اس میں مریضوں سے کچھ پیسے بھی وصول کئے جائیں گے، اور یہ پیسے بھی اُس دواخانہ ہی میں خرچ کریں گے، گزارش یہ ہے کہ شرع محمدی کی رو سے ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ آپ اپنی پہلی فرصت میں شرع محمدی کی رو سے جواب دیں، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دواخانہ میں زکوٰۃ اور حرم قربانی کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دی جائیں، اس مذ سے دواخانہ کے ڈاکٹروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہ، مکان کا کرایہ تعمیر اور فرنیچر وغیرہ مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، مساکین سے دوا کے پیسے لینا اور غیر مسکین کو دوا دینا جائز نہیں، بعض دواخانوں میں مذکر زکوٰۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ نہیں ہوتی، فی اول زکوٰۃ التنبیہ ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر (رد المحتار ص ۶۸، ج ۲) فی باب المصروف فقیر و هو من له ادنی شیء و مسکین من لا شیء له (القول) یصر الی کلہم او بعضهم تملیکاً لا اباحتہ کما مر (رد المحتار ص ۶۸، ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵، جمادی الآخرہ ۸۸ھ

مال زکوٰۃ مسجد پر لگانا جائز نہیں:

سوال: زکوٰۃ اور حرم قربانی کی رقم مسجد کی تعمیر اور مصارف میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟
اس سے امام اور مؤذن کی تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ اور مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکورہ مصارف میں زکوٰۃ اور حرم قربانی کی رقم لگانا جائز نہیں، منتظمین مسجد سخت گنہگار ہوں گے، زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادارہ نہ ہوگی، اور اس کا دنیوی وبال و احزنی عذاب منتظمین مسجد پر ہوگا، قال فی التوزیر ہی تملیک جزء مال عینہ الشارح من مسلم فقیر الم (رد المحتار) وفي الشرح لا یصرف الی بناء نحو مسجد، وفي الشامیة کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکبری الانهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیہ زیلعی (رد المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ

مد زکوٰۃ سے دینی کتابیں طبع کرنا:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس میں کیا ہے کہ ایک دینی کتاب مد زکوٰۃ سے طبع کی گئی، اور تاجرانہ نرخ پر قیمت لگا کر مستحقین زکوٰۃ کو دی گئی، بقدر رقم زکوٰۃ سے زائد نفع اہل علم حضرات (جو مستحقین زکوٰۃ نہیں) کو بطور ہدیہ دیدیئے گئے، تو کیا اس صورت میں شرعاً ادارہ زکوٰۃ میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت مسئلہ میں بلاشبہ بدوں کسی قباحت کے زکوٰۃ ادا ہوگئی، بلکہ یہ کتب دینیہ کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۴ رجب ۱۴۰۲ھ

نصاب پر سال پورا ہونے سے قبل ملنے والی رقم پر بھی اسی سال زکوٰۃ فرض ہے:

سوال: ایک آدمی ہر سال ماہ رجب میں حساب کر کے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا شروع کرتا ہے، دوران سال میں اس کو دوسری نقدی بھی مل جاتی ہے، آیا یہ نقدی سال رواں کے حساب میں ضم کر کے زکوٰۃ ادا کرے گا یا پھر آئندہ ماہ رجب میں موجود مال اور نقدی پر زکوٰۃ ادا کرے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دوران سال میں موصول ہونے والی رقم بھی سابق نصاب کے ساتھ شمار کی جائے گی اور اس کی زکوۃ بھی اسی سال رجب میں ہوگی، اگرچہ مستقلاً اس پر اب تک سال نہیں گزرا، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ والمستفاد ولو بجهة اوارث وسط الحول يضم الی نصاب من جنس فیزکیہ بحول الاصل (مرحۃ المختار ص ۲۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۹ شعبان ۱۴۲۹ھ

مال حرام پر زکوۃ واجب نہیں:

سوال: جس نے کسی پاکستانی یا غیر ملکی دفتر، بینک، کارخانہ یا دکان میں ملازمت کر کے یا ملاوٹ کا سامان فروخت کر کے یا بلیک مارکٹنگ کر کے بقدر نصاب رقم پس انداز کر لی ہے، یا اتنی ملکیت کا مالک ہو، ایسے مال کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

- ① کیا اس پر زکوۃ فرض ہے؟
- ② اگر حرام یا مخلوط مال پر زکوۃ ادا کی جائے یا اس سے دوسرے صدقات واجبہ یا نافلہ ادا کئے جائیں تو کیا مسکین کو اس کا استعمال جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① اگر جمع شدہ مال خالص حرام ہے، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں، اس مال کا اگر مالک معلوم ہے تو مالک پر واجب الرد ہے، اگر مالک معلوم نہیں تو یہ مال مسکین پر واجب التصدق ہے، اور اگر حلال و حرام مخلوط ہے تو حرام مال کی مقدار اس سے نکال کر باقی اگر بقدر نصاب بچتا ہو تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں، قال فی العلائیۃ ولو خلط السلطان المال المغصوب بملکہ ملکہ فتجب الزکوۃ فیہ ویورث عنہ لان الخلط استہلاک اذا لم یسکن تسمیۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقولہ اذ قلما یخلو مال عن عصب وھذا اذا کان لہ مال غیر ما استہلک بالخلط منفصل عنہ یوفی بہ دینہ والافلا زکوۃ کما لو کان کل خبثا کما فی النہر عن الحواشی السعدیۃ، وفی الشامیۃ (قولہ کما فی النہر) ای اول کتاب الزکوۃ عند قول الکنز و ملک، نصاب حولی ومثلہ فی الشرنبلالیۃ وذكرہ فی شرح الوہبانیۃ بحثا وفی الفصل العاشر من التاترخانیۃ عن فتاویٰ الحجۃ من ملک اموالا غیر طیبۃ او غصب اموالا و خلطها بملکہا

بالخلط ویصیر ضامًا وان لم یکن له سواها نصاب فلا زکوٰۃ علیہ فیہا وان بلغت نصابا لانه مدیون مال لمدیون لایستحق سببا لوجوب الزکوٰۃ عندنا اھ فاذا بقوله وان لم یکن له سواها نصاب الخ ان وجوب الزکوٰۃ مقید بما اذا کان له نصاب سواھا وبہ یندفع ما استشکل فی البحر من انه وان ملکہ بالخلط فهو مشغول بالمدین ینبغی لاجتباب الزکوٰۃ اھ لکن لا یخفی ان الزکوٰۃ حینئذ انما تجب فیما زاد علیہا الا فیہا رد المحتار ص ۲۸ ج ۲

(۲) جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شعبان ۱۲۸۹ھ

زکوٰۃ میں حرام مال دینے کا حکم :

سوال : بیع باطل اور بیع فاسد کا ثمن بائع کے حق میں کیا ہے ؟ یعنی ثمن اس کے ہاں امانت ہی یا کوئی اور چیز ہے ؟ اور اگر کسی نے بیع باطل کی، مثلاً باغ کا پھل ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کیا، اور مشتری نے کچھ ثمن بھی دیا، پھر بائع نے اس ثمن سے دوسرے حلال مال کی کچھ زکوٰۃ ادا کی، تو کیا اس ثمن سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ جبکہ ابھی تک بائع نے اپنے مال کے ساتھ خلط نہیں کیا تھا، اور اگر ثمن مذکور کو اپنے مال کے ساتھ خلط کر کے پھر زکوٰۃ ادا کی ہو تو کیا حکم ہے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع باطل میں ثمن بائع کی ملک میں داخل نہیں ہوتا، لہذا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ خلط کے بعد بسبب استہلاک یہ ثمن اس کی ملک ہو گیا، مگر ملک خبیث ہے، اور بیع فاسد کا ثمن بلا خلط بھی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور ملک خبیث ہے، ملک خبیث سے صحت زکوٰۃ میں اختلاف ہے، قائلین صحت بھی اس عمل کو حرام اور بہت سخت گناہ قرار دیتے ہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وفي شرح الوهبانية الخ) لو اخرج زکوٰۃ المال الحلال من مال حرام ذکر فی الوهبانية انه یجزئ عند البعض ونقل القولین فی القنیۃ وقال فی البزازیۃ ولو نوى فی المال الخبیث الذی وجبت صدقته ان یقع عن الزکوٰۃ وقع عنها الخ ای نوى فی الذی وجبت التصدق بہ لجهل اربابہ الخ رد المحتار ص ۲۸ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

عامل کو نصف مقتبوض سے زائد دینا جائز نہیں :

سوال : اس زمانہ میں عاملین زکوٰۃ کو مد زکوٰۃ سے معارضہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

اور کوئی مقدار شرعاً متعین ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمین زکوٰۃ سے مراد حاکم مسلم کی طرف سے متعین کردہ عالمین ہیں، اس زمانہ میں بھی حاکم مسلم کی طرف سے کوئی عامل متعین ہو تو اس کو مد زکوٰۃ سے بقدر کفایت دینا جائز ہے، عالمین کی اجرت کوئی خاص متعین نہیں، ان کے اہل و عیال کے نفقہ کے مطابق دیا جاتا ہے، مگر اس کی حاصل کردہ رقم کے نصف سے زائد دینا جائز نہیں، قال فی التنبیہ و رد عامل فیعطی بقدر عمله، وفي الشرح ما يكفيه واعوانه بالوسط ولكن لايزاد على نصف ما يقبضه، (رد المحتار ص ۶۴)، فقط والله تعالى اعلم،

، ارجادی الآخرہ ۹۱ھ

اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان کی طرف زکوٰۃ سے متعلق سوالات:

- ① کیا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ زکوٰۃ وصول کرے؟
- ② کیا حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی پر جبر کر سکتی ہے؟ اور اس کے لئے کوئی قانون نافذ کر سکتی ہے؟
- ③ کس قسم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ حسب ذیل اشیاء پر زکوٰۃ کی شرح کی تفصیل بیان کریں:-

- (۱) کارخانہ دار کے مجموعی اثاثہ پر؟
- (۲) مال تجارت پر؟
- (۳) کرایہ پر دیئے ہوئے مکانوں، دکانوں و دیگر جائداد ہائے منقولہ و غیر منقولہ مثلاً ٹیکسی، رکشہ وغیرہ پر؟
- (۴) کارخانوں، تجارتی اداروں اور دوسری قسم کی تنظیمات کے حصص پر؟
- (۵) بینک فکسڈ ڈپازٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، پرائز بونڈ، انشورنس؟
- (۶) زیورات، نقدی وغیرہ از قسم اموال باطنہ پر؟
- ④ کیا کمپنیاں اور حصہ دار علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ دیں؟
- ⑤ جو کمپنیاں اور ادارے کلاً یا جزئاً سرکاری ہیں ان پر زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟
- ⑥ کانوں اور معادن پر زکوٰۃ واجب ہے؟
- ④ زکوٰۃ دینے کی صورت میں مندرجہ ذیل ٹیکسوں میں شرعی نقطہ نظر سے ترمیم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، گفٹ ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، سیلز ٹیکس، لینڈ ریونیو

ڈیٹھ ڈیوٹی، پراویڈنٹ فنڈ (ذاتی نیزاداری)

⑧ زکوٰۃ کے لئے نصاب کی تعیین کس طرح کی جائے گی؟

⑨ مصارف زکوٰۃ جو قرآن مجید میں (رڈس شمانیہ) ہیں آجکل ان میں کون کون داخل ہیں اور کون کون خارج ہیں؟ کیا فوج کے مصارف فی سبیل اللہ میں داخل ہیں؟ بینوا تو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

① زکوٰۃ وصول کرنا شرعاً حکومت کے ذمہ ضروری نہیں، قال فی الخازن فی هذه الآية احکام الاول قوله سبحانه تعالى خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً رَّالِیْ اِنْ قَالَ) فیجوز للامام او نائبه ان يأخذ الزکوٰۃ من الاغنیاء ویدفعها الی الفقراء (خازن ص ۸، ۲۷۲) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ وصول کرنا حکومت کا حق ہے، مگر اس کے ذمہ لازم نہیں، نیز حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حکومت کو اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا حق بعوض حمایت ہر اداریہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ صاحب حق پر اپنا حق وصول کرنا شرعاً فرض نہیں ہوتا بلکہ اسے ترک حق کا بھی اختیار ہوتا ہے، عشر بھی بحکم زکوٰۃ ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ حکومت عشر و خراج معان کر سکتی ہے، پھر اگر صاحب ارض فقیر ہے تو اس کے لئے حلال ہے ورنہ وہ خود صدقہ کر دے، نیز حکومت اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے فقراء پر صرف کرنے کی بجائے انہیں براہ راست فقراء پر صرف کرنے کی اجازت دیدے تو اس فعل میں یہ لوگ حکومت کے وکیل ہوں گے، لہذا ان کا فعل حکومت ہی کا فعل متصور ہوگا،

③ اگر حکومت شرائط ذیل کی پابندی کرنے کا یقین دلائے اور اس کا اعلان کرے اور ہر مقرر طبقہ اپنے نجی اور اجتماعی امور میں اتباع شرع کا عملی ثبوت پیش کرے تو حکومت اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کر سکتی ہے، شرائط یہ ہیں:

(۱) مد زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف پر خرچ کیا جائے،

(۲) اموال ظاہرہ اور صحیح مصارف کی تعیین ایسے مستند علماء سے کرائی جائے جن کی دیانت اور فتویٰ پر عوام کو اعتماد ہو،

(۳) زکوٰۃ وصول کرنے اور صحیح مصارف پر خرچ کرنے کے لئے دیانتدار عملہ متعین کیا جائے،

④ اموال زکوٰۃ یہ ہیں: مواشی (بشرائط المعہودۃ) اموال تجارت، سونا، چاندی، نقد

روپیہ، قال فی التنبیہ وشروطه حولان الحول وثمانیۃ المال کالدراہم والدنانیر
والسوم اوتیۃ التجارۃ (مراد المختار ص ۲۶۱)

(۱) کارخانہ کی مشین اور مکان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، لانہ لایوجز فیہ الشرط المزبور
ولذا قال شارح التنبیہ وکذلک آلات المحترفین الا ما یبقی اشرعیئہ کالعصفور
(مراد المختار ص ۲۶۹)

(۲) مال تجارت پر زکوٰۃ فرض ہے، لما مر من التنبیہ،

(۳) کرایہ پر دیئے ہوئے مکانوں، دکانوں اور ٹیکسی رکشہ وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، لفقد
الشرط المذكور وقال فی العلائق ولانی ثیاب البدن واثاث البیت
ودور السكنی ونحوها قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کحوانیت و
خانات یتغلما رطحطاوی علی الدر ص ۱۶۳۹۲

(۴) حصص اگر بنیت تجارت خریدے ہوں یعنی خود حصص کی خرید و فروخت مقصود ہو
تو حصص کی کل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ حصص کی صرف اس مقدار پر زکوٰۃ ہوگی
جو تجارت میں لگی ہوئی ہے، کارخانہ کی مشینیں اور مکان پر صرف شدہ مقدار پر زکوٰۃ
نہیں، لما مر من التفصیل،

(۵) بینک فکسٹڈ پوزٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، پرائز بونڈ اور انشورنس یہ سب شرعاً
سودی قرض ہیں، انعامی بونڈ میں سود کے علاوہ قمار بھی ہے، اس لئے اصل رتبہ پر
زکوٰۃ فرض ہے، اور کل منافع حرام ہونے کی وجہ سے واجب التصدق ہیں،

(۶) زیور اور نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے، لما مر من التنبیہ،

یہ حکم فی نفسہ وجوب زکوٰۃ کا ہے، حکومت کے لئے حق وصول کے لحاظ سے اموال زکوٰۃ
کی دو قسمیں ہیں، ایک اموال ظاہرہ یعنی مواشی، ان کی زکوٰۃ حکومت جبراً وصول کرے گی،
دوسری قسم اموال باطنہ ہیں، سونا، چاندی، نقد روپیہ، یہ سب چیزیں جب تک اپنے اصل
مقام پر رہیں اموال باطنہ ہیں حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں، البتہ
ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کی صورت میں حکومت کا کارندہ (عاشر)
ان کی زکوٰۃ وصول کرے گا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول الشارح
(الظاہرۃ والباطنۃ) فان مال الزکوٰۃ نوعان الظاہر وہو المواشی وما یمربہ

التاجر علی العاشر و باطن وهو الذہب والفضة و اموال التجارة فی مواضعها،
 ررد المحتار ص ۲۲ ج ۲) والاموال الباطنة بعد اخراجها من المبلد كأنها بالخراج
 التحقت بالاموال الظاهرة فكان الاخذ فيها للامام (ررد المحتار ص ۲۲ ج ۲)
 وقال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى وكن الجواب فيمن مر على العاشر
 بالسواثم او بالدراهم او بالدينار او بالاموال التجارة في جميع ما وصفنا
 الا في قوله ادبت زكوتها بنفسی الى الفقراء (الى قوله) فیما سوى السواثم
 انه يقبل قوله ولا يؤخذ ثانياً لان اداء زکوٰۃ الاموال الباطنة مفوض الى
 اربابها اذا كانوا يتجرون بها فی المصر فلم يتضمن الدفع بنفسه ابطال
 حق احد، (بدائع ص ۲۳ ج ۲)

④ کمپنیوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے، اجتماعاً و افراداً دونوں صورتیں جائز ہیں،
 ⑤ جو کمپنیاں اور ادارے کلاسرکاری ہیں ان کے کسی حصہ پر بھی زکوٰۃ نہیں، اور جو جزیرہ سرکاری
 ہیں ان کے سرکاری حصہ پر زکوٰۃ نہیں، صرف غیر سرکاری حصص پر زکوٰۃ ہے، سرکاری اموال پر اس کو
 زکوٰۃ نہیں کہ یہ شخصی ملکیت نہیں، کالاموال الموقوفة وغلة الوقت والارضی السلطانیة،
 ⑥ کان اور معدن مائع جیسے پٹرول اور غیر منطیع جیسے جواہر میں خمس نہیں، اور منطیع غیر مائع
 پر خمس واجب ہے، البتہ زیبق کے معدن پر مائع ہونے کے باوجود خمس ہے، اس لئے کہ یہ دوسری
 اشیاء کے ساتھ مل کر انطبائع کی صلاحیت رکھتا ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا معدن
 خواہ ارض مباحہ میں پایا جائے یا ارض مملوکہ میں یا کسی کے دار یا حانوت میں بہر حال اس پر خمس ہے،
 امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی دار یا حانوت میں پائے جانے والے معدن پر خمس نہیں، ارض مملوکہ
 سے متعلق امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں، ترجیح روایت وجوب کو دی گئی ہے،
 معدن ارض مباحہ میں پایا گیا تو واجد کی ملک ہے، اور ارض مملوکہ میں ہو تو مالک ارض کی
 ملک ہے، ہذا اخلص ما هو مشروح فی الکتب المشہورة،

④ یہ سب ٹیکس بہر حال ناجائز ہیں، البتہ بوقت ضرورت شدیدہ بشرائط ذیل عارضی طور پر
 ٹیکس وصول کرنے کی گنجائش ہے:

(۱) حکومت کے مصارف کو تیزی و اسراف سے پاک کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے کہ
 ٹیکس وصول کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) ہر شخص کی آمدنی اور اس کے جائز و ضروری مصارف کا موازنہ کرنے کے بعد اس پر ٹیکس تجویز کیا جائے

(۳) بذریعہ ٹیکس وصول شدہ رقم کو صحیح مصارف پر لگایا جائے،

(۸) ۳۵ ر ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کو معیار بنایا جائے، یہ عام مشہور قول ہے، بندہ کی تحقیق کے مطابق چاندی کا نصاب ۴ ر ۶۸۰ گرام ہے، اس کی تفصیل میرے رسالہ ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ میں ہے، قول اول مشہور ہونے کے علاوہ باب زکوٰۃ میں احوط بھی ہے، اس لئے اسی کو معیار بنانا چاہئے، البتہ مقدار صدقۃ الفطر میں بندہ کی تحقیق احوط ہے،

(۹) درحقیقت قرآن کریم میں صرف تین مصارف کا بیان ہے: (۱) فقراء (۲) عاملین، (۳) مؤلفۃ القلوب، مؤلفۃ القلوب کا حکم منسوخ ہونے پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے، (مدارک التنزیل، الدر المنثور، فتح القدیر) باقی صرف فقراء اور عاملین رہ گئے، ان کے سوا جو اقسام قرآن کریم میں مذکور ہیں وہ سب فقراء ہی کی مختلف انواع ہیں، فقیر فوجی کو بصورت تملیک بطریق امداد زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، غنی فوجی کو دینا یا بسمتہ تنخواہ فقیر کو دینا اور تملیک کے سوا فوج کے دوسرے مصارف پر لگانا جائز نہیں، صحت زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر کی شرط پر اجماع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب الآخر ۱۳۹۵ھ

وکیل کے پاس زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوگئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی:

سوال: زید نے خالد کو زکوٰۃ کی رقم کسی مسکین کو ادا کرنے کے لئے دی، جو خالد کے پاس سے ضائع ہوگئی، ایسی صورت میں زید کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب الادا تھی وہ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اگر ادا نہیں ہوئی تو کیا خالد کے ذمہ اس رقم کا زید کو واپس کرنا واجب ہے؟ بینوا تو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اگر خالد نے حفاظت میں غفلت نہیں برتی تو خالد اس رقم کا ضامن نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ محرم ۱۳۹۶ھ

وکیل کا رقم زکوٰۃ میں رد و بدل کرنا:

سوال: ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ یا دوسرے صدقات واجبہ کی مدد سے

کوئی رقم مساکین کو دینے کے لئے دی، اس وکیل نے وہ رقم بدل دی مثلاً اس میں سے دس دس روپے کے دس نوٹ لے لئے اور سو روپیہ کا ایک نوٹ اس میں رکھ دیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا جو رقم ملی ہو وہی مساکین کو دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زکوٰۃ بہر حال ادا ہو جائے گی، البتہ تبدیل کا جواز اس پر موقوف ہے کہ موکل کی طرف سے تبدیل کا اذن صراحۃً یا دلالتاً موجود ہو، موجود عرف میں اس کی اجازت ہے، اس لئے صراحۃً اذن کی ضرورت نہیں، معہذا صراحۃً اجازت لے لینا بہتر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، شعبان ۱۴۱۶ھ

وکیل کا مد زکوٰۃ سے کوئی چیز خرید کر دینا،

سوال؛ کیا وکیل زکوٰۃ کی رقم سے کوئی چیز مثلاً کپڑا، جوتہ، غلہ اور پھل وغیرہ خرید کر دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بھی موکل کے اذن پر موقوف ہے، اگر اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالتاً اس کا اذن موجود ہو تو جائز ہو ورنہ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، شعبان ۱۴۱۶ھ

مسکین کو مد زکوٰۃ سے مکان بنوا کر دینا،

سوال؛ ایک شخص غریب ہے، اس کو زید زکوٰۃ کی رقم سے ایک مکان بنوا کر دینا چاہتا ہے، آیا اس طرح زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنوا کر دینا جائز ہے؟ جبکہ فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دے کر فوراً صاحبِ نصاب بنادینا مکروہ ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر رقم مسکین کو نہیں دی بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا، تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحبِ نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دیدے، جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے، اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

حوائج اصلیه کے لئے رکھی ہوئی نقدی پرزکوٰۃ فرض ہے :

سوال : ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپیہ جمع ہے، اس پر سال بھی گزر چکا ہے، مگر اس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھر لو سامان، ابھی شادی بھی نہیں کی، انہی ضروریات کے لئے روپیہ جمع کر رہا ہے، اس پرزکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا تو جدوا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس پرزکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھر لو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وفسره ابن ملك) فاذا كان معه دراهم امسكها بنية صرفها الى حاجته الاصلية لا تجب الزکوٰۃ فيها اذا حال الحول وهي عنده لكن اعترضه في البحر بقوله ويخالفه ما في المعراج في فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب في النقد كيفما امسكه للنماء او للنفقة وكذا في البدائع في بحث النماء التقديرى ام، قلت واقرة في النهروال شرح لباليه وشرح المقدسي وسيصرح به الشارح ايضا ونحوه قوله في السراج سواء امسكه للتجارة او غيرها وكذا قوله في التارخانية نوى التجارة اولاً (الى قوله) وكذا اما سياق في الحج من انه لو كان له مال ويخاف العروبة يلزمه الحج به اذا خرج اهل بلدة قبل ان يتزوج وكذا لو كان يحتاج لشراء دار او عبد فليتا مل والله اعلم (رحم المختار ص ۳۳) فقط والله تعالى اعلم،

۱۶، رزی الحج ۹۶ھ

زکوٰۃ میں نقدی کی بجائے دوسری چیز دینا جائز ہے :

سوال : جدہ کے ایک اہل خیر نے میری کمزوری اور مالی حالت کے پیش نظر مجھے لکھا کہ اگر زکوٰۃ کی مدد سے کچھ خدمت ہو سکتی ہے تو ضرور لکھیں، میں نے اس کے جواب میں جدہ لکھا کہ میرے پاس نقد روپیہ تو ہے نہیں، البتہ مال یعنی دینی کتب تیس چالیس ہزار کی مالیت کی موجود ہیں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو جس قدر بھی رقم زیادہ سے زیادہ آپ بھیج سکتے ہوں وہ رقم مجھے بھیج دیں، میں اس تمام رقم کی یہ کتابیں آپ کی طرف سے زکوٰۃ کے نام سے مستحقین زکوٰۃ کو مدارس عربیہ کے طلباء کو مدرسہ کی معرفت تقسیم کرادوں گا، اس کے جواب میں جو جدہ سے جواب آیا ہے وہ یہ ہے : ”زکوٰۃ کے لئے جو طریقہ کتابیں تقسیم کرنے کا لکھا ہے وہ کچھ میری سمجھ

میں نہیں آیا، اس سے کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ کیونکہ زکوٰۃ تو فقراً مستحق کو دیتا ہے، کتابوں سے شاید ادا نہ ہو، اگر آپ اس کے لئے کسی معتبر عالم کا فتویٰ ارسال کریں تو شرح صدر ہو جائے، تو اب عرض یہ ہے کہ ادا پر جو میں نے لکھا کہ رقم مجھے بھیج دیں میں اس تمام رقم کی دینی کتابیں ہتھم مدرسہ کے ذریعہ عربی پڑھنے والوں کو تقسیم کرادوں گا، کیا اس طرح کرنے سے جدہ والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مد زکوٰۃ میں ہر چیز رائج قیمت لگا کر دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ بصورت تملیک دی جائے یعنی فقیر کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پس کتابیں اگر مستحقین کی ملک میں دیدی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، ہاں اگر مدرسہ میں وقف کیں یا طلبہ کو عاریۃ مطالعہ کے لئے دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، غالباً سائل کو اسی سے اشتباہ ہوا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵، صفر ۱۴۰۵ھ

طلبہ کا کھانا پکانے کی اجرت مد زکوٰۃ سے دینا جائز ہے؛

سوال؛ مد زکوٰۃ میں سے باورچی کی تنخواہ منتر کرنا، اسی طرح مد عشر سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو باورچی صرف طلبہ کے لئے کھانا تیار کرتا ہو اس کی تنخواہ مد زکوٰۃ دُ عشر سے دی جاسکتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵، ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

رشتہ دار مسکین کو زکوٰۃ دینا زیادہ ثواب ہے؛

سوال؛ میرا ایک بھائی بہت نادار اور مفلس ہے وہ ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہے، اس کا خرچہ اور آمدنی کچھ بھی نہیں، میں پوری زکوٰۃ اس کو دے کر سبکدوش ہو سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو دینا زیادہ ثواب ہے، مگر یکمشت اتنی رقم نہ دیں کہ وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے کچھ رقم دیں جب وہ خرچ ہو جائے تو مزید دیں، البتہ اگر وہ عیال دار بھی ہے تو بیک وقت اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ کل احسار اد پر تقسیم کی جائے تو کسی کے پاس بھی نصاب پورا نہ ہو، قال فی التئویر ذکرہ اعطاء فقیر نصاباً الا اذا کان مدیوناً وصاحب عیال لو

فرقة عليهم لا يخص كل انصاب ونقلها الا الى قرابة، وقال العلائی رحمہ اللہ
تعالیٰ بل فی الظہیریۃ لا تقبل صدقة الرجل وقرابته معاویہ حتی
یبدأ بهم فیسد حاجتهم (رد المحتار ص ۵، ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۸ھ

مد زکوٰۃ سے میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں:

سوال: کسی غریب یا نادار کے گھر میں اس کے کسی رشتہ دار اور لایا بیوی کی میت ہو جائے
تو اس کی تجہیز و تکفین میں یا میت گاڑی کا کرایہ اگر ادارہ کے پاس زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس رقم سے
مندرجہ بالا رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مد زکوٰۃ سے تجہیز و تکفین جائز نہیں، بوقت ضرورت یہ صورت ہو سکتی ہے کہ میت کا دلی
مسحق زکوٰۃ ہو تو اس کو مد زکوٰۃ سے رقم دیدی جائے، وہ اس سے تجہیز و تکفین وغیرہ کرے، قال فی
التنویر لا الی بناء مسجد و کفن میت و قضاء دینہ (رد المحتار ص ۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲ جمادی الآخرہ ۱۲۹۸ھ

کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا مکروہ ہو کہ صاحب نصاب ہو جائے:

سوال: کسی فقیر کو زکوٰۃ سے اتنی رقم دینا کہ وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے سوال
یہ ہے کہ اس نصاب سے کیا مراد ہے؟ کیا موجب زکوٰۃ نصاب مراد ہے یا وہ نصاب جو زکوٰۃ لینے
سے مانع ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زکوٰۃ لینے سے مانع نصاب مراد ہے، یہ کراہت جب ہے کہ فقیر عیال دار نہ ہو، اگر عیال دار ہے
تو اس کو یکشت اتنی رقم مد زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے کہ اس کے عیال پر تقسیم کریں تو ان میں سے کوئی
بھی صاحب نصاب نہ بنے، قال فی التنویر و کرہ اعطاء فقیر نصاباً الا اذا کان مدیوناً
او صاحب عیال لو فرقة عليهم لا يخص كل انصاب، وفي الشامية ان دفع ما يكمل
النصاب كدفع النصاب قال فی النہر والظاہر انه لا فرق بین كون النصاب نامياً
اولاً حتی لو اعطاه عروضا تبلغ نصاباً فكذا لك ولا بین كونه من النفود او من الحيوانات
حتى لو اعطاه حصناً من الابل لم تبلغ قيمتها نصاباً كره لما مرأه، وفي بعض النسخ

تبلغ بدون لم والانصب الاول (رسد المختار ص ۴، ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۲۵ رزی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسکین کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ اس پر حج فرض ہو جائے مکروہ ہے:

سوال؛ کیا اگر عالم کو لوگ اتنی زکوٰۃ دیں کہ جس سے عالم پر حج فرض ہو جائے تو کیا عالم کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ اتنی زکوٰۃ نہ لے جس سے حج فرض ہو جاتا ہو، یا یہ بہتر ہوگا کہ زکوٰۃ لے لے اور حج ادا کرے، مندرجہ ذیل عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے، البتہ افضلیت کو آپ محترم تحریر فرمائیں، فی شرح التنبیہ فی سبیل اللہ وهو منقطع الغزاة وقیل الحاج وفى الشامیة (رقولہ وقیل الحاج ای منقطع الحاج الخ) (شامیہ ص ۶۳ ج ۲) بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اتنی رقم مد زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے کہ جس سے فقیر صاحب نصاب ہو جائے، ہمارے دیار میں وجوب حج سے قبل ہی صاحب نصاب ہونا ظاہر ہے، لہذا اتنی رقم دینا کہ حج فرض ہو جائے بطریق اولیٰ مکروہ ہے، منقطع الحاج سے وہ شخص مراد ہے جو حج کے لئے نکلا مگر سفر میں اس کا مال جاتا رہا، اس کو زکوٰۃ دینا بلا کراہت جائز ہے، عالم بلکہ عامی کو بھی اتنی زکوٰۃ نہیں لینا چاہئے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الظہیریۃ وغیرہا عن ہشام قال سألت ابا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عن رجل له مائة وتسعة وتسعون درهما فتصدق عليه بدرهمین قال یاخذ واحد او یرد واحد اھ (رسد المختار ص ۴، ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۲۶ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ

سیلاب زدگان کو زکوٰۃ دینا:

سوال؛ سیلاب زدگان کو زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر بھیجنا یا نقدی یا اور کچھ سامان بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ظن غالب ہو کہ یہ لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں، یعنی ان کے پاس بقدر مانع زکوٰۃ نصاب نہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان اشیاء یا رقم کا ان کو مالک بنا دیا جائے، اگر ان کی ملک میں نہیں دیا بلکہ دیے ان پر خرچ کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی طرح کھانا بٹھا کر کھلایا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مسکین کی ملک میں دینا ضروری ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ فرض ہے :

سوال : ما قولکم رحمکم اللہ اندر میں مسئلہ کہ کراچی میں ایک شخص یہ معاملہ کرتا ہے کہ پلاٹ خرید لیتا ہے بنیت تجارت کچھ مدت اپنے قبضہ میں رکھ کر گراں دام ملنے پر بیچ دیتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر پلاٹ تجارت کی نیت سے خرید کیا کرے اور بیچا کرے اور نفع حاصل کیا کرے، تو کیا اگر کسی شخص کے قبضہ میں کئی پلاٹ ہوں جن کی قیمت مقدار نصاب کو پہنچ جاتی ہو تو پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے کہ نہیں؟ چونکہ اس نے تجارت کی نیت سے خریدا ہے اس لئے عرض تجارت پر قیاس کیا جائے، اور اگر عرض تجارت پر محمول و مقیس نہ ہو تو ما بہ الفرق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مال تجارت ہے، لہذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو چیز بھی بیچنے کی نیت سے خریدی جائے وہ مال تجارت میں داخل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ شوال ۱۴۰۸ھ

مہر میں سامان بنیت تجارت لیا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں :

سوال : عورت کا مہر مثلاً دس من گندم تھا، اس نے وصول کرتے وقت اس میں نیت تجارت کی کہ اس میں تجارت کر دوں گی، اور کھاؤں گی نہیں، تو کیا یہ مال تجارت سمجھا جائے گا؟ اور اس میں زکوٰۃ ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک عمل تجارت نہ کرے، قال فی التثویر وما ملکہ بصنعہ کہیۃ او وصیۃ او نکاح او خلع او صلح عن فتود و نواہ لہا کان لہ عند الثانی والاصح لا، (رد المحتار ص ۱۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ شعبان ۱۴۰۹ھ

بعض مہر بنیت تجارت سامان لیا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے :

سوال : ایک زمین جو میں نے تجارت کی نیت سے لی تھی وہ یا اس کا ایک حصہ میں اپنی اہلیہ کو اس کے مہر کی رقم کے بدلے میں دینا چاہتا ہوں، کیا میری اہلیہ کو اس زمین کے حصہ پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ اگر وہ اس کو گھر بنانے کی نیت سے رکھنا چاہے یا اور کسی نیت سے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ کی اہلیہ پر اس زمین کی زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ اس میں تجارت کی نیت کرے یا تعمیر کی البتہ ہر کی رقم کے عوض میں آپ سے خریدتے وقت اگر اس کی تجارت کی نیت ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵، صفر ۱۴۳۰ھ

حیلہ تملیک :

سوال : ایک نئی تعمیر شدہ مسجد میں پنکھے کی ضرورت تھی، متولی مسجد خود مصرت زکوٰۃ تھا، میں نے زکوٰۃ کی نیت سے پنکھا متولی کو دیدیا، اور اس نے وہ پنکھا اپنی طرف سے مسجد میں لگا دیا کیا میری طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہوگئی؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آپ نے متولی کو مالک بنا دیا ہو خواہ مسجد میں دینے کی شرط سے یا بدون شرط اس نے آپ کی مروت میں بلا طیب خاطر مسجد کو دیدیا بہر حال زکوٰۃ ادا ہوگئی مگر شرط لگانے یا بلا شرط مروت مسجد کو دینے کا آپ کو گناہ ہوگا اور پنکھا مسجد میں لگانا جائز نہ ہوگا، بطیب خاطر ہو تو جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵، رمضان ۱۴۲۹ھ

غیر آباد زمین کے مانع زکوٰۃ ہونے کی تفصیل :

سوال : ایک عیال دار عالم دین جو کہ دینی تعلیم کا کام لوجہ اللہ کرتا ہے اس کی زمین تو ہے لیکن قابل کاشت جو حصہ ہے وہ نفقہ عیال کے لئے کافی نہیں، ہاں مجموعہ زمین یعنی قابل کاشت وغیر قابل کاشت کی قیمت پندرہ بیس ہزار روپے ہو جاتی ہے، آیا ایسے عالم دین کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر غیر آباد زمین آباد ہونے کے بعد صرف بقدر کفایت ہی رہے گی تو زکوٰۃ لے سکتے ہیں، اور اگر قدر کفایت سے زائد ہوگی اور زائد حصہ کی قیمت بقدر نصاب ہو تو یہ مانع اخذ زکوٰۃ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵، شوال ۱۴۲۹ھ

مذکورہ سے قیدیوں کو کھانا دینا :

سوال : زکوٰۃ یا نفلی صدقات کی رقم سے کھانا پکوا کر جیل میں قیدیوں کو بھیجنا جائز

ہے یا نہیں؟ کیونکہ قید میں قیدی ہر چیز کے محتاج ہیں، اور پیٹ بھر کھانا جیل میں نہیں ملتا، لیکن جیل میں قاتل چور بھی ہیں اور بے قصور پھنسے ہوئے بھی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نفلی صدقات سے قیدیوں کو کھلانا جائز ہے، زکوٰۃ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قیدی صاحب نصاب نہ ہوں اور ان کو کھانے کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادارہ ہو جائے گی، اور اگر اباحت کھلایا مالک نہیں بنایا تو زکوٰۃ نہیں ہوئی، اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر شرط ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ ذیقعدہ ۱۴۹۹ھ

وکیل زکوٰۃ اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا:

سوال: زید ایک معزز علمی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، یتیم ہو جانے کی بنا پر مالی حالات ناگفتہ بہ تھے اور ہیں، معہذا زید نے دینی تعلیم مکمل حاصل کر کے ایک دینی ادارہ سے وابستگی اختیار کی، اور ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے لگا، والدہ، ہمشیرہ اور بھائی کا کفیل ہونے کی بنا پر کچھ مقرض بھی ہے، زید کو کبھی کبھار لوگ صدقات واجبہ یا نفلہ دیدیتے ہیں جو کہہ دیں کہ مدرسہ کو دیدینا، زید مدرسہ میں دیدیتا ہے، جو یہ کہیں کہ کسی طالب علم کو دیدینا، وہ اپنی صوابدید پر کسی طالب علم کو دیدیتا ہے، کبھی کوئی یوں کہہ دیتا ہے کہ جسے آپ مناسب سمجھیں دیدیں، یا جو آپ کے نزدیک مستحق ہو اسے دیدیں، کسی سے بے تکلفی کی بنا پر زیدیوں بھی تصریح کر لیتا ہے کہ جو مستحق ہو اسے دیدوں؟ طالب علم ہو یا غیر طالب علم، وہ یہ کہہ دیتا ہے جی ہاں، جسے چاہیں دیدیں، ایک آدمی سے خود زید کہتا ہے کہ آپ مجھے پیسے دیدیں، میں ان شاء اللہ صبح مصرف میں صرفت کر دوں گا وہ دیدیتا ہے، مذکورہ رقوم سے زید کچھ تو مصارف میں صرفت کر دیتا ہے، کچھ اپنی ناداری اور غلی میں اور مدیون ہونے کی بنا پر خود استعمال کر لیتا ہے، زید نے یہ مسئلہ سنا ہوا تھا کہ اگر معطلی کہے جسے چاہو دیدو، تو مستحق ہونے کی بنا پر وکیل خود بھی رکھ سکتا ہے، اب زید کو احساس ہوا کہ شامی کے جزئیہ صنعہ حاجت شئت کا یہ مفہوم نہیں، زید متفکر و مغموں ہے کہ یہ میں نے کیا کیا، نہ تو حساب یاد ہے کہ کس کے کتنے پیسے خود صرفت کئے، اور کتنے پیسے دیئے، غلبہ ظن سے تخمینہ بھی لگایا جائے تو پیسے کہاں؟ اور نہ ہی معطین کو آگاہ کیا جاسکتا ہے، یہ تو موت سے بھی زیادہ مشکل ہے، زید کی ظاہری سلامت روی اور نیک چلنی کی بنا پر لوگ اسے اچھا تصور کرتے ہیں۔

یظن الناس بی خیراً والیٰ ۱۰ لشر الناس ان لم یعف عنی

بعد از تفصیل مذکور سوالات یہ ہیں:

- ① اگر معطین کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟
 - ② ضعیف حاجت شئت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے اردو میں کونسا لفظ بولا جائے گا؟
 - ③ خصوصیت سائل کی بناء پر کوئی معافی کی صورت نکل آئے تو گزشتہ راصلوات آئندہ را احتیاطاً پر عمل کیا جائے، نہ ہو تو تلافی کیسے کی جائے؟ سائل انتہائی غریب ہے، اگر گزشتہ کے لئے کسی قول پر توسع ہو سکتا ہو تو دریغ نہ فرمائیں، اعطاک اللہ اجرہ مرتین،
- نوٹ:- ”جسے چاہے دید“ کہتے ہوئے معطی کے ذہن میں ہوتا ہے کہ آگے دے گا، آخذ کے ذہن میں ہوتا ہے کہ اس سے میرے لئے بھی گنجائش نکل آئی، یہ تضاد فکر اثر انداز ہو تو اسے بھی ذہن میں رکھیں، بہشتی زیور اختری ص ۳۱ ج ۳ میں ہے ”البتہ اگر تم نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو چاہو کرو اور جسے چاہے دید و تو آپ بھی لے لینا درست ہے“ اور ”جسے چاہے دید“ اگر عطف تفسیری ہو تو ظاہر ہے، بصورت دیگر یہ کس کا ترجمہ ہے؟ جبکہ حاشیہ میں جزئیہ دی مذکور ہے، بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں زکوٰۃ نہیں ہوئی، ضعیف حاجت شئت کا ترجمہ ہے ”جہاں چاہو خرچ کرو“ یہ جملہ تملیک ہے، اور ”جسے چاہو دید“ تو کیل ہے، عرف عام میں بہشتی زیور کے دوسرے جملہ کو جملہ اولیٰ پر تفریع قرار دیا جاتا ہے، یعنی بعد تملک چاہو اپنے مصرف میں لا دیا دوسرے کو دید، گزشتہ کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی، یہ صرف تدبیر ہو سکتی ہے کہ مزکی سے کہے کہ ”لا علی کی وجہ سے رقم غیر مصرف میں لگ گئی ہے، جس کا ضمان مجھ پر واجب ہے، اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ آپ کا یہ قرض ادا کر سکوں، اس لئے آپ مجھے اتنی رقم مذکورہ سے دے کر بمذکورہ قرض مجھ سے واپس لے لیں“ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ذیقعدہ ۱۹۹۱ھ

وکیل زکوٰۃ اپنے ذی رحم کو دے سکتا ہے:

سوال: اگر کسی کو زکوٰۃ دینے کے لئے وکیل بنایا کیا یہ وکیل اپنے ذی رحم کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دے سکتا ہے، قال فی الذر و للوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر و زوجتہ

لأنفسه إلا إذا قال ربها ضعتها حيث شئت، وفي الثامية قوله لولد الفقير وإذا كان ولد أصغیراً فلا بد من كونه هو فقيراً أيضاً لأن الصغير بعد غنياً بغنى أبيه أفاده طعن أبي السعود، (رد المحتار ص ۱۲ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم

۳ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ میں مال تجارت کی قیمت فروخت لگائی جائے گی:

سوال: تجارت کا سامان کپڑا وغیرہ کا حساب لگاتے وقت خریدے ہوئے حساب سے یا کہ جس نرخ پر بیچے اس حساب سے زکوٰۃ ادا کرے گا؟ بینواتوجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
قیمت فروخت لگائی جائے، فقط والله تعالى أعلم

۹ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

برائے فروخت تعمیر کردہ مکانوں پر زکوٰۃ ہے:

سوال: جو زمین یا مکانات تجارت کے لئے خریدے گئے ہوں یا برائے فروخت تعمیر کئے ہوں، ان کے اصلی سرمایہ پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ بینواتوجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
تجارت کی نیت سے خرید کردہ زمین اور مکان اور برائے فروخت تعمیر کردہ مکانات کی موجودہ مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے، فقط والله تعالى أعلم

۹ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

چندہ کی رقم پر زکوٰۃ:

سوال: کسی قوم کے فنڈ یا چندہ سے بیس ہزار روپے جمع ہیں، اس لئے جمع کیا ہے کہ کسی یتیم، بیوہ پر خرچ کیا جائے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ یہ رقم کسی ایک فرد کی نہیں بلکہ برادری کا چندہ ہے، بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ رقم مدد زکوٰۃ سے جمع کی گئی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اور مدد عطیہ سے ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی مدد عطیہ پر زکوٰۃ نہیں، اس کی تفصیل میرے رسالہ ”الکلام البدیع فی احکام التوزیع“ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول

میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دی تو ادارہ نہیں ہوتی؛
 سوال؛ اگر کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا، اس نے بلا اجازت کے اس کی زکوٰۃ ادارہ کر دی تو
 زکوٰۃ ادارہ ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زکوٰۃ نہیں ہوتی، اگر وہ بعد میں اجازت بھی دیدے تب بھی درست نہیں، اور جتنی رقم
 اس کی طرف سے دی ہے اس کو اس سے وصول کرنے کا بھی حق نہیں، نقل ابن عابدین
 رحمہ اللہ تعالیٰ عن البحر لودی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہما
 وجدت نفاذا علی المتصدق لانہما ملکہ ولم یصر ناعباً عن غیرہ
 فنقدت علیہ (رد المحتار ص ۱۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب ۱۴۰۱ھ

مرغی خانہ اور مچھلی کے تالاب پر زکوٰۃ:

سوال؛ مرغی خانہ اور مچھلی کا تالاب تجارت کی غرض سے ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا
 نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرغی خانہ اور مچھلی کے تالاب کی زمین، مکان اور متعلقہ سامان پر زکوٰۃ نہیں، مرغیاں اور
 چوزے خریدتے وقت اگر خود انہی کو بیچنے کی نیت ہو تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اگر ان کی
 بجائے ان کے انڈے اور بچے بیچنے کی نیت ہے تو زکوٰۃ نہیں،

تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے،
 ورنہ نہیں، مرغی خانہ اور تالاب کی آمدنی پر بہر صورت زکوٰۃ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

بینک اکاؤنٹس

سے

حکومت کا زکوٰۃ وصول کرنا

انہ

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی



بینک اکاؤنٹس سے حکومت کا زکوٰۃ وصول کرنا

از مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی

تحریر مولانا محمد تقی عثمانی

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس عوام کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی، عرصہ دراز تک غیر مسلم حکومت کے تسلط کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ و عشر نجی عبادات ہیں، حکومت کا ان سے کوئی تعلق نہیں، علاوہ ازیں حکومت کے کارندوں کی نااہلیت، بے دینی اور بددیانتی کے پیش نظر زکوٰۃ و عشر کی رقوم صحیح شرعی مصارف پر صرف ہونے سے متعلق بجاطور پر شکوک و شبہات ابھرے، ملک بھر کے معروف و مستند اہل فتاویٰ کے پاس اس بارہ میں سوالات کا تانتا بندھ گیا، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے مسئلہ کی اہمیت اور عوام کے انتشار کے پیش نظر فوراً اجتماعی غور کا اقدام کیا، جس کی تفصیل آپ کے سامنے ہے، (مرتب)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، اَمَّا بَعْدُ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے اپنے ۲۱ شعبان ۱۳۹۹ھ کے اجلاس میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس پر تبصرہ کرتے ہوئے جو تحریر مرتب کی تھی اسے اظہار رائے کے لئے ملک بھر کے معروف اہل فتویٰ علماء کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا، الحمد للہ! ان میں سے پندرہ حضرات نے اس تحریر پر اصل مسئلے میں کسی ترمیم کے بغیر مجلس کی آراء سے اتفاق کرتے ہوئے تصدیقی دستخط ثبت فرمادیئے، اور چار حضرات نے بعض نکات سے اختلاف فرمایا، یا اپنے تردد کا اظہار کیا ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات کے دلائل یا شبہات پر مجلس نے دوبارہ غور کیا، لیکن غور و تحقیق کے بعد اس مسئلہ میں مجلس کی رائے تبدیل نہیں ہوئی، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے،

بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے پر جن شبہات کا اظہار کیا گیا ہے بنیادی طور پر وہ تین شبہات ہیں:

① حکومت کو صرف اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو نہیں ہے، بلکہ مالکان پر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے طور پر سرِض ہے، اور نقد چونکہ اموالِ باطنہ میں سے ہیں اس لئے بینک اکاؤنٹس بھی اموالِ باطنہ میں سے

ہوئے، اُن سے حکومت کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے،

② بینک اکاؤنٹس درحقیقت بینک کے ذمہ اکاؤنٹ ہولڈروں کا قرض ہے، جب یہ رقم مالک نے بینک کو دیدی تو وہ اس کی ملکیت سے نکل گئی، اور بینک کی ملکیت میں داخل ہو گئی، اب اصل مالک پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہوگی، جب وہ بینک سے اس کو واپس وصول کریگا، اس سے پہلے جو زکوٰۃ بینک اکاؤنٹس سے وضع کی جا رہی ہے، وہ وجوبِ ادارے سے پہلے ایک ایسے مال سے وصول کی جا رہی ہے، جس پر زکوٰۃ واجب الادا نہیں اور جو اکاؤنٹ ہولڈر کی ملکیت نہیں ہے، لہذا اس کا کوئی جواز نہیں ہے،

③ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ادا کنندہ کا نیت کرنا ضروری ہے، اور بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ وضع کرتے وقت مالک کی نیت بسا اوقات نہیں ہوتی، ان تینوں مسائل پر قدرے تفصیل کے ساتھ ذیل میں بحث کی جاتی ہے، واللہ سبحانہ الموفق،

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ :

جیسا کہ مجلس کی سابق تحریر میں امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء کرام کی تصریحات کے حوالہ سے عرض کیا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ ہر قسم کے قابلِ زکوٰۃ اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب اموال اور آبادی کی کثرت ہو گئی، اور اندیشہ ہوا کہ لوگوں کے نجی مکانات وغیرہ میں زکوٰۃ کے کارندوں کی مداخلت سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اور اس سے فتنے پیدا ہوں گے، تو آپ نے صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی تحصیل سرکاری سطح پر باقی رکھی، اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں مالکان کو حکومت کا نائب بنادیا،

حضرات فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ کسی مال کے "اموالِ ظاہرہ" میں سے ہونے کے لئے دو امور ضروری ہیں، ایک یہ کہ اُن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مالکان کے نجی مقامات کی تفتیش کرنی نہ پڑے، دوسرے یہ کہ وہ اموال حکومت کے زیرِ حمایت ہوں، پھر عرض کیا گیا تھا کہ بینکوں اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھوائی ہوئی رقموں میں یہ دونوں امور موجود ہیں، لہذا ان کو اموالِ ظاہرہ کے حکم میں شمار کیا جاسکتا ہے،

اس پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی مال کے ظاہر ہونے کی اصل علت ”خروج من المصر“ ہے، چونکہ اُس دور میں شہر کے ناگوں پر حکومت کی طرف سے عاشر اس لئے بٹھائے جاتے تھے کہ وہ گزرنے والوں کی جان و مال کی حفاظت کریں، اس لئے شہر سے نکل کر تمام اموال حکومت کے زیر حمایت آجاتے تھے، اور اس بنا پر حکومت اُن کی زکوٰۃ وصول کرتی تھی، نجی مقامات کی تلاشی اور تفتیش کی ضرورت نہ ہونا اس حکم کی حکمت ہے، علت نہیں، لہذا حکم کا مدار ”خروج من المصر“ پر ہوگا، اور چونکہ یہ علت بینکوں اور مالیاتی اداروں میں نہیں پائی جاتی، اس لئے اُن کو اموال ظاہرہ میں داخل کر کے ان سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں،

مجلس نے اس نقطہ نظر پر مکرر غور کیا، اور اس مسئلہ میں فقہ اور حدیث کے متعلقہ مواد کو سامنے رکھا، لیکن غور اور تحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی وصولی کے لئے ”خروج من المصر“ کو علت قرار دینا اور اس پر حکم کا مدار رکھنا درست نہیں، بلکہ اصل علت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

حدیث اور فقہ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد کے خلفاء و اُمراء سالانہ تنخواہوں اور وظائف کی تقسیم کے وقت انہی تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ کاٹ لیا کرتے تھے، اور اس پر صحابہ و تابعین اور دوسرے فقہاء نے نہ صرف یہ کہ کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس طریقہ کی تصدیق و تائید فرمائی ہے، چنانچہ موطا امام مالک میں یہ روایت ہے:

قال القاسم بن محمد وكان ابو بكر الصديق رضي الله تعالى عنه اذا اعطى الناس اعطياهم سأل الرجل هل عندك من مال وحيث عليك فيه الزكاة فان قال نعم اخذ من عطائه زكاة ذلك المال وان قال لا، سلم اليه عطائه ولم يأخذ منه شيئا موطا امام مالك ص ۱۰۳ و ۱۰۴، الزكاة في العين من الذهب والورق ومصنف ابن ابي شيبة ص ۱۸۴ ج ۳، ما قالوا في العطاء اذا اخذ، ومصنف عبد الرزاق، ص ۶، ج ۲ وكتاب الاموال لابن عبيد (۲۱۱)۔

اور امام ابو عبید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: فان اخبر ان

عندہ مالاً قد حلت فیہ الزکوٰۃ قاصتہ مما یوید ان یعطیہ وان اخبرہ ان لیس عندہ مالٌ قد حلت فیہ الزکوٰۃ سلم الیہ عطاءہ ر کتاب الاموال لابن عبید ص ۳۱۱ فقرہ ۱۱۲۵ باب فروض زکوٰۃ الذہب والورق)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے، عن عبد الرحمن ابن عبد القاریؒ وكان علی بیت المال فی زمن عمر مع عبید اللہ بن الارقمؒ، فاذا خرج العطاء جمع عمر اموال التجار فحسب، عاجلہا واجملہا، ثم يأخذ الزکوٰۃ من الشاهد والغائب (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۲ ج ۳)

اور امام ابو عبید نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے، فكان اذا خرج العطاء جمع اموال التجار، ثم حسبها شاهد هارضا ثمها، ثم أخذ الزکوٰۃ من شاهد المال علی الشاهد والغائب (کتاب الاموال ص ۲۲۵ فقرہ ۸، باب الصدقة فی التجار والديون) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے راویوں کی تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ: ”وسندہ حسن“ (اعلاء السنن ص ۲۳۰ ج ۱۲، کتاب السیر باب العطاء یموت صاحبه بعد ما يستوهبه)

پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے دور میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی، اس لئے وہ ہر قسم کے اموال سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے یہ تفریق قائم فرمائی تھی، اُن کے دور میں بھی تنخواہوں سے زکوٰۃ وضع کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا، چنانچہ موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں مروی ہے: عن عائشة بنت قدامة عن ابیہا انه قال كنت اذا جئت عثمان بن عفان اقبض عطائی، سألتنی هل عندک من مال وجبت فیہ الزکوٰۃ؟ قال فان قلت نعم اخذ من عطائی زکوٰۃ ذلك المال وان قلت لا دفع الی عطائی ر موطا امام مالک ص ۱۰۲ و مصنف عبد الرزاق ص ۴۴ ج ۲ حدیث نمبر ۴۰۲۹، و کتاب الأُم للشافعی ص ۱۲ ج ۲ طبع بولاق و کتاب الاموال لابن عبید ص ۳۱۲ فقرہ ۱۱۲۴۔

نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی تنخواہ سے زکوٰۃ وضع کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا، البتہ اُن کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ

صرف اُن لوگوں کے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے جن کی تنخواہیں یا وظائف بیت المال سے جاری ہوں دوسرے لوگوں کی نہیں، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۴ ج ۳) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی عمل تھا (موطا امام مالک ص ۲۷۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی کے قائل تھے (حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۷۳)

یز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ تنخواہیں تقسیم کرتے وقت خود تنخواہ کی زکوٰۃ بھی اُسی تنخواہ میں سے وصول فرمالتے تھے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: عن ہبیرۃ قال کان ابن مسعود یزکی عطیاتہم من کل الف خمسة وعشرين (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۲ ج ۳)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے راویوں کی تحقیق فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ: "ذاللسناد حسن" (اعلاء السنن ص ۲۹۳ و ۳۰۰ ج ۱۲) البتہ چونکہ یہاں زکوٰۃ خود تنخواہوں کی وصولی کی جاتی تھی، جو صاحب تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقِ کاریہ تھا کہ وہ پہلے تنخواہ دیدیتے، پھر اس سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے: عن ہبیرۃ بن یریم عن عبد اللہ بن مسعود قال کان یعطی ثمن یاخذ زکوٰۃ (مصنف عبدالرزاق ص ۷۸ ج ۲) حدیث نمبر ۷۳۶، باب لا صدقة فی مال حتی یحول علیہ الحول، اور معجم طبرانی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: کان یعطى العطاء ثم يأخذ زکوٰۃ، اور علامہ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا: رجالہ رجال الصحیح خلا ہبیرۃ، وهو ثقة،

یز امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے نقل فرمایا ہے: عن ہبیرۃ بن یریم قال کان عبد اللہ بن مسعود یعطینا العطاء فی زبل صغار، ثم يأخذ منه الزکوٰۃ (کتاب الاموال ص ۲۱۲ فقرہ ۱۱۲۸) باب فروض زکوٰۃ الذہب والورق، تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد بھی جاری رہا، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: عن ابن عون عن محمد قال رأیت الامراء اذا اعطوا العطاء زکوٰۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۵ ج ۳)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں اگرچہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفریق قائم ہو چکی تھی، لیکن اُن کے بارے میں بھی مروی ہے: عن عمر بن عبد العزیز انہ کان یزکی العطاء والجائزۃ (حوالہ بالا)

اور مصنف عبد الرزاق میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن جعفر بن برقان ان عمر ابن عبد العزیز کان اذا اعطی الرجل عطاءً او عمالۃ اخذ منه الزکوٰۃ (مصنف عبد الرزاق ص ۸۷ ج ۲ فقرہ ۷۰۳)

یہ معاملہ صرف تنخواہوں اور وظائف کی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال پر جس کسی مسلمان کا کوئی مالی حق ہوتا تو اس کی ادائیگی کے وقت اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کا معمول قرین اولیٰ میں جاری تھا، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں مروی ہے: عن عمرو بن مہمون قال اخذ الوالی فی زمن عبد الملك مال رجل من اهل الرقة يقال له ابو عاتشة عشرين الفا، فادخلت فی بیت المال، فلما ولی عمر بن عبد العزیز اتاه ولده، فرفعوا مظلمتهم الیه فکتب الی مہمون ادفعوا الیہم اموالہم وخذوا زکوٰۃ عامہ هذا، فلولا انہ کان مالا ضاراً اخذنا منه زکوٰۃ ما مضی، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۲ ج ۲، ما قالوا فی الرجل ینسب

لہ المال السنین واخرجه ایضاً البیہقی فی السنن الکبریٰ ص ۱۵۰ ج ۲)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کی تحقیق فرما کر ثابت فرمایا ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں اور سند متصل ہے، (اعلاء السنن ص ۹ ج ۹، باب لازکوٰۃ فی المال الضمار)۔ نیز یہی واقعہ اجمالی طور پر دوسری سند سے موطا امام مالک میں بھی مروی ہے، اور اس میں بھی ایک سال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا ذکر موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ان عمر بن عبد العزیز کتب فی مال قبضہ بعض الولاۃ ظلمائاً مریدہ الی اہلہ وتوخذ زکوٰۃ لہا مضی من السنین ثم عقب بعد ذلك بکتاب الا توخذ منه الزکوٰۃ الا زکوٰۃ واحدة فانه کان ضماراً (موطا امام مالک ص ۱۷۱، الزکوٰۃ فی الذم)

لہ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخہ میں عبد الملك لکھا ہے، لیکن در سکر نسخہ میں اور دوسری کتابوں میں ولید بن عبد الملك کا ذکر ہے، اور وہی صحیح ہے، ۱۲۔

۱۳۔ بعض ہندوستانی نسخوں میں لفظ "الا" کتابت کی غلطی سے حذف ہو گیا ہے، صحیح عبارت وہی ہے جو اوپر لکھی گئی، (ادجز المسالک ص ۱۷۲ ج ۲)۔

ان تمام واقعات میں نقد روپیہ کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی گئی ہے، اور وہ بھی عثر پر گزرنے کی صورت میں نہیں، اور نہ مال کے شہرے باہر ہونے کی حالت میں، بلکہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت اُن اموال کی زکوٰۃ اُن تنخواہوں سے وصول فرماتے تھے جو تنخواہ دار کے گھروں، دکانوں یا دوسرے مقامات پر اُن کی ملکیت میں ہوتے تھے، یہ حضرات واجب الاداء زکوٰۃ تنخواہ سے کاٹ کر باقی تنخواہ لوگوں کے حوالے کیا کرتے تھے، اور حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ انہی تنخواہوں کی زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، کیونکہ اگر مالک پہلے سے صاحب نصاب ہو تو تنخواہ کی اس رقم پر مال مستفاد ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوتی تھی، البتہ یہ حضرات تنخواہوں سے زکوٰۃ کاٹنے کی بجائے پہلے تنخواہ حوالے فرما دیتے، پھر مالک سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، بہر صورت اُس نقد رقم سے سرکاری طور پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور یہ سلسلہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفریق قائم ہونے کے بعد بھی جاری رہا، بلکہ حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیزؓ نے اُن رقوم سے بھی زکوٰۃ وصول فرمائی جو بیت المال میں ظلماً داخل کر دی گئی تھیں،

اس طریق کار سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شمار ہونے اور اس سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہرے باہر لے جانا ضروری نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نجی مقامات کی تلاشی یا تفتیش کی ضرورت پیش نہ آئے، اور وہ فی الجملہ حکومت کے زیر حفاظت آگئے ہوں، تنخواہوں وغیرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا یہ طریقہ اُس دور میں بھی بلا تکیر جاری رہا ہے اور خود فقہاء حنفیہ نے بھی ان واقعات کو نقل کر کے اس کی تصدیق و تائید فرمائی ہے، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنا خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے: قال القاسم وکان ابو بکر اذا اعطى الناس اعطياهم يسأل الرجل هل عندك من مال قد وجبت فيه الزکوۃ، فان قال نعم، اخذ من عطائه زکوۃ ذلك المال، وان قال لا سلم اليه عطائه، قال محمد و بهذا انا اخذ، وهو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (موطا امام محمد ص ۱۰۱ باب الرجل یكون علیہ لدین هل علیہ فیہ الزکوۃ)، اور اس کے بعد حضرت عثمان

کے بارے میں عائشہ بنت قدامہ کی وہ روایت نقل کی ہے جو پیچھے موطا امام مالک وغیرہ کے حوالے سے گزر چکی ہے،

نیز علامہ ابن ہمام اور شمس اللامہ بخاری جہما اللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بالواقعہ جس میں غضب شدہ مال کو واپس کرتے ہوئے اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کا ذکر ہے ذکر فرما کر اس سے مالِ ضمار پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے مسئلہ میں استدلال فرمایا ہے، (فتح القدیر ص ۴۹۰ ج ۱ اور المبسوط للبخاری ص ۱۷۱ ج ۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال سے ایک سال کی جو زکوٰۃ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے وصول فرمائی، وہ حنفیہ کے نزدیک بھی معمول یہ ہے، ورنہ وہ اس کی تردید یا توجیہ فرماتے،

بلکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں بھی حنفیہ کے نزدیک امام کو مکمل اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ان کی زکوٰۃ کی وصول یا بی کے لئے مصدق بھیج کر سرکاری سطح پر ان کی زکوٰۃ وصول کرے، اور چاہے تو مالکوں کے حوالے کر دے، کہ وہ اپنے طور پر زکوٰۃ ادا کر دیں، چنانچہ انھوں نے شرح معانی الآثار میں ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے: "باب الزکوٰۃ یاخذھا الامام ام لا؟" اور اس میں اپنی عاد کے مطابق دونوں نقطہ نظر بیان فرمانے کے بعد آخر میں لکھا ہے: "واما وجه من طريق النظر فانا قدر رأيناهم انهم لا يختلفون ان للامام ان يبعث الى ارباب المواشي السائمة حتى يأخذ منهم صدقة مواشيهم اذا وجبت فيها الصدقة وكذلك يفعل في ثمارهم، ثم يضع ذلك في مواضع الزكوات على ما امر به عز وجل، لا يأبى ذلك احد من المسلمين، فالنظر على ذلك ان يكون بقية الاموال من الذهب والفضة واموال التجارات كذلك.... وهذا كله قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى شرح معاني الآثار للطحاوی ص ۲۶۳ و ۲۶۴ ج ۱)۔ یہاں امام طحاوی نے کسی قید و شرط کے بغیر امام کا یہ حق بیان فرمایا ہے کہ وہ سونا چاندی اور مالِ تجارت سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق بھیج سکتا ہے، یہاں انھوں نے مصر یا غیر مصر کی بھی کوئی شرط نہیں لگائی، اور نہ عاشر کے پاس گزرنے کا کوئی ذکر فرمایا ہے، امام طحاوی کی عبارت کا یہ اطلاق فقہاء حنفیہ کی دوسری تصریحات سے بظاہر معارض معلوم ہوتا ہے، اور مذکورہ بالا عبارت کے سیاق و سباق میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اُن کی یہ ساری گفتگو "ما مرّ على العاشر" بینک اکاذنٹس۔

سے متعلق ہو۔ لیکن جہاں تک مذکورہ عبارت کا تعلق ہے اس میں کوئی قید یا شرط نہیں ہے، اور وجہ النظر بھی اطلاق کو مقتضی ہے، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام طحاوی کا مقصد یہ ہے کہ ان اموال باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حنفیہ کے نزدیک اصلاً امام کو ہے، البتہ اُس مصلحت کے پیش نظر جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر تھی، جہاں لوگوں کے نجی مقامات کی تلاشی یا پڑتال کی ضرورت پڑتی ہو، وہاں مالکوں کو خود زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دیدی گئی ہو اور جہاں یہ مصلحت داعی نہ ہو وہاں وہ اپنے اصل حق کے مطابق زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے، چونکہ عامر پر گزرنے والے اموال میں اس قسم کا کوئی مفسدہ نہیں ہے، اس لئے وہ اپنے اصل حق کے مطابق اُن سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے، اور اگر کچھ مزید اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مفسدہ نہ ہو وہاں بھی امام کا اصل حق عود کر آئے گا، اور وہ اُن اموال سے زکوٰۃ وصول کر سکے گا جس کی نظیریں تنخواہوں، وظائف اور مالِ منصوب کے سلسلہ میں پیچھے گزر چکی ہیں، بلکہ اگر کسی جگہ یہ معلوم ہو کہ لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں وہاں اس مفسدہ کے باوجود امام اپنے اصل حق کے مطابق اُن اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکے گا، کیونکہ ترک زکوٰۃ کا مفسدہ اس مفسدہ سے شدید تر ہے، یہی بات تقریباً تمام فقہاء حنفیہ نے تحریر فرمائی ہے، مثلاً علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

”ظاہر قولہ تعالیٰ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الْآیۃ توجب اخذ الزکوٰۃ مطلقاً للامام، وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفان بعده، فلما ولي عثمان وظهر تغير الناس كره ان يفتش السعاة على الناس مستورا موالهم، ففوض الدفع الى الملائكة نيابة عنه، ولم يختلف الصحابة في ذلك عليه، وهذا لا يسقط طلب الامام اصلاً، ولهذا لو علم اهل بلدة لا يؤدون زكوتهم طال بهم بهار فتح القدر ص ۲۸۷ ج ۱) اس عبارت سے واضح ہے کہ اصلاً تمام اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام ہی کو ہے، اور اموال باطنہ کے سلسلہ میں یہ حق ایک مصلحت سے چھوڑا گیا ہے، اور بالکلیہ اب بھی ساقط نہیں ہوا، بلکہ اُن اموال کی زکوٰۃ جو مالکان ادا کرتے ہیں وہ بھی امام کے نائب کی حیثیت میں ادا کرتے ہیں، اصلاً اُن کو یہ اختیار بھی نہیں تھا، اور اسی لئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے دین کو فقہاء نے لہ مطالب من جمة العباد قرار دیا ہے،

یہاں بعض حضرات کو یہ شبہہ پیش آیا ہے کہ امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کا ذکر فرما کر لکھا ہے: فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقده امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة (احکام القرآن للجصاص، ص ۱۹۰ ج ۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد اموال باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق کسی کو نہیں رہا، لیکن امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت بغور پڑھنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ حق امام سے اُن کی مراد ایسا حق ہے جس کے بعد مالکان اموال کو از خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار باقی نہ رہے، اور اُن کی ادائیگی کو شرعاً تسلیم نہ کیا جائے، چنانچہ ان کی مذکور عبارت کے پہلے ان کے الفاظ یہ ہیں: "وقوله تعالى خذ من اموالهم صدقة يدل على ان اخذ الصدقات الى الامام، وانه متى اداها من رحيت عليه الى المساكين لم يجزه، لان حق الامام قائم في اخذها فلا سبيل له الى اسقاطه"، خط کشیدہ جملہ سے صاف واضح ہے کہ وہ امام کے ایسے حق کا تذکرہ فرما رہے ہیں جس کی موجودگی میں مالک کو از خود زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہی نہ ہو، بلکہ اس سے زکوٰۃ ادا بھی نہ ہو، پھر اسی حق کے بارے میں آگے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ائمہ عدل میں سے تھے، اور انھوں نے اموال باطنہ کی حد تک یہ حق ساقط کر دیا، اس لئے یہ حق اب ساقط ہو گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے لوگوں کے لئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ از خود مساکین کو دینا جائز نہیں تھا، اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اختیار انھیں دیدیا، اب یہ بات طے ہو گئی کہ ایسے اموال کے مالکان اگر از خود زکوٰۃ ادا کر دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام کا حق اخذ بالکلیہ ساقط ہو گیا، اور اب وہ زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا، چنانچہ فتح القدیر کی مذکورہ بالا عبارت اس پر صریح ہے کہ وهذا لا يسقط طلب الاما اصلا امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس پوری بحث، دوسرے فقہاء محدثین کی عبارتوں اور

۱۵ چنانچہ مویشیوں کے بارے میں اب بھی امام کا حق اسی نوعیت کا ہے کہ اس کی موجودگی میں مالک کو از خود زکوٰۃ دینا جائز نہیں بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس طرح زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی، مبسوط میں ہے: فان قال دفعتم الى المساكين لم يصدق وتؤخذ منه الزکوٰۃ عندنا.... ولنا ان هذا حق مالي يستوفيه الامام بولاية شرعية، فلا يملك من عليه اسقاط حقه في الاستيفاء... ولا يبرأ بالاداء الى الفقير فيما بينه وبين ربه

روایات کو دیکھنے کے بعد اس سلسلہ میں جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ:-

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور حضرات شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے زمانوں میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ دونوں سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ مویشیوں اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق بھیجے جاتے تھے، اور نقود اور اموال تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق بھیجنے کے بجائے مالکوں کو حکم تھا کہ وہ خود زکوٰۃ لے کر آئیں، لیکن دونوں قسم کے اموال میں ادارہ زکوٰۃ کارہستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جاتے،

② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر سے باہر جانے والے اموال کے بارے میں یہ تبدیلی فرمائی کہ اس کی وصول یابی کے لئے مصدق مقرر فرمائے، اور باقی اموال باطنہ کی زکوٰۃ حسب سابق مالکان خود لاکر دیتے رہے،

③ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اموال باطنہ کی کثرت ہو گئی، آبادی پھیل گئی اور انھوں نے محسوس فرمایا کہ اب اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی سرکاری طور پر وصول یابی کا یہ سلسلہ کہ اس کے بغیر ادارہ زکوٰۃ جانہ ہی نہ ہو، اگر باقی رکھا گیا تو اس کے لئے اموال ظاہرہ کی طرح مصدق مقرر کرنے پڑیں گے، اور لوگوں کے نجی مقامات میں ان کی دخل اندازی سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، لہذا آپ نے مالکان کو اجازت دیدی کہ وہ ان اموال کی زکوٰۃ خود ادارہ کر دیا کریں،

④ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کے بعد لوگوں کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر ادارہ کرنے کی اجازت مل گئی، لیکن زکوٰۃ کی وصول یابی کا اصلی حق اب بھی امام ہی کو ہی، چنانچہ دو صورتوں میں اب بھی وہ زکوٰۃ کی وصول یابی کا اہتمام کر سکتا ہے، ایک یہ کہ کسی جگہ کے لوگوں کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے طور پر زکوٰۃ ادارہ نہیں کرتے، اور دوسرے یہ کہ کچھ اموال اس طرح اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں کہ ان سے زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ پڑے،

⑤ چونکہ قدیم زمانہ میں نجی مقامات کی تفتیش کے بغیر اموال کے ظاہر ہو جانے کی جو صورت کثرت سے پیش آتی تھی وہ یہ تھی کہ اموال کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے وقت وہ عاشر پر گذرتے تھے، اس لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس صورت کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور اس طرح تعبیر فرمایا کہ ”یہ اموال شہر سے باہر نکل کر اموال ظاہرہ میں شامل

ہو گئے ہیں، اور جو اموال شہر کے اندر ہیں وہ اموال باطنہ ہیں، اس لئے یہ شہر سے باہر نکلنا اصل مدار حکم یا بطور بیان علت نہیں، بلکہ اپنے عہد کے لحاظ سے ایک واقعے کا بیان ہے، ورنہ اصل مدار حکم وہی ہے جس کی بنا پر اموال باطنہ کو زکوٰۃ کی سرکاری وصولیابی سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، یعنی تفتیش کے بغیر اُن اموال کا ظاہر ہو جانا، چنانچہ قرونِ اولیٰ میں اُن اموال سے بھی زکوٰۃ وصول کی گئی جو شہر سے باہر نہیں ہوتے تھے، لیکن تفتیش کے بغیر ظاہر ہوتے تھے، مثلاً تنخواہیں و وظائف اور حکومت کے اموال مغصوبہ، جس کی روایات پیچھے گذر چکی ہیں،

یہاں بعض حضرات نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض اموال حکومت پر تفتیش کے بغیر ظاہر ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود حکومت اُن سے زکوٰۃ وصول نہ کرتی تھی، مثلاً عاشر پر گذرنے والا اگر اپنے نجی مقامات پر رکھے ہوئے اموال کے بارے میں اقرار کر لیتا تو ان کی زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی تھی جس کی فقہار نے تصریح فرمائی ہے،

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اقرار کے ذریعہ تو اموال باطنہ میں سے ہر مال ظاہر بن سکتا ہے، لیکن چونکہ حبسزدی واقعات کو کلی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، اور ”عاشر“ کو اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ جس مال کو چاہے ظاہر قرار دے کر اس سے زکوٰۃ وصول کر لے، اس لئے اس کو یہ لگا بندھا اصول بتا دیا گیا کہ جو کوئی شخص بھٹائے پاس مال لے کر گذرے صرف اُس مال سے زکوٰۃ وصول کر سکتے ہو جو اس وقت تمہارے سامنے آجائے اور لوگوں کے گھروں یا دکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض نہ کرو، اس اصول کے تحت ”عاشر“ کو گھروں میں رکھے ہوئے مال سے تعرض کا اختیار نہیں دیا گیا، اور جب یہ اصول معتبر ہو گیا تو اگر کسی حبسزدی واقعہ میں اگر کوئی شخص اپنے مال باطن کو عاشر پر اقرار کے ذریعہ ظاہر بھی کر دے تو یہ ایک استثنائی واقعہ ہوگا جس سے اصول تبدیل نہیں ہو سکتا، اس لئے اس صورت میں بھی بطور اصول اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی،

ہاں اگر کچھ ایسے اموال پائے جائیں جن کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ وہ سب کے سب بذاتِ خود حکومت پر بغیر تفتیش کے ظاہر ہو جاتے ہوں، اور حکومت اُن اموال کے بارے میں یہ طے کر دے کہ ان تمام اموال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو اس میں شرعی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ تنخواہوں، وظائف اور اموال مغصوبہ سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کی واضح نظیر ہے، دوسرے الفاظ میں ”خریج من المھر“ عاشر کے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کی اجازت کی تو علت ہے،

لیکن امام کے لئے وصولِ زکوٰۃ کے اختیار کی علت نہیں، بلکہ اس کے لئے علت اموال کا تفتیش کے بغیر ظاہر ہو جانا ہے، چنانچہ جن اموال کی نوعیت ایسی ہو کہ وہ بغیر تفتیش کے ظاہر ہو جاتے ہوں ان سے ”مامر علی العاش“ کی طرح وہ بھی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کر سکتا ہے، جیسا کہ تنخواہوں وغیرہ کے معاملہ میں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ فقہار کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ”خروج من المصر“ کا تذکرہ ”باب فیمن یسر علی العاش“ میں تو فرماتے ہیں، جس کا موضوع یہ ہے کہ عاشر کو نہ اموال سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے، لیکن جس جگہ امام کے وصولِ زکوٰۃ کے اختیار کا بیان ہو وہاں عموماً خروج من المصر کو بطور علت ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں علت یہی بیان کی جاتی ہے کہ اموال باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے میں لوگوں کے سخی مقامات میں دخل اندازی اور ان کی تفتیش لازم آتی ہے جس سے عوام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت پیچھے گزر چکی ہو، اور امام جصاص کی عبارت مجلس کی سابق تحریر میں نقل کی جا چکی ہے،

بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کا مسئلہ:

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بینک میں رقم رکھواتا ہے تو شرعاً وہ رقم بینک کے ذمہ قرض ہوتی ہے، امانت نہیں، اسی لئے وہ بینک پر مضمون بھی ہوتی ہے، اور اس پر زیادتی وصول کرنا سود ہوتا ہے، اور جب کسی شخص نے کوئی رقم سی رو کر فریادارہ کو بطور قرض دیدی تو وہ اس شخص کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں داخل ہو گئی، اب اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت واجب ہوگی جب وہ رقم اُسے وصول ہو جائے گی، اس سے پہلے زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، لہذا بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وضع کرنے پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب الاداء ہونے سے پہلے ہی وضع کر لی گئی ہے، اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ دائن سے وصول کرنے کے بجائے مدیون کے مال سے وصول کی گئی ہے، حالانکہ اس کی نظیر معمود فی الشرع نہیں ہے کہ ایک شخص کی زکوٰۃ دوسرے کے مال سے وصول کی جائے،

ذیل میں ان دونوں اعتراضات کی تحقیق مقصود ہے:-

ان دونوں مسائل کی تحقیق کے لئے پہلے بینک اکاؤنٹس کی صحیح حیثیت متعین کرنا ضروری ہے،

اس میں شک نہیں کہ فقہی اعتبار سے بینک اکاؤنٹس قرض ہے، لیکن دائن کے تصرف کے

لے البتہ جن اکاؤنٹس پر سود کا لین دین طے ہوتا ہے، مثلاً سیونگ اکاؤنٹ یا فکسڈ ریٹ، ان میں ایک اور مسئلہ

محاط سے یہ ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے جو فقہاء کرام رحمہم اللہ کے عہد میں موجود نہیں تھا، اور جس کی نظیریں بھی اُس دور میں کم ملتی ہیں، لہذا زکوٰۃ کے حق میں بینک اکاؤنٹس کو بالکل یہ دوسرے دیون اور قرضوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا، وجوب زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجع الوصول ہے؟ اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے؟ اسی بنا پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے وجوب زکوٰۃ کے معاملہ میں دین قومی، دین متوسط اور دین ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے، اور اسی بنا پر دین محدود کو مال مضامین شامل کر کے اُسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، جب ہم اس نقطہ نظر سے بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ دین ہونے کے باوجود اس معاملہ میں دوسرے عام دیون سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے جس کی وجہ درج ذیل ہیں:-

① عام قرضوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ مقرض کے قبضہ سے نکلنے کے بعد اُن پر مقرض کا کوئی تصرف باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ مقرض کے رحم و کرم پر ہوتا ہے کہ جب وہ چاہے اُسے ادا کرے، اس کے برعکس بینک اکاؤنٹس میں مقرض کے طلب کرنے پر فوری ادائیگی نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں ہوتا، اور یہ بینک کی طرف سے صرف زبانی اقرار نہیں ہوتا، بلکہ بینکوں کا مسلسل بلا تخلف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) احتمال بھی قابل غور ہے، اور وہ یہ کہ وہ شرکت فاسدہ یا مضاربیت فاسدہ کا مال ہو، کیونکہ فقہاء کرام یہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے شرکت یا مضاربیت کرتے وقت نفع کے شائع حصہ کے بجائے معین رقم طو کر لی جائے تو شرکت اور مضاربیت فاسدہ ہو جاتی ہے، (شامی) اور شرکت فاسدہ اور مضاربیت فاسدہ دونوں میں جب تک شرکین مال واپس لیں ان کے درمیان شرکت فی المملک قائم ہو جاتی ہے، اور دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک رہتے ہیں وہ رقم دین نہیں بلکہ مال تجارت کے حکم میں رہتی ہے، — اور غیر سودی اکاؤنٹس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ اصلاً ودیعت تھی، لیکن خلط بالاذن کی بنا پر وہ مال شرکت بلکہ بنگیا، چنانچہ در مختار کتاب الایداع میں تصریح ہے کہ ودیعت خلط بالاذن سے شرکت بلکہ بن جاتی ہے، (شامی ۲۹۸ ج ۲)، اور حضرت تھانوی قدس سرہ نے سیونگ اکاؤنٹس کو اسی بنا پر شرکت بلکہ کا مال قرار دیا ہے، (اعداد الفتاویٰ ص ۳۰۹ ج ۳)، اگر ان اکاؤنٹس کی یہ توجیہ درست ہو تو ان اکاؤنٹس کے دین ہونے کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس توجیہ میں تامل یہ ہے کہ اس کے مطابق ان اکاؤنٹس میں رکھی ہوئی رقم مضمون نہ ہوگی، حالانکہ فریقین کی طرف سے مضمون ہونا شرط ہوتا ہے، فلیست عمل ۱۲

طرزِ عمل یہی ہے جس کے بغیر بینک چل ہی نہیں سکتے، لہذا یہ قرض کی وہ قسم ہے جس میں مقرض اپنی رقم جب چاہے فوراً بلا تخلف واپس لے سکتا ہے، اور عملاً وہ ایسی ہی قابلِ اعتماد ہے جیسے اپنی تجویز میں رکھی ہوئی رقم، بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ تجوری کی رقم میں ہلاک ہونے کا خطرہ ہے، لیکن بینک اکاؤنٹ میں ایسا خطرہ بھی نہیں ہے،

② بینک اکاؤنٹس میں رکھی ہوئی رقم پر ہر اکاؤنٹ ہولڈر ٹھیک اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح اپنی الماری میں رکھی ہوئی رقم پر تصرف کرتا ہے، اس وقت تجارت کا سارا کاروبار بینک اکاؤنٹس ہی پر چل رہا ہے، اور بیشتر ادائیگیاں بینک ہی کے ذریعہ ہوتی ہیں،

③ عرفِ عام میں بھی بینک میں رقم رکھوانے کے بعد کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے یہ رقم کسی کو قرض دیدی ہے، بلکہ وہ اسے اپنی ہی رقم سمجھتا ہے، اور اس کے ساتھ اپنی رقم ہی کا سا معاملہ کرتا ہے، جب کوئی شخص اپنے حاضر و غائب مال کی فہرست بناتا ہے تو بینک اکاؤنٹس کو مالِ حاضر میں شمار کیا جاتا ہے، مالِ غائب میں نہیں،

④ عام قرضوں کا حال یہ ہے کہ معاہدہ قرض کا محرک مستقرض ہوتا ہے، لیکن یہاں محرک مقرض ہوتا ہے، اور اس کا اصل منشأ قرض دینے کے بجائے اپنے مال کی حفاظت ہوتی ہے، عام قرضوں کے مقابلہ میں بینک اکاؤنٹس کی ان وجوہ فرق کو ذہن میں رکھ کر قرضوں پر زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور فرمائیے؛

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر پہلا اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ قرض پر اگرچہ زکوٰۃ فرض تو ہوتی ہے لیکن اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ دائن کے قبضہ میں واپس آجائے، اور زیر بحث صورت میں دائن کے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی زکوٰۃ وضع کی جا رہی ہے، اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب تو متفق علیہ ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مقرض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر واجب اُس وقت ہوگی جب قرض کی رقم اُسے واپس ملے گی، چنانچہ جب بھی چالیس درہم کی مقدار اس کے پاس واپس آئے گی ایک درہم بطور زکوٰۃ ادا کرنا اس پر واجب ہوگا، اس سہولت کا پس منظر اور اس کی اصل وجہ مندرجہ ذیل روایات سے واضح ہوتی ہے،

① امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں: عن حمید بن عبد الرحمن ان عبد الرحمن ابن عبد القاری، وكان على بيت مال عمر رضي الله عنه، قال كان الناس يأخذون

من الدين الزکوٰۃ، وذلك ان الناس اذا خرجت الاعطية حبس لهم العرقاء ديونهم وما بقي في ايديهم اخرجت زكوتهم قبل ان يقبضوا، ثم دامن الناس بعد ذلك ديوننا هالكة، فلم يكونوا يقبضون من الدين الصدقة الا ما نض منه، ولكنهم كانوا اذا قبضوا الدين اخرجوا عنها لما مضى السن الكبير للبيهي ص ۱۵۱، باب زکوٰۃ الدين اذا كان على معسر او جاحد، اس روایت سے واضح ہے کہ اصلاً دیون کا حکم بھی یہی تھا کہ سال بسال ان کی زکوٰۃ ادارہ کی جائے خواہ وہ قبضہ میں نہ آئے ہوں، لیکن چونکہ بعض مرتبہ لوگ زکوٰۃ نکال دیتے، اور بعد میں دیون وصول نہ ہوتے، اس لئے یہ سہولت دی گئی کہ دیون کی زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد ادارہ کی جائے، لیکن جب ادارہ کی جائے تو سالہائے گزشتہ کی بھی ادارہ کی جائے اس کے باوجود صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہی رہا کہ دیون اگر قابل اعتماد ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے وصول یا بی کا انتظار نہ کیا جائے، بلکہ سال کے سال زکوٰۃ ادارہ کی جاتی رہے، چنانچہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت جابر بن زید، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت میمون بن ہرآن، حضرت قتادہ اور حضرت سعید ابن المسیب وغیرہ کا مسلک یہی تھا، کتاب الاموال لابن عبید، ص ۳۳۴ باب الصدقة في التجارات والديون فقرہ ۱۲۳۶ ومصنف عبد الرزاق ص ۱۰۴ ج ۲ بالزکوٰۃ الا في الناض، اسی کو امام ابو عبید نے ترجیح دی ہے، اور یہی امام شافعی کا مسلک ہو رہا ہے المحتاج ص ۳۰ ج ۳ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ دین خواہ کتنے قابل اعتماد شخص کے پاس ہو، اس میں چونکہ عدم ادائیگی کا احتمال بھی رہتا ہے، لہذا جب تک وہ مالک کے قبضہ اور تصرف میں نہ آجائے اس وقت تک وجوب ادارہ نہیں ہوگا، اس کے لئے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس ارشاد سے استدلال فرمایا ہے جسے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عن علي بن ابي طالب قال اذا كان ذلك دين علي الناس فقبضه فزكاه لما مضى، قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابي حنيفة (کتاب الآثار ص ۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد پر رکھی ہے،

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد امام بیہقی اور امام ابو عبید نے ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے: عن علي في الدين الظنون، قال ان كان صادقاً فليزكه اذا قبضه

لما مضی "امام ابو عبیدہ" نے "دین ظنون" کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ہوا الذی لا یدری صاحبہ
ایقضیہ الذی علیہ الدین ام لا؟ ربیعہ ص ۱۵۰ ج ۲ و کتاب الاموال ص ۲۳۰،
فقہہ ۱۲۲۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۳ ج ۳

اور اس ارشاد کی تفصیل امام ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت فرمائی ہے:
عن الحسن قال سئل علی عن الرجل یكون له الدین علی الرجل، قال یشکیہ صاحب
المال فان آوی ما علیہ وخشی ان لا یقضی، قال یدھل فاذا خرج اذی زکوۃ ماله
(مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۶۲ ج ۳) اس سے معلوم ہوا کہ اس باب میں حضرت علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر
وغیرہ کا ہے، یعنی: ان عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن عمر قالوا من اسلف مالا
فعلیہ زکوۃ فی کل عام اذا کان فی ثقۃ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۴۹ ج ۲) اور
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکمل الفاظ یہ ہیں: زکوۃ اما کان فی ایدیکم و اما کان
من دین فی ثقۃ فهو بمنزلۃ ما فی ایدیکم و اما کان من دین ظنون فلا زکوۃ
فیہ حتی یقبضہ (بیہقی ص ۱۶۲ ج ۳) و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۲ ج ۳، حضرت ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس ارشاد کا ایک حصہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمایا ہے، اور
اس سے دین کے مسئلہ میں مالکیہ کے خلاف استدلال فرمایا ہے: عن نافع عن ابن عمر
انہ قال فی الدین یرجی، قال ذکک کل عام (کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ص ۲ ج ۱)،
اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہاء حنفیہ نے اس باب میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت
علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال پر رکھی ہے، اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضہ
کے بعد زکوۃ کا وجوب صرف اس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصول یا بی مظنون ہو، جہاں
وصول یا بی کا وثوق ہو وہاں اُن کے نزدیک وجوب ادار بھی قبضہ سے پہلے ہی ہو جاتا ہے، لیکن
فقہاء حنفیہ نے اس پہلو پر نظر فرمائی کہ معدود دیون میں سے ہر دین میں خواہ وہ کتنے قابل اعمائے
شخص کے پاس ہو، عدم ادائیگی کا کچھ نہ کچھ خطرہ ضرور ہوتا ہے لہذا انھوں نے ہر دین قوی کو "دین ظنون"
قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اُس پر نفس وجوب تو ہو جاتا ہے، لیکن وجوب ادار قبضہ
کے بعد ہوگا،

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر جب ہم بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیتے ہیں، اور عائد یوں

کے مقابلہ میں اُن کی جو وجوہ منسرق شرور ع میں بیان کی گئیں، اُن کو دیکھتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دین قومی کی وہ قسم ہے جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے عہد میں یا موجود نہیں تھی یا اس کی نظیریں شاذ و نادر تھیں، اور اس قسم کو دین ظنون کسی طرح و شرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یحییٰ کے یقین راسخ کے آزادانہ تصرفات اور عرف عام کی رُو سے بالکل اس طرح دامن کی ملکیت اور تقدیری قبضہ میں رہتا ہے جیسے اپنے گھر میں رکھا ہوا مال، لہذا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ میں ”بمنزلة ما فی یدیکم“ کا اطلاق اس سے زیادہ کسی دین پر نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اگر بینک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوب ادارہ کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے اتنی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی، امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے تو عام دیون کے بارے میں بھی یہ فرمایا ہے کہ: **وانما اختاروا، او من اختار منهم، تزکیۃ الدین مع عین المال، لان من ترک ذلک حتی یصیر الی القبض لم یکد یقف من زکوٰۃ دینہ علی حد، و لم یقم بآدابہا، وذلک ان الدین ربما اقتضاه رقبہ متقطعاً، کالدراہم الخمسة والعشرة، واکثر من ذلک و اقل، فہو محتاج فی کل درہم یتقضیہ فما فوق ذلک الی معرفة ما غاب عنہ من السنین والشہور والایام، ثم یرجع من زکوٰۃ بحسب ما یریبہ، و فی اقل من ہذا ما تکرر الملالۃ والتفریط، فلہذا اخذوا لہ بالاحتیاط، فقالوا یرزکیہ مع جملة ماله فی رأس الحول، و ہو عندی وجہ الامر، کتاب الاموال ص ۴۳۲، فقرہ ۱۳۳۱، عام دیون کے بارے میں یہ دشواری قابل لحاظ ہو یا نہ ہو، لیکن بینک اکاؤنٹس کے بارے میں تو اس قسم کا حساب و کتاب عملی اعتبار سے تقریباً ناممکن ہے، کیونکہ عام طور پر ان اکاؤنٹس سے بعض اوقات ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ رقمیں نکالی اور نئی داخل کی جاتی ہیں، اور قبضہ کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ہر اکاؤنٹ ہولڈر اپنے اکاؤنٹ کے ہر روپے کے بارے میں یہ ریکارڈ پوری طرح محفوظ رکھے کہ وہ کتنے عرصہ بینک میں رہا ہے، تاکہ اس پر واجب ہونے والی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کر سکے، اور جب کوئی رقم بینک سے نکالے تو پہلے یہ حساب کرے کہ یہ رقم کتنے سال بینک میں رہی ہے، اور اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، پھر زکوٰۃ ادا کرے، اور اس میں جو عملی تعذر ہے وہ مخفی نہیں اور خود فقہاء حنفیہ نے مال مستفاد کا الگ سال شمار کرنے پر ایک دلیل یہی عملی تعذر کی پیش کی ہے**

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو مالِ مستفاد پر الگ سال شمار کرنے والوں پر طنز فرماتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ: یفغی لصاحب ہذا المال ان یقع حساباً یحبون زکوٰۃ ماله متی تجب؟ ارایتم الرجل اذا کان یفید الیوم الفاً وغداً الفین وبعد غد ثلاثۃ آلاف وبعد ذلك خمسة آلاف وبعد ذلك بعشرین یوم عشرة آلاف ینبغی لہ ان ینزکی کل مال من ہذا الاموال علی حدۃ؟ وھذا قول ضیق لا یوافق ما علیہ الناس ینبغی لہ ان یجمع ماله کلہ ثم ینزکیہ اذا وجبت الزکوٰۃ علی ماله الاول کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ ص ۲۹۱ و ۲۹۲ ج ۱، اور حضرت ابراہیم تھمی رحمۃ اللہ علیہ، جو فقہ حنفی کا بہت بڑا ماخذ ہیں، ان کا ایک ارشاد امام ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے کہ: ومن کان لہ من دین ثقۃ فلیزکہ، وما کان لا یستقر یعطیہ الیوم ویأخذ الی یومین فلیزکہ، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۲ ج ۳)، اس کا منشا بھی غالباً یہی ہے کہ کہ دیون کی جو رقمیں آتی جاتی رہتی ہوں ان کا الگ الگ حساب رکھنا چونکہ متعذر ہے، اس لئے ان سب کی زکوٰۃ ایک ساتھ ہی نکالنی چاہئے، اور اس قسم کے دیون کی جتنی مکمل مثال بینک اکاؤنٹس ہیں اتنی مکمل مثال شاید کوئی اور ممکن نہ ہو،

لہذا ان تمام دلائل کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر یہ اعتراض درست نہیں رہتا کہ ان کی زکوٰۃ وجوب ادارے سے پہلے وصول کر لی گئی ہے، بلکہ مذکورہ بالا دلائل کی رو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان اکاؤنٹس کا وجوب ادارے بھی اسی وقت ہو جاتا ہے جب دوسری رقموں کا سال پورا ہو،

بینک اکاؤنٹس کے ذین ہونے کی بنیاد پر ان سے زکوٰۃ وضع کرنے پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ایک شخص نے کوئی رقم بینک کو قرض دیدی تو وہ اس کی ملکیت سے نکل کر بینک کی ملکیت میں آگئی، لہذا جس رقم سے حکومت زکوٰۃ وصول کر رہی ہے وہ بینک کی ملکیت ہے اور اس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ہے کہ ایک شخص کی زکوٰۃ دوسرے کے مال سے وصول کی جائے،

اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ جس ذین کی وصول یا بی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاؤنٹس میں متیقن ہوتی ہے اس سے زکوٰۃ کی وصول یا بی کی متعدد نظیریں موجود ہیں، کہ اس کو تقدیرِ اداؤں کے قبضہ میں قرار دیکر اس سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے، چند نظائر درج ذیل ہیں:-

① پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم زکوٰۃ کی رقم دی جانے والی تنخواہوں سے کاٹ لیتے تھے، امام ابو عبید رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے یہ الفاظ پیچھے گزرے ہیں کہ: فان اخبرہ ان عندہ ما لا قد حلت فیہ الزکوٰۃ قاصدہ متما یرید ان یعطیہ (کتاب الاموال ص ۲۳۱)، ظاہر ہے کہ تنخواہ کی وصولیابی سے پہلے وہ بیت المال پر دین ہی تھا، اور چونکہ صاحب تنخواہ کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تھا، اس لئے ابھی وہ حقیقۃً اس کی ملکیت اور قبضہ میں نہیں آیا تھا، لیکن قبضہ میں آنے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وضع کرنا اس لئے تھا کہ وہ دین متیقن ہونے کی بناء پر تقدیراً صاحب تنخواہ کے قبضہ میں آچکا تھا، چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ موطا میں نقل کر کے اس پر ترجمۃ الباب یہ قائم فرمایا ہے کہ: "باب الرجل یكون له الدين هل عليه فيه الزکوٰۃ؟" اور پھر یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ: "كان ابو بكر اذا اعطى الناس اعطيا تهم يسأل الرجل هل عند من مال قد وجبت فيه الزکوٰۃ، فان قال نعم اخذ من عطائه زکوٰۃ ذلك المال، وان قال لا سلم اليه عطاءه" اور پھر فرمایا ہے: قال محمد وهذا نأخذ وهو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (موطا امام محمد ص ۱۷۰)،

اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: فیہ دلالة علی انہم كانوا يأخذون زکوٰۃ العطاء لكونه ديناً مستحقاً علی بیت المال، والا لم یکن لاخذ الزکوٰۃ منه معنی (اعلاء السنن، ص ۲۳۰ ج ۱۲)، کتاب السیر باب العطاء یموت صاحبہ بعد ما یتوجبه، ان تمام روایات و عبارات میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ دین متیقن کے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ متیقن ہونے کی بناء پر تقدیراً مالک کے قبضہ میں ہے،

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں امام ابو عبید رحمہ اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں: عن نافع عن ابن عمر انه كان یكون عند الیتامی، فاستسلف اموالہم لیخرجہا من المہلک، ثم یشترج جسد قتلہا من اموالہم وہی دین علیہ (کتاب الاموال ص ۲۵۱، فقرہ ۱۳۰۹: السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۲۹ ج ۲، ومصنف عبد الرزاق ص ۹۸ و ۹۹ ج ۲)

لہ حالانکہ دین اجرت دین قرض سے ضعیف ہے ۱۲ لہ لقائل ان یقول ان هذا مبنی علی الاولایۃ، فلیتأمل ۱۲ رشید احمد

یہاں یہ مسئلہ تو علیحدہ ہے کہ نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہیں؟ اور مذکورہ واقعہ میں "یتامی" سے مراد نابالغ یتامی ہیں یا بالغ یتامی؟ لیکن یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یتامی پر زکوٰۃ فرض سمجھتے تھے، اور ان کے اموال کو خود قرض لے لیتے تھے، پھر ان سے قرض ہونے کی حالت ہی میں زکوٰۃ نکالتے تھے، یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس کی صورت سے بہت قریب ہے، کہ دونوں جگہ رقم کو ودیعت کے بجائے قرض بنانے کا مقصد ان اموال کو مضمون بنانا ہے، اور یاد ہو دیکھ وہ رقمیں قرض لینے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ملکیت میں آگئیں، لیکن انھوں نے اپنی رقموں سے اصل مالکوں کی زکوٰۃ ادا فرمائی، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقن کو تقدیراً رائے کے قبضہ میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے،

زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ:

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ کی وصولیابی پر تیسرا شبہ یہ کیا گیا ہے کہ بینکوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کی صورت میں اصحاب اموال کی طرف سے نیت متحقق نہیں ہوگی، حالانکہ نیت ادا زکوٰۃ کے لئے شرط ہے،

اس سلسلہ میں مجلس کی سابق تحریر میں عرض کیا گیا تھا کہ جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حکومت کو ہے ان میں حکومت کا وصول کر لینا بذات خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور دلیل میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی پیش کی گئی تھی: "فی مختصر الکوخی اذا اخذها الامام کرھا فوضعھا موضعھا اجزا، لان له ولاية اخذ الصدقات، فقام اخذہ مقام دفع المالك، وفي القنية وفيه اشكال لان النية فيه شرط ولم توجد منه اه، قلت قول الكوخی رحمه الله تعالى فقام اخذہ الخ يصلح للجواب تأمل" (رشامی ص ۳۵-۳۶)

اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذکور عبارت کے بعد متصل تحریر فرمایا ہے: "ثم قال في البحر، والمفتي به التفصيل ان كان في الاموال الظاهرة يسقط الفرض، لان للسلطان او نائبه ولاية اخذها، وان لم يضعها موضعها لا يبطل اخذہ، وان كان في الباطنة فلا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ اگر جبراً وصول کر لی جائے تو وہ ادا نہیں ہوگی،

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مجلس نے اپنی سابق تحریر میں جو الفاظ کہے تھے کہ: ”حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے اُن میں حکومت کا وصول کر لینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے“ وہ اسی عبارت کے پیشِ نظر لکھے تھے، کیونکہ مذکورہ عبارت میں مدار اس پر ہے کہ سلطان کو ”ولایتِ اخذ“ حاصل تھی یا نہیں؟ اور بینک اکاؤنٹس سے ولایتِ اخذ کے دلائل پیچھے تفصیل کے ساتھ بیان کئے جا چکے ہیں، لہذا زیرِ بحث مسئلہ میں مذکورہ عبارت سے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا،

اور جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے اُن میں حکومت کی وصولی کا نیت کے قائم مقام ہو جانا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم ہے، اگرچہ ائمہ ثلاثہ نیت کے معاملہ میں اتنے سخت ہیں کہ بعض صورتوں میں دلالتِ نیت کو بھی معتبر نہیں مانتے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنا سارا مال بغیر نیتِ زکوٰۃ کے صدقہ کر دے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے (عالمگیریہ ص ۱۷۱ ج ۱) لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نیت کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، (المغنی لابن قدامة ص ۶۳۹ ج ۲ والخطاب ص ۲۳۵ ج ۲)

لیکن حکومت کی وصولیابی کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ بھی اس پر متفق ہیں کہ وہ نیت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، چنانچہ فقہ مالکی کی معروف کتاب ”مواہب الجلیل“ میں ہے: اِذَا اَخْرَجَ رَجُلٌ الزَّكَاةَ بِغَيْرِ عِلْمٍ مِنْهُ عَلَيْهِ وَغَيْرِ اِذْنِهِ فِي ذَلِكَ، فَاِنْ كَانَ مَخْرَجَ الزَّكَاةِ الْاِمَامَ فَالْزَّكَاةُ مَجْزُوءَةٌ (مواہب الجلیل للخطاب ص ۳۵۶ ج ۲)، اور فقہ شافعی کی معروف کتاب ”نہایۃ المحتاج“ میں ہے: اِلَّا صَحَّ عِنْدَ الشَّافِعِيَةِ اِنْ نِيَّةَ السُّلْطَانِ تَكْفِي اِذَا اخَذَ زَكَاةَ الْمُسْتَمْتِعِ (نہایۃ المحتاج ص ۱۳۸ ج ۳)، اور علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: وَلَا يَجُوزُ اخْرَاجُ الزَّكَاةِ اِلَّا بِنِيَّةِ اَلْاَنْ يَأْخُذَهَا الْاِمَامُ مِنْهُ قَهْرًا (المغنی لابن قدامة ص ۶۳۸ ج ۲)۔

پھر یہ ساری تفصیل تو زکوٰۃ کی وصولیابی کے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی میں ہے، اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہی ہو تو اس کے لئے یہ رستہ موجود ہے کہ وہ زکوٰۃ وضع ہونے کے بعد نیت کر لے، کیونکہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ بینک اکاؤنٹس تقریراً بینک ہولڈرز کی ملک ہے، اور اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مال فقیر (یا اس کے ذکیل) کے قبضہ میں ہو اُس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کر کے اس کی اجازت دے سکتا ہے، اس کی تصریح فقہاء حنفیہ کے

کلام میں موجود ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ”رجل اذی زکوٰۃ غیرہ عن مال ذلک والمغیر
فاجازہ المالك، فان كان المال قائماً في يد الفقير جازواً لا فلا، كذا في السراجية“
(عالمگیریہ ص ۱، ۱۱۷)، اور اگر اصل مالک کی ملک تقدیری سے بالکل صرف نظر کر لیا جائے
تو بھی جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ وہیچ کردہ زکوٰۃ مسکین کے پاس پہنچ چکی ہے اس وقت
تک مالک زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے، شامیہ میں ہے، قال في التتارخانية الا اذا وجد
الاذن او اجاز المالك ان اى اجاز قبل الدفع الى الفقير لما في البحر لو ادى زکوٰۃ
غیرہ بغیر امرہ فبلغه فاجاز لم یجز لانها وجدت نفاذاً علی المتصدق لانها ملکہ
ولم یصر نائباً من غیرہ فنقدت علیہ ۸۱ (مرآۃ المختار ص ۲۶۹) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب

ولی حسن

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ
دارالعلوم کراچی

رشید احمد

غزہ شعبان ۱۴۰۱ھ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
دارالعلوم کراچی

نظر ثالث

بعض علماء نے تحریر مذکور پر مفصل بحث ارسال فرمائی، اس پر ۲۴ محرم ۱۴۰۵ھ میں مجلس نے غور کر کے اپنے
پہلے فیصلہ کی پھر توثیق کی، البتہ مجلس نے اپنی تحریر مذکور میں بعض مسامحات کو تسلیم کر لیا اور ان کی اصلاح کی ضرورت
کافیصلہ کیا، نتیجہ کے لحاظ سے ان اصلاحات کا مجلس کے سابق فیصلہ پر کوئی تاثر نہیں پڑتا،

ان اصلاحات کی مفصل تحریر وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے اس مجلس میں نہ ہو سکی اس لئے اس کو
دوسری مجلس پر چھوڑ دیا گیا، واللہ المستعان

اس تحریر کی تکمیل کے بعد اس کو ماہنامہ ”البلاغ“ اور تمہ ”احسن الفتاویٰ“ میں شائع کر دیا جائے گا
ان شاء اللہ تعالیٰ

رشید احمد

باب العشر والخراج

عشر بر حصه مزارعان :

سوال : عشر بر غله حصه بزرگان در شرع شریف واجب است یا نه ؟ اگر واجب است پس کدام حصه بر او شال صاحب شرع مقرر و معین فرمودند ؟ بپنوا تو جروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

بر وجوب عشر در حصه مزارعان اختلاف میان امام و صاحبین رحمهم الله تعالى مشهور است و در کتب مبسوطه مسطور اما فتوی بر قول صاحبین است و در نقل مذہب صاحبین هم اختلاف میان کتب فقه واقع شده است بعضی تفصیل کرده اند که اگر بذر من جانب مالک باشد عشر بر دست و اگر من جانب مزارع باشد پس عشر بر مالک و مزارع هر دو مطابق حصه ایشان است ، و اکثر مصنفین تفصیل مذکور نکرده اند ، بلکه بهر صورت عشر را مشترک از حصه هر دو می فرمایند یعنی از خارج ارض عشر ادا کرده بعد از تقسیم خواهند کرد . علامه شامی رحمه الله تعالى همین را ترجیح داده اند لهذا در رأی این فقیر همین مذہب معمول به است و الدلیل علی کل ما اذعینا ما فی شرح التنویر و فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصه و فی الشامية ر قوله فی المزارعة قال فی النهر و لود فع الارض العشرية مزارعة ان البذر من قبل العامل فعلى رب الارض فی قیاس قوله لفسادها و قال فی الزرع لصحتها و قد اشتهر ان الفتوى علی الصحة و ان من قبل رب الارض کان علیه اجماعاً و مثله فی الخانیة و الفتح (الی ان قال) لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر و المجتبى و المعراج و السراج و الحقائق و الظهیریة و غیرها من ان العشر علی رب الارض عنده علیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل و هو الظاهر لما فی البدایع من ان المزارعة جائزة عندهما و العشر یجب فی الخارج و الخارج بینهما فیجب العشر علیهما الخ و قال ابن عابدین رحمه الله تعالى فی آخر هذا البحث فکان

ینبغي للمشارحة متابعة ما في أكثر الكتب رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم
۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

کاربیز کے پانی میں نصف عشر ہے :

سوال : چہ میفرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین کہ در دیار مایاں کاربیز وقتا بہا ہستند کہ از مزرعہ تا منبع آب مثلاً دوازده ہزار بغل فاصلہ دارد و ہر سال کار و زحمت میخواند کہ اگر کار کردہ نشود آبش خشک میشود و خرج و مصرف کارش باندا زہ ای میباشند کہ نصف بلکہ دو حصہ محصول پیداوارش بکارکنان صرف میشود و دریں صورت عشر واجب شود یا نصف عشر؟ مسئلہ مذکورہ بالا را بالتحقیق و بحوالہ کتاب و باب تحریر فرمودہ رفع اشتباہ فرمائید و اجر دارین حاصل فرمائید۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دریں صورت نصف عشر واجب است، قیاساً علی الغرب والدالۃ، قال فی الشامیۃ تحت (قوله وقواعدنا لاتأباه) لان العلة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مسقی غرب ودالۃ ہی زیادۃ الکلفۃ کما علمت وھی موجودۃ فی شراء الماء (رد المحتار ج ۲ ص ۵۵) فقط والله تعالى اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

مدعشر سے مدخراج کے لئے قرض لینا :

سوال : کیا خراج کے بیت المال کے لئے صدقہ کے بیت المال سے قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صدقہ کے بیت المال سے خراج کے بیت المال کے لئے قرض لینا جائز ہے اگر اہل خراج فقراء ہوں تو مستقرض منہ کو واپس دینا ضروری نہیں قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ و علی الامام ان يجعل لكل نوع بیتا یخصه، ولہ ان یستقرض من احدھا لیصرفہ للآخر و یعطی بقدر الحاجة۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ر قوله لیصرفہ للآخر ای لاہلہ قال الزیلعی ثم اذا حصل من ذلك النوع شیء ردة فی المستقرض منه الا ان یكون المصروف من الصدقات او من خمس الغنۃ علی اهل الخراج و ہم فقراء فانه لا یرد فیہ شیئاً لانہم مستحقون للصدقات

بالفقر وكذا في غيره اذا صرفه الى المستحق (رد المحتار ص ۲۹۰ ج ۲)
دینی اداروں کے مہتمم کے لئے ایک مد سے دوسری کے لئے قرض لینا جائز نہیں اس لئے کہ اسکو
قرض کی واپسی پر قدرت نہیں، ہو سکتا ہے کہ کوئی رقم وصول نہ ہو اس کی قدرت بقدرت غیر ہے
جو غیر معتبر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

پھل پکینے سے پہلے کافر کو دیدیا :

سوال : اگر کسی نے قبل الادراک باغ یا زرع کی بیع کسی کافر کے ساتھ کی تو ایسی
صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا؟ جب کہ کافر نے پھل پختہ ہونے کے بعد کاٹ لیا۔
بیئنا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کا عشر کسی پر بھی نہیں۔ اس لئے کہ بائع کی ملک سے قبل تحقق الوجوب خارج ہو گیا،
اور کافر میں اہلیت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

اعتبار غلبہ ماء کا مطلب :

سوال : ایک زمین کو تین مہینے سیلاب کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور چھ مہینے
مشین کے پانی سے، سیلاب کا پانی اگرچہ وقت اور مہینوں کے اعتبار سے کم ہے مگر مقدار
کے اعتبار سے تین گنا مشین کے پانی سے زیادہ ہے اور فصل کو سیلاب کے پانی سے سیراب
کرتے وقت پانی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے نسبت مشین کے پانی سے سیراب کرنے کے
وقت کے، اس صورت میں عشر دینا پڑے گا یا نصف عشر؟ بیئنا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

عشر واجب ہے شامیر میں بحوالہ زلیعی قیاساً علی السائمة والعلوفۃ اعتبار
غلبۃ الماء بمعنی اکثر السنۃ تحریر ہے مگر یہ قیاس اس صورت میں صحیح ہے جب کہ پورا
سال پانی برابر آئے، جیسا کہ سائمتہ وعلوفہ کی حاجت اکل ہمیشہ یکساں ہے، صورت سوال میں
چونکہ سیلاب کا پانی مقدار میں زائد ہے اور فصل کا زیادہ تر اسی پر مدار ہے اس لئے اسکو سائمتہ و
علوفہ پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

بیع الثمر قبل الادراک میں عشر مشتری پر ہے :

سوال : یہاں باغ میں ثمر کا ظہور ہو جاتا ہے قبل الادراک فروخت کرتے ہیں، تو عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر؟ امداد الفتاویٰ ص ۵۰ ج ۲ میں ہے ”میرے نزدیک قول ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اعدل ہے، اس بناء پر بختگی ثمرہ کے وقت جس کے پاس وہ باغ ہے اس پر عشر واجب ہوگا“ اس پر یہ اشکال ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت وجوب عشر عند ظهور الثمرة والزرع ہے، جس کی بناء پر مذکورہ صورت میں عشر بائع پر ہونا چاہئے، اور صاحب بدائع نے دلیل امام رحمہ اللہ تعالیٰ کو مؤخر فرمایا ہے، اس سے اُن کے عادت کے مطابق قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترجیح ثابت ہوئی، محقق جواب تحریر فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع قبل الادراک کی صورت میں عشر مشتری پر ہے، امداد الفتاویٰ کا جواب صحیح ہے، مگر وقت وجوب عشر کو اس کی بناء پر ارادینے میں تسامح ہوا ہے، اس لئے کہ اس بناء کو صحیح تسلیم کرنے کا مقتضی یہ ہے کہ وقت وجوب میں اختلاف کی وجہ سے مشتری پر وجوب عشر میں بھی اختلاف ہو، حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، بیع قبل الادراک کی صورت میں بالاتفاق عشر مشتری ہے، وقت وجوب میں اختلاف کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ وقت وجوب سے قبل جس قدر پھل کھالیا اُس پر عشر واجب نہیں، یعنی یہ اختلاف مایجب فیہ العشر کی بناء پر ہے من یجب علیہ العشر کی نہیں، من یجب علیہ العشر کی بناء تمام نما، یعنی ادراک ہے، جس کے پاس تمام ہوگا اسی پر عشر واجب ہوگا، قال فی العلائق و یؤخذ العشر عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ عند ظهور الثمرة و بدو صلاحها برهان و شرط فی النہر من فسادھا و فی الشامية قال فی الجوہرۃ و اختلفوا فی وقت العشر فی التبار و الزرع فقال ابو حنیفۃ و زفر رحمہما اللہ تعالیٰ یجب عند ظهور الثمرة و الامن علیہما من الفساد و ان لم یستحق الحصاد اذا بلغت حد اینتفع بہا و قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عند استحقاق الحصاد و قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا حصدت و صارت فی الجربین و فائدہ فیما اذا اکل منہ بعد ما صار جہیشا و اطعم غیرہ منہ بالمعروف فانہ یضمن عشر ما اکل و اطعم عند ابی حنیفۃ و زفر رحمہما اللہ تعالیٰ

وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لا يضمن ويحسب به في تكميل
الاسق ولا يحسب به في الوجوب يعني اذا بلغ الماء كؤل مع الباقي خمسة اسق
وجب العشر في الباقي لا غير وان اكل منها بعد ما بلغت الحصاد قبل ان تحصد ضمن
عند ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالى ولم يضمن عند محمد رحمه
الله تعالى وان اكل بعد ما صارت في الجرين ضمن اجساعاً وما تلف بغير صنعه
بعد حصاده او سرق وجب العشر في الباقي لا غير اه (رد المحتار ص ۲۵۸، بدائع ج ۲)
وفي العلائية ولوباع الزرع ان قبل ادراكه فالعشر على المشتري ولو بعد فعله البيع
رد المحتار ص ۲۰ ج ۲ وقال الامام الكاساني رحمه الله تعالى ولوباع الارض
العشرية وفيها زرع قد ادرك مع زرعها اوباع الزرع خاصة فعشر على البائع
دون المشتري لانه باعه بعد وجوب العشر وتقرر بالدراك ولوباعها والزرع
بقل فان فصله المشتري للحال فعشره على البائع ايضاً لتقرر الوجوب في البقل
بالفصل وان تركه حتى ادرك فعشره على المشتري في قول ابى حنيفة ومحمد
رحمهما الله تعالى لتحول الوجوب من الساق الى الحب وروى عن ابى يوسف
رحمه الله تعالى انه قال عشر قد ر البقل على البائع وعشر الزيادة على المشتري
وكذلك حكم الثمار على هذا التفصيل (بدائع ص ۲۵۷ ج ۲) ووسرى سب
كتب مي بهي اسي طرح مذکور ہے، یعنی اختلاف وقت وجوب پر صرف ما يجب فيه العشر
کو متفرع فرمایا گیا ہے، من يجب عليه العشر کو نہیں، من يجب عليه العشر کو تمام ثمار
و ادراك پر مبنی قرار دیا ہے، شامیہ و بدائع کی عبارت او پر نقل کی جا چکی ہے، دوسری کتب
کے صرف حوالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے، فتح القدير ص ۲۷۸ ج ۲، عالمگیریہ ص ۸۶ او ۸۷ ج ۲،
مططاوی ۲۲۰ ج ۱، مجمع الانهر ص ۲۱۹ ج ۱، تبیین و حاشیہ للشلبی ص ۲۹۳ ج ۱، اعلاء السنن ج ۱۳،
البتہ مبسوط کی عبارت موجب التباس ہے ونصہ قال و اذا باع الارض وفيها
زرع قد ادرك فعشر الزرع على البائع لان حق الفقراء قد ثبت في الزرع
وهو ملك البائع عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى بنفس الخروج كما قال
الله تعالى ومما اخرجنا لكم من الارض وعند ابى يوسف رحمه الله تعالى
بالادراك قال الله تعالى وَالْوُحُقَّةُ يَوْمَ حَصَادِهِ وعند محمد رحمه الله تعالى

بالاستحکام وذلک کلہ حصل فی ملک البائع وهو نساء أرضه فوجب علیہ عشرہ
واما المشتري فقد استحققه عوضا عما أعطی من الثمن فلا شیء علیہ فان
باعهما والزرع بقل عشرہ علی المشتري اذ احصده بعد الادراك لان وجوب العشر
فی الحب والعقادة كان فی ملک المشتري وهو نساء أرضه وعند ابی یوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ عشرہ مقدار البقل علی البائع لان ذلک القدر من النساء
حصل فی ملكه اما غسل الحب فعلى المشتري وكذلك ان باع الزرع وهو قصيل
فان قصله المشتري فی الحال فالعشر علی البائع وان تركه علی الارض باذن
البائع حتى استحصده فالعشر علی المشتري وكذلك حکم کل شیء من الثمار
وغیره مما فیہ العشر الخ (مبسوط ص ۲۰۶ ج ۲) اس عبارت میں من یجب علیہ
العشر کے فیصلہ کے لئے بار بار نما، ادراک اور استحصاد کے الفاظ لائے ہیں، مگر ساتھ ہی
لان حق الفقراء قد ثبت الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ من یجب علیہ العشر کا
فیصلہ وقت وجوب عشر پر مبنی ہے، مگر مبسوط کی پوری عبارت میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح
ہو جاتی ہے کہ ابتداءً ثمرہ کی جس مقدار میں عشر واجب ہوتا ہے اسے قرار نہیں بلکہ نما، ثمرہ کے
ساتھ مقدار عشر میں بھی زیادتی ہوتی رہتی ہے، تمام نما، اور ادراک و استحصاد کے وقت قرار نما
کی وجہ سے مقدار عشر کو بھی قرار حاصل ہو جاتا ہے، حضرت امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اگرچہ
ادراک سے قبل ہی عشر واجب ہو جاتا ہے مگر اس کو قرار ادراک کے بعد ہوتا ہے، جس کی ملک میں
مقدار ثمرہ و عشر کو قرار حاصل ہوگا اسی پر عشر واجب ہوگا، مبسوط کے علاوہ بدائع کی عبارت
مذکورہ لانه باعه بعد وجوب العشر و تقرره بالادراك اور لتقرر الوجوب فی البقل
بالقصل میں اس کی تصریح ہے، جیسا کہ بقل میں عشر واجب ہوتا ہے مگر انعقاد حب کے
بعد وہ حب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس کو قرار نہیں، البتہ یقل کو کاٹ لینے کی صورت
میں اس میں عشر کو قرار حاصل ہو گیا، اس لئے کاٹنے کی صورت میں عشر بائع پر ہے، لثبوت
القرار فی ملكه، اور نہ کاٹنے کی صورت میں مشتری پر ہے، لا تنقل العشر الی الحب و قرار
فی ملک المشتري، غرضیکہ من یجب علیہ العشر کا فیصلہ وقت وجوب عشر پر مبنی نہیں بلکہ
وقت قرار عشر پر مبنی ہے، وهو الادراك والاستحصاء، قرار عشر کی دو صورتیں ہیں ایک
عدم امکان الزیادۃ وهو الادراك والاستحصاء، من یجب علیہ العشر میں بالاتفاق

یہی مدار حکم ہے، درایت بھی یہ امر معقول ہے کہ جس کی ملک میں نما ہوگا عشر اسی پر واجب ہوگا لان سبب فرضیتہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ قرار عشر کی دوسری صورت عدم امکان النقص ہے، خروج زرع و ثمرہ بالاتفاق عشر واجب ہو جاتا ہے، قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ واما سبب فرضیتہ فالارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ و بعد اسطر، و علیٰ ہذا یدخل تعجیل العشر و انہ علیٰ ثلاثۃ اوجہ فی وجہ یجوز بلا خلاف و فی وجہ لا یجوز بلا خلاف و فی وجہ فیہ خلاف اما الذی یجوز بلا خلاف فهو ان یعجل بعد الزراعة و بعد النبات لانه تعجیل بعد وجود سبب الوجوب و هو الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ الا ترى انہ لو فصلہ ہکذا یدخل العشر و اما الذی لا یجوز بلا خلاف فهو ان یعجل قبل الزراعة لانه عجل قبل الوجوب و قبل وجود سبب الوجوب لان عدم الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ لان عدم الخارج حقیقۃ و اما الذی فیہ خلاف فهو ان یعجل بعد الزراعة قبل النبات قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز و قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز (و بعد سطرین) و اما تعجیل عشر الثمار فان عجل بعد طلوعها جاز بالاجماع الخ (ردائع ص ۵۴ ج ۲)، مگر اس کے وقت قرار بمعنی عدم امکان لنقص یعنی مقدار ماکول سے سقوط عشر میں اختلاف ہے، عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ آفت سے امن عند الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ادراک، عند الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ احراز فی الجرمین وقت قرار ہے، یہ تشرار حق مساکین یا ما یدخل فیہ العشر سے متعلق ہے، من یدخل علیہ العشر سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لان مدارہ هو النساء،

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ تعلیل مبسوط میں اصل مقصد قرار العشر بالمعنی الاول ای الادراک ہے، اور وقت قرار الوجوب میں اختلاف کے بیان سے صرف تائید مقصود ہے، کہ اس صورت مخصوصہ میں قرار بالمعنی الثانی بھی حاصل ہو چکا ہے، یہ مدار حکم نہیں، اس لئے کہ بیع قبل الادراک بعد الامن میں عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ قرار بالمعنی الثانی فی ملک البائع حاصل ہو جانے کے باوجود عشر بالاتفاق مشتری پر ہے، مدار حکم آگے بیان فرمایا ہے، یعنی تمام نما و استحصاد، دوسری کتب مذہب سے تطبیق بلکہ خود عبارت مبسوط ہی کے مختلف اجزاء کے مابین توفیق کے پیش نظر توجیہ مذکور لازم ہے، بدوں اس کے ایک محذور

تو یہ لازم آتا ہے کہ عبارت مبسوط میں تضاد ہے، نہاء، ادراک اور استحصاد جیسے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مدار حکم قرآن عشر ہے، اور وقت وجوب میں اختلاف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدار حکم ہے، دوسرا محظوریہ کہ تعلیل پر تفریع احکام میں مندرجہ ذیل اشکالات پیدا ہوں گے۔
 ① عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ خروج ثمرہ وقت وجوب عشر ہے تو بیع بعد الخروج قبل الادراک کی صورت میں عشر بائع پر ہونا چاہئے، مشتری پر کیوں ہے؟

② عند الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ وقت وجوب ادراک الثمر والخروج ہے تو آپ کے ہاں نقلِ قصیل میں عشر کیوں ہے؟

③ عند الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ بوقت احراز فی البحرین عشر واجب ہوتا ہے تو بیع بعد الادراک میں عشر بائع پر کیوں ہے؟ مشتری پر ہونا چاہئے،

عبارت مبسوط میں استحکام سے احراز فی البحرین ہی مراد ہے، اس لئے کہ ادراک و استحصاد کے بعد احراز فی البحرین کے سوا کوئی حالت نہیں، علاوہ ازیں دوسری تمام کتب کے مطابق بھی یہی مفہوم ہے، وقال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وقت التنقية والجذاذ فانه قال اذا كان الشروق حصداً في العظيرة و ذری البرر الی قولہ، هو يقول تلك الحال هي حال تناهى عظم الحب والشر واستحكامها فكانت هي حال الوجوب (بدائع ص ۶۳ ج ۲)، اس سے ثابت ہوا کہ استحکام سے احراز فی البحرین ہی مراد ہے،

فان قلت هذا يخالف عبارة المبسوط وذلك كله حصل في ملك البائع، فالجواب انه معمول على ايتاء حكم الحصول لقربه او على التغليب لحصول الاكثر والامر المداوى تمام انشاء الثمرة والقرار فليتأمل، فقط والله تعالى اعلم،
 ۴ ربيع الاول ۱۳۸۸ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ

الخراج

== الاحکام ==

العشر والخراج

- ① عشر وخراج سے متعلق ستائیس سوالات کا جواب
- ② عفو عشر وخراج از جانب سلطان
- ③ پاکستان اور ہندوستان کی اراضی عشری ہیں یا خراجی؟

عشر وخراج سے متعلق ستائیس سوالات :

- ① مزارعت میں خراج کس پر ہے؟
- ② اجارۃ ارض کی صورت میں عشر وخراج کس کے ذمہ ہے؟
- ③ سرکاری ٹیکس جو وصول کیا جاتا ہے اس سے عشر ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟
- ④ سرکاری ٹیکس سے خراج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟
- ⑤ عشر وخراج کے صحیح مصارف کیا ہیں؟
- ⑥ زمین کی کاشت پر جو خرچ آیا وہ کاٹ کر باقی پر عشر ہے یا کہ کل پیداوار پر؟
- ⑦ سرکاری ٹیکس کاٹ کر باقی پیداوار سے عشر دیا جائے گا یا کہ ابتداءً جتنی پیداوار ہو اس میں سے عشر واجب ہے؟
- ⑧ مقروض زائد از قرض کا عشر دے گا یا کہ کل پیداوار کا؟
- ⑨ عشر کے لئے کوئی نصاب متعین ہے یا نہیں؟
- ⑩ کپاس اور سبزی وغیرہ پر بھی عشر ہے یا کہ صرف اناج پر ہے؟
- ⑪ صغیر و مجنون کی زمین پر عشر واجب ہے یا نہیں؟
- ⑫ مساجد میں یا دینی مدارس وغیرہ کے لئے وقف اراضی پر عشر واجب ہے یا نہیں؟
- ⑬ عشری زمین میں کن حالات میں دسواں حصہ واجب ہے اور کن میں بیسواں؟
- ⑭ خراج کی مقدار کیا ہے؟
- ⑮ اگر زمین میں کچھ بھی کاشت نہ کیا ہو تو بھی خراج واجب ہے؟
- ⑯ مزارعت میں اگر عشر مشترک پیداوار پر ہے تو کیا زمیندار کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بٹائی سے قبل عشر نکال دے اگرچہ مزارع اس پر راضی نہ ہو؟
- ⑰ خراج سال بھر میں صرف ایک بار واجب ہے یا کہ عشر کی طرح ہر فصل پر واجب ہے؟
- ⑱ اگر کسی آفت سے فصل تباہ ہو جائے یا چوری ہو جائے تو اس پر عشر وخراج ہر یا نہیں؟
- ⑲ اگر رہائشی مکان کے صحن میں باغ لگا لیا تو اس پر عشر یا خراج کا کیا حکم ہے؟
- ⑳ کسی نے غیر کی زمین پر جبراً قبضہ کر لیا تو اس کا عشر وخراج کس کے ذمہ واجب ہوگا؟
- ㉑ اگر درمیان سال میں بن فردخت کر دی تو اس کا عشر وخراج بائع کے ذمہ ہوگا یا کہ مشتری پر ہوگا؟

(۲۲) عشر ادا کرنے کے بعد پیداوار کی قیمت پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

(۲۳) کئی سالوں کا عشر قبل از وجوب نکال دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۴) ایک شخص زرعی زمین کی تجارت کرتا ہے، تو کیا عشر کے علاوہ زمین کی مالیت پر زکوٰۃ بھی فرض ہے؟

(۲۵) جو سبزی اور پھل وغیرہ مالک خود اپنے ذاتی استعمال میں لاتا ہے کیا اس پر بھی عشر فرض ہے؟

(۲۶) عشر پیداوار کی جنس سے دینا ضروری ہے یا کہ اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے؟

(۲۷) جو شخص خود ہی مسکین ہو، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا حلال ہو کیا اس پر بھی زمین کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب ہے؟ جبکہ یہ دوسروں سے زکوٰۃ و عشر لینے کا مستحق ہے، تو کیا یہ اپنی زمین کا عشر خود نہیں رکھ سکتا؟ بینوا تو جو روا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① مزارعت میں عشر و خراج کس پر ہے؟

خراج موقوف ہر حالت میں زمیندار پر ہے، خراج مقاسمہ اور عشر میں آئندہ تفصیل ہو
خراج مقاسمہ مصرف میں تو خراج موقوف کی طرح ہے، اور ماخذ میں عشر جیسا ہے، قال فی الشاۃ
تحت (قولہ) خراج مقاسمۃ الخ، خراج المقاسمۃ کا موقوف مصرفاً و کا عشر ماخذاً
والی قولہ، وقد تقرّر ان خراج المقاسمۃ کا عشر لتعلقہ بالخارج ولذا یتکرر بتکرر
الخارج فی السنۃ وانما یفارقہ فی المصروف فکل شیء یتؤخذ منه العشر ونصفہ یؤخذ
منہ خراج المقاسمۃ وتجری الاحکام التی قررت فی العشر ذاقا وخلافاً لدار المتار ۳۵۹
عشر اور خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار اور مزارع دونوں
پر بقدر حصص ہے، یعنی عشر یا خراج مقاسمہ مشترک طور پر ادا کرنے کے بعد تقسیم کریں گے، قال
فی الشامیۃ ولودفع الارض العشریۃ مزارعۃ ان البذر من قبل العامل فعلى
رب الارض فی قیاس قولہ لفسادھا وقال فی الزرع لصحتها وقد اشتہر ان الفتوی
على الصحة وان من قبل رب الارض کان علیہ اجماعاً ومثله فی الخانیۃ والفتح
والی ان قال، لکن ما ذکر من التفصیل یمخلفہ ما فی البحر والمجتبی والمعارج والسر

والحقائق والظہیریۃ انّ العشر علی ربّ الارض عندہ علیہما عند ہما من غیر ذکر
 ہذا التفصیل وهو الظاہر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزۃ عند ہما والعشر
 فی الخارج بینہما فیجب العشر علیہما الخ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ فی اخر ہذا
 البحث فكان ینبغی للشارح متابعۃ ما فی اکثر الکتب ثم اعلم ان ہذا اکلہ فی العشر
 اما الخراج فعلى رب الارض اجماعاً (رد المحتار ج ۲ ص ۷۶)

اور مزارعت فاسدہ میں اگر بذر زمیندار کی طرف سے ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ بھی
 زمیندار پر ہے، اور اگر بذر مزارع کی طرف سے ہے تو اس میں وہ تفصیل ہوگی جو اجارہ سے
 متعلق آئندہ جواب میں آرہی ہے، کیونکہ یہ صورت بھی اجارہ کے حکم میں ہے، قال فی الشامیۃ
 عشر جمیع الخارج علی رب الارض عندہ لان المزارعة فاسدة عندہ فالخارج لہ
 اما تحقیقاً او تقدیراً لانّ البذر ان کان من قبلہ فجمیع الخارج لہ وللمزارع اجر
 مثل عملہ وان کان من قبل المزارع فالخارج لہ ولرب الارض اجر مثل ارضہ
 الذی ہو بمنزلۃ الخارج الا ان عشر حصتہ فی عین الخارج وعشر حصۃ المزارع
 فی ذمۃ رب الارض وفائدۃ ذلک السقوط بالہلاک اذا نیط بالعين وعدمہ اذا
 نیط بالذمۃ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۶)

وفی التحریر المختار للرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ العشر عند الامام علی ربّ
 الارض مطلقاً لانه ان کان البذر لرب الارض فلا شبهة فی وجوب العشر علیہ
 واما اذا کان للاخر فلان ربّ الارض موجد ومن ھبہ ان العشر علی الموجد
 (التحریر المختار ص ۱۳۹ ج ۱)

مزارعت کی صورتیں:

- (۱) ارض و بذر ایک کے ہوں، اور بقر و عمل دوسرے کے،
- (۲) ارض ایک کی باقی سب دوسرے کا،
- (۳) عمل ایک کا باقی سب دوسرے کا،
- (۴) ارض و بقر ایک کے بذر و عمل دوسرے کے،

مع ای الخراج الموقوف لما تر من ان خراج المقاسمة كالعشر مأخذاً ۱۲ منہ

(۵) بقرو بذرا یک کے ارض و غل دوسرے کے،

(۶) بقرا یک کے باقی سب دوسرے کا،

(۷) بذرا یک کا باقی سب دوسرے کا،

ان سات اقسام میں سے پہلی تین قسمیں مزارعتہ صحیحہ کی ہیں، اور آخری چار مزارعتہ فاسدہ کی، قال فی شرح التنویر و کذا صحت لو کان الارض والبذر لزید والبقر والعمل للآخر والارض له والباقی للآخر او العمل له والباقی للآخر فہذہ الثلاثة جائزۃ وبطلت فی اربعۃ اوجہ لو کان الارض والبقر لزید او البقر والبذر له والآخران للآخر او البقر والبذر له والباقی للآخر، (رد المحتار ص ۱۹۵ ج ۵)

② اجارۃ الارض کی صورت میں عشر و خراج کس پر ہے؟

اجارۃ صحیحہ اور فاسدہ میں خراج موظف بہر کیف زمیندار پر ہے، اور عشر و خراج مقامہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے، تو عشر اور خراج مقامہ زمیندار پر ہے، اور اگر اجرت کم لیتا ہے، مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر اور خراج مقامہ مستاجر پر ہے، اس زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے، مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اس لئے عشر اور خراج مقامہ مستاجر پر ہوگا، قال فی شرح التنویر والعشر علی المجرک خراج موظف و قال علی المستاجر کستعیر مسلم و فی الحاوی و بقولہما نأخذ و فی الشامیۃ قلت و لکن افتی بقول الامام جماعۃ من المتأخرین رالی ان قال، لکن فی زماننا عامۃ الاوقات من القری والمزارع لرضا المستاجر بہ تحمل غراماتہا و مؤنہا یتأجر ہا بہ و ن اجر المثل بحیث لا تفی الاجرۃ ولا اضعا فہا بالعشر او خراج المقاسمۃ فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولہما فی ذلک لانہم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناءً علی ان الاجرۃ سألۃ لجهة الوقف وان المستاجر لیس علیہ سوی الاجرۃ فان اجرۃ المثل تنید اضعا فاکثیرۃ کما لا ینحی فان امکن اخذ الاجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والاقبولہما لما یلزم علیہ من الضر والواضح الذی لا یقول بہ احد الله تعالی اعلم (رد المحتار ج ۲ ص ۷۵)

③ سرکاری ٹیکس سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

سرکاری ٹیکس سے عشر ساقط نہیں ہوتا، کتب فقہ کی عبارت "لا یجتمع العشر مع الخراج" سے بعض کو اشتباہ ہو گیا ہے کہ سرکاری مالگزاری ادا کرنے سے عشر ساقط ہو جائے گا، حالانکہ اس جزئیہ سے مقصد یہ ہے کہ زمین خراجی سے باوجود خراج کے عشر لینا یا زمین عشری سے عشر کے ساتھ خراج بھی وصول کرنا جائز نہیں، یہ مطلب نہیں کہ عشری زمین سے خراج ادا کرنے سے عشر ساقط ہو جائے گا، قال فی شرح التنبیہ ولا یؤخذ العشر من الخارج من ارض الخراج لانہما لا یجتمعان خلافاً للشافعی، وفي الشامیة ای لوکان له ارض خراجها موظف لا یؤخذ منها عشر الخراج وکن لوکان خراجها مقاسمة من النصف ونحوه وکن لوکانت عشیة لا یؤخذ منها خراج لانہما لا یجتمعان ولذا لم یفعله احد من الخلفاء الراشدین والا لنقل وتامہ فی الفتح (۳۶۵) (الخارج) غرضیکہ عشر عبادت ہے جس کا ادا کرنا لازم ہے، جس طرح کہ حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس وغیرہ وصول کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اسی طرح زمین کا سرکاری ٹیکس ادا کرنے سے عشر معاف نہیں ہوتا،

④ سرکاری ٹیکس خراج کی ادائیگی کی تفصیل:

حکومت زمین پر جو رقم وصول کرتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں؛ ایک پانی کی قیمت جسے "آبیانہ" کہتے ہیں، دوسری رقم "محصول" یا ٹیکس کے نام سے وصول کی جاتی ہے، سو پہلی قسم کی رقم خراج میں شمار نہ ہوگی، البتہ دوسری قسم کو خراج میں محسوب کرنا درست ہے، لہذا اگر کسی زمین پر خراج مقاسمہ فرض ہے تو خراج کی کل مقدار سے سرکاری محصول (دوسری قسم) وضع کر کے باقی خراج ادا کیا جائے، یہ حکم پاکستان کی اراضی کا ہے، جہاں حکومت مسلمہ ہے، ہندوستان یا اور کسی غیر مسلم حکومت میں واقع اراضی کا خراج ادا کرنے سے فرض ساقط نہ ہوگا کیونکہ نہ تو کافر حکومت کو خراج وصول کرنے کا حق ہے، اور نہ ہی اس کی فوج وغیرہ خراج کا شرعی مصرف ہے، اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے طور پر خراج نکال کر دینی کاموں پر خرچ کریں، قال العلامة عبد الغفور الہامیونی السندی فی رسالۃ سراج الہند فی تحقیق خراج السند "واما آنچه حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادا خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لہم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین والمؤمنین والیضاً لیسوا

بمصارف الخراج حتى اذا اذى المسلمون اليهم مالا بنية الخراج لا يخرجون عن
عهده لانهم ليسوا بمقاتلين لاهل الحرب ولادافعين اعداء الاسلام عنهم
وعن دارهم بل هم اهل الحرب واعداء المسلمين والاسلام اعانت الله تعالى
عليهم والمصارف للخراج المقاتلون لاهل الحرب ودافعوا الاعداء عن الاسلام
ام اعدم ولاية الكافرين لاخذ الخراج من المسلمين فلما مر من عبارة جامع الفصولين
واما اعدم كون الكافرين مصرفا للخراج فلما ذكر في الدر المختار والكنز والهدى اية
في فصل الجزية من مصارف الخراج وسيجي عباراتهم والكافرون ليسوا منهم
اصلاً كما استعرف، پس آنچه نصاری می گیرند محض ظلم و تعدی می گیرند، که حساب آن برزقیاً
نخواهد شد و مسلمانان را اعاده آن برونه سو بخود باید کرد تا از عهده آن عند الله تعالى بر آیند
(ثم قال بعد ذكر مصارف الخراج) وكفار اهل حرب چنانچه نصاری و غیرهم داخل درین مصارف
نیستند که بدرون اوشان خراج ادا شود، وقد صرح بذلك صاحب الدر المختار ايضا
حيث قال في باب المصارف واما الحرى ولو مستأمناً فجميع الصدقات لا يجوز
له اتفاقاً اه، فان قلت يفهم من عبارة الدر المختار ان اهل الحرب اذا اخذوا الخراج
من المسلمين فلا اعادة عليهم وتفصيله ان صاحب الدر المختار قال في باب
زكاة الغنم اخذ البغاة والسايطين الجائرة زكاة الاموال الظاهرة كالسواهم
والعشر والخراج لا اعادة على اربابها ان صرف المأخوذ في محله الا في ذكره الا
يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله تعالى اعادة غير الخراج لانهم مصارف
اهم فقال المحشى تحت هذا القول ويظهر لي ان اهل الحرب اذا غلبوا على بلدة
من بلادنا كذلك لتعليهم اصل ما ألة بان الامام لم يحرمهم والجباية
بالحماية فقوله كذلك يدل على ان حكم اهل الحرب، مثل اهل البغاة اذا اخذوا
الخراج فلا اعادة على المسلمين فكيف تقول ان المسلمين يعيدون اذا اخذ منهم
اهل الحرب قلت لفظ كذلك ليس اشارة الى عدم الاعادة بل اشارة الى
عدم اخذ الامام. ثانياً بدليل قوله لتعليهم اصل المسألة بان الامام
لم يحرمهم والجباية بالحماية فان عدم حمايته انها هو دليل على عدم اخذ
الامام ثانياً منهم لادليل على عدم اعادتهم فيما بينهم وبين الله تعالى

والمشار إليه بكن لك اعني عدم اخذ الامام ثانياً مذكور في اول عبارة من العاشية
حيث قال (قوله اخذ البغاة) الاخذ ليس قيداً احترازياً حتى لو لم يأخذ وامنه
ذلك سنين وهو عند هم لم يؤخذ منه شيء الايضاً كما في البحر والشرنبلالية عن
الزيلعي والبغاة قوم مسلمون خرجوا عن طاعة الامام الحق بان ظهروا فاختدوا
ذلك ظهر ويظهر لي ان اهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كن ذلك لتعليقهم اصل
المسألة بان الامام لم يحبسهم والجباية بالحماية اه فبالجملة ههنا مسألتان
احداهما ان البغاة اذا اخذوا الخراج والصدقة فلا يأخذ الامام مرة اخرى و
ثانيتهما ان اعادة الخراج على المسلمين بوجوبهم غير لازم اذا اخذ البغاة سواء
صرفوها في محله او لم يصرفوها لانهم مصارفهم مقاتلة لاهل الحرب
لانهم قوم مسلمون خرجوا عن طاعة الامام بخلاف الصدقة فانها ان صرفت
في محله لم يعيدها ولا يعيدها وفصل هاتين مسألتين صاحب الهداية والعلامة العيني
في شرح الكنز وصاحب المستخلص شرح الكنز قال صاحب الهداية واذا اخذ
الخوارج الخراج وصدقة السوائم لا يثنى عليهم لان الامام لم يحبسهم والجباية
بالحماية وافتوا بان يعيد وهادون الخراج لانهم مصارف الخراج لانهم مقاتلة
والزكاة مصرفها الفقراء ولا يصرفونها اليهم وقيل اذا نوى بالدفع التصديق
عليهم سقط عنهم وكذا الدفع الى كل جائع لانهم بما عليهم من التبعا فقراء
والاول احوط اه وقال العيني ولو اخذ الخراج والعشر والزكاة بغاة لم تؤخذ
مرة اخرى لان الامام لم يحبسهم والاخذ بالحماية بخلاف ما اذا مر بهم
هو فعشروا حيث يؤخذ منه ثانياً لان التقصير من جهته والذمى كالمسلم فيه
ثم اذا لم يؤخذ منهم ثانياً يفتون بان يعيدوها فيما بينهم وبين الله تعالى
وقال في المستخلص ولو اخذ الخراج او العشر والزكاة بغاة لم يؤخذ اخرى اعلم
ان ولاية الاخذ في الخراج والعشر وزكاة السوائم وزكاة اموال التجارة انما
هي للامام فان اخذت البغاة او سلاطين زماننا الخراج فلا اعادة على المالك ان
يعطيها ثانياً وليس للامام ان يأخذ ثانياً لانه لم يحبسهم ويفتى على ان لا ريب
ان يعيدوها بينهم وبين الله تعالى او يصرفونها الى مستحقيها واما الخراج

فلا إعادة عليهم لأنهم مصارف الخراج لكونهم مقاتلة والخراج مصرفها
المقاتلة بخلاف الزكاة أم فصاحب رد المختار أشار بلفظ كذلك إلى المسألة الأولى
اعني عدم الأخذ لاتحاد العلة وهو عدم الحماية من الامام لا إلى المسألة الثانية
اعني عدم الاعادة على اربابه لعدم اتحاد العلة لان علة عدم الاعادة اما صرفهم
إلى مصارفه أو لانهم مصارفه لكونهم مقاتلة والكفار ليسوا بمصارف الزكاة
والخراج وليس لهم الأخذ واداءهما إلى مصارفهما فافهم نعم لو كان من طرفهم
وال مسلم فيجوز له اخذ الخراج كما صرح به الكتب وفي هذه الديار الولاية
كفار وليسوا بمسلمين فلم يكن لهم ولاية اخذ الخراج، انتهى قول الهمايوني
فانك :- اس مقام پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر میں اشکال ہے، کما
قال الرافعي رحمه الله تعالى ر قوله الأخذ ليس قيداً الخ كون الأخذ ليس
بقيد انما يظهر في عبارة الكنز وهي لا اخذ الخراج والعشر والزكاة بغاية
لم يؤخذ اخرى لا في عبارة المصنف وهي قوله لا اعادة الخ فانه اذا لم يأخذوا
منه سنين وهو عندهم يجب عليه الاخراج بنفسه وتكون ذمته مشغولة
فيما بينه وبين الله تعالى وان كان العامل ليس له ولاية الأخذ لان الجباية
بالحماية تأمل والتحرير المختار ص ۱۳۲ ج ۱ وقال الهمايوني رحمه الله تعالى
اذا تأملت حق التأمل فقد زلت اقدام هذا الهمام في هذا المقام والتبس
عليه بمسألة اخرى ولم يفرق بينهما فتقريره ان صاحب الدر المختار ذكر في
كتابه مسألة عدم الاعادة لمسألة عدم الأخذ حيث قال لا اعادة على اربابها
ولم يقل لا يأخذ منهم ثانياً ثم ذكر المحشى تحت هذه المسألة عبارة تدل على
ان صاحب الدر متعرض لمسألة عدم الأخذ حيث قال ر قوله اخذ البغاة الخ (الاخذ
ليس قيداً احترازياً حتى لو لم يأخذوا منه ستين سنة وهو عندهم لم يؤخذ
منه شيء أيضاً كما في البحر والشرنبلالية عن الزيلعي اه ف قوله أيضاً يدل
على ان صاحب الدر المختار متعرض لمسألة عدم الأخذ لان المفهوم من قولهم
انهم اذا لم يأخذوا الخراج منه ستين سنة وهو عندهم فاض الامراى رجح
الحكم الذي اثبت صاحب الدر وهو عدم الأخذ للامام ثانياً ايضاً رجوعاً

فلم يكن الاخذ فيه قيداً احترازياً يحتز به عن عدم اخذ البغاة الخراج بل حكم
 اخذهم الخراج وعدم اخذهم اذا كان عندهم في دار البغي واحد مع ان صاحب
 الدر لم يتعرض مسألة عدم الاخذ اصلاً فالتبس على المحشى مسألة بمسألة
 اخرى فهو ظن ان هذا مسألة عدم اخذ الامام ثانياً مع انها مسألة عدم اعادة
 المسلمين فافهم، ألا ان يقال ان صاحب الدر اورد آخر المسألة وترك اولها للاعتناء
 على شهرته ولكونه غير مختلف فيه وعدم كونه ذات تفصيل فان مسألة عدم
 الاعادة ليست بمسألة مستقلة برأسها بل كالتذييل والتقسيم لمسألة عدم
 الاخذ ولهذا ترى عبارات الكتب المارة اوردن هذه المسألة بطريق التبع و
 التذييل والتقسيم لا بطريق الاستقلال والاصلية كما لا يخفى على المتدرب
 في اساليب الكلام فاورداً للمحشى هذه العبارة تنبيهاً على اول المسألة واشعاراً
 على اصلها ويدل عليه قوله لتعليقهم اصل المسألة أى اصل مسألة المتن وهو
 مسألة عدم اخذ الامام ثانياً او يقال ان صاحب الدر متعرض لمسألة عدم الاخذ
 ايضاً لان معنى قوله لا اعادة على اربابها ليس على المالك ان يعطيها ثانياً وليس
 للامام ان يأخذها مرة اخرى كما يدل عليه عبارة المستخلص حيث قال فان
 اخذت البغاة او سلاطين زماننا الخراج فلا اعادة على المالك يعنى ليس على
 المالك ان يعطيه ثانياً وليس للامام ان يأخذها ثانياً اهـ فانه فسر عدم الاعادة
 بكليهما فيكون معنى قول الدر لا اعادة على اربابها لا يعطون بوجوههم مرة اخرى
 ولا يأخذ منهم الامام ثانياً ان صرف المأخوذ في محله ولا يصرف فيه فعليهم
 اعادة غير الخراج لوجوههم خروجاً عن العهد فيها بينهم وبين الله تعالى
 ولكن لا يأخذ منهم الامام ثانياً في هذه الصورة ايضاً ولهذا النكتة لم يقيد
 صاحب الدر لا اعادة الاولى بقوله فيما بينهم وبين الله تعالى وقيد الاعادة
 الثانية به لان المراد بالاعادة الاولى هو المطلق وبالثانية المقيد، فالحاصل
 ان الامام لا يأخذ منهم مرة اخرى مطلقاً سواء صرفوه في محله او لم يصرفوه
 ولكن بوجوههم يعيدون غير الخراج ان لم يصرف في محله ولم يعيدوه ان صرف
 في محله، والله اعلم بالصواب،

⑤ عشر وخراج کا مصرف:

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، اور خراج مقاسمہ و موظف کا مصرف ہر مصالح عامہ جس میں بناء مساجد و مدارس وغیرہ بھی داخل ہے، قال فی شرح التنویر فی فصل الجزية ومصرف الجزية والخراج (الی قولہ) مصالحنا تغور وبناء قنطرة وجس وكفاية العلماء والمتعلمين وبه يدخل طلبه العلم والقضاة والعساك ككتبة قضاة وشهود قسمة ورقباء سواحل ورزق المقاتلة وذرائعهم ای ذرائع من ذکر وقال فی الشامية (قوله ومصرف الجزية والخراج الخ) قيد بالخراج لان العشر مصرفه مصرف الزکوٰۃ كما مر وايضا فيها تحت (قوله وبناء قنطرة) ومثله بناء مسجد وحوض ورباط وكوى انهار عظام غير مملوكة كالنيل وجيخون وكذا النفقة على المساجد فيدخل فيه الصّرف على اقامة شعائرها من وظائف الامامة والاذان ونحوهما (قوله وكفاية العلماء) هم اصحاب التفسير الحديث والظاهر ان المراد بهم من يعلم العلل الشرعية فيشمل الصّرف والتحرر وغيرهما في التعبير بكفاية اشعار بانه لا يزداد عليها وكذا يشعر باشتراط فقرهم الخ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸۰)

⑥ عشر کل پیداوار پر بلا وضع مصرف ہے:

بلا وضع مصرف کل پیداوار پر عشر واجب ہے، قال فی شرح التنویر بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصل بحصم بالعشر فی کل لخارج (رد المحتار ج ۲) ④ بلا وضع سرکاری ٹیکس کل پیداوار پر عشر ہے:

ابتداءً جتنی پیداوار ہو اس کا عشر واجب ہے، ٹیکس وضع کر کے باقی سے نہیں لیا

متر فی جواب المسألة السابقة،

⑧ مقروض بلا وضع قرض کل پیداوار سے عشر دے گا:

قرض وضع نہیں کیا جائے گا، کل پیداوار سے عشر واجب ہے، قال فی شرح التنویر

ويجب مع الدين (رد المحتار ج ۲)

⑨ عشر کا کوئی نصاب نہیں:

دجوب عشر کے لئے کوئی نصاب شرط نہیں، البتہ ایک صاع (۵۰۸۸ لیٹر) سے کم پر عشر

نہ ہوگا، قال فی شرح التنویر ووجب العشر فی عسل وان قل (الی ان قال) بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول، وفي الشامیة (قوله بلا شرط نصاب وبقاء) فیجب فیما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً وقيل نصفه (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰) مقدار صاع معلوم کرنے کی آسان صورت یہ ہے کہ ۵۳۸ ر ۳ کلو گرام جو برتن بھر جائے وہ صاع ہے، صاع کی پوری تحقیق بندہ کے رسالہ "بسط الباع لتحقیق القاع" میں ہے،

⑩ کپاس اور سبزی وغیرہ پر بھی عشر ہے:

کپاس، اناج اور سبزی ترکاری وغیرہ ہر قسم کی پیداوار پر عشر ہے، مگر بھوسہ اور سوکھی جڑی وغیرہ جس سے اناج حاصل کیا گیا ہو اس میں عشر نہیں، البتہ اگر دانہ پڑنے سے پہلے ہی کاٹ لی ہو تو اس پر بھی عشر ہے، قال فی شرح التنویر ووجب العشر فی عسل وان قل (الی ان قال) الا فیما لا یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی و حشیش وتبن وسعف وممغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان و بذربطیخ و قثاء و ادویة کحلبة وشونیز حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر فی الشامیة تحت (قوله بلا شرط نصاب وبقاء) وفي الغرض اوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح كما فی التحفة (قوله الا فیما لا یقصد الخ) اشار الی ان ما اقتصر علیه المصنف کالکثر وغیرہ لیس المراد به ذاته بل لكونه من جنس ما لا یقصد به استغلال الارض غالباً وان المدار على المقصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح به بعده (قوله وتبن) غیر انه لو فصل قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانه صار هو المقصود وعن محمد فی التبن اذا بیس العشر (قوله وشجر قطن) اما القطن نفسه ففيه العشر كما مر (قوله وباذنجان) عطف علی قطن فلا یجب فی شجرة ویجب فی الخارج منه (قوله وبذربطیخ و قثاء) ای کل حب لا یصلح للزراعة کبذر البطیخ والقثاء لكونها غیر مقصودة فی نفسها بحرای لانه لا یقصد زراعة الحب لذاته بل لما یخرج منه وهو الغرض اوات وفيها العشر كما مر (الی ان قال) ویجب فی العصف والكتان وبذرة لان كل واحد منها مقصود فیہ (قوله حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر) فلو استتمی ارضه بقرائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وكان یقطع ذلك ویبیعه

كان فيه العشر (الى ان قال) ويبيع ما يقطع له ليس بقيد ولذا اطلقه قاضي خان،
رد المحتار ج ۲ ص ۶۸

⑪ صغير کی زمین پر عشر:

صغير ومجنون کی زمین پر عشر فرض ہے، قال فی شرح التنبیہ ووجب مع الذین دنی
ارض صغير ومجنون ومکاتب ومأذون، فی الشامیة فلا یشرط فی وجوبه العقل
والبلوغ والحریة (رد المحتار، ص ۵۴ ج ۲)

⑫ وقف زمین پر عشر:

وقف زمین پر بھی عشر واجب ہے، لما فی العلائیة ووجب (الی قولہ) ووقف، دنی
الشامیة افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخازن
لانه یجب فی الخارج لانی الارض تکان ملکہ لها وعدمه سواء بدائع (رد المحتار ص ۵۴)

⑬ عشر کی مقدار:

عشری زمین اگر بارش یا دریا کے سیل یا قدرتی چشمہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی
پیداوار میں عشر $\frac{1}{10}$ واجب ہے، اور اگر پانی محنت یا قیمت سے حاصل ہوتا ہو جیسے کنواں
ٹیوب ویل اور نہری پانی تو اس میں نصف عشر $\frac{1}{20}$ واجب ہے، نہری پانی کا آبیانہ ادا کر کے
اسے حکومت سے خریدا جاتا ہے، اور اگر عشر و نصف عشر دونوں قسم کا پانی استعمال ہوتا ہو تو
غالب کا اعتبار ہے، عشر والا پانی غالب ہوگا تو $\frac{1}{10}$ اور نصف عشر والا غالب ہوگا تو $\frac{1}{20}$ واجب
ہوگا، اور اگر دونوں پانی برابر ہوں تو عشر کا $\frac{1}{20}$ یعنی کل پیداوار کا $\frac{3}{20}$ واجب ہوگا، فی عشر
التنبیہ ووجب فی مسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیه، فی الشرح
لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة ادسقاء بماء اشتراه وقواعد نالاتأباه ولو سقی
سیحاً وبآلة اعتبر الغالب، ولو استریا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه، وفی العاشیة
وقوله وقواعد نالاتأباه کذا نقله الباقر فی شرح الملتقى عن شیخه البهمنی لان
العلّة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مسقی غرب ودالیه هی زیادة الکلفة لما
علت وهی موجوده فی شراء الماء الخ (قوله وقیل ثلاثة ارباعه) قال فی الغایة قال به
الائمة الثلاثة فیؤخذ نصف کل واحد من الوظيفتين ولا تعلم فیہ خلافاً اى
لان نصفه مسقی سیح ونصفه مسقی غرب فیجب نصف العشر ونصف نصفه

ورجھ الزیلعی الاقل رج المحتار، ص ۲۳۵۵

قلت لما اختلف الترجیح فالاحتیاط فی الاخذ بالثانی،

۱۳) خراج کی مقدار:

فتح عراق کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفتوحہ اراضی پر جریب کے حساب سے خراج موظف متعین فرمایا تھا، اس جریب کا کل رقبہ ۶۰ × ۶۰ ذراع تھا، اور یہاں ذراع سات قبضہ کا مراد ہے۔ جبکہ عام ذراع چھ قبضہ کا ہے، ایک قبضہ = چار انگشت، اس حساب سے ذراع مذکور ۵، ۵ فٹ ہوا، ۶۰ ذراع = ۱۰۵ فٹ = ۳۵ گز = ۳۲ میٹر، لہذا جریب = ۱۲۲۵ مربع گز = ۱۰۲۳ مربع میٹر،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بشرح ذیل خراج متعین فرمایا:

عام دانہ دار اجناس پر فی جریب ایک درہم (۵۰ ماشہ = ۳۰۲ گرام چاندی) اور ایک صاع (۸۸ لیٹر) پیدا ہونے والی جنس سے، (اگر کچھ بھی کاشت نہ کیا تو بظاہر امام کو اختیار ہے کہ جس نس سے چاہے صاع دھول کرے) اور ایسی سبزیوں پر جن کے پودے طویل مدت تک پھل دیتے رہتے ہیں، مثلاً گکڑھی، خرہوزہ، بینگن وغیرہ فی جریب پانچ درہم اور انگور کے ایسے گنجان باغ جن میں زراعت نہ ہو سکے دس درہم فی جریب،

انگور کے سوا دوسرے پھلوں کے گنجان باغ بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک انگور کے باغ ہی کے حکم میں ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک محکم موظف نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ارفق ہونے کے علاوہ روایت درایت ارجح بھی معلوم ہوتا ہے، اما درایۃ فوجہ ظاہر واما روایۃ فلانہ ہوا لمن کور فی المتون وتقدم الامام الثانی علی الثالث،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بتفصیل مذکور توظیف کی وجہ یہ ہے کہ دانہ دار اجناس کے لئے ہر موسم میں تخم ریزی کے مصارف اور محنت کے علاوہ فصل کے کاٹنے، گاہنے اور ہوا میں اڑا کر صاف کرنے کی مشقتیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں، اور منفعت کم ہے، اور سبزیوں میں منفعت زیادہ ہے مشقت کم، کیونکہ ان کی ایک دفعہ کی بوائی مدتوں کام دیتی ہے، اور کٹائی، گہائی، اڑائی کی محنت نہیں، اور باغ کی پیداوار سب سے زیادہ ہے، اور بار بار بوائی وغیرہ کی محنت نہیں،

مذکورہ اجناس میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادتی جائز نہیں، اس سے کم کر دینا جائز ہے، اور جب کُل پیداوار خراج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو چندان نہ ہو تو نصف پیداوار تک خراج میں کمی کرنا واجب ہے،

جن اشیاء کے خراج کی تعیین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، مثلاً ایسے متفرق باغ جن میں کاشت ہو سکتی ہو اور سبزیوں میں سے لہسن، پیاز، گاجر، مولیٰ وغیرہ اور دوسری فصلیں مثلاً زعفران اور کپاس وغیرہ ان میں پیداوار کے تحمل کے مطابق خراج متعین کیا جائے، مگر خراج ^{نصف} ہو یا مقاسمہ دونوں میں کل پیداوار کے نصف سے زائد خراج مقرر کرنا جائز نہیں، اور خمس سے کم کرنا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے کم نہ کیا جائے، البتہ کسی زمین میں محنت بہت زیادہ اور پیداوار بہت کم ہو تو خمس سے بھی کم خراج لیا جائے،

اگر زرعی یا سبزی والی اراضی میں باغ لگایا تو جب وہ توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو چنر پھل دینے لگے اس وقت اس پر باغ کا خراج لگے گا، اس سے قبل نصف پھل خراج میں لیا جائے گا، بشرطیکہ نصف پھل خراج زرعی اور ارض رطبہ میں خراج رطبہ سے کم نہ ہو ورنہ خراج زرعی یا خراج رطبہ لیا جائے گا،

اگر کسی نے باغ کاٹ کر اس زمین میں زراعت شروع کر دی تو اس سے باغ ہی کا خراج لیا جائے گا، اسی طرح زمین میں سبزیوں کی صلاحیت کے باوجود سبزیوں کی کاشت کی بجائے زراعت کی تو اس پر سبزیوں کا خراج ہوگا،

خراج موظف کو خراج مقاسمہ سے بدلنا اور اس کا عکس جائز نہیں، البتہ اس کی تعلیل ”لان فیہ نقص العهد وهو حرام“ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینداروں کی رضا سے تبدیل کرنا جائز ہے، قال فی شرح التنبیہ روضع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی السواد لکل جریب (ہو ستون ذراعاً فی ستین بذراع کسی سبع قبضات رصاعاً من براوشعیر ودرهما ولجریب الرطبة خمسة دراهم ولجریب الکرم او النخل متصلة) قید فیہما (ضعفها ولما سواہ) ممالیس فیہ توظیف عمر (کزعفران وستان) ہوکل ارض یحوطها حائط و فیہا اشجار متفرقة یمکن الزرع تحتها فلو ملتفة ای متصلة لا یمکن زراعة ارضها فهو کرم (طاقته و) غایة الطاقة (نصف الخارج) لان التنصیف عین الانصاف (فلا یزاد علیہ) فی خراج المقاسمة ولا فی الموظف علی مقدار ما وظف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وان اقتصا علی الصحیح، کافی روینقص متاوظف، علیہا (ان لم یقطع) بان لم یبلغ الخارج ضعف الخارج الموظف فینقص الی نصف الخارج وجوباً وجوازاً عند الطاقة وینبغی ان لا یزاد علی النصف ولا ینقص عن

الخمس حدادی، وفيه لو غرس بارض الخراج كرما او شجرا فعليه خراج الارض الى ان يطعم وكذا الوقع الكرم وزرع الحب فعليه خراج الكرم واذا اطعم فعليه قدر ما يطيق ولا يزيد على عشرة دراهم ولا ينقص عما كان، وفي الشامية (قوله من بر او شعير) اي فهد مختير في اعطاء الصاع من الشعير او البر كما في النهاية معزيا الى فتاوى قاضي خان والصحيح انه مما يزرع في تلك الارض كما في الكافي شرنبلالية ومثله في البحر وبقی ما اذا عطلها والظاهر ان الامام يخير تأمل (قوله الرطبة) بالفتح والجمع الرطاب وهي القشاة والخيار والبطيخ والبادنجان وما جرى مجراه والبقول غير الرطاب مثل الكراث شرنبلالية (قوله فلو ملتفة الخ) في المصباح التف النبات بعضها ببعض اختلط ثم اعلم ان حاصل ما ذكره من الفرق بين البستان والكرم هو ان ما كانت اشجاره ملتفة فهو كرم وما كانت متفرقة فهو بستان وقد عزاه في البحر الى الظهيرية ومثله في كافي النسخة ومقتضاه ان الكرم لا يختص بشجر العنب مع ان ما في المتن من عطف النخل على الكرم يفيد انه غيره وفي الاختيار والجريب الذي فيه اشجار مثمرة ملتفة لا يمكن زراعتها، قال محمد رحمه الله تعالى يوضع عليه بقدر ما يطيق لانه لم يرو عن عمر رضي الله تعالى عنه في البستان فقد يرفكان مفوضا الى امر الامام وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى لا يزداد على الكرم لان البستان بمعنى الكرم فالوارد في الكرم وارده فيه دلالة وان كان فيه اشجار متفرقة فهي تابعة للارض له ومفاد هذا ايضا ان الكرم مختص بالعنب والبستان غيره بقريينة التعليل اول وثانيا وهذا اوفق بما في كتب اللغة ومفاده ايضا ان الخلاف بين محمد والي يوسف رحمه الله تعالى في البستان اذا كانت اشجاره ملتفة وان ما في المتن هو قول محمد رحمه الله تعالى وعليه جرى في الملتقى وذكر في البدائع مثل ما في الاختيار حيث قال وفي جريب الكرم عشرة دراهم واما جريب الارض التي فيها اشجار مثمرة بحيث لا يمكن زراعتها لم يذكر في ظاهري الرواية وروى عن

عنه فيه انه لا يتجه على هذا ذكر النخل مع الكرم والظاهر ان المراد بذكر النخل التعميم بجميع الاشجار المثمرة وبالبستان الاشجار المتفرقة فالمدكور في المتن هو قول ابی یوسف، ۱۲ رشيد احمد

ابن يوسف رحمه الله تعالى انه قال اذا كان النخل ملتقا جعلت عليه الخراج
 بقدر ما يطيق ولا يزيد على جريب الكرم عشرة دراهم ر قوله فلا يزداد عليه في
 خراج المقاسمة ترك ما لم يوظف مع ان الكلام فيه فكان عليه ان يقول
 فلا يزداد عليه فيه ولا في خراج المقاسمة وفي الموظيف الخ افاده ح قلت وقد
 يجاب بان قوله والتنصيف الخ يفيد انه يجوز وضع النصف او الربع او الخمس
 فيصير خراج مقاسمة لانه جزء من الخارج وهو غير الموظيف فن قوله في خراج
 مقاسمة اراد به هذا النوع وقوله ولا في الموظيف الخ اراد به النوع الاول فانهم
 ر قوله ولا في الموظيف على مقد ار ما وظفه عسر وكذا اذا فتحت بلدة بعد عسر
 رضى الله تعالى عنه فاراد الامام ان يضع على ما يزرع حنطة درهمين وقفيزاً
 وهي تطيقه ليس له ذلك عند ابن حنيفة رحمه الله تعالى وهو الصحيح لان
 عسر رضى الله تعالى عنه لم يزد لما اخبر بزيادة الطاقة افاده في البحر عن
 الكافي قال ط وهذا نص صريح في حرمة ما احدثه الظلمة على الارض من
 الزيادة على الموظيف ولو سلم ان الاراضى آلت لبيت المال وصارت مستأجرة
 ر قوله وان اطاقت تعميم لقوله ولا يزداد عليه الخ فيشمل ما لم يوظف كما
 صرح به في قوله وغاية الطاقة نصف الخارج ويشمل خراج المقاسمة كما نص
 عليه في النهر وكذا الموظيف من عسر رضى الله تعالى عنه كما في البحر او من امام
 بعده كما مر فانهم ر قوله وينبغي ان لا يزداد على النصف الخ هذا في خراج
 المقاسمة ولم يقيد به لان فهمه من التعبير بالنصف والخمس فان خراج
 الوظيفة ليس فيه جزء معين تأمل قال في النهر وسكت عن خراج المقاسمة
 وهو اذا من الامام باراضيههم ورأى ان يضع عليهم جزءاً من الخارج كنصف
 او ثلث او ربع فانه يجوز ويكون حكمه حكم العشر ومن حكمه ان لا يزيد على
 النصف وينبغي ان لا ينقص عن الخمس قاله الحدادى ام وبه علم ان قول
 الشارح وينبغي مذكور في غير محله لان الزيادة على النصف غير جائزة كما مر
 التصريح به في قوله ولا يزداد عليه وكان عدم التقيص عن الخمس غير منقول
 فذكر الحدادى بحثاً لكن قال الخير الرملى يجب ان يحمل على ما اذا كانت

تطبق فلو كانت قليلة الريع كثيرة المؤن ينقص اذ يجب ان يتفاوت الواجب لتفاوت
المؤنة كما في ارض العشر ثم قال وفي الكافي وليس للامام ان يحول الخراج الموظف
الى خراج المقاسمة اقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليقه لانه قال لان فيه
نقض العهد وهو حرام قلنا صرح بالعكس القهستاني، (قوله فعليه خراج الارض)
كذا في البحر عن شرح الطحاوي قال ط والاولى خراج النزرع كما نقله الشارح عن
مجمع الفتاوى في باب زكوة الاموال اى نيدفع صاعاً ودرهماً ر قوله فعليه
خراج الكرم) اى دائماً لانه صار الى الادنى مع قدرته على الاعلى قال في الفتاوى
الهندية قالوا من انتقل الى احس الامر من غير عذر فعليه خراج الاعلى كمن له
ارض الزعفران فتركه وزرع الجوب فعليه خراج الزعفران وكذا لو كان له كرم
فقطع وزرع الجوب فعليه خراج الكرم وهذا شىء يعلم ولا يفتى به كي لا يطمح
الظلمة في اموال الناس كذا في الكافي ۲ قال في الفتح اذ يدعى كل ظالم ان ارضه
كانت تصلح لزراعة الزعفران ونحوه وعلاجه صعب ام ر قوله واذا اطعم معطراً
على قوله الى ان يطعم قال في البحر وفي شرح الطحاوي لو انبت ارضه كرم ما فعليه
خراجها الى ان يطعم فاذا اطعم فان كان ضعف وظيفة الكرم ففيه وظيفة الكرم
وان كان اقل فنصفه الى ان ينقص عن قفيز ودرهم فان نقص فعليه قفيز ودرهم
ام، والقفيز صاع كما مر وهذا بناء على انها كانت للزراعة فلو للرطوبة فالظاهر
لزوم خمسة دراهم فلذا قال الشارح ولا ينقص عما كان تأمل (في المختار ۲۶۸ ۲۶۹)
وقال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله هذا في خراج المقاسمة الخ) الظاهر ان
الحكم كذلك في الخراج الموظف والتعبير بالنصف والخمس لا يدل على انه في
المقاسمة خاصة وذلك انك اذا وجدت الخراج الموظف زائداً على نصف
الخارج نقصته وجوباً الى النصف ولك تنقيصه الى الخمس (التحرير المختار ص ۵۹)
وفي الهندية بعد ذكر الاشياء الثلاثة التي وظف عليها عمر رضي الله تعالى عنه
وما سوى ذلك من الاصناف كالزعفران والقطن والبستان وغيرها يوضع عليها
بحسب الطاقة الخ (عالمگیری ص ۲۳۸ ج ۲)

وفي الهداية مع الفتح ولان المؤن متفاوتة فالكرم اخفها مؤنة لانه

یبتی علی الابد بلامؤنة واكثرها ریعاً والمزارع اقلها ریعاً واكثرها مؤنة لاحتياجها
الی البذر ومؤون الزراعة من الحراثة والحصاد والدياس والتذرية فی کل عام
والرطاب بينهما لانها لاتدوم دوام الكرم ويتكلف فی عملها کل عام فوجب تفاوت
الواجب بتفاوت المؤنة اصله قوله علی الصلوة والسلام ما سقت السماء ففیه
العشر وما سقى بغرب اوردانية ففیه نصف العشر (فتح القدیر ص ۳۶۳ ج ۴) وفی
العناية علی هامش لفتح والرطاب بينهما لانها تبقى اعواماً ولاتدوم دوام الكرم
فكانت مؤنتها فوق مؤنة الكرم ودون مؤنة المزارع (فتح القدیر ص ۳۶۳ ج ۴)
وفی الفتح (قوله فان لم تطق ما وضع علیها) وفی هذا الفرق بین الارضین التي
وظف علیها عمر رضی الله تعالی عنه ثم نقص نزلها وضعفت الآن او غيرها و
اجمعوا انه لا تجوز الزیادة علی وظيفة عمر رضی الله تعالی عنه فی الاراضی التي
وظف فیها عمر رضی الله تعالی عنه او امام آخر مثل وظيفة عمر، ذكره فی الكافي
واما فی بلد لو اراد الامام ان یبتدئ فیها التوظیف فعند ابی حنیفة وابی یوسف
رحمهما الله تعالی لا یزید وقال محمد رحمه الله تعالی وهو قول مالك واجمدرهما
الله تعالی ورواية عن ابی یوسف رحمه الله تعالی وقول الشافعی رحمه الله تعالی
له ذلك ومعنی هذا اذا كانت الارض التي فتحت بعد الامام عمر رضی الله تعالی
تزرع الحنطة فاراد ان یضع علیها درهین وقفیلاً او هی تطبقه لیس له ذلك وعند
محمد رحمه الله تعالی له ذلك اعتباراً بالنقصان وهذا ایوید ما ذكرته من
حمل الارض فی قوله فان لم تطق ما وضع علیها علی ما یشمل ارض عمر رضی الله
تعالی عنه ومنعه ابو یوسف بان عمر رضی الله تعالی عنه لم یزد حین انزلت زیادة
طاقة الارض، (فتح القدیر ص ۳۶۳ ج ۴)

تفصیل مذکور سے اراضی کی تین اقسام معلوم ہوئیں؛

- ① علاقہ کی وہ اراضی جن پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج موقوف فرمایا تھا، یعنی بعینہ اس متعین علاقہ کی زمینیں، ان میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادتی جائز نہیں،

- ② جن زمینوں میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کچھ کاشت ہو، ان میں

حکومت کو اختیار ہے کہ خراج موظف متعین کرے یا خراج مقاسمہ، اسی طرح مقدار خراج کی تعیین میں بھی حکومت مختار ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ خراج زمین کی برداشت سے زیادہ نہ ہو نیز برداشت کے اندر ہونے کے باوجود نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو، مزید بریں خراج موظف میں یہ شرط بھی ہے کہ توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زائد نہ ہو،

(۳) بعد کی مفتوحہ اراضی میں سے توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اجناس، اُن پر خراج موظف لگایا جائے تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادتی جائز نہیں، امام محمد اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ جواز کے قائل ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت جواز کی ہے،

یہ امر غور طلب ہے کہ عند شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ ایسی اراضی پر خراج مقاسمہ کا جواز ہر یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تجاوز بھی جائز ہے یا نہیں؟ دلائل ذیل سے ان دونوں امور کا جواز معلوم ہوتا ہے؛

(۱) اگر یہ صورت ناجائز ہوتی تو حضرات فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی تصریح فرماتے والمسکوت فی معرض البیان بیان،

(۲) ما قد مناعن الشامیۃ معزیا الی النہی من انہ اذا من الامام باراضیہم ورآی ان یضع علیہم جزءاً من الخارج الخ، یہ عبارت ہر قسم کی اراضی کو شامل ہے، وان کانت من جنس ما وظف علیہا سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسی طرح اس میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تجاوز نہ کرنے کی بھی شرط نہیں،

(۳) محمد بن قاسم نے ارض بسندہ پر خراج مقاسمہ (۱/۶) متعین فرمایا تھا، اور ظاہر ہے کہ ان اراضی میں توظیف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلس کی اراضی بھی تھیں، قال العلامة الہامی رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالۃ سراج الہند فی خراج السند، ارض السند خراجیۃ وخراجہا الخمس کما حققہ المحققون ثم سدد النقول عن علماء السند،

(۱۵) غیر آباد زمین پر خراج؛

اگر خراجی زمین زیر آب آگئی، یا آب رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے، یا اور کسی آفت کی وجہ سے قابل کاشت نہ رہی، یا کسی نے کاشت نہ کرنے دی، یعنی سال بھر میں ایک فصل اٹھانے کا بھی موقع نہ ملا، تو خراج معاف ہو جائے گا، البتہ زمین قابل کاشت ہوئے

باجور محض غفلت سے معطل چھوڑ دی تو صرف خراج مقاسمہ معاف ہوگا مگر خراج موظف وصول کیا جائے گا، قال فی التنویر ولاخراج ان غلب الماء علی ارضه او انقطع او اصاب الزرع آفة سماویة كغرق و حرق و مشدة برد (الی قولہ) فان عطلها صاحبها و كان خراجها موظفا او اسلم او اشتري مسلم ارض خراج يجب ولو منعه انسان من الزراعة او كان الخراج مقاسمة لا، (رد المحتار، ص ۲۷۱ ج ۳)

① زمیندار مزارع کے حصہ سے جبراً عشر نکالے:

چونکہ مزارعین میں دینداری نہیں، اگر ان کا حصہ تقسیم کر کے ان کے حوالہ کر دیا گیا تو ان سے ادائے عشر کی امید نہیں، اس لئے زمیندار پر لازم ہے کہ مشترک پیداوار سے عشر نکالنے کے بعد مزارع کو اس کا حصہ تقسیم کر کے دے، قال العلامة الہمایونی رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالۃ سراج الہند والحق الحقیق بالقبول ان هذا الامر مسلم الى اصحاب الاراضی الذين يقال لهم في الحرف "زمینداران" فعليهم ان يخرجوا الخمس بنية الخراج اولاً قبل التنصيف من البين ثم ينصفون لاجل حصة الارض فيجمعون ما حصل من الخمس فيصرفونه بالعدل والانصاف في بعض المصارف الموجودة الآن في هذه الديار فان اقامة هذا الامر من المزارعين محال لان الديانة تدارققت والاسلام قد ضعف حتى ان ظفر المزارعون بحصة الارض لم يعطوها لاصحاب الاراضی اصلاً بل يصرفونها في معاشهم ويبدلونها في ابوابهم لكونهم مفلسين جائعين غير متدينين فاين يتوهم منهم امثال هذه الامور الدينية فالواجب على صاحب الاراضی المتدين ان يخرج حصة الخراج اولاً من البين يصرفها في بعض مصارفها لاجل جربنا في هذا الزمان ان اصحاب الاراضی كالحكام للمزارعين حتى انهم لا يخافون من الحكام مثل ما يخافون من اصحاب الاراضی لو صلة معاشهم ورزقهم بالزراعات الكائنة في اراضيهم فاصحاب الاراضی حکام والمزارعون رعایا وكل مسئلہ يوم القيامة عن رعيته اخرج البخاری ومسلم فی صحيحہما عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کلکم راع وکلکم مسئلہ عن رعيته الحدیث،

①۷ خراج موظف سال میں صرف ایک بار ہے:

خراج موظف سال میں صرف ایک بار وصول کیا جائے گا، فصلیں خواہ کتنی ہی زیادہ اٹھائی گئی ہوں، البتہ خراج مقاسمہ عشر کی طرح ہر فصل پر واجب ہے، قال فی العلائق ولا یتکرر الخراج بتکرر الخارج فی سنة لو موظفا والا بان کان خراج مقاسمہ تکرر لتعلقه بالخارج حقيقة كالعشر فانه یتکرر (مراد المختار ص ۲۷۲ ج ۳)

①۸ فصل تباہ ہو جائے یا چوری ہو جائے تو عشر و خراج ساقط ہونے کی تفصیل:

اگر عشری زمین کی فصل کٹنے سے پہلے یا اس کے بعد ضائع ہو گئی، یا چوری ہو گئی، تو عشر ساقط ہو جائے گا، اور اگر یہ کاشت مزارعت کے طور پر تھی تو فصل کٹنے سے قبل ضائع ہونے کا تو یہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، البتہ فصل کٹنے کے بعد ضائع ہو تو قاضی خاں کی تحقیق کے مطابق زمیندار کے حصہ کا عشر ساقط ہے، اور مزارع کے حصہ کا عشر زمیندار پر لازم ہے، خراج مقاسمہ کا بھی یہی حکم ہے، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ویؤخذ العشر) وما تلف بغير صنعه بعد حصادة أو سرق وجب العشر فی الباقي لا غیر (مراد المختار ص ۲۷۲ ج ۳) وقال فی الخانیة فی أرض العشر اذا هلك الخارج قبل الحصاد يسقط وان هلك بعد الحصاد فساكان من نصيب رب الأرض يسقط وما كان من نصيب الاكار يبقى فی ذمة رب الأرض لان فی نصيب الاكار الأرض بمنزلة المستأجر فكان العشر علی صاحب الأرض وخراج المقاسمة بمنزلة العشر لان الواجب شیء من الخارج وانما يخالف العشر فی المصروف (خانیة علی هامش العالمگیریہ ص ۲۷۲ ج ۳) وكذا فی العالمگیریة عن الخانیة، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخائف بعد نقل قول الخانیة المذكور فی الوالوجیة ما يخالفه وما فی الخانیة اقوی مدركا ووضح وجهان فلیکن المعول علیہ البحر الرائق ص ۱۰۹ ج ۳ مگر تعلیل کون الأرض بمنزلة المستأجر سے ثابت ہوا کہ خانیہ کا قول اس صورت کے ساتھ مختص ہے کہ بذریعہ مزارع کی طرف سے ہو، نیز اجارۃ الأرض میں مطلقاً عشر زمیندار پر نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے، کما قد منا، علاوہ ازیں صورت زیر بحث میں تو زمیندار کو اجرت بھی موصول نہیں ہوئی، اس لئے بندہ کے خیال میں قول والوالجیہ کے مطابق رائج یہ ہے کہ مزارع کے حصہ کا عشر بھی زمیندار پر واجب نہیں، بلکہ ساقط ہے،

خراج موظف کا حکم یہ ہے کہ اگر کھڑی فصل کسی ایسی آسمانی آفت سے تباہ ہو گئی جس سے بچنا انسان کی قدرت میں نہیں، جیسے زلزلہ باری اور سیلاب وغیرہ اور اسی سال کوئی دوسری فصل بونے کا موقع بھی نہ ہو جس کا اندازہ کم از کم تین ماہ ہے، تو خراج موظف ساقط ہو جائے گا، اگر تباہی سے کچھ پیدا رہ چکے گئے تو زراعت وغیرہ کے مسارفہ وضع کرنے کے بعد باقی پیداوار اگر خراج سے دو چند ہو تو پورا خراج لیا جائے گا، ورنہ نصف پیداوار لی جائے گی، اور اگر آفت سے حفاظت ممکن تھی، جیسے چوہا وغیرہ لگ جانا یا اسی سال میں اتنا وقت باقی ہو کہ اس میں زمین سے کوئی اور فصل اٹھائی جاسکتی ہو، یعنی کم از کم تین ماہ باقی ہوں تو خراج موظف معاف نہیں، اور اگر فصل کٹ جانے کے بعد تباہ ہو گئی، خواہ آسمانی آفت ہو یا ممکن الاحتراز ہو، بہر حال خراج موظف معاف نہیں ہوگا، قال فی شرح التئیر ولاخراج ان غلب الماء علی ارضه او انقطع الماء او اصاب الزرع آفة سماویة كحرق وحرق وشدة برد الا اذا بقی من السنة ما یمكن الزرع فیہ ثانیاً اما اذا كانت الآفة غیر سماویة و یمكن الاحتراز عنها کاکل قرودة وسباع ونحوهما کانعام وفارودودة بحر او هلك الخارج بعد الحصاد لا یسقط وقبله یسقط ولو هلك بعضه ان فضل عما انفق شیء اخذ منه مقدار ما بینا مصنف سراج وتسامه فی الشرب لالیة معزیا للبحر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولاخراج الخ) ای خراج الوظیفة وكذا اخراج المقاسمة والعشر بالاولی لتعلق الواجب بعین الخارج فیہما ومثل الزرع الرطبة والکرم ونحوهما خیریة (قوله ما یمكن الزرع فیہ ثانیاً) قال فی الکبری والفتاویٰ انه مقدار بثلاثة اشهر نهر، (قوله ویسقط الاحتراز عنها) خرج ما لا یمكن کالجراد کما فی البزازیة (قوله وفارودودة) عبارة البحر ومنه یعلم ان الدودة والفارة اذا اכלا الزرع لا یسقط الخراج ام قلت لا شک انهما مثل الجرادة فی عدم امکان الدفع وفي النهر لا ینبغي التردد فی كون الدودة آفة سماویة وانه لا یمكن الاحتراز عنها قال الخیر الرملی واقول ان کان کثیراً غالباً لا یمكن دفعه بجيلة يجب ان یسقط به وان امکن دفعه لا یسقط هذاهو المتعین للصواب (قوله او هلك الخارج بعد الحصاد) مفهومه انه لو هلك قبله یسقط الخراج لكن یخالفه التفصیل المذكور فیما لو اصاب

الزراع آفته فان الزرع اسم للقائم في ارضه فحيث وجب الخراج بهلاكه بآفة
يمكن الاحتراز عنها علم انه يجب قبل الحصاد الا ان يحمل الهلاك هنا على ما اذا
كان بما لا يمكن الاحتراز عنه فتدفع المغالفة (قوله وقبله يسقط) اي الا اذا بقي
من السنة ما يتمكن فيه من الزراعة كما يؤخذ مما سلف ط قال الخیر المرملی
ولو هلك الخارج في خراج المقاسمة قبل الحصاد او بعده فلا شيء عليه لتعلقه
بالخارج حقيقة وحكمه حكم الشريك شركة الملك فلا يضمن الا بالتعدي
فاعلم ذلك فانه مهم ويكثر وقوعه في بلادنا وفي الخانية ما هو صريح في
سقوطه في حصة رب الارض بعد الحصاد ووجوبه عليه في حصة الاكار
معللاً بان الارض في حصته بمنزلة المستأجرة اه (قوله ان فضل عما انفق)
ينبغي ان يلحق بالتفقة على الزرع ما يأخذها الاعراب وحكام السياسة ظلماً
كما يعلم متناقد منها (قوله اخذ منه مقدار ما بينا) اي ان بقي ضعف الخراج
كد رهمين وصاعين يجب الخراج وان بقي اقل من مقدار الخراج يجب لنصفه
واشار الشارح الى هذا بقوله وتسامه في الشئ نبلاية فانه مذكور فيها اذاه
(قوله مصنف سراج) على حذف العاطف او على معنى مصنف عن السراج،
(رد المحتار ص ۲۷۱ ج ۳)

①۹ رہائشی مکان کے باغ میں عشر وخراج :

اگر رہائشی پلاٹ کو مستقل باغ سے تبدیل کر دیا تو اس میں عشر یا خراج واجب ہوگا،
اگر کوئی عشری زمین اس سے زیادہ قریب ہوگی تو اس پر عشر اور خراجی زمین زیادہ قریب ہوگی
تو اس پر خراج ہوگا، اگر عشری و خراجی دونوں قسم کی اراضی قرب میں برابر ہوں تو اس باغ پر
عشر واجب ہوگا، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وكل
منہما الخ) ان الماء يعتبر فیہما الواحیاء مسلم ارضا وجعل داراً بستاناً بخلاً النص
على انه عشری او خراجی وقد مناعن الدار المنتقى ان المفتی به قول ابی یوسف رحمہ
اللہ تعالیٰ انه يعتبر القرب وهو ماشی علیه المصنف اولاً کالکنز وغیرہ وقد مر
فی متن الملتقى فاذا ترجیحه على قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ۳ وهو المختار
كما فی المجموع علی لکنز عن قرا حصار وعلی المتون اعتبار الماء قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۲۶۶)

اور اگر مکان رہائشی ہی ہے مگر اس کے صحن میں باغ لگالیا تو اس پر عشر یا خراج واجب نہیں، قال فی التنبیہ و اخذ خراج من دار جعلت بستاناً، وفي الشامیة قید بجعلها بستاناً لانه لو لم يجعلها بستاناً وفيها نخل تغل اكرارا لاشي فيها بحر وكذلك شربستان الدار لانه تابع لها كما في قاضي خاقهستانی (رد المحتار ص ۲۵۵) ۳۰ ارض مغصوبه میں عشر و خراج :

قال فی شرح التنبیہ و الخراج علی الغاصب ان زرعها و كان جاحداً اولاً بینة بها، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الخانیة ارض خراجها وظیفہ اغتصبها غاصب جاحداً اولاً بینة للمالك ان لم يزرعها الغاصب فلا خراج علی احد وان زرعها الغاصب ولم تنقصها الزراعة فالخراج علی الغاصب وان كان الغاصب مقرراً بالغصب او كان للمالك بینة ولم تنقصها الزراعة فالخراج علی رب الارض ام، قلت وفي الذخيرة قال بعض المشايخ علی المالك وقال بعضهم علی الغاصب علی كل حال ام ثم قال فی الخانیة وان نقصتها الزراعة عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ علی رب الارض قل النقصان او اكثر، كأنه اجرها من الغاصب بضمان النقصان وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علی الغاصب فان زاد النقصان علی الخراج يدفع الفضل الی المالك وان غصب عشرية فزرعها ان لم تنقص الزراعة فلا عشر علی المالك وان نقصتها فالعشر علی المالك كأنه اجرها بالنقصان ام، قال ح و ظاهر ان حکم ذات خراج المقاسمة كالعشرية (رد المحتار ص ۲۵۹) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ر قوله فلا عشر علی المالك و علی الغاصب العشر اجماعاً ر قوله كأنه اجرها بالنقصان، هذا قول الامام و علی قولهما العشر علی الغاصب مطلقاً وهذا اذا كان الغاصب مسلماً واذا كان ذمياً فلا عشر علی احد عنده اما المالك فلعدم حصول المنفعة واما الغاصب فلانه لو وجب علیه لوجب الخراج وهو لا يتبدل وهو ارض اربا المالك ولا صنع له في ذلك ولا يجوز ان يوجب العشر علی الذمی فلم يبق الا السقوط وهذا اذا لم تنقص الارض اما اذا نقصت فينبغي ان يكون العشر علیه اذا كان النقصان مثل العشر او اكثر و علی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ يجب العشر

علی الغاصب وعلی قول ابی یوسف عشران لانه لا ضرر فی ذلك لان العشرین
 یبدلان الی عشر واحد ام سندی عن السراج (التحریر المختار، ص ۱۳۸-۱۳۷)
 حاصل یہ کہ اگر غاصب منکر ہے اور مالک کے پاس بیتہ بھی نہیں، اور اس کو پورے
 سال میں ایک فصل اٹھانے کا بھی موقع نہ ملا، یعنی سال میں سے کم از کم تین ماہ زمین اس کے
 قبضہ میں نہیں رہی، تو مالک پر خراج نہیں، پھر غاصب اگر کاشت کرے گا تو اس پر خراج
 ہوگا ورنہ اس پر بھی نہیں، اور اگر غاصب منکر نہیں، یا مالک کے پاس بیتہ ہے تو مالک پر
 وجوب خراج میں اختلاف ہے، بندہ کے نزدیک صورت تطبیق یہ ہے کہ اگر مالک نے محض
 غفلت کی وجہ سے زمین واپس لینے کی سعی نہیں کی تو اس پر خراج واجب ہوگا، اور اگر پوری
 کوشش کے باوجود عدالت کی لاپرواہی کی وجہ سے زمین واپس نہ لے سکا، یعنی سال بھر میں
 تین ماہ بھی کاشت کے لئے نہ ملے، تو مالک پر خراج نہیں، جب کسی انسان کا کاشت سے
 روکنا مسقط خراج ہے کما قد منا تو غصب کی وجہ سے کاشت سے عجز بطریق اولیٰ مسقط
 ہونا چاہئے،

عشر اور خراج مقاسمہ چونکہ پیداوار پر ہوتا ہے اس لئے زمیندار پر نہیں بلکہ غاصب
 کاشت کرے گا تو اس پر ہوگا، اگر کافر نے عشری زمین غصب کر کے کاشت کی تو اس
 سے عشر ساقط ہے،

یہ احکام جب ہیں کہ غاصب کی کاشت سے زمین کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو، اگر زمین
 کو کوئی نقصان پہنچا تو حضرت امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مالک زمین کا غاصب سے
 نقصان کا ضمان وصول کرنا بمنزلہ اجارہ ہے، اس لئے عشر و خراج مالک پر ہوگا، مگر صورت
 اجارہ میں فتویٰ کے لئے جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس کے پیش نظر غصب میں بہر کیف
 عشر و خراج غاصب ہی پر ہوگا، اگرچہ مالک نے ضمان نقصان وصول کر لیا ہو،

②۱ زمین فروخت کی تو عشر و خراج کس پر ہے؟ :

اگر فارغ زمین ایسے وقت فروخت کی کہ سال ختم ہونے میں تین ماہ یا اس سے زیادہ
 مدت باقی تھی، اور بائع نے اس سال میں اس زمین سے کوئی فصل نہ اٹھائی تھی تو اس کا
 خراج مشتری پر ہے، اور اگر بائع نے بھی کوئی فصل اٹھائی ہو تو خراج بائع اور مشتری
 دونوں پر تقسیم ہوگا، اور اگر سال گزرنے میں تین ماہ سے کم مدت باقی تھی تو پورا حشر خراج

بائع پر ہی، اگر بوقت بیع زمین میں فصل بھی تھی تو فصل تیار ہونے سے قبل بیع ہونے کی صورت میں خراج مشتری پر ہے، بشرطیکہ بائع نے اسی سال میں کوئی فصل نہ اٹھائی ہو، ورنہ خراج دونوں پر ہوگا، اور اگر فصل تیار ہونے کے بعد بیع کی تو اس میں وہی تفصیل ہے جو فارغ زمین کی بیع سے متعلق گذری،

اگر زمین مسلسل بکتی چلی گئی اور کسی مالک کو بھی سال کے اندر تین ماہ کی مدت میسر نہیں ہوئی، اور وہ کوئی فصل نہیں اٹھاسکا، تو کسی پر بھی خراج نہیں،
عشر اور خراج مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے، اس لئے فصل تیار ہونے سے قبل زمین فروخت کی تو عشر و خراج مقاسمہ مشتری پر ہوگا، اور فصل تیار ہونے کے بعد بیع ہوئی تو بائع پر،

اگر صرف فصل بغیر زمین کے بیچی، تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے، کہ قبل الادراک بیع ہو تو عشر و خراج مقاسمہ مشتری پر ہے، اور بعد الادراک ہو تو بائع پر، اگر قبل الادراک فصل بیچی اور مشتری نے اسی حال میں کاٹ لی تو اس کا عشر بھی بائع پر ہوگا، قال فی شرح التنویر ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتري ولو بعد فعلی البائع وفي الشامية ان حکم خراج المقاسمة كالعشر كما يعلم متما مراح ثم لهذا اذا باع الزرع وحده وشمل ما اذا باعه وتركه المشتري باذن البائع حتى ادرك فعندهما عشرة على المشتري وعند ابی یوسف رحمه الله تعالى عشر قيمة القصيل على البائع والباقي على المشتري كما فی الفتح وبقی ما لو باع الارض مع الزرع او بدونه قال فی البازية باع الارض وسلمها للمشتري ان بقى مدة يتمكن المشتري فيها من الزراعة فالخراج عليه والافعل البائع والفتوى على تقدير المدة بثلاثة اشهر هذا لو باعها فارغة ولو فيها زرع لم يبلغ فعلى المشتري بكل حال وقال ابو الليث ان باعها بزرع انعقد حبه وبلغ ولم تبق مدة يتمكن المشتري من الزرع فالخراج على البائع، ولو باع من آخر والمشتري من آخر واخر حتى مضى وقت التمكن لا يجب الخراج على احد ملخصاً ای بان لم تبق فی يد احد من المشترين مدة يتمكن فيها من الزراعة قبل دخول السنة الثانية (رد المحتار ص ۲۷۶) وفي جهاد التنویر باع أرضاً خراجية ان بقى من السنة مقدار ما يتمكن المشتري من الزراعة فعليه الخراج

والأفعلى البائع، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ هذا اذا كانت فارغة لكن اختلفوا في اعتبار ما يتمكن المشتري من زراعته فقل الحنطة والشعير وقيل اى زرع كان وفي انه هل يشترط ادراك الربيع بكسالة اولاد وفي واقعات الناطقي ان الفتوى على تقديره بثلاثة اشهر وهذا منه اعتبار لزرع الدخن وادراك الربيع فان ربيع الدخن يدرك في مثل هذه المدة واما اذا كانت الارض مزروعة فباعها مع الزرع فان كان قبل بلوغه فالخراج على المشتري مطلقا وان بعد بلوغه وانعقاد حبه فهو كما لو باعها فارغة ولو كان لها ريعان خريفى وربيعى وسلم احد هما للبائع والاخر للمشتري فالخراج عليهما ولو قد اولتها الايدي ولم تمكث في ملك احد هم ثلاثة اشهر فلا خراج على احدهما من التتارخانية ملخصا رد المحتار، ص ۲۷۲ ج ۳ وقال العلامة الكاساني رحمہ اللہ تعالیٰ ولو باع الارض العشرية وفيها زرع قد ادرك مع زرعهما او باع الزرع خاصة فعشرة على البائع دون المشتري لانه باعه بعد وجوب العشر وتقرره بالادراك ولو باعها والزرع بقل فان فصله المشتري للحال فعشرة على البائع ايضا لتقرر الوجوب في البقل بالقصل وان تركه حتى ادرك فعشرة على المشتري في قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما اللہ تعالیٰ لتحول الوجوب من الساق الى الحب وروى عن ابي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه قال عشر قدر البقل على البائع وعشر الزيادة على المشتري وكذلك حكم الثمار على هذا التفصيل ربدائع الصنائع ص ۲۵۷ ج ۲

② عشر نکالنے کے بعد پیداوار فروخت کی تو رقم پر زکوٰۃ فرض ہے؛

پیداوار کا عشر الگ فرض ہے، اور پیداوار فروخت کی تو اس سے حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ الگ فرض ہے، لان الحقیقین لم يتعلق بمحل واحد فان العشر حق الارض النامية بالخارج حقيقة وزکوٰۃ النقود حق المال النامي فقد يرا بخلاف ما اذا كانت الارض للتجارة فانه لا تجب فيها زکوٰۃ التجارة لان الحقیقین يتعلقان بمحل واحد وهي الارض، وقال ابن نجيم رحمہ اللہ تعالیٰ في زکوٰۃ مال التجارة اذا دخل من ارضه حنطة تبلغ قيمتها قيمة نصاب ونوى ان يمسكها ويبيعها فامسكها حولا لا تجب فيها الزکوٰۃ ز البحر الرائق ص ۲۰۹ ج ۲ عبارت مذکورہ میں عدم وجوب زکوٰۃ کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حنطہ مال تجارت نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ

بیج منطہ کی صورت میں نقود پر زکوٰۃ فرض ہوگی، لہذا متعینۃ للتجارة خلقۃ،
 ۴۳ قبل از وقت عشر وخراج نکالنا؛

خراج موظف قبل از وقت ادا کرنا صحیح ہے، اور عشر میں تفصیل ہے؛
 فصل بونے سے قبل عشر نکالنا تو ادا نہیں ہوا، اور اگر فصل اُگنے کے بعد نکالنا تو بالاتفاق
 ادا ہو گیا، اور اگر فصل بونے کے بعد اُگنے سے قبل نکالنا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
 کے ہاں صحیح ہو گیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ادا نہیں ہوا، وہو الا زحم والاحوط،
 باغ میں پھول آنے کے بعد عشر نکالنا صحیح ہے، اس سے قبل نکالنا تو ادا نہ ہوگا، قال
 العلامة الكاساني رحمه الله تعالى وعلى هذا يخرج تعجيل العشر انه على ثلاثة
 اوجه في وجه يجوز بلا خلاف وفي وجه لا يجوز بلا خلاف وفي وجه فيه خلاف
 اما الذي يجوز بلا خلاف فهو ان يعجل بعد الزراعة وبعد النبات لانه تعجيل
 بعد وجود سبب الوجوب وهو الارض النامية بالخارج حقيقة الا ترى انه لو
 فصله هكذا يجب العشر واما الذي لا يجوز بلا خلاف فهو ان يعجل قبل الزراعة
 لانه عجل قبل الوجوب وقبل وجود سبب الوجوب لانعدام الارض النامية
 بالخارج حقيقة لانعدام الخارج حقيقة واما الذي فيه خلاف فهو ان يعجل
 بعد الزراعة قبل النبات قال ابو يوسف رحمه الله تعالى يجوز وقال محمد رحمه الله تعالى
 لا يجوز وجه قول محمد ان سبب الوجوب لم يوجد لانعدام الارض النامية بالخارج لا الخارج
 فكان تعجيلاً قبل وجود السبب فلم يجز كما لو عجل قبل الزراعة، وجه قول
 ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان سبب الخروج موجود وهو الزراعة فكان تعجيلاً
 بعد وجود السبب فيجوز واما تعجيل عشر الشارفان عجل بعد طلوعها جاز بالاجماع
 وان عجل قبل الطلوع ذكر الكرخي انه على الاختلاف الذي ذكرنا في الزرع وذكر
 القاضي في شرحه مختصراً لطحاوي انه لا يجوز في ظاهر الرواية، وروى عن ابی یوسف
 رحمہ اللہ تعالیٰ انه يجوز وجعل الاشجار للشمار بمنزلة الساق للحبوب وهناك
 يجوز التعجيل كذا ههنا، ووجه الفرق لابی حنيفة ومحمد رحمهما اللہ تعالیٰ

مع هكذا في الاصل ولعل الصحيح لانعدام الخارج ۱۲ منه

ان الشجر ليس بمحل لوجوب العشر لانه حطب الا ترى انه لو قطعه لا يجب العشر
فاما ساق الزرع فمحل بدليل انه لو قطع الساق قبل ان ينقعد الحب يجب العشر
ويجوز تعجيل الخراج والجزية لان سبب وجوب الخراج الارض النامية بالخاز
تقدیراً بالتمكن من الزراعة لا تحقيقاً وقد وجد التمكن وسبب وجوب الجزية
كونه ذمیاً وقد وجد، والله اعلم، (بدائع الصنائع ص ۲۷۵)

۲۳) تجارت کی زمین پر زکوٰۃ نہیں:

عشری یا خراجی زمین بغرض تجارت خریدی ہو تو اس کی مالیت پر زکوٰۃ فرض
نہیں، قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ قال اصحابنا فيمن اشترى ارض عشر
للتجارة او اشترى ارض خراج للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب زکوٰۃ
التجارة مع احدهما هو الرواية المشهورة عنهم وروى عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ
انه يجب العشر والزکوٰۃ او الخراج والزکوٰۃ وجه هذه الرواية ان زکوٰۃ التجارة
تجب في الارض والعشر يجب في الزرع وانهما مالان مختلفان فلم يجمع الحقان
في مال واحد وجه ظاهر الرواية ان سبب الوجوب في الكل واحد وهو الارض
الا ترى انه يضاف الكل اليها يقال عشر الارض وخراج الارض وزکوٰۃ الارض
وكل واحد من ذلك حق الله تعالى وحقوق الله تعالى المتعلقة بالاموال النامية
لا يجب فيها حقان منها بسبب مال واحد كزکوٰۃ السائمة مع التجارة واذا
ثبت انه لا سبيل الى اجتماع العشر والزکوٰۃ واجتماع الخراج والزکوٰۃ فايجاب
العشر او الخراج اولى لانهما اعم وجوباً الا ترى انهما لا يسقطان بعذر الصبا و
الجنون والزکوٰۃ تسقط به فكان ايجابهما اولى (بدائع الصنائع ص ۲۷۵)

بدائع کی عبارت مذکورہ میں "کزوٰۃ السائمة مع التجارة" سے بعین اکابر کو یہ
مخالطہ لگا ہے کہ تجارتی مویشی میں زکوٰۃ نہیں، حالانکہ یہاں تشبیہ عدم زکوٰۃ میں
نہیں، بلکہ عدم اجتماع الحقیقین میں ہے، تجارتی مویشی میں سائمة کی زکوٰۃ نہیں، تجارتی
مالیت پر زکوٰۃ ہے، چنانچہ خود امام کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولو اسيمة
للبيع والتجارة ففيها زکوٰۃ مال التجارة لا زکوٰۃ السائمة،

(بدائع الصنائع ص ۲۷۵)

⑤ ذاتی استعمال میں آنے والی سبزی اور پھل پر بھی عشر ہے؛
 فصل کے پیدا ہونے اور پھل کے ظاہر ہونے کے وقت عشر واجب ہو جاتا ہے، اس لئے
 اس سے جو کچھ خود کھایا، یا کسی کو ہبہ دیا سب پر عشر واجب ہے، خراج موظف کا بھی یہی
 حکم ہے، قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ وأما وقته فوقت خروج الزرع
 وظهور الثمر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى
 وقت الإدراك وعند محمد رحمه الله تعالى عند التقية والحبذ اذ
 (البحر الرائق ص ۲۳۰ ج ۲) وفي شرح التنوير ويؤخذ العشر عند الامام عند
 ظهور الشجرة وبد صلاحها، برهان وشروط في النهر امن فسادها، وفي الشامية
 قال في الجوهرة واختلفوا في وقت العشر في الثمار والزرع فقال ابو حنيفة وزفر
 رحمهما الله تعالى يجب عند ظهور الشجرة والامن عليهما من الفساد وان لم يتحقق
 الحصاد اذ بلغت حداً ينتفع بهما وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى عند استحقاق
 الحصاد وقال محمد رحمه الله تعالى اذا حصدت وصارت في الجرين فاعده
 فيما اكل منه بعد ما صار جهيشاً او اطعم غيره منه بالمعروف فانه يضمن عشر
 ما اكل اطعم عند أبي حنيفة وزفر رحمهما الله تعالى، وقال ابو يوسف ومحمد
 رحمهما الله تعالى لا يضمن (الى قوله) وان اكل منها بعد ما بلغت الحصاد قبل
 ان تحصد ضمن عند أبي حنيفة وأبي يوسف وحمهما الله تعالى ولم يضمن
 عند محمد رحمه الله تعالى وان اكل بعد ما صارت في الجرين ضمن اجمالاً
 وما تلف بغير صنعه بعد حصاده أو سرق وجب العشر في الباقي لا غيراه والكلا
 في العشر ومثله فيما يظهر خراج المقاسمة لانه جزء من الخارج اما خراج الوظيفة
 فهو في الذمة لاني الخارج فلا يختلف حكمه بالاكل وعدمه تأمل (في المختار ص ۱۵۵)
 ⑥ عشر میں پیداوار کی بجائے اُس کی قیمت دینا جائز ہے؛

عشر اور خراج موظف میں مالک کو اختیار ہے کہ پیداوار کی جنس سے ادا کرے یا
 اس کی قیمت دے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیئہ علی فتول
 الشارح وللإمام جسر لخارج للخراج، قلت وفي البدائع ان الواجب في الخراج
 جزء من الخارج لانه عشر لخارج لو نصف عشرة وذلك جزؤه الا انه واجب

من حیث انه مال لا من حیث انه جزء عندنا حتی يجوز اداء قيمته اھو والمتبادر
منه ان المراد خراج المقاسمة فاذا كان له اداء القيمة لا يكون للامام الاخذ
من عين الخارج جباً (رد المحتار ص ۱۳۵۸)

② ارض مسکین پر عشر کی تفصیل :

سلطان نہونے کی صورت میں مسکین عشر خود رکھ سکتا ہے سلطان ہو تو اس کو اختیار ہے واللہ
سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۱۶ شعبان ۱۳۴۲ھ

عشر و خراج از جانب سلطان :

سوال :- چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ واقعہ شدہ است بین ائمہ بلوچستان
چرا کہ بادشاہ حکم مقرر نموده کہ از محصول پیدا شدہ از صد من یک من در نیم تحویل پاکار بدہند آیا از
مقدار عشر از ذمہ زمینداران ساقط خواہد شد یا نہ ؟ بعضی قائل بجواز اند بدل تصرف بادشاہ
کہ بخشد یا ترک کند عشر را، آیا این تصرف خلاف آیات و حدیث و اجماع است یا نہ ؟ از کتب
لایجوز مثل بحر الرائق وغیرہ و از کتب یجوز کدام ترجیح دارد ؟ از یجوز کدام مذہب داز لایجوز
کدام ؟ بینوا بیانات واضحاً و توجہوا اجرا و افرأ،

الجواب باسم ملہم الصواب

در جواز معات کردن عشر و خراج اختلاف در ائمہ و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مشہور است
و در کتب متداولہ مسطور، و بعد تحقیق قول و اقتناء بتفصیل ذیل لازم است،

① اگر سلطان بسبب غفلت یا بوجہ جهالت از حکم شریعت یا بوجہ عدم مبالغت بشریت
از جمیع رعیت عشر یا خراج طلب نمی کند پس دریں صورت عشر و خراج ساقط نمی شود، بلکہ
تصرف با و واجب است، لہذا فی الہندیۃ فی الباب السابع من کتاب السیر السلطان
اذا لم یطلب الخراج ممن علیہ کان علی صاحب الامراض ان یتصدق بہ و
ان کان تصدق بعد الطلب لایخرج عن العمدۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان
رعالمگیرۃ ج ۲، و ایضاً فیہا معزیاً للذخیرۃ و ذکر شیخ الاسلام ان السلطان
اذا ترک العشر علی من الارض فهو علی وجهین الاول ان یتروک اغفالاً لمنہ بانسی
ففی ہذا الوجه کان علی من علیہ العشر ان یصر قدا العشر الی الفقیر (رعالمگیرۃ ج ۲)،

(۲) اگر برائے غنی معین عشر معات کرد پس ایس بر غنی مذکور جائزہ سلطانی ست، و بر سلطان لازم است کہ بمقدار ایس جائزہ از بیت المال کہ برائے خراج ست داخل کند در بیت المال کہ برائے صدقہ است، بشرطیکہ صاحب ارض مصرف خراج باشد، ورنہ سلطان از مال خود برائے بیت المال صدقہ ضامن خواهد شد، پس اگر سلطان مقدار مذکور در بیت المال صدقہ داخل نمود از ذمہ صاحب ارض عشر ساقط شد، ورنہ تصدق بقدر عشر واجب ست، همچنین خراج از جانب غنی اگر سلطان تبرعاً در بیت المال خراج داخل کرد از ذمہ غنی ساقط خواهد شد ورنہ تصدق واجب ست، لما فی الہندیۃ معزیا للذ خیرۃ ان کان من علیہ العشر غنیاً کان لہ ذلک جائزۃ من السلطان ویضمن السلطان مثل ذلک من مال بیت مال الخراج لبیت مال الصدقۃ (عالمگیریہ ج ۲)

وفی الشامیۃ تحت (قوله معزياً للبزازیۃ) وان کان غنیاً ضمن السلطان العشر للفقراء من بیت مال الخراج لبیت مال الصدقۃ اہ قلت وینبغی حملہ علی ما اذا کان الغنی من مستحق الخراج والافینبغی ان یضمن السلطان ذلک من ماله تأمل (رد المحتار کتاب الجہاد ج ۳)

وقال فی شرح التنویر و ترک السلطان او ناعبہ الخراج لرب الارض او وھبہ لہ ولو شفاعۃ جاز عند الثانی وحل لہ لو مصر فاو لا تصدق بہ وبہ یفتی وما فی الحاوی من ترجیح حلہ لغير المصر خلاف المشہور (رد المحتار ج ۳)

(۳) معات کردن سلطان مصرف عشر یا مصرف خراج راجح است لما فی الہندیۃ معزیا للذ خیرۃ وان کان من علیہ العشر فقیراً محتاجاً الی العشر ف ترک ذلک علیہ جائز و کان صدقۃ علیہ فیجوز کما لو اخذ منہ ثم صرف الیہ (عالمگیریہ ج ۲)

وفی الشامیۃ (قوله معزياً للبزازیۃ) وذلک حیث قال وفی البزازیۃ السلطان اذا ترک العشر لمن ہو علیہ جاز غنیاً کان او فقیراً لکن ان کان المتروک لہ فقیراً فلا ضمان علی السلطان (الی قوله) وقد منافی باب العشر عن الذ خیرۃ مثل ما فی البزازیۃ (رد المحتار ج ۳)

وفی التحریر المختار لرد المحتار للرافعی فی مسائل شتی من المجلد الخامس للشامیۃ (قوله ولو ترک العشر لا یجوز الخ) ای وکان رب الارض غنیاً فلو فقیراً

يجوز اھ طعن المفتاح وعليہ لم یکن فرق بین الخراج والعشر فانہ یجوز ترک کل للمصرف لا لغيرہ (التحریر المختار ج ۲) در نظر این فقیر فرق میان عشر و خراج این است کہ ترک کردن خراج برائے غنی جائز است بمعنی اینکه سلطان ضامن نخواہد شد اما مقدار این خراج برائے غنی حلال نیست؛ بلکہ واجب التصدق است، و ترک کردن عشر از غنی جائز نیست، بمعنی اینکه سلطان ضامن خواہد شد، غرضیکہ در بارۃ حلت و حرمت فرق نیست و اما در بارۃ تضمین سلطان فرق است، و این فرق در میان وجوہ توفیق کہ مندرجہ ذیل نہ واضح و ثابت خواہد شد،

وجوہ توفیق

اما توفیق در میان جزئیۃ سراج کہ شارح التزییر آورده است اعنی "ولو ترک العشر لا یجوز اجماعاً و یخرجه بنفسه للفقراء، سلج"، و میان جزئیۃ بزازیۃ السلطان اذا ترک العشر لمن هو علیہ جاز غنیاً کان او فقیراً" بدو وجہ ممکن است:-
 ① جزئیۃ سراج محمول کردہ شود بر شخصہ کہ اصلاً مصرف نباشد و جزئیۃ بزازیۃ و ذخیرہ برکے کہ مصرف عشر یا خراج باشد و معنی جواز عدم وقوع ضمان است بر سلطان از مال خود و مراد از عدم جواز ضد آنست، قال الرافعی فی التحریر المختار لرد المحتار فی کتاب الجہاد من المجلد الثالث، للشامیۃ قد یقال یحمل ما فی السراج علی ما اذا لم یکن رب الارض مصرفاً اصلاً و ما فی البزازیۃ علی ما اذا کان مصرفاً و لوللخراج (التحریر المختار ج ۲) و دلیل بر حمل کردن جزئیۃ سراج بر شخصیکہ اصلاً مصرف نباشد این است کہ شارح التزییر در بیان خراج لفظ "جاز عند الثانی" آورده است و اختلاف میان صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ در معان کردن خراج از غیر مصرف است، اما از مصرف بالاتفاق جائز است، کما فی الشامیۃ و لم یظهر لی وجہ قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ان کان مرادہ انہ لا یجوز ولو کان مصرفاً للخراج (شامیۃ ج ۳) و فی التحریر المختار لرد المحتار فی کتاب الجہاد (قوله و لم یظهر لی وجہ قول محمد الخ) ما فی الحاوی یفید ان الخلاف فی غیر المصروف و عبارتہ علی ما فی الحموی و اذا ترک الامام خراج ارض رجل او کرمہ او بستانہ و لم یکن اھلاً لمصرف الخراج الیہ عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یحل و علیہ

الفتویٰ وعند محمد رحمہ اللہ لایحل الخ (التحریر المختار ج ۲) پس لفظ "جبانہ" عند الثانی "دلیل بین" ست برائے کہ در بحث خراج حکم غیر مصرف مذکور ست نہ حکم مصرف و بوجہ تقابل مستلزم ست مریں را کہ حکم عشر ہم برائے غیر مصرف ست،
 و اما دلیل بر اینکہ مراد از جواز عدم وقوع ضمان ست بر سلطان، آنچه علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ در بارہ خراج تحریر نموده است (قولہ وحل لومصر قاً) اعادہ لان قولہ جازای جاز ما فعلہ السلطان بمعنی انه لا یضمن ولا یلزم من ذلك حله لرب الارض (شامیہ ج ۳) پس در حکم شرع لفظ "لایجوز" کہ در مقابلہ لفظ "جاز" واقع شدہ بر ضد آن محمول کردہ شود،

الغرض حاصل عبارت سراج این ست کہ اگر سلطان عشر معاف کرد شخصے را کہ اصلاً مصرف نیست نہ مصرف عشر نہ مصرف خراج، پس سلطان از مال خود برائے بیت المال صدقہ ضامن خواہد شد، اگر سلطان ادا نہ کرد پس بر صاحب ارض لازم ست کہ تصدق بر مسکین کند، و محصول عبارت بزازیہ و ذخیرہ این ست کہ اگر سلطان عشر ساقط کرد از مصرف خواہ مصرف عشر باشد یا مصرف خراج، پس بر دایم خود ضمان نیست بلکہ بصورت مصرف عشر بیج حکم بر سلطان لازم نخواہد شد و بصورتیکہ مصرف عشر نباشد بلکہ مصرف خراج باشد بر سلطان لازم ست کہ بقدر عشر از بیت المال خراج در بیت المال صدقہ داخل کند، فلا تنافی بین عبارتین،

② دوم وجہ توفیق کہ در فہم این فقیر می آید این کہ مراد از لفظ "لایجوز" کہ در جزئیہ سراج ست وقوع ضمان ست بر سلطان از مال خود یا از بیت المال خراج، و مقصد مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کردن ست حکم کے کہ مصرف عشر نباشد، و اثبات این ہر دو دعویٰ از دلائل کہ در میان وجہ توفیق اول گزشتہ اند ممکن ست کما لا یخفی، و در بزازیہ لفظ "جاز" بمعنی "حل" ست نہ بمعنی عدم وقوع ضمان چرا کہ خود در بزازیہ بعد از لفظ "جاز" غنیاً و فقیراً "مذکور ست کہ بصورت معاف کردن عشر از غنی سلطان ضامن خواہد شد پس مراد از عبارت سراج این ست کہ اگر سلطان کے را کہ مصرف عشر نباشد عشر معاف کرد ضامن خواہد شد از بیت المال خراج اگر مصرف خراج ست ورنہ از مال خود، پس بعد از ادا بر سلطان مقدار عشر برائے صاحب ارض حلال خواہد شد بیج وجہ حرمت نیست، البتہ

اگر سلطان ادا نہ کر دے پس بر صاحب ارض ادا کر دینا واجب ست، و مقصد از عبارت بزاز یہ
ہمیں ست کہ مقدار عشر معاف کردہ برائے صاحب ارض حلال ست غنی باشد یا فقیر، البتہ
بصورت غنار بر سلطان ضمان لازم ست، فوضع التوفیق واندفع المتعارض، فاغتنم
هذا التحریر و تشکر، بعد از تفصیل مذکور بسوئے اصل سوال رجوع می کنیم، در صورت
سوال مذکور ست کہ سلطان از جمیع رعیت یک من و نیم از صد من غلہ وصول می کند، و قانون
حکومت ہمیں معتبر شدہ است، پس ایں حکم و قانون برائے ہر غنی و فقیر صراحتہ مخالف
شریعت بیضا، و در مقابلہ نصوص قطعیہ است، لہذا ایں قانون مردود ست و مقنن اور
در ضلالت، بیتہ و منحرف از شریعت سمحہ حنیفیہ است، پس بسبب ایں قانون عشر بر گز ساقط
نہ خواہد شد بلکہ مقدار یکہ سلطان گیرد از مقدار عشر وضع کردہ باقی را بر مساکن تصدق کردن
واجب ست، فقط واللہ تعالی اعلم، ۱۶ ربيع الاول ۱۳۵۴

پاکستان اور ہندوستان کی اراضی عشری ہیں یا خراجی؟

سوال :- سندھ و پنجاب کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ امداد الفتاویٰ میں حضرت
تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجوز مینیس اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے
پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً و شراءً و ہلم جبراً، وہ زمینیں عشری ہیں، اور جو درمیان میں
کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں
کے پاس ہیں، پھر سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں، بدلیل الاستصحاب پس وہ
بھی عشری ہوں گی، (امداد الفتاویٰ مہتاب ج ۲ ص ۵۲، بحوالہ تتمہ اولیٰ ص ۵۰) حالانکہ مولانا
عبد الغفور سندھی ہمایونی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”سلج المہند فی تحقیق خراج المہند“
میں ثابت کیا ہے کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سندھ کی اراضی پر خراج مقاسمہ (۱/۵) مقرر
کیا تھا، ہمایونی کی عبارت پیش خدمت ہے :-

”ارض السند خراجیۃ خراج مقاسمۃ و خراجھا الخمس کما حققہ
المحققون، فقد قال المخدوم عید الواحد السیوستانی فی البیاض الواحدی
ارض السند خراجیۃ او عشریۃ؟ الظاہر ان ارض السند خراجیۃ فتحت
عنوة اما فتح السند بالسيف و عدم کونه عشریاً فذکر فی رفع الفریۃ للشیخ
ابی الحسن الدہوی قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنۃ ثلاث

وتسعين وكان عنوة الامردم چنه استمعوا طوعاً علواً ما صرحوا به في التاريخ اهـ،
وعبارة المعصومية هكذا امردم چنه خبر غلبه لشكر اسلام شنيدند وثيقها بايشكشهاى لا^{عقبة}
بخيرت محمد بن قاسم بنوشتند و بطاعت و مال گذارى قبول نموده مراجعت نمودند از ان سبب
فقها بر اسلام آل روى آب را که در تصرف مردم چنه بود عشرى مى گویند اهـ هـذا مشعر بان
الارض التي ليست في تصرف مردم چنه خراجية وقد صرح الشيخ ابو الحسن
المذكوران خراج اهل السند هو الخمس اى ضعف العشر وقال ايضا في الرسالة
المذكورة وما سمعت من احد وما وجدت في كتاب ابن محمد بن القاسم وضع
العشر على ارض السند فلو وضع لنفذ انتهى ما في البياض الواحدى وقال لمخدوم
محمد عارت في بياضه الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وخراجها
الخمس كما حققه الشيخ المحقق الدهرى في رسالته المسماة برفع القرية
ونقل فيها عن جامع الفتاوى الناصرى ان ارضنا عشرية لكن ضعف هذا النقل
اهـ وقال العلامة المخدوم محمد هاشم التتوى في اتحات الاكابر قال الاثير
في الانساب السند بلاد من الهند اهـ وفيه ايضا في فتح القدير ان بلاد السند
فتحتها محمد بن قاسم الثقفى سنة ثلاث وتسعين اهـ وذكر الحافظ السيوطى
في تاريخ الخلفاء ان في سنة ثلاث وتسعين ايام خلافة الوليد بن عبد الملك
فتحت الدربيل ولا شك ان الدربيل هو اكبر قصبات السند ومدار ديارها اهـ
ما في الاتحات (سراج الهند في تحقيق خراج السند)

حضرت والا ان عبارات کو ملاحظہ فرما کر اپنی تحقیق تحریر فرما کر منون فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

جس طرح محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اراضی سندھ پر خراج مقرر کرنا ثابت ہے اسی
طرح یہ امر بھی محقق ہے کہ بعض علاقوں کے لوگ اسلام لے آئے تھے اس لئے ان پر عشر
مقرر کیا گیا تھا، چنانچہ مستند کتب تاریخ کے علاوہ خود مولانا ہمایونی کے اسی رسالہ میں بھی

راجعت الفتح فوجدت فيه راما الهند فافتحتها القاسم بن محمد الثقفى سنة

ثلاث وتسعين (فتح القدير ص ۳۵۹ ج ۲) ۱۲ رشید احمد

اس کی تصریح موجود ہے، نیز تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض مجاہدین کو کچھ جاگیریں بطور ملک دی گئی تھیں (فتوح البلدان للبلاذری ص ۲۲۵) اور ولید بن عبد الملک کے آخری دور میں راجہ دآہر کا بیٹا جسیہ بغاوت کر کے برہمن آباد کا مستقل بادشاہ بن گیا تھا، اسی طرح سندھ کی دوسری بہت سی ریاستوں کے راجہ بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ نے ان راجاؤں کو بذریعہ خطوط اولاً اسلام کی پھر اطاعت کی دعوت دی، جس پر یہ مسلمان ہو گئے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاست کا حاکم مقرر کر دیا، اور ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی، (کامل ابن اثیر، ص ۲۲۴ ج ۴)، علاوہ ازیں اسلامی قلمرو کی طویل مدت میں یقیناً بہت سی نئی اراضی بھی آباد کی گئیں، مذکورہ بالا اقسام کی سب اراضی عشری ہیں، مزید برآں جن اراضی پر ابتداءً محمد بن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے خراج رکھا تھا ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ بعض اراضی کچھ مدت کے بعد غیر آباد یا لاوارث ہو کر بیت المال کی ملک ہو گئی ہوں، اور بیت المال کی طرف سے کسی مسلمان کو مل گئی ہوں، غرضیکہ تقریباً تیرہ سو سال کے انقلابات کے بعد کسی زمین کی صحیح حقیقت کا حال معلوم کرنا ممکن نہیں، لہذا حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق ہی حق ہے، مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل ملوکہ چلی آتی ہیں، اس کے علاوہ کچھ اور اقسام کی اراضی بھی ہیں :-

① تقسیم ہند سے قبل حکومت برطانیہ کی طرف سے یا تقسیم کے بعد حکومت ہند یا اور کسی کافر حکومت کی طرف سے جو غیر آباد اراضی مسلمانوں کو قیمت یا بلا قیمت دی گئیں، یہ ملک کافر سے آنے کی وجہ سے خراجی ہیں، ایسی غیر آباد اراضی کو عموماً مباح الاصل یا غیر ملوک کہا جاتا ہے، اس سے یہ مقصد ہے کہ یہ شخصی ملک نہیں، عبارات ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اراضی حکومت کی ملک ہیں، قال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ مما یفترق بین الارض الموات و بین ماء الانہار و الصيد انارأینا الصيد و ماء الانہار لا یجوز للامام تسلیک ذلك احداً و رأینا ہلوملک رجلاً ارضاً مینتہ ثم ملکھا الرجل اخر جاز، و کذا لو احتاج الامام الی بیعھا فی نائبة للمسلمین جاز بیعہ لھا ولا یجوز ذلك فی ماء نہر ولا فی صید بڑ ولا بحر، فلما کان ذلك الی الامام فی الارضین دل ذلك ان حکمھا الیہ وانھا فی ید کسائر الاموال التي فی ید المسلمین (طحاوی ص ۱۲۹)

وقال العلامة الطوري رحمه الله تعالى لان هذه الاراضى كانت فى ايدى الكفار فصارت فى ايدى المسلمين فكانت فىئاً متكاملة فتح القدير ص ۲۱۰، وفى الهداية لانها كانت فى ايدى الكفرة وحوتها ايدىنا غلبة فكانت غنمة (هداية ص ۱۹۹ ج ۱) وفى اعلاء السنن والجواب عنه انه قياس فاسد لارت الارض الميئة ملك لبيت المال فىحتاج الى اذن الامام بخلاف الطير وغيره فانه لا ملك فيه لاحد (اعلاء السنن ص ۱۸ ج ۲)

بعض حضرات کو شامیہ باب الرکاز کی عبارت "فان أرضها اى دار الحرب ليست ارض خراج وعشر" سے مغالطہ لگا ہے کہ یہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی اراضی کا حکم ہے کہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج، حالانکہ مقصد یہ ہے کہ اہل حرب کی اراضی پر عشر یا خراج نہیں کیونکہ وہ احکام شرع کے مکلف نہیں، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی کی عبارت اس مراد کی وضاحت کر رہی ہے، ونصہ ان العشر والخراج انما يجب فى اراضى المسلمين وهذه اراضى اهل العرب ليست بعشرية ولاخراجية (شرح السیر الکبیر، ص ۳۰۳ ج ۲)

② تقسیم ہند کے بعد حکومت پاکستان سے مسلمانوں نے جو غیر آباد اراضی قیمت یا بلا قیمت لے کر آباد کیں، یہ عشری یا خراجی ہونے میں قریب تر اراضی کے تابع ہوں گی، اگر قرب میں دونوں قسم کی اراضی برابر ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی، قال فى التنبير ولو احياء مسلم اعتبر قربه، وفى الشامية اى قرب ما احياء ان كان الى ارض لخراج اقرب كانت خراجية وان كان الى العشر اقرب فعشرية، نهر، وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم ط وهذا عند ابو يوسف رحمه الله تعالى واعتبر محمد رحمه الله تعالى الماء فان احياءا بماء الخراج فخراجية والافشرية بحر، وبالاول يفتى، درمنتقى (رد المحتار، ص ۲۶۰ ج ۳)

③ پاکستان میں غیر مسلموں کی مملو کہ اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں یہ عشری ہیں، تقسیم ہند کے وقت اگرچہ تبادلہ املاک کا معاہدہ حکومت پاکستان و ہندوستان کے مابین ہوا تھا، مگر حکومت ہند نے جلد ہی اس عہد کو توڑ دیا تھا، اس لئے غیر مسلموں کی املاک پر حکومت پاکستان کا قبضہ منتظرانہ نہیں تھا، بلکہ یہ املاک اموال فی ہیں،

④ غیر مسلمین کی متروکہ زمین یا غیر آباد اراضی جو حکومت پاکستان نے کسی مسلمان کو

عاریت یا اجارہ یا مزارعت کے طور پر دی ہوں، بطور تسلیم نہ ہوں، یہ نہ عشری ہیں نہ خراجی، کیونکہ یہ اراضی سلطانہ ہیں، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی عنوان رقتہ، فی التتارخانیۃ السلطان اذا دفع اراضی لأمالک لها وہی التي تسمى اراضی لمملکة الی قوم لیعطوا الخراج جاز وطریق الجواز أحد شیئین اما اقامتہم مقام المملک فی الزراعة واعطاء الخراج أو الاجارة بقدر الخراج ویكون المأخوذ منهم خراجاً فی حق الإمام اجرة فی حقہم أم ومن هذا القبیل الاراضی المصریة والشامیة کما قد مناه ویؤخذ من هذا انه لا عشر علی المزارعین فی بلادنا اذا كانت اراضیہم غیر مملوكة لہم لان ما یأخذ منهم نائب السلطان وهو المسمى بالزعیم أو التیماری ان كان عشرًا فلا شیء علیہم غیر وان كان خراجًا فکذلک لانه لا یجتمع مع العشر وان كان اجرة فکذلک علی قول الامام من انه لا عشر علی المستأجروا ما علی قولہما فالظاهر انه کذلک لما علمت من ان المأخوذ لیس اجرة من کل وجه لانه خراج فی حق الامام تأمل (رد المحتار ص ۶۱ ج ۲) ۵) حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کی متروکہ اراضی جو مسلمانوں کو ملیں یہ استیلا کا

کی وجہ سے خراجی ہیں،

محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اراضی سندھ پر اگرچہ خراج مقاسمہ (۱/۵) مقرر کیا تھا، مگر زمینداروں کی رضا سے خراج مقاسمہ کو موظف سے تبدیل کرنا جائز ہے، کما یدل علیہ تعلیل حرمة التبدیل بان فیہ نقض العهد وهو حرام (رد المحتار، ص ۶۲ ج ۳) - آجکل زمین کا لگان پیداوار کے خمس سے بہت کم ہے، جس میں زمینداروں کی رضا متیقن ہے، لہذا حکومت پاکستان کا خراج موظف وصول کرنا صحیح ہے، البتہ عشری زمینوں کا لگان حکومت کو ادا کرنے سے عشر ساقط نہ ہوگا، اور ہندوستان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اراضی خراجی کا خراج بھی اپنے طور پر مصارف خراج پر صرف کریں، حکومت کو محصول مقرر ادا کرنے سے خراج ادا نہ ہوگا لان الکفرین لیس لہم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین (سراج الہند فی تحقیق خراج السند للعلامة الہمائیونی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶ شعبان ۱۴۰۸ھ

باب صدقۃ الفطر

کافر، شیعہ، مرزائی کو صدقۃ الفطر دینا جائز نہیں؛

سوال؛ کافر، آغاخانی، شیعہ یا مرزائی کو صدقۃ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کافر حربی کو صدقۃ فطر دینا بالاتفاق ناجائز ہے، ذمی کے بارے میں اختلاف ہے، شاید باب المصروف و باب صدقۃ الفطر میں بظاہر جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے مگر کفارۃ طہار کے باب میں کافی سے بدوں ذکر خلاف عدم جواز نقل کیا ہے جو فیصلہ کے لئے کافی ہے و نصہ تحت رقولہ و مصرفا قال الرملى و فی الحاوی و ان اطعم فقراء اهل الذمة جاز و قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا يجوز و بہ نأخذ قلت بل صرح فی کافی المحاکم بانہ لا يجوز و لم یذکر فیہ خلافا و بہ علم انہ ظاہر الروایۃ عن اکل (رد المحتار ص ۶۳۳ ج ۲)

آغاخانی، شیعہ اور قادیانی کا کفر اور ان کا حکم دوسرے کفار سے زیادہ سخت ہے یہ زندیق ہیں، ان کو صدقۃ الفطر دینا بالاتفاق جائز نہیں، ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون بلکہ بیع و شرار، اجارہ و استجارہ وغیرہ کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۶ محرم ۱۳۸۸ھ

ذمی کو صدقۃ الفطر دینا جائز نہیں، تفصیل تہمہ میں ہے۔

صدقۃ الفطر کا نصاب:

سوال؛ صدقۃ الفطر کتنی مالیت پر واجب ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سونہ ۴۷۹ ر ۸۷۹ گرام یا چاندی ۶۱۲ ر ۳۵ گرام یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر نقدی یا مال تجارت یا گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے فراید سامان یا ان پانچوں یا ان میں سے بعض کا مجموعہ ہو تو صدقۃ الفطر واجب ہے، تین جوڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی، فی الغنیۃ الشامیۃ و صاحب الثیاب الاربعۃ لو ساوی الرابع نصابا غنی و ثلاثۃ فلا، لان احدها للبذلۃ والاخر للمہنتۃ والثالث للجمع

والوفد والاعیاد (رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان ۱۲۸۸ھ

صدقۃ الفطر میں گہیوں کی قیمت معتبر ہے:

سوال؛ صدقۃ فطر راشن کے آٹے کے بھاؤ سے ادا کریں یا بازار میں گندم کا نرخ معلوم کر کے ادا کریں، جبکہ راشن کا آٹا کھلتے ہوں، اور جو لوگ بازار سے اچھا آٹا یا عمدہ گندم خرید کر کھاتے ہیں وہ راشن کے حساب سے صدقۃ فطر ادا کریں یا بازار کے بھاؤ سے ادا کریں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گہیوں کی قیمت ادا کریں، آٹے کی قیمت گہیوں سے کم ہو تو آٹا یا اس کی قیمت دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا، کذا فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رمضان ۱۲۸۵ھ

رمضان قبل صدقۃ الفطر دینا جائز ہے:

سوال؛ تعجل صدقۃ الفطر قبل شہر رمضان جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں رمضان میں دینا درست قرار دیا ہے لیکن رمضان سے قبل کا ذکر نہیں وضاحت فرمائیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے، جواز رائج ہے، قال فی التذویر وصح اداؤها اذا قدمہ علی یوم الفطر او اخرہ بشرط دخول رمضان فی الاول هو الصحیح، وفي العلائیۃ وبہ یفتی جوہرۃ وبحر عن الظہیریۃ، لکن عامۃ المتون والشرح علی صحۃ التقدیم مطلقاً وصحہ غیر واحد ورجحہ فی النہر ونقل عن الؤلوالجیۃ انه ظاہر الروایۃ قلت فکان ہذا المذہب، (رد المحتار ص ۸۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ رمضان ۱۲۹۶ھ

سید کو صدقۃ الفطر دینا جائز نہیں:

سوال؛ سید کو صدقۃ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، خمس رکاز کے سوا تمام صدقات واجبہ مثل نذر، کفارہ وغیرہ بنو ہاشم پر حرام ہیں،

۱۴ رمضان ۱۲۸۷ھ

کذا فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

واقموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان

بسط الباع لتحقيق الصاع

درہم، مثقال، صاع وغیرہ اوزان شرعیہ کی تنقیم
فقہاء متقدمین کی گرانقدر تحقیقات اور جدید
ترین برقی مشینوں کی تحقیقات کی روشنی میں



باب صدقۃ الفطر
وزن صاع کی تحقیق :

سوال : شرعی درہم، مثقال اور صاع کا وزن کیا ہے؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے رسالہ اوزان شرعیہ میں جو تحقیق فرمائی ہے اس سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز مسافت قصر سے متعلق آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اتنی بات مسلم ہے کہ درہم ۱۴ قیراط، مثقال ۲۰ قیراط اور صاع ۱۰۴۰ درہم کا ہے، معہذا وجوہ ذیل کی بنا پر ان اوزان کی بالکل صحیح حقیقت تک رسائی بہت مشکل ہے۔

① ان سب اوزان کی بنا قیراط کے وزن کی تعیین پر ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے ایک قیراط کا وزن ۵ جو متوسط غیر مقشر تحریر فرمایا ہے، جن کی دونوں جانب سے باریک لمبا تنکا کاٹ دیا گیا ہو۔ پھر جو کا وزن چاول کے دانوں سے اور چاول کا وزن رائی کے دانوں سے کیا ہے، مگر ان اجناس کے دانے آپس میں مختلف ہوتے ہیں، خصوصاً مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں ان کے دانوں میں اور بھی زیادہ اختلاف کا احتمال ہے اسی لئے ان کے وزن میں بھی حسب ذیل اختلاف ہوا

ایک قیراط = ۵ جو ، ۱۲ چاول ، ۱۴ رائی ، ۲ رائی

ایک جو = ۳ چاول ، ۴ چاول ، ۶ رائی

ایک چاول = ۲ رائی ، ۲ تازہ جنگلی رائی ، ۴ رائی

② ابتدائی اوزان میں غیر محسوس فرق ہو سکتا ہے جو بڑے اوزان میں جا کر بہت زیادہ فرق کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً ۵ جو = ایک قیراط، اور ۲۰ قیراط = ایک مثقال، تو اس سے ایک مثقال = ۵ × ۲۰ = ۱۰۰ جو کے حساب کی صحت متیقن نہیں۔

③ بعض مرتبہ چھوٹے اوزان میں معمولی فرق کو عمداً نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو بڑے اوزان میں جا کر بڑے فرق کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والایستار بکسر الهمزة بالدرہم ستہ ونصف وبالمثاقیل اربعۃ ونصف کذا فی درر البحتل یہاں ۴ مثقال تقریباً لکھا گیا ہے۔ تحقیقی وزن ۴ ۱/۲ مثقال ہے، اس لئے کہ حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ درہم کی نسبت مثقال کے ساتھ ۱/۲ ہے۔ جملہ کتب میں وزن سبعة کی تصریح کے علاوہ درہم = ۱۴ قیراط اور مثقال = ۲۰ قیراط کی تصریح بھی ۱/۲ کی نسبت سے مترادف ہے باقی رہا یہ احتمال کہ شاید مثقال کی بجائے ۶ ۱/۲ درہم کا وزن تقریباً لیا ہو۔ سو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ

حسب تصریح شامیہ صاع = ۱۰۴۰ درہم اور ۱۶۰ استار ہے۔ پس استار = $\frac{1}{4}$ درہم کا حساب۔
ٹھیک اسکے مطابق بیٹھتا ہے۔ علاوہ ازیں رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ عبارت
مذکورہ میں $\frac{1}{4}$ مثقال تقریباً لکھا گیا ہے ونصہ وقولہ وبالمثاقیل اربعۃ ونصف ای تقریباً
والافستۃ دراهم ونصف تبلغ من القرا ریط واحد وتسعین قیراطاً والاربع ونصف
من المثاقیل تبلغ تسعین قیراطاً والتحقیق ان یقال وبالمثاقیل اربعۃ ونصف و
قیراط تأمل (التحریر المختار ص ۱۲۳ ج ۱) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ رسالہ اوزان شرعیہ
میں جو وزن صاع بذریعہ مثقال کو وزن صاع بذریعہ درہم سے تین تولہ کم لکھا ہے وہ $\frac{1}{4}$ درہم
درہم = $\frac{1}{4}$ مثقال تقریباً کو تحقیقاً سمجھنے کے مغالطہ پر مبنی ہے ورنہ تحقیقی حساب کی بنا پر
وزن صاع بذریعہ مثقال وزن بذریعہ درہم کے بالکل برابر ہے۔

(۴) وزن صاع کی تعیین میں ایک مزید اشکال یہ ہے کہ اس کے برابر وزن کے گہیوں
اگر ایسے برتن میں ڈالے جائیں جو اس سے بھر جائے تو یہ برتن ہر قسم کے گہیوں کے لئے معیار
نہیں بن سکتا، ممکن ہے کہ دوسرے گہیوں اس سے ہلکے ہوں اس لئے اس برتن میں بھرے ہوئے
گہیوں کا وزن صاع کے متعین وزن سے کم رہے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان اوزان سے متعلق کوئی یقینی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ ظن غالب سے
ترجیح یا عبادات میں احتیاط کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ فتاویٰ حمادیہ میں قیراط = $\frac{1}{4}$ درہم
رتی تحریر کیا ہے مگر دلائل ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قیراط ۲ رتی کے برابر یا اس سے بہت بھاری
ساکم ہے۔ اس لئے درہم تقریباً $\frac{1}{4}$ ماشہ اور مثقال تقریباً ۵ ماشہ ہے۔

(۱) شامیہ، بحر، شرح وقایہ، مجمع الانہر اور جامع الرموز وغیرہ میں قیراط کا وزن ۵ جو
متوسط غیر مقشر کے برابر لکھا ہے جن کی دونوں طرف سے باریک لمبات نکا کاٹ دیا گیا ہو اور متانہ
میں ایک جو = ۳ چاول لکھا ہے۔ پس ۵ جو = ۵ چاول = $\frac{1}{8}$ رتی ہوئے۔

(۲) ہندی اوزان میں ۲ جو = ایک رتی کا حساب معروف رہا ہے۔ قال السجائندی
فالدينار عندہم (اہل الحجاز) مائة شعيرة وعند اهل سمرقند ستة وتسعون شعيرة (الى قولہ)
والحبة شعیرتان والشعيرة ستة خرادل (فتح القدیر ص ۵۲ ج ۱) وفي الحمادية وكل ما هجة
ستة عشر شعيرة (حمادیہ ص ۱۲ ج ۱)

حکیم محمد شریف خاں دہلوی اپنی کتاب علاج الامراض میں تحریر فرماتے ہیں از چہ از خرد

ایک برنج اعتبار کنند و از چہار برنج یک جو و از دو جو یک رتی (اُوزان شرعیہ ص ۱۳) یہاں ۴ چاول = ایک جو کی وضاحت سے ثابت ہوا کہ انھوں نے متوسط جو کو بجائے بڑے جو لئے ہیں۔ پس بڑے ۲ جو = ایک رتی ہیں تو متوسط ۵ جو = ۲ رتی یا اس سے کچھ ہی کم و بیش ہو سکتے ہیں۔

(۳) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے رسالہ اُوزان شرعیہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ انھوں نے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی وضاحت کے مطابق درہم کے لئے ۷۰ جو معتدل غیر متشردم بریدہ اور مشقال کے لئے اسی قسم کے ۱۰۰ جو کا وزن خود بھی چند بار کیا اور متعدد طرقوں سے وزن کرایا، رائج الوقت ماشہ کے ذریعہ اول کا وزن ۳ ماشہ ۵ رتی اور دوسرے کا ۵ ماشہ ۲ رتی ہوا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :

”لیکن رائج الوقت ماشہ تولہ، اصل تولہ ماشہ سے کسی قدر کم ہے کیونکہ اس وقت بازار میں سکۃ انگریزی ایک روپے کو ایک تولہ قرار دیا گیا ہے جو حقیقۃً ۱۱ ۱/۲ ماشہ کا ہے اور اصل تولہ سے ۴ رتی کم ہے، اسی حساب سے ماشہ ۱/۲ رتی کم ہوا۔ ۳ ماشہ پر ایک رتی اور ۵ ماشہ پر ۳/۴ رتی کم ہو گئے، تو گویا اس وزن کے حساب سے ستر جو (درہم) ۳ ماشہ ۴ رتی، یعنی کل ۲۸ رتی تقریباً ہوئے اور سو جو (مشقال) تقریباً ۴۰ رتی یا ۵ ماشہ کے ہوئے۔“

(اس وزن میں دو نقص ہیں۔

۳ ماشہ ۵ رتی، ۵ ماشہ ۲ رتی کا ۱/۲ نہیں، حالانکہ درہم و مشقال میں یہ نسبت ضروری ہے، (۲) وزن میں ۴ رتی فی تولہ کی کمی کا حساب تقریباً لگایا گیا ہے۔ صحیح حساب یوں ہے۔

$$\frac{29 \times 92}{96} = 28.166 \text{ رتی} = \text{درہم، } \frac{42 \times 92}{96} = 40.25 \text{ رتی} = \text{مشقال}$$
یہ دوسرا نقص تو صحیح حساب کے ذریعہ مرتفع ہو گیا مگر پہلے نقص کے ازالہ کی کوئی صورت نہیں اسلئے کہ (درہم) $28.166 = 13 \div 2 = 14.083 \text{ رتی} = \text{قیراط ہوا۔}$

اور (مشقال) $40.25 = 20 \div 2 = 20.125 \text{ رتی} = \text{قیراط ہوا۔}$ پس قیراط کے دو مختلف وزن نکلے جن میں سے ایک کا غلط ہونا بدیہی ہے۔ چونکہ مشقال اصل ہے نیز اس کا وزن درہم سے زیادہ ہے اور زیادہ وزن میں صحیح حقیقت تک پہنچنا زیادہ آسان ہے اسلئے اسی کے وزن کو ترجیح ہوگی۔ یعنی قیراط $20.125 \text{ رتی} = 10$ اس کے بعد گنگلچیموں کے ساتھ وزن کر نیکاد کر فرمایا ہے۔ گنگلچیموں کے اختلاف کی وجہ سے ۷۰ جو

کے مقابل ۲۵ تا ۲۸ اور ۱۰۰ جو کے مقابل ۳۶ تا ۴۱ گنگچیاں آئیں۔ اسکے بعد فرماتے ہیں
 ”جس طرح جو متوسط لینے تھے اسی طرح گنگچیاں بھی متوسط لینے کی ضرورت تھی (الی قولہ)
 ۷۰ جو ۲۵ رتی کے برابر اور ۱۰۰ جو ۳۶ رتی کے برابر نکلے۔“

گنگچیوں کے ذریعہ اس وزن میں دو اشکال ہیں :
 (۱) خود حضرت مفتی صاحب کی وضاحت کے مطابق یہ گنگچیاں متوسط لینے کی
 ضرورت تھی۔ جب ۷۰ جو کے مقابل ۲۵ تا ۲۸ اور ۱۰۰ جو کے مقابل ۳۶ تا ۴۱ آئیں،
 تو اول میں ۲۵ اور دوسرے میں ۳۶ بڑی سے بڑی ہوئیں نہ کہ متوسط۔

(۲) گنگچیوں کا انتخاب خود کرنے کی بجائے اسکا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انکے وہ دانے
 لئے جائیں جو ٹکسال کے مصدقہ ماشہ کے مقابل ۸ آئیں۔ ٹکسالی وزن کی موجودگی میں
 گنگچیوں سے ماشہ کی تعیین نہیں کی جائے گی بلکہ ٹکسالی ماشہ کے ذریعہ یہ معلوم
 کیا جائے گا کہ کس قسم کی گنگچیاں وزن میں معتبر ہیں، غرضیکہ صحیح وزن وہی ہے جو حضرت
 مفتی صاحب نے ماشہ کے ذریعہ کیا ہے یعنی درہم تقریباً $\frac{1}{3}$ ماشہ اور مثقال تقریباً $\frac{1}{4}$ ماشہ
 (۴) فتاویٰ حمادیہ ج ۱ ص ۲۳ میں شیخ بہاء الدین ابراہیم بن عبداللہ ملتانی نے نقل کیا ہے

کہ وہ ۶۹۲ میں مکہ مکرمہ کا درہم، مثقال، مد اور صاع لائے اور ان کا وزن کر کے انھیں
 دہلی کی ٹکسال میں محفوظ کرادیا۔ درہم = ۳ ماشہ $\frac{1}{2}$ رتی اور مثقال = ۴ ماشہ $\frac{1}{4}$ رتی ہوا۔
 حمادیہ میں مذکورہ اوزان میں جو تحریر ہے بندہ نے ۲ جو = ایک رتی کے حساب سے اوپر کا وزن
 لکھا ہے، ۲ جو = ایک رتی کی تصریح خود حمادیہ ہی سے اوپر گزر چکی ہے۔ مثقال کا یہ وزن
 ۵ ماشہ سے $\frac{1}{3}$ رتی کم ہے، البتہ درہم کے وزن میں زیادہ تفاوت ہے۔ اوپر بیان کیا
 جا چکا ہے کہ درہم کی نسبت مثقال کے ساتھ $\frac{1}{3}$ مسلم ہے چونکہ درہم اور مثقال کے مذکورہ وزنوں میں
 یہ نسبت نہیں اسلئے یہ دونوں وزن یادونوں میں سے ایک یقیناً غلط ہے۔ عہد صحابہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہم میں مختلف وزن کے درہم رائج تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزیرہ متعین کہتے
 وقت وزن سبعة کا درہم قرار دیا اس سے اور عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی وزن سبعة کی
 تعبیر سے ثابت ہوا کہ وزن مثقال اصل ہے اور درہم اس کا $\frac{1}{3}$ ہے۔ مثقال کے وزن مذکور کا
 $\frac{1}{3}$ = ۳ ماشہ ۰۹ رتی بنتا ہے جس کا $\frac{1}{4}$ ۳ ماشہ سے معمولی تفاوت ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ
 نے جس درہم کا وزن کیا یا تو وہ شرعی درہم نہ تھا یا ان سے وزن کرنے میں کوئی غلطی

ہوتی ہے۔

(۵) غیاث اللغات وغیرہ کتب لغت اور کتب طب میں درہم = $\frac{1}{4}$ ماشہ تحریر ہے البتہ اطباء کے ہاں مثقال = $\frac{1}{4}$ ماشہ ہے جو مثقال شرعی سے کم ہے۔

(۶) ٹیکسٹ بک آف کوانٹی ٹیٹیو ان آرگیننگ اینا لیسس ان کلیوڈنک ایلیمینٹری انسٹرو مینٹل اینا لیسس مصنف آر تھرائی دوگل لندن ۱۱۶۳ پر قیراط = ۴ گرین = ۲۵۹۲.۰ گرام لکھا ہے یعنی ۲۱۳۲ رتی۔

(۷) بندہ نے ۱۰۰ جو متوسط غیر مقشر دونوں جانب سے باریک لمبا تنکا کاٹ کر وزن کی جدید ترین برقی مشینوں کے ذریعہ متعدد بار وزن کرائے۔ کوہ نور بیٹری مینوفیکچر لمیٹڈ میں تین حضرات نے الگ الگ وزن کیا، پاکستان ریفائنری لمیٹڈ میں ایک صاحب نے ایک بار وزن کیا، فیول اینڈ لیڈر ریسرچ سینٹر میں ایک صاحب نے تین بار وزن کیا، تینوں برقی مشینوں کا جواب آپس میں بہت معمولی سا متفاوت تھا جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ برقی مشین کی انتہائی باریک کارکردگی میں ہوا کی رطوبت کا معمولی اثر بھی ظاہر ہوتا ہے غرضیکہ اگرچہ ان مختلف مشینوں کے جواب آپس میں کوئی زیادہ مختلف نہ تھے معنذا مذکورہ بالا تینوں اداروں میں سے چونکہ فیول اینڈ لیڈر ریسرچ سینٹر کا کام زیادہ اہم ہے اسلئے اس کی مشین کے وزن کو ترجیح دی گئی جو حسب ذیل ہے۔

۱۰۰ جو = ۴۸۷۴.۴ گرام = ۴۰.۲۵ رتی = مثقال
 $\frac{4}{11} \times ۴۸۷۴.۴ = ۳۵۱۲.۳$ گرام = ۵۸۱.۷ رتی = درہم
 $۴۸۷۴.۴ \div ۲۰ = ۲۴۳.۷۲$ گرام = ۹۷.۰۴ رتی = قیراط
 اب تک قیراط کے جو اوزان سامنے آئے وہ یہ ہیں :

- | | | |
|---|--|-----------|
| ۱ | فتاویٰ حمادیہ کی تحقیق کے مطابق | ۸۰۰۰ رتی |
| ۲ | متانہ کی تحریر کے مطابق | ۸۷۵۰ رتی |
| ۳ | ابراہیم بن عبد اللہ ملتانی کے مثقال کے مطابق | ۹۳۵۰ رتی |
| ۴ | برقی مشین کے وزن کے مطابق | ۹۷۰.۴ رتی |
| ۵ | حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے وزن کے مطابق | ۱۲۵۰ رتی |
| ۶ | انگریزی کتاب کے مطابق | ۱۳۲۰ رتی |

یہ اوزان آپس میں کچھ زیادہ متفاوت نہیں بلکہ مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں کے وزن کرنے میں اتنا قلیل تفاوت ناگزیر ہے جبکہ اس دور ترقی کی جدید ترین برقی مشینیں چند متعین جو کا وزن بتانے میں آپس میں مختلف ہیں تو مختلف زمانوں میں مختلف قسم کے جو کا ہاتھ کے ترازو سے وزن کرنے میں اتنا معمولی تفاوت ذرا بھی مستبعد نہیں بلکہ یہ تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی محنت، جانفشانی اور حقیقت رسی پکھلی دلیل ہے۔

اگر مسئلہ صرف قیراط کے وزن کا ہوتا تو اتنا قلیل تفاوت قابل التفات نہ تھا مگر مشکل یہ ہے کہ یہی قلیل تفاوت اوپر کے اوزان درہم، مثقال، صاع اور نصاب زکوٰۃ وغیرہ تک پہنچتے پہنچتے زیادہ فرق کا باعث بن جاتا ہے اسلئے قیراط کے مندرجہ بالا اوزان میں سے بھی کسی ایک کو رائج قرار دینے کی ضرورت ہے۔ وزن سے متعلق اوپر کے چھ نمبروں میں سے پہلے دو نمبروں اور چھٹے نمبر میں قیراط کا وزن رتی سے کیا گیا ہے۔ پھر اس سے مثقال کے وزن کا حساب لگایا گیا ہے۔ اس میں وہی قباحت ہے کہ قیراط کے وزن میں ادنیٰ سا تفاوت بھی مثقال کے وزن میں زیادہ تفاوت کا سبب بن جاتا ہے اور درمیان کے تین نمبروں میں براہ راست ایک مثقال کو وزن کیا گیا ہے جو اصل مقصود ہے۔ اس طریقہ کا زیادہ بہتر ہونا واضح ہے، اسلئے یہ تین نمبر رائج ٹھہرے۔ پھر ان میں سے نمبر ۱۱ اور ۱۲ میں ہاتھ کی ترازو سے کام لیا گیا ہے جس کا نقص اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اس طرح وزن کرنے سے قیراط کے دو مختلف وزن نکلتے ہیں۔ اور نمبر ۳ میں ایک بہت اہم ادارے کی جدید ترین برقی مشین سے تین بار وزن کیا گیا ہے اسلئے یہ وزن سب سے زیادہ رائج ہونا چاہیے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ مذکورہ بالا سب اوزان میں سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا وزن برقی مشین کے وزن سے قریب تر ہے۔ مذکورہ اوزان میں سے نمبر ۱۶ اسلئے بھی مرجوح ہے کہ یہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا تحریر کردہ نہیں اور نہ ہی اس میں یہ وضاحت ہے کہ یہ قیراط کس علاقہ کا ہے جبکہ مختلف علاقوں میں قیراط کے اوزان مختلف ہیں۔ اس کا حوالہ محض اس امر کی تائید کے لئے دیا گیا ہے کہ قیراط کا وزن تقریباً ۲ رتی ہے، وزارت صنعت حکومت پاکستان نے اعشاری اوزان سے متعلق اردو اور انگریزی میں پمفلٹ شائع کئے ہیں جن میں اعشاری قیراط = ۲۰۰ ملی گرام = ۳۱.۴۲ رتی لکھا ہے اس کے کسی کو قیراط کے وزن میں غلط فہمی نہ ہو، اسلئے کہ یہ اعشاری قیراط کا وزن ہے جو اصل قیراط سے چھوٹا ہے۔ معہذا اعشاری قیراط کو = ۳۱.۴۲ رتی قرار دینا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ

ایک تولہ = ۶۶۴ ر ۱۱ گرام ہے تو اس حساب سے ۲۰۰ ملی گرام جو اعشاری قیراط کا وزن ہے = ۶۶۴ ر ۱۱ رتی ہوا۔ میں نے وزارت صنعت کو اس غلطی سے متعلق لکھا تو محکمہ اوزان و پیمائش وزارت صنعت حکومت پاکستان نے خط نمبر آئی این ڈی / ڈبلیو ایم ڈی - ۶ (۷) / ۷۴ / ۷۴ مورخہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۹۷۵ء میں بالفاظ ذیل اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

”دستخط کنندہ ذیل کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ آپ کی چھٹی مورخہ ۱۱/۷/۷۴ کے جواب میں درج ذیل گزارشات کرے، آپ کی جانب سے نشان شدہ غلطی (قیراط) بالکل ٹھیک ہے۔ ایک قیراط = ۶۶۴ ر ۱۱ رتی۔ آپ کے تعاون کا از حد شکریہ۔“ آپ کا ادنیٰ خادم

خیر محمد ڈپٹی کنٹرولر

احتیاط

عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے قال فی الشامیۃ عن المبسوط السرخسی ان
الاحتیاط بالاحتیاط فی باب العبادات واجب (رد المحتار ص ۸۳ ج ۲) لہذا زکوۃ صدقۃ الفطر
اور قربانی کے نصاب میں کم سے کم وزن کا اعتبار کرنا لازم ہے اور وہ یہ ہے قیراط = $\frac{۴}{۵}$ رتی، درہم =
۳ ماشہ $\frac{۱}{۵}$ رتی، مثقال $\frac{۱}{۴}$ ماشہ۔ اس حساب سے چاندی کا نصاب $\frac{۱}{۴}$ ۵۲ تولہ، اور سونے
کا $\frac{۱}{۴}$ ۷ تولہ ہوگا، البتہ صدقۃ الفطر ادا کرنے میں وہی وزن لینا چاہیے جسے اوپر ترجیح دی گئی ہے،
اور اس بارے میں احتیاط بھی اسی میں ہے یعنی

آخری فیصلہ رسالہ کے آخر میں	قیراط = ۶۶۴ ر ۱۱ رتی
بعنوان ”شرح صدر“ تحریر ہے۔	درہم = ۲۴ ر ۵۸۱۷
	مثقال = ۳۹ ر ۲۰۲۵

اور صاع = ۱۰۴۰ درہم ہے تو اس حساب سے صاع کا وزن ۳ سیر ۹ ر ۵۸ تولہ اور
نصف صاع = ایک سیر ۲۵ ر ۶۹ تولہ اور مثقال کے ذریعہ حساب یوں ہوگا
صاع = ۱۶۰ استار اور استار = $\frac{۱۱}{۴}$ مثقال، پس صاع = ۷۲۸ مثقال،
۳۹ ر ۲۰۲۵ رتی x ۷۲۸ = ۳ سیر ۹ ر ۵۸ تولہ
بذریعہ درہم اور بذریعہ مثقال کا ایک ہی جواب آیا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ درہم یا مثقال کے ذریعہ متعین کردہ وزن کے برابر
جو لئے جائیں ان سے جو برتن بھر جائے اسے صاع قرار دیا جائے، مشایخ مکہ مکرمہ کا اسکے

مطابق تعامل و فتویٰ نقل کیا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے الطرائف میں ایک مُرد کی سند کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اور اسے دو بار گہیوں سے بھر کر وزن کرنا اور اس وزن کا پونے دو سیر ۳ ماشہ ہونا بیان فرمایا ہے۔

اس پر چند اشکال ہیں :

① اس کی سند کے رجال کی تحقیق نہیں، خصوصاً جبکہ حمادیہ میں ابراہیم بن عبد اللہ ملتانی کے صاع پر یوں اعتراض کیا ہے وھذا الا یصلح للاعتقاد والتعویل علیہ ان احوال بعض علماء عصرنا لانتہا اشتبہ صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی زمن الحجاج وقد قربہ ذلک الزمان من عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکیف یعتقد علی صاع اتی بہ فی ہذا العصر وقد تطاول الزمان وتغیر المکائیل والصیعات (حمادیہ ص ۲۳ ج ۱)

② پیمانہ بھرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ کناروں کے برابر بھرا جائے، اور دوسرا طریقہ جو عام مروج ہے یہ کہ کناروں سے اوپر تک جتنا بھی بھرا جاسکے۔ یہ معلوم نہیں کہ صاع کے بھرنے کا اصل طریقہ کیا تھا اور اس مُرد کو کس طرح بھرا گیا۔

③ گہیوں مختلف وزن کے ہوتے ہیں، اسلئے ایک قسم کے گہیوں بھر کر وزن کر لیے سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، ممکن ہے کہ دوسرے گہیوں اس سے زیادہ وزنی ہوں، اسکا صحیح طریقہ یہ تھا کہ یہ مُد ماش یا مسور سے پُر کیا جاتا، پھر انھیں وزن کیا جاتا اور اس وزن کے مطابق گہیوں کے وزن کا فیصلہ کیا جاتا کیونکہ گہیوں کی کوئی قسم بھی ماش یا مسور سے زیادہ وزنی نہیں ہوتی، چونکہ ماش اور مسور زیادہ وزنی ہیں، گہیوں ان سے ہلکے اور جو اس سے بھی ہلکے ہیں اسلئے عبادت میں یہ احتیاط واجب ہے کہ وزن کے ذریعہ کیل متعین کرنا ہو تو جو استعمال کئے جائیں اور کیل کے ذریعہ وزن متعین کرنا ہو تو ماش یا مسور استعمال کریں۔

قال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ ذکر صدر الشریعۃ فی شرح الوقایۃ ان الاحوط تقدیر الصاع بثمانیۃ ارطال من الحنطۃ الجیدۃ لانہ ان قدر بالماش یکون اصغر ولا یسع ثمانیۃ ارطال من الحنطۃ لانہ اقل منہا وہی اقل من الشعیر فالکیال الذی یملأ بثمانیۃ ارطال من الماش یملأ باقل من ثمانیۃ من الحنطۃ الجیدۃ المکتنزۃ اھ قلت وبھذا یشخرج عن

العہدۃ بیقین علی روایتی تقدیر الصاع کیلاً او وزناً فلذا کان احوط ولکن علی هذا الاحوط
تقدیرہ بالشعیر ولہذا نقل بعض المحشین عن حاشیۃ الزیلعی للسید محمد امین میثقی
ان الذی علیہ مشایخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلہم من مشایخہم وہ کالوا یفتون
تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذلك لیحتاطوا فی الخروج عن الوجوب بیقین
لما فی مبسوط السخسی من انہ لا یحذف بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اہ فاذا قدر بذلك
فہو یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیہا البتۃ بخلاف العکس فلذا
کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ (رد المحتار ص ۵۳ ج ۲)

مندرجہ بالا قاعدہ کے مطابق بندہ نے نصف صاع کی تعیین کے لئے ایک سیر ۲۵، ۶۹ تولہ
جو وزن کر کے ایک برتن میں بھرے، پھر اس برتن میں گھیوں، ماش اور مسور بھر کر الگ الگ
وزن کیا تو بالترتیب یہ اوزان آئے، ۲ سیر ۳۰ تولہ، ۲ سیر ۳۶ تولہ، ۲ سیر ۴۲ تولہ پھر اس
برتن کا حجم معلوم کیا تو ۲، ۸۹۴ لٹر ہوا۔

تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ گھیوں کے ذریعہ صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیں تو یقینی طور پر
برائی الذمہ ہونے کے لئے ماش کے وزن ۲ سیر ۳۶ تولہ = ۲، ۸۵۹ گرام کے برابر گھیوں
دینا ضروری ہے۔

تفصیل مذکور کا نقشہ

آخری فیصلہ رسالہ	قیراط = ۲۳۹۴ گرام = ۲، ۸۹۴ رقی
کے آخر میں بعنوان	درہم = ۳۵۱۲ گرام = ۲، ۵۸۱۴ رقی
”شرح صدر“ تحریر ہے	مثقال = ۴۸۴۴ گرام = ۴، ۰۲۵ رقی
	صاع جو = ۳، ۸۵۲ کلو گرام = ۳، ۴۳۶۱ سیر
	نصف صاع جو = ۱، ۹۲۶ کلو گرام = ۱، ۸۶۸۱ سیر = ۲، ۸۹۴ لٹر
	نصف صاع گھیوں = ۲، ۲۱۵۹ کلو گرام = ۲، ۳۴۵۰ سیر = ”
	نصف صاع ماش = ۲، ۲۸۵۹ کلو گرام = ۲، ۴۵۰۰ سیر = ”
	نصف صاع مسو = ۲، ۳۵۵۹ کلو گرام = ۲، ۵۲۵۰ سیر = ”

تنبیہ :

اگر آٹے کی قیمت گھیوں سے کم ہو جیسے کہ آجکل راشن کا آٹا تو آٹے کی بجائے وزن مذکور کے

برابر گیسوں سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیے یا اتنا آٹا دیا جائے جس کی قیمت گیسوں سے برابر ہو،
 قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله اودقیقہ اوسویقہ) الاولیٰ ان یراعی فیہما القلہ
 والقیمۃ احتیاطاً وان نص علی الدقیق فی بعض الاخبار ہذا یتلانی فی اسنادہ سلیمان بن
 ارقم وہو متروک الحدیث فوجب الاحتیاط بان یعطی نصف صاع دقیق براوصاع دقیق
 شعیر لیساً ویان نصف صاع بروصاع شعیر لا اقل من نصف صاع یساوی نصف صاع
 براواقل من صاع یساوی صاع شعیر ولا نصف لا یساوی نصف صاع براوصاع لا یساوی
 صاع شعیر فتح وقوله فوجب الاحتیاط مخالف لتعبیر الہدایۃ والكافی بالاولیٰ الا ان
 یحمل احدهما علی الآخر تأمل (رد المحتار ص ۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ یوم الجمعہ

تتمہ

تحقیق صاع سے متعلق بعض علماء سے گفتگو کے بعد بعض عبارات پر نظر ثانی کی ضرورت
 محسوس ہوئی جس کا نتیجہ درج ذیل ہے -

قال فی شرح التنبیر (وہو) ای الصاع المعتبر بما یسع الفاواربعین درہما من ماش
 اوعدس) انما قدر ہما لتساویہما کیلا ووزنا وقال فی الشامیۃ (قوله انما قدر ہما) ای قدر
 الصاع بما یسع الوزن المذکور منہما ای من مجموعہما ای من ائی نوع منہما لان کل واحد
 منہما یتساوی کیلہ ووزنہ اذ لا تختلف افرادہ ثقلاً وکبراً فاذا ملأت اناء من ماش
 ووزنہ الف واربعون درہما ثمر ملأتم من ماش اخر یكون وزنہ مثل وزن الاول لعدم
 التفاوت بین ماش وماش اخر وکذا الوفعلت بالعدس كذلك بخلاف غیرہما کالبر
 مثلاً فان بعض البر قد یكون اثقل من البعض فیختلف کیلہ ووزنہ فلذا قدر الصاع
 بالماش اوالعدس فیكون مکیلاً محضاً یراکال بہ فایراد خراجہ من الاشیاء المنصوصۃ
 بلا اعتیل وزن لانک لو کلت بہ شعیراً مثلاً ثمر وزنتہ لمر یبلغ وزنہ الفاواربعین درہما
 ولو اعتبر الوزن لکان ما یسع الفاواربعین درہما من الشعیر اکبر من الصاع الذی
 یسع ہذا القدر من الماش اوالعدس وقد اعتبروا الصاع بہما فعلوانہ لا اعتیل بالوزن
 اصلاً فی غیرہما یدل علی ذلک ایضاً قول الذخیرۃ قال الطحاوی الصاع ثمانیۃ اربطال

مما يستوى كيله ووزنه ومعناه ان العدس والماش يستوى كيله ووزنه حتى لو وزن
من ذلك ثمانية ارطال ووضع في الصاع لا يزيد ولا ينقص وما سوى ذلك تارة
يكون الوزن اكثر من الكيل كالشعير وتارة بالعكس كالملاح فاذا كان المكيال يسع
ثمانية ارطال من العدس والماش فهو الصاع الذي يكال به الشعير والتمر والحنطة
اهـ - وذكر نحوه في الفتح ثم قال وبهذا يرتفع الخلاف في تقدير الصاع كيلا او وزنا
ومراد به بالخلاف ما ذكره قبله حيث قال يعتبر نصف صاع من بر من حيث الوزن
عند ابي حنيفة لانهم لما اختلفوا في ان الصاع ثمانية ارطال او خمسة وثلاث كان اجماعا
منهم انه يعتبر بالوزن وروى ابن رستم عن محمد انه انما يعتبر بالكيل حتى لو دفع اربعة
ارطال لا يجزيه لجواز كون الحنطة ثقيلة لا تبلغ نصف صاع اهـ وفي ارتفاع الخلاف
بما ذكر تأمل فان المتبادر من اعتبار نصف الصاع بالوزن عند ابي حنيفة اعتبار وزن
البر ونحوه مما يريد اخراجه لا اعتباره بالماش والعدس والظاهر ان اعتبارهما مبني
على رواية محمد وان الخلاف متحقق وعن هذا ذكر صدر الشريعة في شرح الوقايات
الا حوط تقدير الصاع بثمانية ارطال من الحنطة الجيدة المكتنزة اهـ قلت وبهذا يخرج عن
العهدة بيقين على رواية تقدير الصاع كيلا او وزنا فلذا كان احوط ولكن على هذا الا حوط
تقديره بالشعير ولهذا نقل بعض المحققين عن حاشية الزيلعي للسيد محمد امين ميرغني
ان الذي عليه مشايخنا بالحرم الشريف المكي ومن قبلهم من مشايخهم وبه كانوا يفتون
تقديره بثمانية ارطال من الشعير ولعل ذلك ليحتاطوا في الخروج عن الواجب
بيقين لما في مبسوط السرخسي من ان الاخذ بالاحتياط في باب العبادات واجب اهـ
فاذا قدر بذلك فهو يسع ثمانية ارطال من العدس ومن الحنطة ويزيد عليها البتة
بخلاف العكس فلذا كان تقدير الصاع بالشعير احوط اهـ ولهذا قد منا ان الا حوط في
زماننا اخر لهم ربع مد شامي تام (رد المحتار ص ٨٢ ج ٢)

وقال الرافعي رحمه الله (قوله فان المتبادر ان) هذا وان كان هو المتبادر الا
انا نتركه بصريح عبارة الطحاوي من ان الصاع ثمانية ارطال مما يستوى كيله ووزنه
فانه صريح باعتبار وزن ما يستوى كيله ووزنه في تعريف الصاع لا اعتبار وزن المخرج
من البر ونحوه وهو اعلم بالمراد من نصرة المذهب وايضا كان صاع النبي صلى الله عليه

مکیلا معلوما لا زیادة ولا نقصان فيه وامر عليه السلام بان يخرج للفطرة المقادیر المعلومة المقدرة به مع علمه باختلاف الاوزان حتی فی کل نوع منها فهذا دلیل علی ان العبرة للکیل المخصوص بدون اعتبار الوزن وحينئذ يكون اعتبارهما محل اتفاق وما نقله عن صدر الشریعة وحاشیة الزیلعی مبنی علی بقاء الخلاف لا علی ارتفاعه بما قاله فی الفتح (التحریر المختار ص ۱۳ ج ۱)

عبارات مذکورہ بالا میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئے ہیں۔

(۱) تنویر اور ذخیرہ کی تحریر کے مطابق ماش یا مسور کے آٹھ رطل صاع کے لئے معیار ہیں یعنی آٹھ رطل ماش یا مسور سے جو برتن بھر جائے وہ صاع ہے مگر یہ دعویٰ وجوہ ذیل سے مخدوش ہے (۱) صاحب ذخیرہ نے اس دعویٰ پر قون طحاوی الصاع ثانیۃ ابطالہما استوی کیلہ ووزنہ سے استدلال کیا ہے اور تنویر کے قول کی شراح نے یہ علت بیان کی ہے انما قدر بھما لتساویہما کیلا ووزنا طحاوی اور شراح التنویر کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ ماش یا مسور کا ذکر اس پر مبنی نہیں کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کسی خاص قابل وثوق صاع کو ماش یا مسور سے بھر کر وزن کیا تو آٹھ رطل ہوا بلکہ مقصد یہ ہے کہ تقدیر صاع کے لئے ایسی اجناس کو استعمال کرنا چاہیے جن کے افراد متفاوت نہ ہوں جیسے ماش یا مسور، چنانچہ عبارت طحاوی میں ماش اور مسور کے ساتھ زبیب اور حاشیہ پرزیت کا نسخہ بھی تحریر ہے، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی اس مراد پر یہ امر بھی واضح دلیل ہے کہ خود ماش کا وزن بھی مسور سے برابر نہیں بلکہ اس سے کم ہے۔ کما حردنا فی اصل المسألة، اسی طرح زبیب اور زیت کا وزن بھی ماش اور مسور سے متفاوت ہوگا۔

(۲) اگر کسی صاع مخصوص میں ماش یا مسور بھر کر انھیں وزن کیا گیا ہوتا تو اسے سب فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے اور اس سے اختلاف کی گنجائش نہ پاتے، صدر الشریعہ تقدیر بالحنظہ اور مشایخ حرم تقدیر بالشعیر کا فتویٰ نہ دیتے اور علامہ شامی رحمہ اللہ اسے اختیار نہ فرماتے۔

(۳) اگر یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کسی مستند صاع میں ماش یا مسور بھر کر وزن کیا گیا تھا تو بھی اس وقت یہ عمل صاع کی تعیین کے لئے کافی نہیں اسلئے کہ ماش اور مسور آپس میں مختلف الوزن ہیں، پھر انہیں سے ہر ایک کی مختلف قسمیں ہیں۔ ماش تین قسم کے ہیں۔

سیاہ، سفید اور مونگ، مونگ کو بھی عربی میں ماش کہا جاتا ہے اور مسور کی دو قسمیں ہیں چھوٹے اور بڑے۔ پھر ہر قسم کے افراد آپس میں حجم اور وزن میں مختلف ہیں، من شاء فلیشاہد۔

(۲) قول ہدایہ "ثم یعتبر نصف صاع من بر من حیث الوزن فیما یروی عن ابی حنیفہ" کا مطلب شامی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ گیسوں وزناً چار رطل ادا کر دینا کافی ہے اگرچہ یہ گیسوں کیلاً نصف صاع سے کم ہوں مگر ابن ہمام اور رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ قول ہدایہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اصل صاع کے ذریعہ کیل کی بجائے کیل کا یہ طریقہ بھی معتبر اور صحیح ہے کہ کسی متساوی الوزن کیل کیل چیز کے چار رطل سے جو برتن بھر جائے وہ گیسوں سے بھر کر دید یا جائے، حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی یہی توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ صاع کے بارے میں نص صریح کے مقابلہ میں بدوں لحاظ کیل صرف وزن کو معتبر قرار دینا بہت بعید ہے۔ علاوہ ازیں ہدایہ میں "فیما یروی" الفاظ مریض ہیں اور اسکے مقابلہ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "روایۃ قوی ہونے کے علاوہ درایت بھی معقول ہے۔"

(۳) اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ تقدیر صاع کے لئے آٹھ رطل کس چیز کے لئے جائیں؟ دلائل ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وزن شعیر کا ہے۔

(۱) اس زمانے میں جوہی کی خوراک پر زیادہ مدار تھا اس لئے لین دین بھی اسی کا زیادہ ہوتا ہوگا۔

(۲) نص میں شعیر یا تمر کا صاع وارد ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے انہی سے وزن کا اندازہ مقرر کیا ہوگا، اس تجربے سے بھی اسکی تائید ہوئی کہ بندہ نے ایک سیر $\frac{1}{4}$ ۶۹ تولہ جو کے مطابق نصف صاع کا جو برتن متعین کیا ہے اسے چھوہاروں سے بھر کر وزن کیا تو جو کے وزن سے بالکل برابر آیا۔

(۳) ہر زمانے میں فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ وزن اور مساحت کی ابتداء جوہی سے کرتے چلے آئے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) یہ طریقہ احوط ہے۔

رشید احمد

۲۹ شعبان سنہ ۱۴۰۶ھ لیلة الجمعة

تمتہ ثانیہ

بندہ کو معلوم ہوا کہ پیر و سب اللہ شاہ صاحب پیر حنبلہ و ضلع حیدرآباد کے پاس مُد ہے جو انکے دادا مولانا رشد اللہ شاہ صاحب مدینہ طیبہ سے لائے تھے۔ مولانا رشد اللہ شاہ صاحب اچھے عالم تھے وہ اسی مُد سے صدقۃ الفطر ادا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کچھ نقد بھی دیتے تھے۔ میں نے یہ مُد منگوا کر دیکھا اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

صنع هذا المد المشرق ابراهيم الغزوي المدني الحنفی علی مد الشیخ احمد بن الشیخ عبد القادر الطاهر المدني الشافعی وهو صنع علی مد مولانا احمد بن مولانا علی (درسی المائلی) وهو صنع علی مد امیر المؤمنین راجیاً بہ البرکة فی بیته والمتابعة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانه کال طعام به وكان يتوضأ بمقداره ملء فی بعض ازمانه وتطهر بصاع ۶ وهو اربعة امداد ویه تخرج صدقة الفطر عن کل رأس مدان من بُز او دقیقه او سویقه او زبيب او اربعة امداد من تمر او شعیر وكان ذلك ثلاث عشرة و ثلاث مائة والـف۔

میں نے اسے گیہوں، ماش اور مسور سے بھر کر وزن کیا تو حسب ذیل نتائج نکلے۔

حفظ	بلا تکویم	بالتکویم
۵۰ تولہ	۵۵ تولہ	
ماش اسود ۵۲ ۱/۴	۵۶ ۱/۴	
عس ۵۳ ۱/۴	۵۷ ۱/۴	

اس برتن کی تدویر کی بنسبت اس کا عمق کافی زیادہ ہے نیز نیچے سے کشادہ اور منہ تنگ شبیہ بالمخروط۔ اس لئے اس کی تکویم اور غیر تکویم دونوں صورتوں کے وزن میں کوئی خاص فرق نہیں۔ بہر کیف وزن مذکور عام محققین علماء کے متعین کردہ وزن سے بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع تو حجاج ہی کے زمانے میں مشتبہ ہو گیا تھا چنانچہ ہم ابراہیم بن عبد اللہ ملتانی کے صاع پر حمادیہ کا یہی اعتراض اور نقل کر چکے ہیں۔ اگر صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشتباہ واقع نہ ہوتا تو اسکی تعین میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف نہ ہوتا، صاع بالاتفاق چار مُد کا ہے مگر مُد کے وزن میں اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں دو رطل اور دوسرے ائمہ کے نزدیک ۱ ۱/۲ رطل ہے، مذکور کے صانع اول مالکی ہیں اور اس کے بعد شافعی۔ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کے مطابق ۱ ۱/۲ رطل کا مُد بنایا ہوگا، مولانا

رشد اللہ شاہ صاحب کا صدقۃ الفطر میں کچھ نقد بھی دینا اسکی دلیل ہے کہ یہ حضرات بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ یہ مُد حنفی نہیں۔ بندہ نے نصف صاع حنفی میں گہیوں کے وزن کی تقدیر دو سیر تیس تولہ کی ہے کما ہر۔ اس حساب سے مُد شافعی کے گہیوں $۶۳\frac{1}{4}$ تولہ ہونے چاہئیں مگر مُد مذکور کا وزن بالتکویم بھی اس سے $۸\frac{1}{4}$ تولہ کم ہے۔ اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ بندہ نے نصف صاع میں جو گہیوں بھر کر وزن کئے تھے وہ ان گہیوں سے زیادہ وزنی ہوں جو مُد میں بھرے گئے مگر گہیوں کے مختلف اقسام میں اتنا تفاوت بعید معلوم ہوتا ہے۔ پس اس تفاوت کی صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مُد کے صانع نے $۱\frac{1}{4}$ رطل وزن جو کی بجائے گہیوں کا لیا ہے، بندہ نے نصف صاع حنفی کے جو کا وزن ایک سیر $۶۹\frac{1}{4}$ تولہ لکھا ہے اس حساب سے مُد شافعی کے جو کا وزن $۲۹\frac{5}{8}$ تولہ ہوا، جو مذکور کے وزن حنظلہ بالتکویم سے برابر ہے لہذا اس مُد سے بھی بندہ کے حساب کی تائید ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے شامی رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق یہ وزن جو کا لینے کی احتیاط نہیں کی۔

بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ حضرت مولانا مخدوم محمد ہاشم صاحب ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کمال کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔ بندہ نے سب سے پہلے مسبق خلف المسافر سے متعلق موصوف کا فتویٰ دیکھا تو آپ کی قوۃ استدلال، تعمق نظر اور اختصار کے ساتھ فیصلہ کن اور تشفی بخش جواب نے مجھے بہت متاثر کیا، اسکے بعد سے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہر الجھے ہوئے مسئلہ میں علامہ موصوف کی تحقیق معلوم کی جائے، چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں بھی میں نے اسکی کوشش کی جو بحمد اللہ تعالیٰ بار آور ہوئی، مولوی محمد صدوق صاحب (فقیر منٹھار) ہتھم مدرسہ محمدیہ نزد ڈنڈو آدم کے ذریعہ سید دائرائی اوڈیرو لعل ضلع حیدر آباد سے بیاض ہاشمی کا قلمی نسخہ حاصل کیا گیا، اس کتاب کے آخر میں یہ عبارت تحریر ہے۔

”ایں کتاب نوشتہ است حافظ اسحاق ہالکنڈی نو“

کتابت کی تاریخ تحریر نہیں۔

اس کتاب میں حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسئلہ زیر بحث سے متعلق ایک مستقل رسالہ ”نتیجۃ الفکر فی تحقیق صدقۃ الفطر“ ہے۔ چونکہ اس رسالہ سے قبل اور بعد کے چند اوراق میں بھی مفید مباحث ہیں اس لئے بیاض ہاشمی کے ۱۲ صفحات کا عکس دیا جاتا ہے اسکے بعد مقصد سے متعلق ان مضامین کا خلاصہ لکھا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

[illegible]

وبقیما بگوهای متوسط مدینه شریف مذکور
 آمد و بریا حساب ذکوة در وی چهار ماسه و چهار تمناسه
 بنه تله زر در وقت ادای هر چه باشد معتبر ننوده آید الا عند الغنم الى الله
 لان المقبولون ادا و در جواب واجب دران دو ماسه زر و خمس ماسه باشند و
 تحت نصایر هشت نوزد اگر زر در وی نه هشتاد و دو پیه شود و جمیع الواجب من
 در و پیه که بدو ماسه و در خمس ماسه موافق به اقد قیمت دهیم حساب اجرة و مقبره
 زکوة و در هر المثل نصف و در هر
 خامه یعنی دو کسب یعنی نیم تنه یا نه
 انطا هر که درم شش یعنی نیم تنه یا نه
 مقادیر لا بد جامع الریز کل درم نصف تنه یا نه
 خمس تنه یا نه و قنار عند و در هر
 کفتر مقادیر یعنی چهار ماسه و چهار
 عشر ماهجه و نصف ماهجه الا ان التولج
 انا عشر ماهجه و نصف ماهجه بوزن عشرین مثقالا و ان
 ما هات والله اعلم ان تحقق ان وزن النصاب ثمان
 طهر من هذا لتحقيق ان وزن النصاب ثمان
 التولج المقرب و اما حساب التولج اليه تنقص منها يكون وزن
 نصاب الذهب ثمانا ان تولجات و اربع ماهجات
 والله اعلم ان عدد محمد هاتم

فردوس شہید

14

بسط الباع

قول الجوهري الفطر نصف داني غيرة جميع فان الداني صد سد الدرهم والفطر نصف سبعة

شكلا فوق
 يتراخات ولت الحان
 موافق ما هو كان في عهد طرزي
 الله تع غيرة عشرة عشر فتراط
 بدانك فتراط ين عشر مقلات
 يتراطيا شد در صحاح
 لا سدر درم درم
 بانه که چهار دین و نیم باشد درم
 جبریه مستود پس درم دو نیم باشد درم
 يعرف صرافان هند هشت برنج است
 این در حق درم صحیح نیست بلك هر
 درم از دراهم شرعیه چهارده فتراط
 پس بلك درم بحساب جبریه بیست و پنج جبه
 و یک خمس جبه باشد بحساب ماه ها
 سه ماهه و یک جبه یک خمس جبه بود

۵

خلاصہ تحریرات ہاشمیہ مع نتائج

① مدینہ طیبہ میں وہاں کے سوجو متوسط کو وزن کیا تو $\frac{۴}{۵}$ ماشہ ہوا۔ اس حساب کے نصاب فضہ ۵۶ تولہ اور نصاب ذہب ۸ تولہ ہوا (ص ۱)
ٹھٹھہ میں رائج مثقال = ۵ ماشہ سے سوجو کا وزن کیا تو بالکل برابر آیا (ص ۱)

نتیجہ

مثقال کے مذکورہ بالا دونوں وزنوں میں سے دوسرا وزن یعنی ۵ ماشہ رائج ہے اس لئے کہ یہ سرکاری مثقال کا وزن ہے۔ سوجو کو خود وزن کرنے میں معمولی کسر کا تفاوت ظاہر نہ ہونے اور جو کے چھوٹے بڑے ہونیکا احتمال ہے، اسی لئے خود حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور اپنی تحریروں میں بار بار اسی کا ذکر کیا ہے اور رسالہ نتیجۃ الفکر میں بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو ص ۱، ص ۲، ص ۳۔ اسی بنا پر ایک تولہ = $\frac{۲}{۵}$ مثقال قرار دیا ہے (ص ۲)
② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک درہم = ۱۲ قیراط بھی رائج تھا (ص ۵) ٹھٹھہ میں جس سکۃ درہم پر درہم شرعی لکھا ہوا ہے اور عام لوگ بھی اسے درہم شرعی کہتے ہیں، وزن سبۃ کے خلاف ہے اسلئے کہ جب مثقال = ۵ ماشہ ہے تو ضروری ہوا کہ ۴ درہم کا وزن ۱۲ ماشہ ہو، حالانکہ ان درہم میں سے ۴ کا وزن ۱۳ ماشہ سے بھی کچھ کم ہے (ص ۶)
خواجہ بہاؤ الدین ملتانی مکہ مکرمہ سے درہم شرعی لائے جس کا وزن ۳ ماشہ ۴ جو تھا (ص ۲) حرمین شریفین میں رائج درہم = ۶۴ جو ہے (ص ۱۱)
عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں درہم مختلف وزن کے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وزن سبۃ کا درہم متعین فرمایا (ص ۶)

نتیجہ

جن حضرات نے درہم کا وزن ۳ ماشہ یا اس کے قریب بتایا ہے انکو امور ذیل سے منالطہ ہوا
(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک درہم = ۱۲ قیراط بھی رائج تھا = ۳ ماشہ
(۲) ٹھٹھہ میں رائج درہم پر درہم شرعی لکھا ہوا تھا لوگ بھی اسے درہم شرعی کہتے تھے، اس کا وزن ۳ ماشہ سے کچھ زیادہ تھا۔ شیخ محمد قائم سندھی نے بھی اپنی کتاب المصباح المنیر میں اس کا ذکر کیا ہے جسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی نقل فرمایا ہے۔
(۳) ساتویں صدی ہجری میں خواجہ بہاؤ الدین ملتانی مکہ مکرمہ سے جو شرعی درہم لائے

۵ = ۳ ماشہ ۲ رتی تھا،

(۴) بارہویں صدی ہجری میں عربین شریفین میں جو درہم رائج تھا اسکا وزن ۶۴ جو

تھا = ۳ ماشہ $\frac{۱۲}{۵}$ رتی

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے ہی سے ایک درہم ایسا بھی چلا آیا ہے جسکا وزن تین ماشہ یا اس سے قدرے زیادہ تھا جو اختلاط و اشتباہ کا باعث بنا۔ حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ درہم اس لئے شرعی درہم نہیں کہ یہ وزن سب سے کے خلاف ہے، وزن سب سے کے مسلم قانون کے مطابق درہم شرعی کا صحیح وزن $۳\frac{۱}{۲}$ ماشہ ہے موصوف نے جا بجا اسکا ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲

ص ۲ پر بھی ایک تولہ = $۳\frac{۱}{۲}$ درہم تحریر فرمایا ہے، یعنی ایک درہم = $۳\frac{۱}{۲}$ ماشہ

(۳) مذکور تحقیق درہم نقرہ سے متعلق ہے، درہم سنگ اس سے مختلف ہے جس کا وزن ۴ ماشہ ہے (ص ۲ و ص ۱) یہ نکتہ ملحوظ رکھنے سے درہم کی تعریف میں اشتباہ و اختلاط سے حفاظت رہے گی۔

(۴) ص ۲ پر مثقال = $۴\frac{۲}{۵}$ ماشہ کی بنا پر نصاب فضہ ۵۶ تولہ اور نصاب ذہب ۸ تولہ تحریر فرمایا ہے مگر اسکے بعد اسی صفحہ پر اور ص ۲ پر بھی مثقال = ۵ ماشہ کی بنا پر نصاب فضہ $۵۸\frac{۱}{۲}$ تولہ اور نصاب ذہب $۸\frac{۱}{۲}$ تولہ قرار دیا ہے۔

(۵) مثقال = ۵ ماشہ اور درہم = $۳\frac{۱}{۲}$ ماشہ کی بنا پر نصف صاع = $۱۵۱\frac{۲}{۳}$ تولہ قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو ص ۲، ص ۱، ص ۹، علاوہ ازیں ص ۹ پر مدینہ منورہ سے ایک مد لانے کا ذکر فرمایا ہے اور اسکے ذریعہ نصف صاع کا وزن ۱۵۳ تولہ تحریر فرمایا ہے اور ایک دوسرے مد کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کے ذریعہ نصف صاع کا وزن اس سے بھی تقریباً ۱۰ تولہ زیادہ بنتا ہے غرضیکہ حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نصف صاع کا کم از کم وزن $۱۵۱\frac{۲}{۳}$ تولہ ہے۔

(۶) رسالہ نتیجۃ الفکر (ص ۶ تا ص ۹) میں علماء ہند سے وجہ اختلاف کو بہت تفصیل سے بیان فرما کر آخر میں اُمت پر توسیع کے جذبہ کے تحت فرماتے ہیں۔

”و شک نیست کہ حساب علماء ہند اسل و اوسع است و حساب مخدوم مذکور از علماء سند اوسط و حساب فقیر احوط است عامل ہر چہ توفیق یابد عمل نماید واللہ تعالیٰ ہو الموفق (ص ۹) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعاً، آمین“

اوزان ہاشمیہ ایک نظر میں

۲۱۹۱۰ گرام	درہم کا قریب اعشاری وزن	قیراط	= ۲ رقی	= ۳۲۳ ر ۰ گرام	مشقال کا قریب اعشاری وزن
۳۰۰ گرام	درہم	= ۳۱۴ ماشہ	= ۲۰۲ ر ۳ گرام		
۴۰۰ گرام	مشقال	= ۵ ماشہ	= ۸۶۰ ر ۲ گرام		
۵۰۰ گرام	نصاب فضہ	= ۵۸۱ ۱/۲ تولہ	= ۳۸۸ ر ۶۸۰ گرام		
۶۰۰ گرام	نصاب ہرب	= ۸۱ ۱/۲ تولہ	= ۱۹۸ ر ۹۷ گرام		
۷۰۰ گرام	نصف صاع	= ۱۵۱ ۱/۲ تولہ	= ۷۶۹ ر ۱ کلو گرام		

شرح صلا

بندہ کو اتنی بات تو پہلے سے محقق تھی کہ مشقال تقریباً ۵ ماشہ اور درہم تقریباً ۳۱۴ ماشہ اور رجحان ٹھیک ۵ ماشہ اور ۳۱۴ ماشہ کا تھا مگر اس پر پورا اطمینان نہ تھا۔ بیاض ہاشمی کے ملاحظہ کے بعد اس پر پورا اطمینان اور شرح صدر ہو گیا کہ مشقال ٹھیک ۵ ماشہ اور درہم ٹھیک ۳۱۴ ماشہ ہے میں نے اگرچہ سو جو کا وزن برقی مشینوں سے کرایا تھا مہذا جو کے چھوٹے بڑے ہونے کا احتمال اور عدم اعتدال کا اشتباہ ضرور موجود تھا۔ علاوہ ازیں بعض برقی مشینوں کے وزن کے مطابق بھی مشقال = ۵ ماشہ ہوا، اوپر برقی مشینوں کے اوزان میں قدرے اختلاف تحریر کر چکا ہوں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے وزن کے مطابق بھی مشقال = ۵۰۳ ر ۵ ماشہ ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے صحیح وزن سے صرف ۱۲ زیادہ ہوا۔

گزشتہ سبق

حضرت مخدوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرف التفات نہیں فرمایا کہ یہ وزن جو کا ہے۔ کمال علامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، گہیوں کا وزن معلوم کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ ۱۵۱ ۱/۲ تولہ جو سے جو برتن بھر جائے اسے گہیوں سے بھر کر وزن کیا جائے، پھر چونکہ گہیوں بھی مختلف اقسام کے ہیں اور بعض دوسرے بعض سے زیادہ وزنی ہیں اسلئے گہیوں کا یقینی وزن حاصل کرنے کیلئے اس برتن میں ماش بھر کر انکا وزن لینا چاہیئے اسلئے کہ ماش کی ہر قسم گہیوں کی ہر قسم سے زیادہ وزنی ہے بندہ گزشتہ مضمون میں نصف صاع جو (ایک سیر ۲۵ ر ۶۹ تولہ) کے مقابل گہیوں ۲ سیر ۳ تولہ اور ماش ۲ سیر ۳ تولہ لکھ چکا ہے، اب اس تازہ تحقیق کے بعد نئے سرے سے ایک سیر ۱۲ تولہ سے بھر جانے والے برتن میں گہیوں اور ماش بھر کر وزن کرنے کی تطویل کی

بجائے حساب تناسب کے کام لیا گیا تو گیہوں ۲ سیر ۸۱۶ ر ۳۲ تولہ اور ماش ۲ سیر ۹۰۴ ر ۳۸ تولہ ہوئے،
 نصف صاع جو = ۸۹۵۸ ر سیر = ۷۹۹ ر ۱ کلوگرام = ۲۹۴ ر ۲۹۴
 " گیہوں = ۲۱۰۲ ر سیر = ۲۲۴۹ ر ۲۲۴۹
 " ماش = ۲۸۶۳ ر سیر = ۳۲۰ ر ۳۲۰
 پس صدقۃ الفطر میں ماش کے وزن (۳۲ ر ۲ کلوگرام) کے برابر گیہوں دینے چاہئیں

بندہ نے حساب مذکور کے مطابق اسٹیل کے برتن پر
 "۱/۴ صاع جو = ۷۹۹ ر ۱ کلوگرام = ۲۹۴ ر ۲۹۴" کندہ کر اگر اسے
 محفوظ رکھنے کی وصیت کر دی ہے۔ واللہ الحفیظ،

تنبیہ

① اوپر جو کسور اور اعشاریہ تک کا حساب دکھایا اور لکھا گیا ہے اس سے یہ مقصد نہیں
 کہ عملاً انکی رعایت ایسی لازم ہے کہ اس سے ذرا بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں اور ادائیگی صحیح نہیں
 بلکہ تصحیح علم و حفظ حدود کے پیش نظر کسور و اعشاریہ تک کا حساب لکھا گیا ہے ورنہ حذف
 کسور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیز کی حقیقت ہی مستور ہو جاتی ہے اور ایسے محذوف کسور افراد کا مجموعہ
 حقیقی حاصل جمع سے بہت متفاوت ہو جاتا ہے۔

② اگر صدقۃ الفطر میں گیہوں یا گیہوں کا آٹا دیا جائے تو وزن ماش کے مطابق ۲ ر ۳۲
 کلوگرام دینا لازم ہے، البتہ اگر قیمت دینا چاہے تو ۲ ر ۲۵ کلوگرام گیہوں کی قیمت دینے کی بھی
 گنجائش ہے، معہذا ۲ ر ۳۲ کلوگرام کی قیمت ادا کرنا افضل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

رشید احمد

۱۲ ذی قعدہ ۱۴۹۶ھ بمجمع

(دوسرے سوال متعلق مسافت سفر کا جواب بنام "القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر" باب

صلوۃ المسافر میں درج کیا گیا ہے۔ مرتبہ)

کتاب الصوم

رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق:

سوال: چہ می فرمایند علماء عظام و فقہائے کرام دریں صورت کہ ہلال عید فطر بتاریخ ۲۹ رمضان شریف از باعث ابرو غبار دریں دیار در نظر بیج بنی بشر نیامده، بعد ازاں در تار برقی از کراچی دیشاور وغیرہ جو انب دریافت نموده شد، او شان در جواب تار دادند کہ مایاں بتاریخ ۲۹ ماہ رمضان ہلال ماہ شوال دیدہ عید می کنیم، چنانچہ در ریڈیو ہا از کراچی وغیرہ اطراف خبر ہا آمدند کہ ہلال مذکور دیدہ شد با سماع خبر ہائے مندرجہ صدر مولوی صاحب در شہر خود فتوائی عید کردن داد، ہمہ مردمان افطار نموده عید کردند، لیکن مولانا بکر صاحب نہ کردہ اعتراض فرمودہ کہ در شرع محمدی اعتبار و عمل بر تار و ریڈیو ساختن جائز نیست حتی کہ مولوی ممدوح مع جماعت بتاریخ ۳۰ روزہ رمضان شریف بحال دہشتہ عید نہ کردہ، لہذا عرض براہ ہربانی بدلائل حدیث و فقہ شریف فتویٰ فرمایند کہ آیا فعل زید صحیح ست یا بکر؟ بینوا بالبرہان توجروا عند الرحمن،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اولاً معلوم ہونا چاہئے کہ شہادت اور خبر دو جدا امور ہیں، شہادت میں غیر پر الزام اور خبر میں صرف اپنے نفس کے لئے کسی واقعہ کا تیقن حاصل ہوتا ہے، شہادت میں شاہد کا قاضی کے پاس مجلس قضاء میں حاضر ہونا اور اشدھد کا لفظ کہنا اور عدد عدالت وغیرہا من الشرائط المبسوطة فی کتب الفقہ ضروری ہیں، قال الزیلعی ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشہد لاحتمال ان یكون غیرہ اذا النغمۃ تشبه النغمۃ رتبیین ج ۲ ص ۲۱۳ قلت هذا وان کان فی تحمل الشہادۃ ولكن اعتبارها فی اداء الشہادۃ اظهر واولی، شہادت کی شرائط سے معلوم ہوا کہ ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ آلات جدیدہ کے ذریعہ شہادت اوار نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ شہادت میں ردبر و حاکم کے پاس مجلس حکم میں حاضر ہونا ضروری ہے،

موجودہ حکومتوں کے قانون میں بھی قبول شہادت کے لئے مجلس حکم میں حاضر ہو کر رد و شہادت دینا ضروری ہے، کوئی بھی بڑے سے بڑا انسریا وزیر ہی کیوں نہ ہو، اسے بھی شہادت کے لئے ضرور جج کی عدالت ہی میں جانا پڑے گا، خط یا ٹیلیفون کے ذریعہ شہادت قبول نہیں کی جاتی، قانوناً عدالت میں حاضری ضروری ہے،

خبر کی دو قسم ہیں:

① معاملات دنیویہ کی خبر،

② معاملات دینیہ کی خبر،

معاملات دنیویہ؛ مثلاً بیع و شراء، کفاله، حوالہ، وکالہ وغیرہ میں خبر واحد بھی معتبر ہے، خواہ مخبر عادل ہو یا فاسق مسلم ہو یا کافر، بشرطیکہ سامع کو خبر کے صدق پر اطمینان ہو جائے، لما فی الفصل الثانی من اول التمهید من المندیة یقبل قول الواحد فی المعاملات عدلاً کان ارفاً سقاً حراً کان او عبداً ذکر اکان او انشی مسلماً کان او کافراً دفعاً للخرج و الضرورة، ومن المعاملات الوكالات والمضاربات والرسالات فی الهدایا والاذن فی التجارات کذا فی الکافی ولوصح قول الواحد فی باب المعاملات عدلاً کان او غیر عدلاً فلا بد فی ذلک من تغلب رأیه فیہ ان خبره صادق فان غلب علی رأیه فله ان یعمل علیہ والاکن فی السراج الوہاج (عالمگیریہ ج ۵ ص ۳۳۴)

اس قسم میں چونکہ عدد، عدالت اور حضور فی مجلس، القضاء ضروری نہیں، لہذا خط، ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کے صدق پر قلب مطمئن ہو جائے،

معاملات دینیہ؛ مثلاً کفرے یا پانی کی نجاست و طہارت، یا نکاح و طلاق یا حلت و حرمت وغیرہ کی خبریں مسلم اور عادل ہونا شرط ہے، کافر یا فاسق کی خبر پر عمل کرنا جائز نہیں، ایک مسلم عادل کافی ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، مخبر خواہ مجلس میں رو برو ہو یا غائب، مثلاً خط، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ میں، مگر غائب ہونے کی حالت میں یہ شرط ہو کہ سامع آواز سے خوب اچھی طرح یقین کرے کہ یہ مخبر فلاں شخص ہے اور وہ مسلم عادل بھی ہے، اور خط میں شرط ہے کہ طرز تحریر سے شناخت ہو جائے کہ فلاں شخص کا خط ہے، اور خط لکھنے والا مسلم عادل ہو، غرضیکہ اس قسم میں بھی حضور فی مجلس شرط نہیں، لہذا غائب کی خبر خط یا ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ مقبول ہے، مگر چونکہ اس میں اسلام اور عدالت شرط ہے، لہذا ضروری ہے کہ خط میں تحریر اور ریڈیو وغیرہ میں آواز کی شناخت ہو، تاکہ

مسلم یا غیر مسلم اور عادل یا غیر عادل کا علم ہو سکے، ٹیلیگراف کا اس قسم میں اعتبار نہیں، اس لئے کہ اس میں آواز کا امتیاز نہیں ہوتا، امتیاز تحریر کی صورت میں اعتبار خط کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل متواتر حجت کافیہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاز، عراق، روم، شام وغیرہ کے ملک کی طرف خطوط روانہ فرمائے، اور عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بعض احکام شرعیہ لکھوائے، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی احکام مختلف بلاد کی طرف بذریعہ خط روانہ فرمائے، اور رہاں کے حکام اور قضاة نے ان مکتوبہ احکام پر عمل کرنا ضروری سمجھا، مگر یہ سب اس شرط سے تھا کہ مکتوب الیہ کو تحریر سے کاتب کا یقینی علم ہو جائے، خط سے متعلق حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں؛ قال فی العیون والفتاویٰ علی قولہما اذا تیقن انہ خطہ سوا کان فی القضاء والروایۃ والشہادۃ علی الصک وان لم یکن الصک فی ید الشاہد لان الغلط نادر و اشر التغیر یمکن الاطلاع علیہ و قلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن جاز الاعتماد علیہ توسعة علی الناس ام حموی (۴۷ د للمختار ج ۲ ص ۳۹۰)

وتفصیل حکم کتاب القاضی الی الفتاویٰ بسالہ وعلیہ مصرح فی

العلائقۃ مع الشامیۃ ج ۲ ص ۳۸۶،

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ خط کی خبر دینی امور میں دو شرط سے قبول ہوگی:

① مکتوب الیہ کاتب کے خط کو اچھی طرح پہچانتا ہو،

② کاتب مسلم اور عادل ہو،

ریڈیو اور ٹیلیفون کو بھی خط پر قیاس کیا جاتا ہے، جیسے خط میں مجر غائب ہے، مگر امتیاز تحریر کے واسطہ سے ممتاز ہو سکتا ہے، ایسے ہی ریڈیو اور ٹیلی فون میں بھی غائب ہونے کے باوجود آواز سے امتیاز کیا جاسکتا ہے،

خلاصہ یہ کہ دینی معاملات میں خط، ریڈیو، اور ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار اس شرط سے جائز کہ تحریر اور آواز کے امتیاز سے یقین ہو جائے یہ مجر فلاں شخص ہے، اور یہ مسلم و عادل ہے، اس قسم میں ٹیلیگراف کی خبر عدم امتیاز صوت کی وجہ سے غیر معتبر ہے، کیونکہ عدم امتیاز کی حالت میں مجر کے اسلام اور عدالت کا علم نہیں ہو سکتا، البتہ اگر خط، ریڈیو، ٹیلی گراف، ٹیلیفون وغیرہ کسی خاص ایسے ضابطہ اور قانون کے تحت ہوں کہ سوائے کسی معتبر اور عادل شخص کی اجازت

اُن کے ذریعہ کوئی شخص کوئی خبر نہ دے سکتا ہو، تو اس حالت میں خط، ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر بہر کیف مقبول ہے؛ خواہ تحریر اور آواز کا امتیاز ہو سکے یا نہ ہو سکے، اسی طرح اس حالت میں ٹیلیگراف کی خبر بھی معتبر ہے، ٹیلیگراف دلالت غیر لفظیہ و ضعیفہ غیر ممیزہ ہونے میں توپ اور طبل سے مشابہت رکھتا ہے، اور طبل و توپ سے متعلق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح ہے، یتسحر بقتل عدل و کذب بضر الطبول (وبعد اسطر) وقد يقال ان المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وان كان ضاربه فاسق لان العادة ان الموقت يذهب الى دار الحكم اخر النهار فيعين له وقت ضرب ويعينه العنا للوزير وغيره واذا ضرب به يكون ذلك بسراقبة الوزير واعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الفساد رد المحتار ج ۲ مطلب فی جواز الا فطار بالتحري، والفتا قال فی بحث رؤية الهلال قلت والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به الخ (رد المحتار ج ۲)

خلاصۃ الکلام:

- ① شہادت میں خط، ٹیلیگراف، ٹیلیفون وغیرہ کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں،
- ② معاملات دنیویہ میں بشرط اطمینان قلب اُن کی خبر معتبر ہے،
- ③ معاملات دینیہ میں اگر تحریر اور آواز کا امتیاز ہو اور مخبر مسلم ہو تو خط، ریڈیو، اور ٹیلیفون کی خبر معتبر ہے، ٹیلیگراف کی خبر معتبر نہیں، اس لئے کہ اس میں امتیاز صوت نہیں ہو سکتا،
- ④ اگر ریڈیو، ٹیلیگراف، ٹیلیفون وغیرہ خاص معتبر مسلم اور عادل شخص کے ضابطہ کے تحت ہوں کہ بدول اس کی اجازت کے کوئی بھی خبر نشر نہ ہو سکے تو اس صورت میں ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر دینی معاملات میں بہر صورت (آواز ممتاز ہو یا نہ ہو) معتبر ہے، اور اس صورت میں ٹیلیگراف کی خبر بھی معتبر ہے،

تمہید مذکور کے بعد یہ معلوم کرنا ہے کہ ثبوت ہلال کس قسم میں داخل ہے، سودا صبح ہو کہ بحالت غیم ثبوت ہلال عیدین کے لئے شرعی شہادت (دو معتبر مرد یا ایک مرد و دو عورتیں) ضروری ہے، اور ثبوت ہلال رمضان کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں، خبر واحد عادل کافی ہے، قال العلامة ابن غابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالته تنبيه الغافل والموسنان علی

احکام ہلال رمضان فی مجموعۃ الرسائل ج ۱ ص ۲۳۲، قال علمائنا الحنفیۃ فی کتبہم ویثبت رمضان برویۃ ہلالہ وباکمال عدۃ شعبان شم ان کان فی السماء علة من نحو غیم او غبار قبل لہلال رمضان خبر واحد عدل فی ظاہر الروایۃ او مستدر علی قول مصحح لا ظاہر الفسق اتفاقاً سواء جاء ذلك المخبر من المصر او من خارجه ولو كانت شہادۃ علی شہادۃ مثله او کان تناو انشی او محد ودا فی القذف تاب فی ظاہر الروایۃ لانه خبر دینی فاشیہ رزایۃ الاخبار، ولہذا لا یشرط لفظ الشہادۃ ولا الدعوی ولا الحکم ولا المجلس القضاء وشرط لہلال الفطر مع علة فی السماء شروط الشہادۃ لانه تعلق بہ نفع العباد وهو الفطر فاشیہ سائر حقوقہم فاشترط لہ ما اشترط لہا من العد والعدالة والحرية وعدم الحد فی القذف وان تاب ولفظ الشہادۃ والدعوی علی خلاف فیہ الا اذا کانوا فی بلدۃ لا حاکم فیہ فانہم یصومون فیہ بقول ثقة ویفطرون بقول عدلین للضرورة وھلال اضحی وغیرہ کا لفظ، سو معلوم ہوا کہ ہلال عیدین کے ثبوت کے لئے ٹیلیگراف، ٹیلیفون اور خط وریڈیو وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں، اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادت شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدود ولایت تک معتبر ہے، حدود ولایت سے خارج معتبر نہیں، اس لئے کہ ہلال عید کے ثبوت کے لئے شہادۃ علی الرؤیۃ یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی اور اس کی عدم موجودگی میں کسی مفتی کے فیصلہ پر شہادت ضروری ہے، اور ریڈیو وغیرہ سے کسی قسم کی شہادت بھی معتبر نہیں، کما متر مفصلاً، شہادت کی اقسام ثلاثہ عبارت ذیل ثابت ہیں؛

قال فی العلائق شہد وانہ شہد عند قاضی مصر کذا شہد ان برویۃ الہلال فی لیلة کذا، وقضی القاضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعوی قضی اسی جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادۃ ہما لان قضاء القاضی حجة وقد شہدوا بہ لا لوشہد وابرویۃ غیرہم لانه حکایۃ، وفي السامیۃ (قوله اسی جاز) الظاہر ان المراد بالجواز الصحة فلا ینافی الوجوب تأمل، (قوله لانه حکایۃ) فانہم لم یشہدوا بالرؤیۃ ولا علی شہادۃ غیرہم وانما حکوا رؤیۃ غیرہم کذا فی فتح القدیر قلت وکذا لوشہد وابرویۃ غیرہم وان قاضی تلك المصر امر الناس بصوم رمضان

لأنه حكاية لفعل القاضي الضار ليس بحجة بخلاف قضاءه ولذا قيد بقوله ووجد
استجماع شرائط الدعوى كما قلنا فتأمل، (رد المحتار ج ۲)

اور ہلال رمضان میں خط، ریڈیو، ٹیلیفون کی خبر اس شرط سے قبول ہوگی کہ تحریر یا آواز کا کامل
مہتیا ز ہو سکے، اور محض مسلم عادل ہو، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ محض اپنی روایت کی خبر دے، مبہم خبر
(مثلاً یہاں چاند دیکھا گیا ہے یا روزہ رکھا گیا ہے وغیرہ) کا کوئی اعتبار نہیں، اور ٹیلیگراف کی خبر
کسی حال میں بھی معتبر نہیں، البتہ اگر ٹیلیگراف یا ٹیلیفون اور ریڈیو خط وغیرہ کسی خاص ضابطہ
کے تحت ہوں کہ ان کے ذریعہ کوئی شخص بلا اذن مسلم عادل کے کوئی خبر نہ دے سکتا ہو تو ان کی خبر
بلا مہتیا ز صوت و خط بھی معتبر ہے،

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے حکومت شرعیہ کے فقہاء کے وقت شہادت ہلال عیدین
کو بھی ہلال رمضان کا حکم دے کر اس میں چند شرائط سے ریڈیو، ٹیلیفون اور خط وغیرہ کی خبر کو معتبر
قرار دیا ہے، مگر حکومت شرعیہ نہ ہونے کی حالت میں اگرچہ شہادت کے جمیع شرائط کا پایا جانا
ممکن نہیں، تاہم حتی الامکان جتنی شرائط ہو سکیں ان کا وجود ضروری ہے، لہذا ایسی شرط جن کا
تعلق قاضی یا مجلس قضاء سے نہیں (مثلاً عدد کامل، عدالت، حریت، عدم الحد فی القذف، رد و رد
حاضر ہونا) ساقط نہ ہوں گی، اس پر ایک قرینہ تو شامیہ کی عبارت سے گزرا کہ حاکم شرعی نہ ہونے
کی حالت میں بھی ہلال عیدین میں قول عدلین کو ضروری قرار دیا ہے، حالانکہ عدد بھی شرائط شہادت
میں سے ہے، اور دوسرا قرینہ یہ ہے قیشر شرط فیہ ما یشرط فی سائر حقوقہم من العدالة
والحرية والعدد وعدم الحد فی القذف، ولفظ الشهادة والدعوى علی خلاف فیہ
ان امکن ذلك والا فقد تقدم انہم لو كانوا فی بلدة لا قاضی فیہا ولا والی فان الناس
یصومون فیہا بقول ثقة ویفطرون باخبار العدلین (البحر الرائق) اس عبارت سے
معلوم ہوا کہ قاضی شرعی نہ ہونے کی حالت میں صرف وہ شروط ساقط ہوں گی جن کا تحقق ممکن نہ ہو
رد و رد حاضر ہونا وغیرہ من الشرائط الممكنة ساقط نہ ہوں گی، لہذا ہلال عیدین میں ریڈیو
وغیرہ کی خبر معتبر نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

ثبوت ہلال شعبان کی تحقیق:

سوال؛ ہلال شعبان بحالت صحیح شہادت عدلین بشرائطہا المعبرة سے ثابت ہوا، اب

بصورت عدم رؤیت ہلال رمضان تکمیل ثلاثین کے بعد صوم واجب ہو گیا نہیں؛ بینوا تو جرداً،

الجواب ومنه العدق والصواب

شہادت و قضاء مبنی ہیں حق العبد پر یا ایسے حق اللہ پر جس میں الزام علی الغیر ہو، جیسے طلاق بائن، وہ حقوق اللہ جن میں الزام علی الغیر نہیں بلکہ محض دیانات میں سے ہیں اُن کی قضاء صحیح نہیں اور نہ ہی اُن پر شہادت شرعیہ ہو سکتی ہے، ہلال عیدین چونکہ حقوق عباد سے ہیں اس لئے ان کا ثبوت اور حکم بالشہادۃ صحیح ہے، ہلال رمضان و باقی اہل حفوف العباد سے نہیں، اس لئے یہ تحت الحکم داخل نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی اُن پر شہادت صحیح ہوگی، ہلال رمضان چونکہ دیانات میں سے ہے اس لئے اس میں خبر عادل موجب عمل ہو جاتی ہے، قال فی شرح التنبیہ و طریق اثبات رمضان والعید ان یدعی وكالة معقولة بدخوله بقبض دين على الحاضر فيقر بالدين والوكالة وينكر الدخول فيشهد الشهود برؤية الهلال فيقضى عليه به ويثبت دخول الشهر ضمناً لعدم دخوله تحت الحكم وفي الشامية تحت (قوله يدعي) اي بان يدعي مدعي على شخص حاضر بان فلانا الغائب له عليك كذا من الدين وقد قال لي اذا دخل رمضان فانت وكيل بقبض هذا الدين ومثل ذلك ما لو ادعى على آخر بدين له عليه مؤجل الى دخول رمضان فيقر بالدين وينكر الدخول، (قوله ويثبت دخول الشهر ضمناً) لانه من ضروريات صحة الحكم بقبض الدين فقد ثبت في اثبات حق العبد لا قصد اولهذ ا قال في البحر عن الخلاصة بعد ما ذكره الشارح هنا لان اثبات مجبى رمضان لا يدخل تحت الحكم حتى لو اخبر رجل عدل لفتاى بمجبى رمضان يقبل ويأمر الناس بالصوم يعنى في يوم الغيم ولا يشترط لفظ الشهادة وشرايط القضاء اما في العيد فيشترط لفظ الشهادة وهو يدخل تحت الحكم لانه من حقوق العباد اهل قلت والحاصل ان رمضان يجب صومه بلا ثبوت بل بمجرد الاخبار لانه من الديانات ولا يلزم من وجوب صومه ثبوته كما مرّ وحينئذ ففائدة اثباته على الطريق المذكور عدم توقفه على الجمع العظيم لو كانت السماء

ع قال الرحمنى ينظر ربه ذلك مع انه يتعلق به حقه تعالى وتقبل فيه الشهادة من غير تقدم

دعوى ام (التحرير المختار ج ۱ ص ۱۲۶) ۱۲ منه

مصححة لان الشهادة على حلول الوكالة بدخول الشهر لا على رؤية الهلال ولا شك ان
حلول الوكالة يكتفى فيها بشاهدين لانها مجرد حق عبد ولا تثبت الا بثبوت الدخول
واذا ثبت دخوله ضمننا وجب صومه الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۷) معلوم ہوا کہ ہلال شعبان
بھی اگر حق العبد کے ضمن میں ہو تو اس پر شہادت صحیح ہے، اور اس صورت میں بحالت صحو و غیم
بہر حال شہادت عدلین کافی ہے، قال فی شرح التنویر و ہلال الاضحی و بقیة الا شہر
التسعة كالفطر على المذهب، وفي الشامية قال الخیر الرملى الظاہر انہ فی الاہلة
التسعة لا فرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الكثير
وهی توجہ الكل طالعين (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۰)

پس اگر ہلال شعبان حق العبد کے ضمن میں بشہادت معتبرہ ثابت ہوا یا ویسے ہی جم غفیر کی
رؤیت سے ثابت ہوا تو ہر دو صورت میں تکمیل ثلاثین کے بعد صوم واجب ہوگا، خواہ ابتداء
رمضان میں غیم ہو یا نہ ہو، اور اگر ہلال شعبان حق العبد کے ضمن میں نہیں تو اس پر شہادت
فضول ہے، اور چونکہ رمضان موقوف ہے ابتداء شعبان پر اس لئے اس کی خبر متعلق بالدیانات
ہوگی، لہذا اس کا ثبوت بعینہ رمضان کی طرح ہوگا، یعنی حالت غیم میں خبر واحد عادل اور صحو میں
خبر واحد آفاقی یا خبر عدلین پر اعتماد کیا جائے گا، اور ابتداء رمضان میں بحالت غیم تکمیل ثلاثین کے
بعد صوم واجب ہوگا بحالت صحو نہ ہوگا، لظہور الکذب، رمضان کا یہ حکم شامیہ میں مذکور ہے، البتہ شعبان
در رمضان میں اتنا فرق رہے گا کہ رمضان میں بحالت صحو ایک عادل رجو موضع مرفع یا خارج
بلد سے نہ آیا ہو، کی خبر قطعاً معتبر نہیں، اس لئے تکمیل ثلاثین کے بعد نہ بحالت غیم اور نہ بحالت
صحو کسی حال میں فطر کی اجازت نہیں، اور اگر ہلال شعبان ایسے ایک شخص نے بحالت صحو دیکھا تو
ابتداء رمضان میں بحالت صحو اگرچہ تکمیل ثلاثین پر صوم واجب نہ ہوگا مگر بحالت غیم وجوب صوم
ظاہر ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ رؤیت ہلال شعبان کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے، غرضیکہ دیانات
میں خبر عادل اس شرط سے موجب عمل ہوتی ہے کہ خلاص ظاہر ہونے کی وجہ سے اس میں کذب کا
ظن غالب پیدا نہ ہو،

تقریر مذکور پر شامیہ ج ۲ ص ۱۳۷ کے جزیئہ فلو شهد اخی الصحو لہلال شعبان و
ثبت بشروط الثبوت الشرعی یتثبت رمضان بعد ثلاثین یوما من شعبان الخ
سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اوپر خود شامیہ کی عبارت سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہلال شعبان

تحت الحکم داخل نہیں ہو سکتا، لہذا اس پر شہادت بیکار ہے، شامیہ کے جزیئہ مذکورہ کی دوتا ویلیں ہو سکتی ہیں،

① یہ شہادت اور ثبوت ہلال حق العبد کے ضمن میں ہو، چنانچہ ”ثبت بشرط الثبوت الشرعی“ اس پر دال ہے، علاوہ ازیں از تقبیہ المطلق کی مثال خود شامیہ میں موجود ہے، چنانچہ شرح التزییر کی عبارت مطلقہ شہد وانہ شہد عند قاضی مصر کن اشاہد ان برؤیة الهلال فی لیلۃ کذا کن احکم القاضی بہ الخ کے تحت فرماتے ہیں: والظاهر ان المراد من القضاء به القضاء ضمننا كما تقدم طریقہ والا فقد علمت ان الشهر لا یدخل تحت الحکم (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸)

② یثبت رمضان بعد ثلاثین یوماً کو حالت غیم فی ابتداء رمضان کے ساتھ مقید کیا جائے اور اس پر لفظ شہادۃ مجازاً اطلاق کر دیا ہے، جیسا کہ ہلال رمضان میں شہادت رجل یا شہادت رجلین نام فقہار لکھتے ہیں، حالانکہ اس میں شہادت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

الارزی الحجۃ ۵۷۵ھ

تیس رمضان کو بعد زوال گزشتہ رات میں رویت ہلال پر شہادت ہوئی تو افطار لازم ہے: سوال: عید فطر کی شب میں مطلع صاف نہ تھا، دو معتبر آدمیوں نے چاند دیکھنے کی شہادت حاکم کے پاس تیس رمضان کے زوال کے بعد دی، حاکم نے افطار کا اعلان کیا، ایک شخص افطار نہیں کرتا، تو کیا یہ شخص گنہگار ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

جو شخص حاکم کے فیصلہ شرعی کے بعد بھی افطار نہ کرے گا وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ یہ یوم شہادت شرعیہ سے یوم عید ثابت ہوا، اور عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۵، ذی الحجۃ ۵۷۵ھ

جہاں ہمیشہ ابر کی وجہ سے رویت ممکن نہ ہو:

سوال: برطانیہ میں ہر وقت ابر رہنے کی وجہ سے رویت ہلال ممکن نہیں تو رمضان و عیدین کا ثبوت کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہلال رمضان کے لئے کسی ایسے ملک کے ریڈیو پر اعتماد کیا جائے جس کے بارے میں

بہ یقین ہو کہ وہاں ضوابط شرعیہ کے مطابق رویت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے خواہ یہ ملک کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، دوسری صورت یہ ہو کہ کسی دوسرے علاقہ کے کسی معتبر عالم سے بذریعہ ٹیلیفون معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے، بشرطیکہ آواز کی پہچان یا دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہو جائے کہ ٹیلیفون پر کون بول رہا ہے، بندہ نے مسئلہ اختلاف مطالع پر افراد و اجتماعاً بارہا غور کیا ہر مرتبہ یہی نتیجہ نکلا کہ عند الاحناف بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع غیر معتبر ہے، اولیٰ یہی قول مفتی بہ ہے، ضرورت کے پیش نظر بلاد بعیدہ و قریبہ میں فرق کے قائلین کو بھی وسعت سے کام لینا چاہئے،

ہلال عیدین سے متعلق خبر مستفیض موصول ہو تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ تکمیل ثلاثین لازم ہے، نقلاً عنہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

سعودیہ میں رویت کا اعلان پاکستان کے لئے حجت نہیں:

سوال: سعودی عرب میں عموماً پاکستان سے دو روز قبل چاند کا اعلان ہو جاتا ہے، اور اس کی خبر مستفیض پاکستان میں پہنچتی ہے، تو اس خبر کے مطابق پاکستان میں عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اختلاف مطالع کا عذر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ حنفیہ کے ہاں اختلاف مطالع غیر معتبر ہے، بینوا نوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً، سعودی عرب میں رویت ہلال کی خبر کا حد استفاضہ کو پہنچنا محل تامل ہے، ثانیاً، حکومت سعودیہ میں رویت ہلال کا فیصلہ مسلک حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ براہمت کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس لئے وہ پاکستان کے لئے حجت نہیں، حنفیہ کے ہاں بحالت سحر جمع عظیم کی رویت شرط ہے، مگر حکومت سعودیہ میں بہر کیف رمضان کے لئے خبر واحد اور شوال و ذی الحجہ کے لئے شہادۃ العدلین پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب سعودی وزارت العدل کی وساطت سے البیت القضاۃ العلیا کی طرف موصول ہوا ہے، اس کے ضروری اقتباسات ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الرقم - ۱۵۲۹

التاریخ ۱۷/۱۰/۹۳

المسئكة العربية السعودية

وزارة العدل

مكتب الوزير

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔ نفیدکم بانشاقد احلناہذا
 الاستفسار الی الھیئة القضائیة العلیا برقم ۳۸۶ فی ۲۹/۳/۱۳۹۳ھ فتلقینا اجابہا
 ب خطاب فضیلة رئیسہا رقم ۶۵۶/۵/ق فی ۱/۱۰/۱۳۹۳ھ المتضمن ان المعمول بہ فی
 المملكة العربیة السعودیة فی کیفیة اخذ الشہادة لرؤية الهلال بالنسبة للاشہر
 عمومًا ولرؤية الهلال عند حلول شہر رمضان المبارک واتسلاخہ۔۔۔۔۔ انہ
 ثبت لدیہ بشہادة فلان وفلان وھما عدلان ثقتان بانھما رأیا ہلال شہر شعبان
 ۔۔۔۔۔ فیکون تحرری رؤیة ہلال شہر رمضان لیلة۔۔۔۔۔ فان شہد احد
 لدی احد القضاة فلیرفع نص شہادتہ۔۔۔۔۔ علما بان شہر رمضان یثبت
 بشہادة عدل واحد بخلاف سائر الشہور فلا یثبت دخولہا الا بشہادة رجلین عدلین
 ۔۔۔۔۔ واللہ یتوفی الجمیع لتوفیقہ
 وزیر العدل

محمد بن علی الحرکان

اس کے جواب میں بندہ نے لکھا تھا کہ آپ کے رویت ہلال کا فیصلہ خلاف ظاہر ہوتا ہے،
 اور اس کی وجہ تحریر کی تھیں، مگر پھر کوئی جواب نہ ملا،
 خلاف ظاہر ہونے کی وجہ:

① بحالت صحیحہ جبکہ رویت سے کوئی امر مانع نہیں پوری ملکیت میں سے صرف ایک بادر افراد
 کا چاند دیکھنا اور ان کے سوا اور کسی کو بھی نظر نہ آتا محال عادی ہے،
 ② وہاں شہادت سے دوسرے روز بھی رویت عامہ نہیں ہوتی، یعنی دوسری رات کا چاند بھی
 عوام کو دکھائی نہیں دیتا،

③ چودھویں یا پندرہویں شب کو بدرکامل ہونا لازم ہے، مگر شہادت کے لحاظ سے سولہویں
 یا سترہویں کو بدرکامل ہو رہا ہے،

④ جس روز مشرق کی طرف بوقت صبح چاند نظر آئے اس روز بلکہ اس سے ایک روز بعد بھی
 رویت ہلال محال ہے، کیونکہ ان ایام میں غروب شمس سے قبل ہی قمر غروب ہو جاتا ہے، اور
 حکومت سعودیہ میں بسا اوقات خود اسی روز ہی رویت کا اعلان ہو جاتا ہے، جس روز بوقت صبح
 مشرق میں چاند دیکھا گیا،

⑤ حجۃ الوداع کا بروز جمعہ ہونا تو اتر سے ثابت ہے، اور قمر کا زورِ صغیر و کبیر بھی مشاہدِ مسلم

ہو، لہذا کسی ایسے دن کو غرة اشتر قرار دینا باطل ہے جس کے حساب سے حجۃ الوداع یوم جمعہ سے قبل ثابت ہوتا ہو۔

① جہاں رویت پر شہادت ہوئی اس کے سوا دنیا میں کہیں بھی حتیٰ کہ مغرب بعید میں بھی اس روز کہیں رویت نہیں ہوتی،

② شہادت کی رُود سے چاند کی عمر کا پہلا دن پہلی تاریخ قرار پا رہا ہے، یہ بدیہی البطلان ہے اس لئے کہ اس کا مطلب نو یہ ہوا کہ بلال پیدائش سے بھی قبل نظر آ سکتا ہے،

شاید ظاہر حدیث کی بناء پر ان کے مذہب میں بہر حال خبر رویت ہلال ہی پر مدار ہے اس لئے وہ امور مذکورہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔
تنبیہ:

سعودیہ میں غیر ملکی مقیم حضرات اور حجاج کے لئے رمضان و عیدین اور حج و تہجد کی صحت میں شبہ کی ہرگز گنجائش نہیں، اس لئے کہ بحالت صحیح شہادت عدلین کی صحت مختلف فیہا ہے، لہذا اس کے مطابق قصار کی صورت میں یہ فیصلہ سعودیہ کی حدود کے اندر واجب العمل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

ہلال پر کسی کی شہادت قبول نہ ہوئی تو اس پر روزہ واجب ہے؛
سوال: اگر کسی شخص نے عید کا چاند دیکھا اور قاضی کے پاس جا کر اس کی گواہی دی لیکن قاضی نے اس کی گواہی رد کر دی، کیا یہ شخص روزہ رکھے گا یا نہیں؟ بینوا تو جردا،
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کی گواہی کو قاضی نے کسی دلیل شرعی کی وجہ سے رد کر دیا ہو تو اس پر روزہ واجب ہے، البتہ روزہ رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ نہیں، قال فی الدرر رای مکلف ہلال رمضان اور الفطر و رد قولہ بدلیل شرعی صام مطلقاً وجوباً و قیل ند با فان افطر قضی فقط فیہما لشبهة الرد (رد المحتار ص ۹۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

جس کی ہلال رمضان پر شہادت قبول نہ ہوئی وہ اکتیسواں روزہ بھی رکھے؛

سوال: اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھ کر قاضی کے ہاں شہادت دی مگر قاضی نے اس کی شہادت قبول نہ کی، اور اس نے اپنی رویت کی بناء پر روزہ رکھ لیا اور پھر عین روزے

روزے پورے ہونے پر بھی روزیت نہ ہوتی تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا یا صرف تیس روزے رکھ کر چھوڑ دے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا، اور دوسروں کے ساتھ عید کرے گا، قال فی الشامۃ (تنبیہ) لوصام رائی ہلال رمضان واکمل العدة لم یفطر الا مع الامام لقوله عليه الصلوة والسلام صومکم يوم تصومون وفطرکم يوم تفطرون رواہ الترمذی وغیرہ الناس لم یفطروا فی مثل هذا اليوم فوجب ان لا یفطر نہد رذ العتار فیہم فقط والله تعالیٰ اعلم ۲۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

برائے تسبیح الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ پکارنا:

سوال: یہاں رواج ہے کہ رمضان المبارک میں لوگوں کو رات کے وقت بیدار کرنے کے لئے ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کا اعلان کرتے ہیں، اس کے متعلق یہاں کے علماء میں اختلاف ہو گیا ہے، بعض کہتے ہیں جائز ہے، اور حدیث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کرتے ہیں، کہ بوقت سحر اعلان کیا کرتے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ بدعت ہے، کیونکہ زمانہ رسالت اور دور صحابہ میں یہ دستور نہ تھا، حدیث کا جواب اُن کے پاس نہیں ہے، پس آپ سے امید ہے کہ بحالت ممکنہ تحقیق فرما کر اختلاف رفع فرمائیں گے، بینوا تو جروا،

الجواب ومنہ الصدق ثوالصواب

بعض حنفیہ نے اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اذان لغوی یعنی اعلان کی تاویل کی ہے، مگر الفاظ حدیث لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحورہ سے اس کی تردید ہوتی ہے، اگر یہ اذان شرعی نہ تھی تو اس سے منع سحر کا کیا خطہ تھا؟ اذان شرعی مراد لینے پر یہ اشکال وارد کیا گیا ہے کہ اس صورت میں اذان بلال و اذان ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں امتیاز کیسے ہوتا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی آواز کا فرق مستیاز کے لئے کافی تھا، غرضیکہ اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اذان شرعی ہی تھی، جو صبح صادق سے کچھ قبل رجح قائم و ایقاظ نام کی غرض سے دی جاتی تھی، پھر یہ منسوخ ہو گئی، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ لا یؤذن فی الفجر قبلہ لمارواہ البیہقی انه علیہ الصلوة والسلام قال یلبلا لا تؤذن حتی یطلع الفجر قال فی الامام رجال اسنادہ ثقات و لروایۃ

مسلم کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتی الفجر اذا سمع الاذان ویخففہما
(البحر الرائق ص ۱۷۲۶۳) واخرج الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابراہیم قال
شیعنا علقمة الی مکة فخرج بلیل فسمع مؤذنا یؤذن بلیل فقال اما هذا فقد خالف
سنة اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نائماً کان خیر الہ فاذا طلع
الفجر اذن، قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فاخبر علقمة ان التأذین قبل طلوع الفجر
خلاف لسنة اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (شرح معانی الآثار ص ۱۷۶۹)
بالفرض اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعلان ہی مراد ہو تو اعلان کے الفاظ کی کہیں تصریح
نہیں، اور قاعده ہے کہ ذکر اللہ کو بدون الثبوت من الشرع کسی دوسرے مقصد کے لئے وسیلہ
بنانا خواہ وہ مقصد دینی ہو یا دنیوی جائز نہیں، اگر اس اعلان میں الفاظ ذکر بھی تسلیم کر لئے جائیں تو
بھی جملہ مذکورہ فی السؤال چونکہ فرقہ المبتدعہ اور عقیدہ حاضر و ناظر رکھنے والوں کا شعار ہے اس لئے
جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
ارزی الحجۃ ۱۴۰۵ھ

دائم المرض شیخ فانی کے حکم میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ ایک شخص دائم المرض ہے، صحت کی کوئی
امید نہیں، تو یہ شخص فدیہ صوم میں شیخ فانی کے حکم میں ہر یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب رمنہ الصدق والصواب

یہ شخص شیخ فانی کی طرح فدیہ دے گا، لما فی الشامیة (قوله وللشیخ الفانی) ای الذی
فنیق قوتہ او اشرت علی الفناء ولذا عرفوہ بانہ الذی کل یوم فی نقص الی ات
یسوت نمر ومثله ما فی القہستانی عن الکرمانی المریض اذا تحقق الیأس من الصحۃ
فعلیہ الفدیۃ لكل یوم من المرض اه وکذا ما فی البحر لوند صوم الابد فضعف عن
الصوم لاشتغاله بالمعیشۃ لہ ان یفدی ویفطر لانه استیقن انه لا یقدر
علی القضاء (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رجب ۱۴۰۵ھ

کان میں پانی جانا مفسد نہیں:

سوال:

کان میں پانی پڑ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

کان میں پانی جانے سے روزہ نہیں جاتا، عمداً ڈالنے کے مفسد ہونے میں اختلاف ہے، عدم افساد رائج اور افساد احوط ہے، تیل یا دوا ڈالنا بالاتفاق مفسد ہے، لما فی العلائقہ او دخل الماء فی اذنه وان کان بفعله علی المختار رالی قوله) لم یفطر و فی الثامیة (قوله وان بفعله اختاره فی الهدایة والتبین وصححه فی المحيط و فی الروا الجیة انه المختار وفصل الخاتمة ان دخل لا یفسد وان ادخله یفسد فی الصحيح لانه وصل الی الجوف بفعله فلا یعتبر صلاح البدن ومثله فی البزازیة واستظهره فی الفتح والبرهان شرب لالیة ملخصاً والحاصل الاتفاق علی الفطر یصب الدهن وعلی عدمه بدخول الماء واختلاف التصحیح فی ادخاله نوح (رد المحتار ج ۲) و فی الہندیة ولو اقطر فی اذنه الماء لا یفسد صومه کن فی الہدایة وهو الصحيح هکذا فی محیط السرخسی (عالمگیریہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا جائز ہے:

سوال: پانچ چھ روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس میں اختلاف ہے، درمختار میں جائز لکھا ہے، اور شامیہ میں بحر سے نقل کیا ہے کہ عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ جائز نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی روایت ہے، شامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فدیہ متعدد اشخاص پر تقسیم کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول جواز ماخوذ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حکم فدیہ مثل کفارہ نہیں، بلکہ مثل صدقۃ الفطر اور لہذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینے میں بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہی رائج ہوگا، قال فی شرح التنویر والشیخ القانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً ولو فی اول الشهر وبلا تعدد فقیر کا فطرۃ الخ، و فی الثامیة (قوله وبلا تعدد فقیر) ای بخلاف نحو کفارۃ الیسین للنص فیہا علی التعدد فلواعطى ہما مسکیناً صاعاً عن یومین۔ اور لکن فی البحر عن القنیۃ ان عن ابی یوسف فیہ روایتین وعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجزیہ صاعاً عن ابی یوسف لواعطى نصف صاع من یرعن یوم واحد لمساکین یجوز قال الحسن وہ نأخذہ ومثله فی القستانی (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۸ شوال ۱۴۲۸ھ

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛

سوال: انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا رماغ میں پہنچ جائے، انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی، بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے، لہذا روزہ نہیں ٹوٹتا، قال فی شرح التتویر اذا التحل او ادهن او احتجم وان وجد طعمه فی حلقه، وفي الشامية لانه اثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمضرا منها هو الدخول من المنافذ للاتفاق على ان من اغتسل في ماء فوجد برودة في باطنه انه لا يفطر وانما كره الامام رحمه الله تعالى الدخول في الماء والتلفق بالشرب المبلول لما فيه من اظهار الفجر في اقامة العبادة لانه مقطرا هم ربه المعتاز ج ۲، فقط والله تعالى اعلم ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ

روزہ رکھنے کے بعد بیمار ہو گیا:

سوال: ایک شخص روزہ رکھنے کے بعد بیمار ہو گیا، اور حالت نازک ہو گئی، اگرچہ موت کا خوف نہ تھا، اس حالت میں ڈاکٹر نے دوا پلائی، تو کیا یہ شخص گنہگار تو نہ ہوگا؟ اور محض قضا، لازم ہے یا کفارہ بھی؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر روزہ نہ چھوڑنے کی صورت میں مرض کی شدت یا مدت میں اضافہ کا ظن غالب ہو تو افطار جائز ہے، صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں، اگر انجکشن سے علاج ہو سکے تو روزہ توڑنا جائز نہیں، قال فی الہندیۃ المریض اذا خاف علی نفسه التلف او ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذلک عندنا وعلیہ القضاء اذا فطر، (عالمگیریہ، ص ۱۷۳)، فقط والله تعالى اعلم،

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ

انزال بالقبلہ سے قضا، کفارہ نہیں:

سوال: رمضان میں عورت کو بوسہ دیا، اور انزال ہو گیا، تو قضا اور کفارہ ہے؟

یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اس صورت میں فقط قضا ہے کفارہ نہیں، قال فی التنبیروطی امرأة میتة او یمیتة او فخذنا او بطننا او قبل او لمس فانزل او افسد غیر صوم رمضان اداء (الی ان قال) قضی فقط (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ

سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس یا اٹھائیس دن کا ہو گیا؟

سوال؛ مکہ مکرمہ میں پاکستان سے ایک یا دو روز قبل چاند دکھائی دیتا ہے، پس اگر کوئی شخص رمضان میں مکہ مکرمہ سے پاکستان آیا اور پاکستان میں اکتیس کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو یہ شخص کیا کرے؟ اگر روزہ رکھتا ہے تو اس کے اکتیس روزے ہو جائیں گے، اسی طرح اگر کوئی پاکستان سے مکہ مکرمہ جائے تو اس کے اٹھائیس ہی روزے ہوتے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اہل پاکستان نے اس شخص کی خبر متعلق رویت ہلال شرائط معتبرہ کے مطابق قبول کر لی تو اہل پاکستان ایک روزہ قضا رکھیں گے، اور اس آنے والے کے روزے پورے ہو جائیں گے، اگر اس کی خبر قبول نہ کی گئی تو یہ اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا، اور دوسرے لوگوں کے ساتھ عید کرے گا، قال فی الشامیۃ تنبیہ:- لوصام رائی ہلال رمضان واکمل العدۃ لم یفطر الا مع الامام لقوله علیہ السلام صومکم یوم تصومون و فطرکم یوم تفتطون رواہ الترمذی (رد المحتار ج ۲ ص ۹۸)
دوسری صورت میں اہل مکہ کے ساتھ عید کرے اور ایک روزہ قضا رکھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

ہوائی سفر میں دن بہت بڑا یا بہت چھوٹا ہو جائے تو روزے کا حکم:

یہ مسئلہ باب صلوٰۃ المسافر میں گزر چکا ہے،

طویل النہار مقامات میں روزے کا حکم:

یہ مسئلہ بھی باب صلوٰۃ المسافر میں گزر چکا ہے،

شکاگو میں اوقاتِ سحر و افطار:

یہ مسئلہ کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء میں گذر چکا ہے،

کفارۃ صوم میں تداخل کی تفصیل:

سوال: متعدد روزوں کے کفاروں میں تداخل ہوگا یا نہیں؟ رائج کیا ہے؟ تفصیل سے

تحریر فرماتیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں:

① مطلقاً تداخل ہے، خواہ ایک رمضان کے روزے ہوں یا مختلف رمضانوں کے، خواہ

جماع سے فاسد کئے ہوں یا غیر جماع سے،

② دو رمضان کے کفاروں میں تداخل نہیں، خواہ جماع سے ہوں یا غیر جماع سے،

③ دو رمضان کے کفارے بسبب جماع ہوں تو تداخل نہیں، بقیہ سب صورتوں میں

تداخل ہے،

تیسرا قول رائج ہے، قال فی شرح التنبیہ ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیه واحدۃ

ولو فی رمضانین عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وعلیہ الاعتماد، یزازیۃ ومجتبیٰ

وغیرہما، واختار بعضهم للفتویٰ ان الفطر بغير الجماع تدخل والا، وفي السامیۃ

(قوله وعلیہ الاعتماد) نقله فی البحر عن الاسرار ونقل قبله عن الجوهرۃ لوجامع

فی رمضانین فعلیہ کفارتان وان لم یکفر للاولیٰ فی ظاہر الروایۃ وهو الصحیح اہ قلت

فقد اختلف الترجیح کما تری ویتقوی الثانی بانہ ظاہر لروایۃ المختار فیہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال ۱۳۵۸ھ

روزہ میں عورت کو لبوں پر سُرخ لگانا:

سوال: عورت کو روزہ کی حالت میں لبوں پر سُرخ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، البتہ منہ کے اندر جانے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

روزہ میں خون نکلوانا مفسد نہیں:

سوال: روزہ کی حالت میں بذریعہ انجکشن خون نکلوانا مفسدِ صوم یا مکروہ تو نہیں؟
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مفسد نہیں البتہ اگر ایسے ضعف کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت نہ رہے گی تو مکروہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ شوال ۱۴۲۸ھ

قبل الغروب چاند دیکھ کر افطار کر لیا تو کفارہ لازم ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب نے رمضان المبارک کی ۳۰ تاریخ کو قبل الغروب چاند نظر آنے کی وجہ سے لوگوں کو افطار کا حکم دیدیا اور خود بھی افطار کر لیا، ان مولوی صاحب پر شریعت نے کیا حکم دیا؟ اور جن لوگوں نے مولوی صاحب کے کہنے پر افطار کر لیا ان کا کیا حکم ہے؟ آیا قضا و کفارہ سب پر لازم ہے یا صرف قضا؟ یا روزہ سے افطار کرنا صحیح ہو گیا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ چاند بالاتفاق آئندہ رات کا تھا، اس کو دیکھ کر روزہ افطار کرنا اور افطار کا حکم دینا ناجائز اور حرام ہے، حکومت پر لازم ہے کہ ایسے مولوی کو شدتِ جرم کے مطابق شدید تعزیر لگائے، مولوی صاحب پر توبہ اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں، اور عوام جو مسائل سے نادان ہیں اور انھوں نے مولوی صاحب کے مسئلہ بتلانے پر روزہ افطار کیا ہے ان پر صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں، یہ حکم زوال کے بعد چاند دیکھنے کا ہے، قبل الزوال دیکھا تو بھی روزہ توڑنا جائز نہیں، روزہ توڑ دیا تو توبہ اور قضا فرض ہے، مگر کفارہ نہیں، اس لئے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چاند گزشتہ رات کا ہے، لہذا شبہ اختلاف کی وجہ سے کفارہ ساقط ہے، قال فی العلائقہ ورؤیتہ بالنہار للیلۃ الآتیۃ مطلقاً علی المذہب ذکرہ الحدادی، وفی الشامیۃ وقولہ ورؤیتہ بالنہار للیلۃ الآتیۃ مطلقاً، امی سواء رؤی قبل الزوال أو بعدہ وقولہ علی المذہب امی الذی ہو قول ابی حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ قال فی البدائع فلا یكون ذلك اليوم من رمضان عند ہما و قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان کان بعد الزوال فذلك وان کان قبلہ فهو للیلۃ الماضیۃ ویكون اليوم من رمضان الخ (رد المحتار، ص ۱۰۴ ج ۲) وفی التنبیہ واحتجم فطن فطرہ

به فاکل عمداً اقضى وكفر، وفي الشرح لانه ظن في غير محله حتى لو افتاه مفت يعتمد على قوله او سمع حديثاً ولم يعلم تأويله لم يكفر للشبهة وان اخطأ المفتي وفي الشامية (قوله او سمع حديثاً) كقوله صلى الله تعالى عليه وسلم افطراً لحاجم والمحجوم، وهذا عند محمد رحمه الله تعالى لان قول الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم اقوى من قول المفتي فاولى ان يورث شبهة وعن ابى يوسف رحمه الله تعالى خلافه لان على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه الى معرفة الاحاديث زيلعي، (رد المحتار ص ۱۱۸ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۵/ ذی الحجہ ۸۸ھ

سوال مثل بالا :

سوال: اگر کسی شخص نے قبل الغروب عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑ دیا یا بس نیت کہ اب تو رمضان ختم ہو گیا تو کیا ایسے آدمی پر کفارہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

کفارہ واجب ہے قال فی البزازیة رأى هلال الفطروقت العصر فظن انقضاء مدته وافطر قال فی المحيط اختلافوا فی لزوم الکفارة والا کثر علی الوجوب ربزازیة علی العالمگیریة ص ۱۰۰ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۱۱/ صفر ۹۷ھ

روزہ میں دانت نکلوانا یا اس پر دوا لگانا:

سوال: روزہ میں ڈاکٹر سے ڈاڑھ نکلوانا اور منہ میں دوا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بوقت ضرورت شدیدہ جائز ہے، اور بلا ضرورت مکروہ ہے، اگر دوا یا خون پیٹ کے اندر چلا جائے اور تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، قال فی شرح التتویر اخرج الدم من بین استانه ودخل حلقه یعنی ولم یصل الى جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساوى فسد والا لا الا اذا وجد طعمه بزازیة، وفي الشامية ومن هذا یعلم حکم من قلع ضرسه فی رمضان ودخل الدم الى جوفه فی النهار ولو نائماً فیجب علیه القضاء الا ان یفرق بعدم امکان التحرر عنه فیکون کالقی الذی

عاد بنفسه فليراجع (رد المحتار ص ۱۰۷ ج ۲) قے اور دانت نکلوانے میں یہ فرق ہے کہ اول غیر
غیر اختیاری ہر اور ثانی اختیاری، نیز نسبتاً قلیل الوجود ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲، محرم ۸۹ھ

روزہ میں استنجار کا پانی خشک کرنا ضروری نہیں:

سوال: کتاب نور الایضاح کی فصل فی الاستنجار میں ہے کہ صائم استنجار بالماء کے بعد قبل
القیام مخرج کو کسی چیز سے اچھی طرح خشک کر لے، تاکہ پانی اندر کی طرف جذب نہ ہونے پائے،
کیا یہ قول مفتی بہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی کوئی ضرورت نہیں، استنجار سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اگر پانی موضع
حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر استنجار میں ایسا نہیں ہوتا، قال فی العلائق
ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسد وهذا قلما یكون
ولو کان فیورث داءً عظیماً، (رد المحتار ص ۱۰۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۳ ذیقعدہ ۸۹ھ

رجب کے روزہ کا حکم:

سوال: رجب کی ۲ تاریخ کاروزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی الاحیاء فی بیان الالیام الفاضلة ویوم سبعة وعشرين من رجب
له شرف عظیم روی ابو ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال من صام یوم سبع وعشرين من رجب كتب الله له صیام ستین شهراً وهو
الیوم الذی اهبط الله فیہ جبرائیل علیہ السلام علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بالرسالة، وقال الزین العراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تخریج اخبار الاحیاء حدیث
الی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ من صام یوم سبع وعشرين من رجب كتب الله
له صیام ستین شهراً وهو الیوم الذی هبط فیہ جبرائیل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سلم، رواہ ابو موسی المدینی فی کتاب فضائل الالیام والایام من رواية شهر بن حوشب
عنه (احیاء العلوم ص ۳۶۱ ج ۲)، اس روایت سے استحباب ثابت ہوتا ہے، بہرط جبرائیل

پر اشکال کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی خاص قسم کا ہبوط مراد ہو، عوام اُس روزہ کی فضیلت معراج کی وجہ سے سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کا شب معراج ہونا مختلف فیہ ہے، لیلۃ المعراج اور اس کے بعد کے دن میں کوئی عبادت مآثر نہیں، جمعہ کی رات اور دن کی فضیلت مسلم ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تختصوا لیلۃ الجمعة بالقیام من بین الیالی ولا یوم الجمعة بالصیام من بین الایام، غرضیکہ ۲ رجب کا روزہ فی نفسہ مستحب ہے، مگر عوام کے فساد عقیدہ کی وجہ سے اس سے احتراز کرنا چاہئے، ۲ رجب کی شب میں عبادت سے متعلق احیاء العلوم کی روایت کو عواتی نے منکر قرار دیا ہے، لیلۃ المعراج میں اختلاف کی تفصیل احسن الفتاویٰ کے مسائل ششی میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (نظر ثانی میں اس روزہ کو بدعت قرار دیا ہے تفصیل تمہ میں ہے) ۱۶ رجب سنہ ۹۰ھ

حالتہ کارمضان میں کھانا پینا؛

سوال؛ اگر رمضان میں عورت ایام کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو اس کو دن میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حیض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا یا روزہ رکھنے کے بعد حیض آگیا، تو کھانا پینا جائز ہے؛ لیکن دوسروں کے سامنے نہ کھائے، اور اگر دن کو حیض سے پاک ہوئی تو دن کا باقی حصہ روزہ دار کی طرح رہنا واجب ہے، قال فی التنبیہ ویمنع صلوٰۃ وصوماً، و فی الشامیۃ عن البحر دھل یکرہ لہا التشبہ بالصوم ام لا مال بعض المحققین الی الاول لان الصوم لہا حرام فالتشبیہ بہ مثله واعترض بأنه یتعبد لہا الوضوء والقعود فی مصلّاھا وهو تشبیہ بالصلوٰۃ اھ فتأمل (رد المحتار ص ۲۶۸ ج ۱) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الحائض اذا طهرت فی رمضان فانہا تمسک تشبیہا بالصائم لحرمۃ الشهر ثم تقضی الخ (رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۱ رمضان سنہ ۹۰ھ

نکسیر کا خون اندر جانا مفسد ہے؛

سوال؛ نکسیر کا خون حلق میں سے پیٹ میں چلا گیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے روزہ ٹوٹ گیا، صرف قضا واجب ہر کفارہ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۱ رمضان ۱۴۹۱ھ

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

سوال: آنکھ میں بہتی ہوئی دوا ڈالنے سے حلق میں دوا کا صاف اثر معلوم ہوا ہے

اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقبہ وان وجد

طعمہ فی حلقہ، ای طعم الکحل او الدھن کما فی السراج وکن الوبزق فوجد

لونه فی الاصح بحر، قال فی النہر لان الموجود فی حلقہ اثر داخل من المسام

الذی یوخلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ (مختار ص ۲۳۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان ۱۴۹۱ھ

روزہ میں منجن ملنا مکروہ ہے:

سوال: روزہ میں منجن یا ٹوتھ پیسٹ یا عورت کو مٹی یا دنداسہ لگانا جائز ہے

یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ ہے، اور اگر کوئی چیز حلق سے نیچے اتر گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذیقعدہ ۱۴۹۱ھ

کانچ تر کر کے چڑھانا مفسد ہے:

سوال: اگر کسی کی کانچ بھل آئے، اور اس کو تر کر کے چڑھائے تو روزہ فاسد ہوگا

یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

روزہ فاسد ہو جائے گا، فی الشامیۃ عن الفتح خروج سرمہ فغسلہ فان

قام قبل ان ینشفہ فسد صومہ والافلا (مختار ص ۲۳۱-۲۳۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذیقعدہ ۱۴۹۱ھ

یواسیری مٹے پردوالگانا مفسد نہیں:

سوال: یواسیر کے مستوں کو پانی سے تر کر کے اوپر چڑھانے اور مستوں پر دوالگانے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یواسیری مٹے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مستوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مستوں پر دوالگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کایچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

نابالغ روزہ توڑ دے تو قضاء ضروری نہیں:

سوال: نابالغ بچہ روزہ فاسد کر دے، یا اس کا والد رحم کی وجہ سے روزہ کھلوا دے یا فاسد کر دے تو اس پر یا اس کے والد پر قضاء یا کفارہ واجب ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ روزہ توڑ دے تو اس کی قضاء رکھوانا ضروری نہیں، نماز توڑ دے تو دوبارہ پڑھوانا واجب ہے، سات برس کا ہو تو زبانی کہا جائے، اور دس برس کا ہو تو مار کر نماز پڑھائی جائے، نقل فی الشامیۃ عن احکام الاستروشنی الصبی اذا فسد صومہ لا یقضى لانه یلحقہ فی ذلک مشقۃ بخلاف الصلوۃ فانہ یومر بالاعادۃ لانه لا یلحقہ مشقۃ (رد المحتار ص ۱۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ سوال

شوال میں قضاء روزے رکھنے سے شش عید کا ثواب نہیں ملتا:

سوال: رمضان کے قضاء روزے شش عید میں رکھے تو ان چھ روزوں کا ثواب بھی اس کو ملا اور قضاء بھی ہو گئے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث مسلم من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال کان کصیام الدھر، سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ روزے غیر رمضان کے مراد ہیں، نیز صیام دہر کے ثواب کی وجہ یہ

بتائی جاتی ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہے، اس حساب سے رمضان کا مہینہ دس ماہ کے قائم مقام ہوا، پورے سال سے دو ماہ رہ گئے، اس کی تکمیل کے لئے شوال کے چھ روزے ہیں، جو ساٹھ روز (دو ماہ) کے قائم مقام ہیں، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نفل روزے مراد ہیں، ان ایام میں قضا، روزوں سے یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی،

صوم عاشوراء کی مشروعیت بطور شکرانہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فضیلت بھی نفل روزہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس روز قضا، روزہ رکھنے سے یہ ثواب نہ ملے گا، نصف شعبان و یوم عرفہ کے روزہ میں تطوع کی قید کہیں سے ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ ایسے فضائل کا درود بالعموم نوافل ہی کے لئے ہے، مگر روایات کے الفاظ مطلق ہیں، ظاہر الفاظ کے پیش نظر ان دونوں میں قضا، روزہ رکھنے سے حصول فضیلت بعید نہیں، بالخصوص جبکہ انا عند ظن عبدی بی کی بشارت بھی ہے،

بعض علماء نے عدم فضیلت پر یوں استدلال کیا ہے کہ فرض میں نیت نفل صحیح نہیں، یہ استدلال اس لئے تام نہیں کہ یہاں نیت نفل کا مسئلہ نہیں، بلکہ بحث یہ ہے کہ فضیلت موعودہ صرت نفل ہی کے لئے ہے یا مطلق صوم کے لئے خواہ نفل ہو یا فرض، و نظیرہ ماحرر ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یمنال فضل التہجد بقضاء الفوائت بعد العشاء، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ شوال ۹۲ھ

گزشتہ سالوں کے فدیہ میں وقت ادار کی قیمت معتبر ہے:

سوال: اگر بعد بلوغ اداتل عمر میں روزے قضا ہو گئے، اب بوجہ ضعیفی و کمزوری قضا رکھنے سے معذوری ہے، تو کیا فدیہ میں گندم کی قیمت چالیس سال قبل کی لگائی جائیگی جب روزے قضا ہوئے تھے، یا موجود نرخ لگایا جائے گا، اگر اقساط میں فدیہ ادار کیا جائے تو نیت کے روز جو نرخ ہے وہ محسوب ہوگا، یا بوقت ادار جو نرخ ہوگا وہ واجب الادا ہوگا؟ بینوا تو جزا

الجواب باسم ملہم الصواب

فدیہ میں اصل واجب خود گیہوں ہے، قیمت اس کے قائم مقام ہے، اس لئے بہر صورت وقت ادار کے نرخ کا اعتبار ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۲ھ

مشتبہ وقت میں سحری کھانا مکروہ ہے:

سوال: اذان ہوتے ہی سحری چھوڑ دی گئی، لیکن ایک دو لقمہ جو منہ کے اندر تھا وہ

نگل کر پانی پی لیا شرعاً روزہ ہو گیا یا اس کی قضاء لازم ہے؟ بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ سارن بج رہا ہے سحری بند ہونے کا اعلان ہو رہا ہے اور اذان شروع ہے، لیکن ہوٹلوں میں چائے پی کر کھلی کر لیتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ ظن غالب ہو کہ صبح صادق ہونے کے بعد اذان شروع ہوئی ہو تو روزہ نہ ہوگا، اور اگر حالت مشتبہ ہو تو اس وقت کھانا پینا مکروہ ہے، مگر روزہ صحیح ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ رمضان ۱۴۲۵ھ

فدیہ کی مقدار:

سوال: ایک شخص بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا، اس کا فدیہ کیا ہو؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحت کے بعد روزہ قضا رکھنا فرض ہے، البتہ اگر صحت کی کوئی امید نہیں رہی اور آخر دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوسی ہے، چھوٹے اور ٹھنڈے ایام میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، تو ایک روزہ کے عوض ۲۲۵ کلو گیسوں کی قیمت کسی مسکین کو دیدے وزن کی تحقیق کے لئے میرا رسالہ "بسط الباع لتحقيق الصاع" ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
غزوہ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

فدیہ و کفارہ کا فر کو دینا جائز نہیں:

سوال: فدیہ اور کفارہ کا طعام کا فر کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کافر حربی کو دینا بالاتفاق جائز نہیں، اور ذمی کو دینے میں اختلاف ہے، عدم جواز راجح ہے، فی ظہار الشامیۃ تحت (قوله ومصرفا) قال الرملى وفى العاوى وان اطعم فقراء اهل الذمۃ جاز وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى لا يجوز وبه نأخذ اہم قلت بل صرح فى كافى الحاكم بانہ لا يجوز ولم يذكر فيه خلافاً وبہ علم انہ ظاہر الروایۃ عن الكل رد المحتار ص ۳۳۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۸ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

صحت کے بعد غروب تک کھانا پینا ناجائز ہے:

سوال: ہندہ کے روزہ کی حالت میں پیٹ میں شدید درد ہو گیا، دوا استعمال

کی آرام ہو گیا، تو غروب تک روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

واجب ہے، فی العلائق کما فرقام وحائض، ونفساء طموتا ومجنون افاق
ومریض صم ومفطرو لمکرھا او خطا وصبی بلغ وكافر اسلم (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶ شوال ۹۶ھ

روزہ میں قے کا حکم،

سوال: قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قے منہ بھر آئی اور ایک چنے کی مقدار یا اس سے زائد عمداً واپس لوٹالی تو روزہ ٹوٹ گیا،
قضا فرض ہے، کفارہ نہیں، اور اگر جان بوجھ کر منہ بھرتے کی تو اس صورت میں بہر حال روزہ
فاسد ہو جائے گا، اگرچہ واپس نہ لوٹائے، البتہ منہ بھرتے نہ ہو تو مفسد نہیں، قال فی الشامیۃ
(قرلہ وان ذرعه القی) والمسألة تتفرع الى اربع وعشرين صورة لانه اما ان یقی راو
یستقی و فی کل اما ان یملأ الفم اودونه وکل من الاربعة اما ان یرج او عا د او اعاده
وکل اما ذکر لصومه او لا و لا فطر فی کل علی الاصح الا فی الاعادة والاستقاء بشرط الملأ
مع التذکر شرح الملتقی (رد المحتار ص ۱۲۰ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ رمضان المبارک ۹۷ھ

قے کو مفسد سمجھ کر کچھ کھا لیا تو کفارہ نہیں:

سوال: اگر ایک انسان نے غیر مفسد صوم قے کو مفسد سمجھ کر اس کے بعد کچھ کھا لیا

تو اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کفارہ نہیں، صرف قضا فرض ہے، قال فی شرح التنویر او ذرعه القی و فظن
انه افطر فاکل عمد الشبهة ولو علم عدم فطرة لزمته الكفارة، وقال
ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لوجود شبهة الاشتباه بالنظیر فان القی
والاستقاء متشابهان لان مخرجهما من الفم (رد المحتار ص ۱۱۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ رمضان المبارک ۹۷ھ

کفارہ کی مقدار :

سوال : ایک آدمی پر روزوں کا کفارہ لازم ہے، اس کے لئے ایک روزہ کا کفارہ ادا کرنا مشکل ہے، صرف مال یعنی پیسے وغیرہ ادا کر سکتا ہے، تو یہ بتائیں کہ ایک روزہ کا کفارہ مالی قیمت کے اعتبار سے کیا ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسلسل ساٹھ روزے رکھنے کی قدرت نہیں تو ایک مسکین کو ۲۵۲ کلو گھیوں کی قیمت، ساٹھ روز تک دے یا ساٹھ مسکینوں کو ایک ہی دن میں دیدے، ہر مسکین کو ۲۵۲ کلو گھیوں کی قیمت، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
روزہ کی قضا میں دن کی تعیین :

سوال : زید کے مرض کی وجہ سے متعدد روزے چھوٹ گئے، اور اب اس کا ادا کرنے کا ارادہ ہے، تو کیا ان میں دن کی تعیین ضروری ہے کہ فلاں دن کا روزہ رکھ رہا ہوں، یا کہ مطلق روزہ کی نیت کافی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ایک ہی روزہ قضا ہوا ہو یا ایک رمضان کے متعدد روزے قضا ہوئے ہوں تو نیت میں دن کی تعیین ضروری نہیں، اور اگر متعدد رمضانوں کے روزے قضا ہوں تو اشتراط تعیین رمضان میں اختلاف ہے، دونوں قول صحیح ہیں، تعیین احوط ہے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسائل شتی و ثنوی قضاء رمضان ولم یعیّن الیوم صح ولو عن رمضانین کقضاء الصلوٰۃ صح ایضاً وان لم ینو فی الصلوٰۃ اول صلوٰۃ علیہ او اخر صلوٰۃ علیہ کذا فی الكنز قال المصنف قال الزیلعی والاصح اشتراط تعیین فی الصلوٰۃ وکذا رمضانین الخ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقوله صح ایضاً وان لم ینو الخ قدم الشارح فی باب شروط الصلوٰۃ عن القمستانی عن المنیۃ انه الاصح ان یقول تصحیحہ عن الولوالجیۃ ایضاً وان المتعین احوط بقوله والاصح اشتراط تعیین الخ صححہ ایضاً فی متن الملتقی فقد اختلف التصحیح رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۵، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، صفر ۹۹ھ

مسواک کا ریشہ پیٹ میں جانا مفسد نہیں:

سوال: مسواک کرتے وقت اس کا ریشہ حلق میں چلا گیا، اور کوشش کے باوجود باہر نہ نکلا، تو اس سے روزہ تو فاسد نہیں ہوا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

دانتوں میں اٹکے ہوئے کھانے کا ذرہ اگرچے کے دانہ سے کم مقدار میں حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے احتراز مستحضر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مسواک کے ریشہ سے بھی روزہ نہ ٹوٹے گا، لا اشتراك العلة، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۳۷ سوال ۹۹

ثبوت رمضان کی غلط فہمی سے روزہ رکھ لیا:

سوال: ہمارے قریب ایک گاؤں کے لوگوں کو ریڈیو کی خبروں سے ثبوت رمضان کا دھوکہ ہوا، انھوں نے ریڈیو کی خبر سے یہ سمجھا کہ رمضان کا چاند نظر آنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس لئے روزہ رکھ لیا، بعد میں ظاہر ہوا کہ چاند کا فیصلہ نہیں ہوا، میں نے ان کو روزہ توڑنے کو کہا، بعض نے توڑ دیا اور بعض نے نہ توڑا، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ میرے خیال میں یہ روزہ حرام ہے، اور اس کا توڑنا واجب ہے، آپ اپنے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ روزہ ابتداء ثبوت رمضان میں مغالطہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے بحکم صوم مظنون ہے، مگر وضوح حقیقت کے بعد بحکم صوم یوم شک ہو گیا، اس لئے کہ مطلع صاۃ نہ تھا، لہذا عدم ثبوت رمضان کے بعد اس روزہ کو بنیت رمضان باقی رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر یہ نیت کر لی تو اس روزہ کا نقص واجب ہے، اور نفل در رمضان میں متردد نیت سے باقی رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، اس کے نقص سے قضا واجب نہیں، اور خالص نفل کی نیت سے ابقاء جائز ہے، اور اس کا نقص موجب قضا ہے، مگر عوام کو صوم بنیت نفل سے بھی منع کرنا چاہئے، ————— ابتداء صوم یوم شک بنیت نفل عامی کے لئے بھی دو صورتوں میں افضل ہے، ایک یہ کہ اس دن میں اس کی روزہ رکھنے کی عادت ہو، اور دوسری یہ کہ رمضان سے قبل دو سے زائد روزے رکھے، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۸ رمضان ۱۴۲۸ھ

فدیہ رمضان سے قبل دینا جائز نہیں:

سوال: رمضان کے روزوں کے فدیہ کی رقم اگر رمضان آنے سے پہلے ایڈوانس میں

دریہ تو صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی ابھی روزے نہیں آئے اور روزوں کا فدیہ پہلے ہی دیدیا، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فدیہ بدلِ صوم ہے، اور سبب وجوبِ صوم شہودِ شہر ہے، لہذا رمضان شروع ہونے سے قبل فدیہ دینا قبل وجودِ سبب ہونے کی وجہ سے درست نہیں، البتہ رمضان شروع ہونے پر آئندہ ایام کا فدیہ بھی دفعۃً دے سکتے ہیں،

اس کے برخلاف صدقۃ الفطر کا سبب وجوبِ راس ہے، جو رمضان سے قبل بھی موجود ہے، اس لئے علی الرائج صدقۃ الفطر رمضان سے قبل دینا صحیح ہے، بلکہ کئی سالوں کا پیشگی بھی دے سکتے ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

کھجور یا پانی سے افطار مستحب ہے:

سوال: کیا پانی یا کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تازہ کھجور سے افطار مستحب ہے، وہ نہ ہو تو خشک کھجور سے وہ بھی نہ ہو تو پانی سے عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وجد تمرًا فلیفطرو من لا فلیفطرو علی ماء فان الماء طہور (ترمذی ص ۱۲۳ ج ۱) وعن سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان احدکم صائمًا فلیفطرو علی التمر فان لم یجد التمر فلی علی الماء فان الماء طہور (ابوداؤد ص ۲۳۵ ج ۱) وعن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر علی رطبات قبل ان یصلی فان لم تکن رطبات فلی تمرات فان لم تکن حاسوا من ماء (ابوداؤد، ص ۲۳۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ سوال نمبر ۴۰

روزہ کی نیت کب تک کی جاسکتی ہے؟

سوال: روزہ کی نیت کا وقت نصف النہار شرعی تک ہی، مگر بعض کتابوں میں دوپہر سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے لکھا ہے، اور بعض میں ایک گھنٹہ پہلے، ان میں کونسی بات صحیح ہے؟ نصف النہار شرعی کس وقت ہوتا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صبح صادق سے غروب آفتاب تک کل وقت کے نصف کو نصف النہار شرعی کہا جاتا ہے

صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے نصف النہار شرعی و نصف النہار عرفی (وقت زوال) کے درمیان اس کا نصف ہوتا ہے، مثلاً صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ڈیڑھ گھنٹہ ہو تو نصف النہار عرفی سے پون گھنٹہ پہلے نصف النہار شرعی ہوگا، اس وقت کی مقدار ہر موسم میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتی ہے، اس لئے کوئی مقدار گھنٹوں سے متعین نہیں کی جاسکتی، ضابطہ مذکور کے مطابق عمل کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

صبح صادق کے بعد سفر کا ارادہ ہو تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں:

سوال: زید کا دن میں سفر پر جانے کا ارادہ ہے تو اگر وہ سحری کھائے مگر روزہ کی نیت نہ کرے تو جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو شخص بوقت صبح صادق سفر میں نہ ہو اس کے لئے روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اگرچہ دن میں سفر کا پختہ ارادہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

مسوڑھوں سے خون بلا اختیار پیٹ میں جانے کا حکم:

سوال: میرے مسوڑھوں سے خون نکلتا ہے، آجکل روزوں میں دوپہر کے بعد خون بہت جاری رہتا ہے، یہ کیفیت بالخصوص سونے کی حالت میں ہوتی ہے، خون تھوک پر غالب رہتا ہے، جاگنے کی صورت میں تو احتیاط برتتا ہوں، لیکن سونے کی حالت میں غفلت میں تھوک حلق کے نیچے اتر جاتا ہے، اب تک رمضان میں ایسا دو مرتبہ ہوا ہے، میرا روزہ ہوا یا قضاء روزہ رکھنا ہوگا، آجکل نیند رات کو نہیں ہوتی، دن کو اگر نہ سوؤں تو رات کی عبادت میں خلل ہوگا اور نوکری کرنا بھی محال ہوگا، میرے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خون اگر صرف حلق میں گیا مگر پیٹ میں نہیں پہنچا تو روزہ نہیں ٹوٹا، اور اگر خون مغلوب ہو، یعنی تھوک کا رنگ سُرخ کی بجائے زرد ہو تو پیٹ میں جانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ خون مغلوب ہونے کے باوجود حلق میں اس کا مزہ محسوس ہو تو پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح خون غالب ہو یعنی تھوک سُرخ ہو تو پیٹ میں جانے سے روزہ جاتا ہوگا اگرچہ مزہ محسوس نہ ہو، جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اُن میں اگر سونے کی حالت میں

یا اور کسی عذر سے خون بلا اختیار پیٹ میں اتر جانا، موقوفہ فساد کے قول کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کن فی الشامیۃ، معہذا بہتر یہ ہے کہ اگر مستقبل قریب میں صحت متوقع ہو تو روزہ نہ رکھیں، بعد میں قضا کریں، اور اگر روزہ کی حالت میں غیر اختیاری طور پر خون پیٹ میں چلا گیا تو صحت کے بعد احتیاطاً اس روزہ کی قضا کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

نفل روزہ میں حیض آگیا تو قضا واجب ہے:

سوال: ایک عورت نے نفل روزہ رکھا، دن کے کسی حصہ میں حیض آگیا، تو کیا پاک ہونے کے بعد یہ روزہ قضا کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس روزہ کی قضا واجب ہے قال فی العلائقۃ ولو شرعت تطوعا فیہما فحاضت قضتہما، رد المحتار ص ۶۸ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ شوال ۱۴۰۲ھ

بحالت روزہ فرج میں دوا لگانا:

سوال: روزہ کی حالت میں دن میں عورت کو اپنی شرمگاہ میں ٹیوب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور روزہ تو فاسد نہ ہوگا؟ جبکہ شرمگاہ میں زخم ہو، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ فرج داخل میں دوا پہنچنے سے ٹوٹ جائے گا، اور پر کے مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرج داخل شروع ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

کفارہ کے روزے مسلسل رکھنا ضروری ہے:

سوال: ایک شخص کے اوپر رمضان شریف کا کفارہ تھا، اس نے روزے رکھنے شروع کئے، درمیان میں بیماری کی وجہ سے ایک روزہ چھوٹ گیا، کیا اب اس کی ترتیب ٹوٹ گئی؟ اس روزہ سے آگے روزے رکھتا جائے یا ابتداء سے پھر روزے رکھنے شروع کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

از سر نو ساٹھ روزے رکھے، قال فی التنبیہ کفر کفارۃ المظاہر، وفی الشامیۃ

ای مثلها فی الترتیب فیعتق اولافان لم یجد صام شهرین متتابعین فان لم یستطع
اطعم ستین مسکینا الحدیث الاعرابی المعروف فی الکتب الستة فلو افطروا لولعذر
استأنف الا لعذر الحیض (رد المحتار ص ۱۱۹ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۶ صفر ۸۶۷ھ

فدیہ میں ہر چیز دی جاسکتی ہے:

سوال: فدیہ میں غریبار اشخاص کو کپڑے سکتے ہیں یا نہیں؟ موجودہ وقت میں ایک
نمازیار روزہ کا فدیہ بصورت نقد تقریباً ایک روپیہ ہوتا ہے، اگر بینل روپیہ کا کمبل خرید کر
ایک شخص کو دیدیا تو ایک روزہ کا فدیہ ادا ہوایا بینل کا؟ اگر کمبل کی پیمائش اور طول و عرض کو
دیکھا جائے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ہوا، اور اگر قیمت کو مد نظر رکھا جائے
تو بینل روزوں کا ادا ہوا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فدیہ میں گہوں کی قیمت کے برابر کپڑا وغیرہ دینا بھی جائز ہے، اور متعدد روزوں کے
فدیہ کی رقم ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے، اس لئے بینل روپے کا کمبل دینے سے بینل روزوں کا
فدیہ ادا ہو گیا، قال فی التنبیر وفدی عنہ ولیہ کالفطرة وفي الشرح قدرا، وفي
الشامية ای التشبيه بالفطرة من حيث القدر اذ لا يشترط التملیک هنا بل
تکفی الاباحة بخلاف الفطرة وكذا هي مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز اداء
القيمة، وقال القمستانی واطلاق کلامه يدل علی انه لو دفع الی فقیر جملة جاز
ولم يشترط العدد ولا المقدار لکن لو دفع الیه اقل من نصف صاع لم يعتد به
وبه یفتی ام ای بخلاف الفطرة علی قول کما مر رد المحتار (ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۲۵ شعبان ۸۶۷ھ

مسکین کو کفارہ کا طعام کھلانے میں تتابع شرط نہیں:

سوال: کفارہ یمن یا روزہ کے کفارہ میں اگر ایک مسکین کو کھانا کھلایا، تین دن یا ساٹھ
دن تک، یا ایک روپیہ یومیہ نقد دیتا رہا، تو کیا اس میں تتابع شرط ہے؟ جس طرح روزہ میں
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ نَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ كَاحْكَمِ هُ

بینوا توجروا،

الجواب باسمِ قُلُوبِهِمُ الصَّوْبُ

اس میں متابہ کی قید نہیں۔ متفرق ایام میں کھلانے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ————— ۲۵ شعبان سنہ ۸۷۷ھ

کفارہ میں ہر مسکین کو دو وقت کھلانا ضروری ہے :

سوال : کفارہ میں اگر ایک سو بیس مسکین کو ایک وقت کھلادیا جائے تو کفارہ ادا ہو گیا یا نہیں ؟

الجواب باسمِ قُلُوبِهِمُ الصَّوْبُ

ایک وقت کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوا، انہی مسکین میں سے سناٹھ کو دوسرے وقت بھی کھلانا واجب ہے، خواہ اسی دن کھلائے یا کسی دوسرے دن، قال فی العلائقۃ وان اداد الاباحۃ فغداہم وعشاءہم او غلاہم واعطاهم قیمة العشاء او عکسہ او اطعمہم غداہم وعشاءہم او عشاءہم وسجوراً واشبعہم جان، وفي الشامیۃ (قوله او اطعمہم غداہم وعشاءہم) اعلیٰ شبعہم بطعام قبل نصف النہار مرتین وقوله او عشاءہم اعلیٰ شبعہم بطعام بعد نصف النہار مرتین کذا فی الدرر، وھذا ظاہر فی ذلک فی یوم واحد فلا تنفی فی یوم اکلۃ وفي اخریٰ لکن صریح ما یأتی فی الفروع اخر البیاب بخالفہم (رد المختار ص ۶۳ ج ۲) ونقص ما فی الفروع اخر البیاب اطعمہم ما ترو عشرین لم یجز الا عن نصف الطعام فیعید علی ستین منهم غداً وعشاءً ولو فی یوم اخر للزوم العدد مع المقدار، وفي الشامیۃ وهو الستون مع المقدار وهو الاکلتان المشبعتان فی الاباحۃ والصناع او نصفہ فی التعلیل، (رد المختار ص ۶۳ ج ۲)

وفي التحریر (قوله کذا فی الدرر) المتعین حمل ما فی الدرر علی ما اذا فعل ما ذکرہ فی یومین لا فی یوم واحد لعدم کفایۃ غداہم وعشاءہم فی یوم واحد قبل نصف النہار او بعدہ فلا یخالف ما یأتی فی الفروع (التحریر المختار ص ۲۳۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۱۲۹۲ھ

بحالت خطرہ جان افطار کا حکم :

سوال : روزہ کی وجہ سے جب جان خطرہ میں ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے یا رخصت؟ بیٹو تو جبراً

الجواب باسمِ قُلُوبِهِمُ الصَّوْبُ

اگر مرض یا بھوک یا پیاس کی شدت سے جان کو خطرہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے اگر

روزہ نہ توڑا اور مر گیا تو گنہگار ہوگا، اور بحالت اکراہ یعنی جب کوئی شخص روزہ توڑنے پر مجبور کر رہا ہو اور نہ توڑنے کی صورت میں جان سے مار دینے کی دھمکی دے رہا ہو تو روزہ توڑنا واجب نہیں جائز ہے، اور نہ توڑنا افضل ہے، جان دیدی تو ثواب ہے، البتہ روزہ دار مریض یا مسافر ہو تو اکراہ کی صورت میں بھی روزہ توڑنا واجب ہے، قال العلامة انکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ والمبیح المطلق بل الموجب هو الذی یخاف منه الهلاك لان فيه القاء النفس الى التهلكة للاقامة حق الله تعالیٰ وهو الوجوب، والوجوب لا یبقی فی هذه الحالة وانه حرام فكان الافطار مباحاً بل واجباً و بعد ورقة) واما المبیح المطلق من السفر فسا فيه خوف الهلاك بسبب الصوم والافطار فی مثله واجب فضلاً عن الاباحة لما ذكرنا فی المرض واما الاکراہ علی افطار صوم شهر رمضان بالقتل فی حق الصحیح المقیم فمخصص والصوم افضل حتی لو امتنع من الافطار حتی قتل یتاب علیه رالی قوله) واما فی حق المریض والمسافر فالاکراہ مبیح مطلق فی حقهما بل موجب والا فضل هو الافطار بل یجب علیه ذلك ولا یسعه ان لا یفطر حتی لو امتنع من ذلك فقتل یا شتم (ثم قال) والجوع والعطش الشدید الذی یخاف منه الهلاك فمبیح مطلق بمنزلة المرض الذی یخاف منه الهلاك بسبب الصوم لما ذكرنا ربنا ۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۷ فقط والله تعالیٰ اعلم، ۱۲ ربيع الآخر ۱۲۸۸ھ

مذی نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛

سوال؛ روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بوس و کنار کرنے سے جو ش کی وجہ سے ودی آجائے تو روزہ فاسد یا مکروہ تو نہ ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بوس و کنار کی وجہ سے جو پانی نکلتا ہے اس کو مذی کہتے ہیں، اس سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں آتا، منی نکلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر روزہ پر خطہ ہو تو بوس و کنار جائز نہیں، مکروہ تحریمی ہے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وکراهة قبله ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة ان لم یأمن المفسد وان امن لا بأس رر المختار ۱۲۳، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۷ رمضان ۱۲۸۸ھ

صیام کفارہ کے درمیان حیض آگیا؛

سوال؛ اگر کسی عورت نے روزہ رکھ کر توڑ دیا اور اب اسے کفارہ کے روزے رکھنے ہیں

کفارہ کے روزے رکھنے شروع کئے تو چند روز بعد اس کے ماہواری کے دن آگئے، اب وہ روزہ نہیں رکھ سکتی، اور کفارہ کے روزوں میں ناغہ نہیں ہوتا، ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا وہ ماہواری کے بعد دوبارہ کفارہ شروع کرے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ماہواری کی وجہ سے کفارہ کے روزوں میں فصل مضر نہیں، ماہواری ختم ہوتے ہی فوراً روزے شروع کر دے، اسی طرح سناٹھ روزے پے درپے پورے کرے، اگر ماہواری ختم ہونے کے بعد ایک دن کا بھی ناغہ کیا تو نئے سرے سے سناٹھ روزے رکھنے پڑیں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۵/ شوال ۱۳۸۸ھ

در روزہ سے روزہ توڑنا:

سوال: اگر کسی حاملہ عورت کو حمل کی وجہ سے کافی تکلیف ہے، اور روزہ رکھ کر توڑ دیتی ہے، محض تکلیف کی وجہ سے، اور سوچ غروب کے وقت اس کے بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا اس پر روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے؟ یا من قضا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر روزہ نہ توڑنے سے عورت یا بچہ کو کوئی نقصان پہنچنے کا ظن غالب ہو تو روزہ توڑنا جائز ہے، صرف قضا واجب ہے، کفارہ نہیں، بدوں ایسے خطرہ کے روزہ توڑنا گناہ اور کفارہ واجب ہے، البتہ اگر اسی روز غروب آفتاب کے قبل بچہ پیدا ہو گیا تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵/ شوال ۱۳۸۸ھ

بحالت روزہ لفافہ کا گوند زبان سے تر کر کے بند کرنا:

سوال: روزہ کی حالت میں زبان سے لفافہ کو گوند لگا کر چسپاں کرنا بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر زبان سے لفافہ کا گوند چاٹ کر تھوک بگل گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر چاٹنے کے بعد تھوک دیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، قال فی العلائقہ وکروا لہ ذوق شیء وکذا مضغہ بلا عذر، قید فیہما قالہ العینی

کون زوجها اوسیدها سخی الخلق فذاقت، وفي الشامية النظار ان الكراهة في هذه الاشياء تنزيهية رملي (رد المحتار ص ۱۲۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۲۶ شوال ۱۲۸۸ھ

سحری کھانے کے بعد کُلی کرنا:

سوال؛ سحری کھا کر اگر کُلی نہ کرے اور اسی طرح سو جائے تو روزہ میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دانتوں میں اٹکا ہوا کھانا چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ حلق میں اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں، اور اگر چنے کی مقدار سے کم ہو تو مفسد نہیں، لہذا فسادِ صوم کے خطرہ کی وجہ سے کُلی کر کے سونا چاہئے، قال فی شرح التنبیہ ولو اکل لحمًا بین اسنانه ان مثل حصّة فاکثر قضی فقط وفي اقل منها لا یفطر، (رد المحتار ص ۱۲۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۲۶ شوال ۱۲۸۸ھ

۲۵ تاریخ کے بُدھ کا روزہ بدعت ہے:

سوال؛ ہماری طرف یہ رواج ہے کہ چاند کی ۲۵ تاریخ میں بُدھ آجائے تو اس دن روزہ رکھتے ہیں، اور اس میں بڑا ثواب جانتے ہیں، کیا یہ روزہ رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے روزہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں اس روزہ کا کوئی ثبوت نہیں، لہذا یہ بدعت اور گناہ ہے، فقط والله تعالى اعلم، ۲۶ ربیع الآخر ۱۲۸۹ھ

حدیث ”وقتِ اذان ہاتھ میں پیالہ ہو تو پانی پی لے“ کا مطلب:

سوال؛ حدیث ”ہاتھ میں پیالہ ہو اور اذان ہو جائے تو پانی پی لے“ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق کے بعد بھی کھانا پینا جائز ہے، حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس حدیث کی مختلف توجہیں بیان فرمائی ہیں؛

- (۱) جب روزہ دار کو ظن غالب ہو کہ اذان قبل از وقت ہوئی ہے،
 (۲) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان مراد ہے، جو صبح صادق سے قبل رجب قائم و ایقاف نامہ کے لئے ہوتی تھی،
 (۳) یہ افطار سے متعلق ہے، مقصد یہ ہے کہ حالت افطار میں اذان سننے یا اس کا جواب دینے کے لئے افطار میں توقف نہیں کرنا چاہئے،

بندہ کے خیال میں اس کی مندرجہ ذیل توجہیں بھی ہو سکتی ہیں:-

- (۴) اس کا روزہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب پانی پینے کے لئے پیالہ ہاتھ میں لے لیا ہو اور اس حال میں اذان شروع ہو جائے تو پانی پی لے، اذان کے استماع و جواب کے لئے پانی نہ چھوڑے،

بعد میں یہ توجیہ بذل المجہود میں بھی مل گئی، قللہ الحمد علی توفیقہ لموافقة الاکابر،

- (۵) حدیث میں نذر کا لفظ ہے، جس سے اقامت مراد لی جاسکتی ہے، یعنی ایسی حالت میں اقامت شروع ہوئی کہ پیالہ ہاتھ میں ہے تو پانی پی کر اطمینان سے جماعت میں شریک ہو،
 (۶) الحاق: یہ حدیث صحیح نہیں (علل الحدیث ط ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ رجب ۱۴۰۹ھ

بیوی کے فرج میں انگلی ڈالنے کو مفسد سمجھ کر جماع کر لیا:

سوال: بیوی کی شرمگاہ میں دو ڈالنے کے لئے اندر انگلی داخل کی اور شہوت غالب آئی تو خیال ہوا کہ روزہ ٹوٹ گیا، اس کے بعد واپس کر لی، اب اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جو روا،

الجواب باسم ملہم الصواب

روزہ کی قضاء اور کفارہ واجب ہے، قال فی شرح التنبیہ فعل ما لا یظن الفطر بہ کفصد و کحل و لمس و جماع بہیمة بلا انزال او ادخال اصبع فی دبر و نحو ذلك فظن فطرہ بہ فاکل عمد اقضى فی الصور کلہا و کفر لانہ ظن فی غیر محلہ، (رد المحتار، ص ۱۱۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان ۱۴۰۹ھ

عورت نے فرج میں انگلی ڈالنے کو مفسد سمجھ کر کچھ کھا لیا:

سوال: زید کی بیوی کا روزہ تھا، زید نے اپنی انگلی اس کے فرج میں داخل کی، بیوی

نے سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، اس لئے کچھ کھاپی لیا، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

فرج میں خشک انگلی داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کے بعد کھانے سے روزہ ٹوٹ گیا، قضاء اور کفارہ واجب ہے، البتہ انگلی گیلی ہو یا خشک انگلی فرج میں ڈال کر پوری یا کچھ حصہ باہر کھینچ کر پھر اندر کر دی تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا، صرف قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں اس کے بعد کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، قال فی العلائق فعل ما لا یظن الفطر بہ کفصداً وکحل ولس وجماع یمیتہ بلا انزال او ادخال اصبع فی دبر و نحو ذلك فظن فطرہ بہ فاکل عمد اقصی فی الصور کلہا وکفر لانہ ظن فی غیر محلہ، و فی الشامیۃ (قوله او ادخال اصبع) ای یابسة كما تقدم ۲ فلو مبتلة فلا کفارة لاکلہ بعد تحقق الافطار بالبلة ط (رد المحتار ص ۱۱۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱ صفر ۱۴۰۳ھ

ہاتھ سے منی نکالنا مفسد صوم ہے:

سوال: منی ہاتھ سے خارج کرنا کیا زنا کے برابر گناہ ہے؟ کیا روزہ کی حالت میں ہاتھ کے ذریعہ سے منی خارج کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کوئی گناہ نہیں ہوا، بینوا تو جبراً

الجواب باسم ملہم الصواب

ہاتھ سے منی خارج کرنا بہت سخت گناہ ہے، حدیث میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، قضاء واجب ہے کفارہ نہیں، قال فی شرح التنویر وکذا الاستمناء بالکف وان کثرہ تحریم الحدیث ناکح الید ملعون، و فی الشامیۃ (قوله وکذا الاستمناء بالکف) ای فی کونہ لا یفسد لکن هذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعليه القضاء كما سیصرح بہ وهو المختار الخ (رد المحتار ص ۱۰۹ ج ۲) و فی الشرح او استمنى بكفه او بمباشرة فاحشة ولوبین المراتین فانزل (الی قولہ) قضی فقط، (رد المحتار ص ۱۱۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

غروب سے قبل ریڈیو کے اعلان پر افطار کر لیا:

سوال: ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کو ریڈیو پاکستان نے غروب سے چار پانچ منٹ قبل

اذان دینا شروع کی جو مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ اس کے بعد صحیح وقت پر اذان نشر کی، لاکھوں افراد نے پہلی اذان پر جو قبل از غروب نشر کی گئی تھی روزہ افطار کیا، آیا ان کا روزہ ہوایا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو اس کی صرف قضا ہی کافی ہے یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت آفتاب یقیناً موجود تھا، بلکہ دو سکر ایام میں بھی سائرین بچنے کے وقت میں آفتاب غروب ہونے کا یقین نہیں ہوتا، کئی بار سائرین کے وقت آفتاب کو آنکھوں سے دیکھا گیا ہے، میں نے اسکی اصلاح کی بارہا کوشش کی مگر سب ناکام، اس روزہ کی قضا واجب ہے، البتہ افطار کرنے والوں کو چونکہ غروب کا ظن غالب تھا اس لئے کفارہ واجب نہیں، ہاں شک میں افطار کرنے سے وجوب کفارہ میں دو روایتیں ہیں، روایت وجوب راجح ہے، قال فی التنبیہات وتسحروا فطر یظن الیوم لیلاً والفجر طالع والشمس لم تغرب قضی فقط، وقال الشارح رحمہ اللہ تعالیٰ ویکنی الشک فی الاول دون الثانی عملاً بالاصل فیہما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ویکنی) ای لا سقاط الکفارة الشک فی الاول ای فی التسحر الخ (رحمہما اللہ تعالیٰ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ارشوال ۹۷ھ

غروب سے قبل اذان پر افطار کر لیا:

سوال: مؤذن نے اذان تقریباً سات منٹ پہلے دیدی، اور میں نے اسی اذان پر روزہ کھول ڈالا، کیا میرا روزہ ہو گیا؟ بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

روزہ نہیں ہوا، اگر آپ کو اس اذان کے صحیح وقت پر ہونے کا ظن غالب تھا تو صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں، اور اگر شبہہ تھا تو کفارہ بھی واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ارشوال ۹۹ھ

روزہ کی حالت میں فرج میں انگلی داخل کرنا:

سوال: عورت کی شرمگاہ میں اگر مرد اپنی انگلی پھیرے کیا روزہ نہیں ٹوٹتا؟ بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے مرد کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اور عورت کے روزہ میں

یہ تفصیل ہو کہ اگر گیلی انگلی داخل کی یا خشک انگلی داخل کرنے کے بعد پوری یا ذرا سی کھینچ کر بھر آگے کی تو عورت کا روزہ ٹوٹ گیا، قضا واجب ہے کفارہ نہیں، قال فی العلائقۃ او ادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ ای ذبرہ او فوجہ او لمبتلة فسد رحمہ المختار ص ۲۲۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مرد کی سپاری اندر چلی گئی تو روزہ ٹوٹ گیا؛

سوال؛ مرد اپنا آلہ تناسل عورت کے فرج میں داخل کرے اور پھر باہر نکال کر دیکھے اگر آلہ تناسل خشک ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ایک مولوی صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد کے عضو کی سپاری عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو گئی تو مرد اور عورت دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا، دونوں پر قضا اور کفارہ لازم ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو قال فی شرح التنبیہ و التوارت الحشفۃ فی احد السبیلین انزل اولاً (الی قولہ) قضی و کفر رحمہ المختار ص ۲۲۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

عورت دن میں پاک ہوئی تو کھانا پینا ناجائز ہے؛

سوال؛ اگر کوئی عورت رمضان میں دن میں حیض یا نفاس سے پاک ہوئی تو وہ دن کے باقی حصہ میں کھاتی پیتی رہے یا روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

غروب آفتاب تک کھانا پینا جائز نہیں، روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے، قال فی التنبیہ والاخیار ان یسکان بقیۃ یومہما وجوباً علی الاصح کمسافر اقام وحائض ونفساء طہرتا ومجنون افاق ومریض صح وصبی بلغہ وکافر اسلم (رد المحتار ص ۱۱۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر ۱۴۰۳ھ

بوجہ عذر چھوٹے ہوئے روزہ کی قضا کا موقع نہ ملا تو معاف ہے؛

سوال؛ سفر، مرض یا حیض و نفاس کی وجہ سے روزے چھوٹ گئے، قضا رکھنے سے قبل ہی انتقال ہو گیا تو کیا گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر قضا کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تو یہ روزے معاف ہیں، اور اگر حالت اقامت، صحت اور طہارت میں قضا رکھنے کا موقع مل گیا ہو تو ترکہ سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے، قال فی العلائق فان ما توافیه ای فی ذلک العذر فلا تجب علیہم الوصیۃ یا لفدیۃ لعدم ادراکہم عدۃ من ایام اخر ولو ما توافی بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اخر، (رد المحتار ص ۱۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱ صفر ۱۴۰۳ھ

مسافر نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ نہیں؛

سوال: زید نے سفر میں روزہ کی نیت کی مگر بعد میں نیت بدل گئی اور کھاپی لیا تو گناہ ہو گیا یا نہیں؟ اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

گناہ ہے، کفارہ نہیں، البتہ روزہ رکھنے کے بعد سفر شروع کیا تو وجوب کفارہ میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ واجب نہیں، قال فی التنبیر ولو نوى مسافر الفطر فقام ونوى الصوم في وقتها صبح ويجب عليه لو في رمضان كما يجب على المقيم اتمام يوم منه سافر فيه ولا كفارة عليه لو افطر فيهما، وفي الثمانية قوله كما يجب على مقيم الخ) لما قد مناه اول الفصل ان السفر لا يبيح الفطر و انما يبيح عدم الشروع في الصوم فلو سافر بعد الفجر لا يحل الفطر قال في البحر وكذا النوى المسافر الصوم ليلا واصبح من غير ان ينقض عزيمته قبل الفجر ثم اصبح صائما لا يحل فطره في ذلك اليوم ولو افطر لا كفارة عليه اه، قلت وكذا لا كفارة عليه بالاولى لو نوى نهرا فقله ليلا غير قيد قوله فيهما، اي في مسألة المسافر اذا قام ومسألة المقيم اذا سافر كما في الكافي النسفي وصرح في الاختيار بلزوم الكفارة في الثانية قال ابن الشلب في شرح الكنز وينبغي التعويل على ما في الكافي اي من عدمه فيهما قلت بل عزا في الشرع بلا لية الى الهداية والعناية و الفتح ايضا، (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱ صفر ۱۴۰۳ھ

روزہ توڑنے کے بعد بیمار یا مسافر ہو گیا:

سوال: کسی شخص نے رمضان کا روزہ رکھنے کے بعد توڑ دیا، پھر اسی روز بیمار ہو گیا، یا سفر پر چلا گیا تو کفارہ ساقط ہو گا یا نہیں؟ عام کتابوں میں لکھا ہے کہ بیمار ہونے سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، اور سفر پر جانے سے ساقط نہیں ہوتا، مگر خانہ میں ہے والاصل عندنا انه اذا صار في آخر النهار على صفة لو كان عليهما في اول النهار يباح له الافطار تسقط عنه الكفارة (رخانية على هامش الهندية ص ۲۱۶ ج ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی صورت میں بھی کفارہ ساقط ہو جائے گا، اس کی وضاحت فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سفر سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا، خانہ کے کلیہ میں یباح له الافطار سے افطار بعد الشروع فی الصوم مراد ہے، اور روزہ رکھنے کے بعد سفر شروع کرنے سے اس روز افطار مباح نہیں، اس لئے کفارہ ساقط نہ ہو گا، خود خانہ میں اصل مذکور سے قبل عدم سقوط کے لئے افطار بعد سفر کی قید موجود ہے، ونصہ لو أصبح المقيم صائماً ثم سافر فافطر بعد ذلك لا كفارة عليه وكذا المرأة اذا افطرت ثم حاضت والصحيح اذا افطر ثم مرض مرضاً لا يستطيع معه الصوم تسقط الكفارة عندنا، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح التنویر کے قول وللمریطراً مسقط كمرض وخيض کی شرح میں رحمۃ سے نقل فرماتے ہیں ای سمدوی لا صنگ له فيه ولا في سببه رحمتی (رد المحتار ص ۱۲۰ ج ۱) اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ عذر سمدوی مرض، حیض، نفاس وغیرہ مسقط ہے، سفر جیسا امر اختیاری مسقط نہیں، فقط والله تعالیٰ اعلم،

یکم صفر ۱۴۰۳ھ

فدیہ صوم سے عاجز کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اتنا غریب ہے کہ نماز اور روزہ کے فدیہ کی رقم ادا نہیں کر سکتا تو اسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نیت رکھے کہ اگر زندگی میں مالی استطاعت ہوگی تو روزہ کا فدیہ ادا کر دوں گا نماز کا فدیہ زندگی میں نہیں دیا جاتا، بلکہ قضاء پڑھنا لازم ہے، قیام پر قدرت نہیں تو بیٹھ کر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے

۱۳ ربيع الآخر ۱۲۹۹ھ

نماز پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فدیہ میں نابالغ کو کھلانا کافی نہیں:

سوال: ایک خاتون کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے ورثہ اُس کی طرف سے قضاء شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار میں غلہ دینے یا صبح و شام دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کے بجائے غلہ کی قیمت کے برابر کوئی چیز مثلاً کپڑا، جوتہ وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں؟ کیا فدیہ صوم و صلوٰۃ نابالغ مسکین کو دیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

غلہ کی قیمت یا اتنی قیمت کا کوئی سامان دینا جائز ہے، نابالغ کا والد مسکین ہو تو اس کو صدقہ دینا جائز ہے، البتہ نابالغ کو کھانا کھلانا کافی نہیں، قال فی الخانیۃ وأن عذآہم وعشآہم وفیہم صبی فطیم لم یجزو علیہ ان یطعم مسکینا اخر مکانہ رخانیۃ علی ہا مش الہندیۃ ص ۲۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربيع الاول ۱۴۰۱ھ

صیام کفارہ دو ماہ ہیں یا ساٹھ دن؟:

سوال: کفارہ کے روزے دو ماہ قمری ہیں جو اٹھاؤں یا انسٹھ دن بھی ہو سکتے ہیں تو کیا ساٹھ دن پورے کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے روزے شروع کئے تو چاند کے حساب سے دو ماہ پورے کرے دنوں کا اعتبار نہیں، اور اگر پہلی تاریخ سے شروع نہیں کئے تو ساٹھ دن پورے کرے، قال فی العلائقۃ صام شہرین ولو ثمانیۃ وخمسین بالہلال والافستین یوماً، وفی الشامیۃ وحاصلہ انہ اذا ابتدأ الصوم فی اول الشهر کفاه صوم شہرین تامین ارنہا قصین وکن لو کان احدہما تاماً والاخر ناقصاً (قولہ والا) ای لم یکن صومہ فی اول الشهر برؤیۃ الهلال بان غم او صام فی اثناء شہر فانہ یصوم ستین یوماً وفی کافی الحاكم وان صام شہراً بالہلال تسعة وعشرین وقد صام قبلہ خمسة عشر وبعدہ خمسة عشر یوماً اجزاء (رد المحتار ص ۶۳۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ صفر ۱۴۰۳ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤَدِّ رُؤْيَا أَفْطَرُ الرُّؤْيَا

عیون الرحبال لرؤیۃ الہلال

- رؤیتِ ہلال متعلق مفستیان پاکستان کا اجتماعی فیصلہ ،
- رؤیتِ ہلال کے مسئلہ میں ملک کو انتشار سے بچانے کی تجویز ،
- حکومتِ پاکستان کی طرف سے عبادات کو قمری کیلنڈر سے وابستہ کرنے کی تجویز کا جواب



رُؤِیتِ ہلال

===== سے متعلق =====

مفتیانِ پاکستان کا اجتماعی فیصلہ

مسئلہ رُؤِیتِ ہلال پر اجتماعی غور کے لئے بتاریخ ۱۱ محرم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۵۴ء مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مفتیانِ پاکستان کا اجتماع بلایا گیا، مدعوین حضرات کو اجتماع سے قبل سوالات مرتب کر کے بھیج دیئے گئے تھے، تاکہ وہ اجتماع میں شرکت سے قبل اُن پر غور و خوض کر کے ان کے تحریری جوابات اجتماعی غور کرنے کے لئے مجلس میں پیش کریں، بندہ کی طرف سے جو جوابات تحریر کئے گئے بحمد اللہ تعالیٰ اجتماعی فیصلہ ان کے مطابق ہوا، ذیل میں سوالات کے بعد بندہ کے جوابات اور پھر متفقہ فیصلہ درج ہے، (رشید احمد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَامِدًا وَ مَصْلٰیًا

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں :-

- ① رُؤِیتِ ہلالِ فطر میں شہادت شرط ہے یا نہیں؟
- ② اگر شہادت شرط ہے تو موجودہ وقت میں پاکستان کے حکام قائم مقام قاضی یا والی کے ہو کر شہادۃ بشرائطہا المعتبرۃ لے سکتے ہیں یا نہیں؟
- ③ اگر ان کو قاضی یا والی کا حکم نہیں دیا جاسکتا تو کل شرطِ شہادت ساقط ہوں گے یا بعض؟
- ④ ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی، اخبار کے ذریعہ سے خبر کسی درجہ میں معتبر ہو یا بالکل ساقط الاعتبار؟
- ⑤ عالم ثقہ کو بحالاتِ حاضرہ پاکستان کے شہروں اور دیہات میں شہادت لینے اور اس پر حکم عام کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اس کا حکم واجب العمل ہے یا نہیں؟
- ⑥ اگر کہیں رُؤِیتِ ہلال کے لئے باقاعدہ حکومت کی جانب سے علماء کی مجلس معتر رہو اگر وہ اپنے شہروں میں باقاعدہ شہادت لے کر فیصلہ دیں اور اس فیصلہ کا اعلان ریڈیو شیشن سے نشر کر دیں، تو دوسرے شہروں میں یہ تو ظاہر ہے کہ وہ شہادت کی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن جس طرح

ایک شہر اور اس کے مضافات میں ضربِ طبل، صورتِ مدافع، تعلیقِ القنادیل علی المنائر کو علامتِ دالہ علی الشہادۃ ٹھہرا کر شہر اور مضافات والوں کے لئے حجت اور موجبِ عمل بتلایا گیا ہے،
رکمانی منحة الخاق علی البحر الرائق للعلامة الشامی) تو کیا اس اعلان کو بھی بمسئلۃ علامت علی الشہادۃ قرار دے کر سننے والوں کے لئے حجت ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ اول کسی خاص حد تک یا مکمل طور پر؟

④ اختلافِ مطالع مطلقاً معتبر ہے یا مطلقاً غیر معتبر، یا اس میں کوئی تحدید ہے کہ فلاں فلاں حد تک معتبر ہے اس سے زائد معتبر نہیں،

⑤ اگر ایک شخص عادل رویتِ صلالِ رمضان میں یا دو عادل رویتِ صلالِ شوال میں یہاں کر کسی دوسرے بلدہ کی رویت کی حکایت کریں، مثلاً کہ وہاں عید ہے، یا فلاں دن روزہ تھا، اُن کی یہ خبر یہاں کے لوگوں کے لئے حجت ہے یا نہیں؟ یا کہ اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحملِ شہادت بال طریق المعروف کر کے یہاں شہادت علی الشہادۃ ادا کریں، یا وہاں کے حاکم کے حکم پر شہادت دیں؟ صوم و فطر دونوں کے فرق کو ملحوظ رکھیں،

⑥ استفاضہ کی صورت میں فقط حکایت رویتِ بلدہٗ اُخریٰ کافی ہے، یا وہ بھی حکمِ حاکم یا شہادتِ شاہد کی نقل سے متحقق ہوتا ہے؟ اور کیا ایک بلدہ سے مختلف خبریں بھی موجبِ استفاضہ ہیں یا مختلف اقطار و اطراف سے مختلف خبریں آنا ضروری ہے؟

⑦ اگر ہلالِ رمضان میں خبر واحد عدل یا خط وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ کا حکم کرایا گیا اور تین روزے پورے ہونے کے بعد اگر رویتِ ہلال نہ ہوئی تو عید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

⑧ اگر فاسق کی خبر کو کوئی حاکم یا عالم ثقہ منظور کر لے (اگرچہ منظور نہیں کرنی چاہئے) نیز اگر حاکم یا عالم ثقہ کو بذریعہ خط، ٹیلیفون وغیرہ ایسی خبریں پہنچیں جو اگرچہ ہر ایک فی نفسہ ملزم نہ ہو لیکن اُن کے مجموعہ سے اس کا غلبہ ظن و طمانینت ہو گیا تو کیا وہ عید و رمضان میں حکمِ عام کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں کے دوسرے باشندگان کو بالخصوص علماء کو عمل کرنا واجب ہو گا یا اس سے اختلاف کر سکتے ہیں؟ اگرچہ تفریق بین المسلمین پیدا ہونے کا قوی خطرہ بھی ہو،

⑨ خبر ہلالِ فطر واضحی و رمضان محض دیانات میں سے ہے یا معاملات میں سے؟ یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

⑩ بحالتِ صحو فطر میں دو عادلوں کی شہادت اور رمضان میں ایک عادل کی خبر کا اعتبار ہے؟

یا نہیں؟ باہر سے آنے والے یا مکان مرتفع سے دیکھنے والے کا کچھ اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

① ہلال فطر میں شہادت شرط ہے:

ثبوت ہلال فطر میں خبر واحد کافی نہیں، شہادت عدلین ضروری ہے، عن حسین بن الحارث الجدلی جدیلة قیس ان امیر مکة خطب ثم قال عهد الینار رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ننسك للرؤية فان لم نره وشهد شاهد اعدل نسكنا بشهادتهما فسألت الحسين بن الحارث من امیر مکة فقال لا ادری ثم لقیني بعد فقال هو الحارث بن حاطب اخو محمد بن حاطب ثم قال الامیر ان فيكم من هو اعلم بالله ورسوله مني وشهد هذا من رسول الله صلی الله علیه وسلم واوماً بیده الى رجل فقال الحسين فقلت لشيخ الى جنی من هذا الذي اوماً اليه الامیر قال هذا عبد الله بن عمرو صدق كان اعلم بالله منه فقال بذلك امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم راوداؤد مجتبائی ص ۳۲۶ ج ۱

عن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب انه خطب الناس في اليوم الذي يشك فيه فقال الا اني جالست اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وسألتهم وانهم حدثوني ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته وانسكوا اليها فان غم عليكم فاتموا ثلثين وان شهد شاهدان فصوموا وافطروا، رنسانی مجتبائی ص ۳۰۰ ج ۱

شوکانی نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے، (نیل الاوطار، ص ۱۸۷ ج ۴)

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال تراءى الناس الهلال فاخبرت رسول الله صلی الله علیه وسلم اني رأيتُه فصاموا امر الناس بصيامه راوداؤد مجتبائی ص ۳۲۶ ج ۱ و صححه الشوکانی فی نیل الاوطار ص ۱۸۷ ج ۴

قال طاؤس شهدت المدينة وبها ابن عمرو ابن عباس رضي الله تعالى عنهم فجاء رجل الى واليها وشهد عنده على رؤية هلال شهر رمضان فسأل ابن عمر وابن عباس رضي الله عنهم عن شهادته فامراه ان يجيزه وقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اجاز شهادته واحد على رؤية هلال رمضان وكان لا يجيز

شہادۃ الافطار والاشہادۃ رجلین قال الدارقطنی تفرد به حفص بن عمر الایلی وهو ضعیف
(نیل الاوطار ص ۱۸۷ ج ۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہلال فطر میں شہادت عدلین شرط ہے، اگرچہ شوکانی نے ان روایات سے استدلال کی تزیینت کی ہے، مگر جمیع علماء کا مذہب انہی کے مطابق نقل کیا ہے واما فی الفطر فلا يجوز بشہادۃ عدل واحد علی ہلال شوال عند جمیع العلماء الا باثر جوزہ بعدل واحد (عمدة القاری ص ۱۹۳ ج ۵، نیل الاوطار ص ۱۸۷ ج ۲) اس کے متعلق فقہی جزییات نمبر ۱۲ میں آرہی ہیں،

② حاکم مسلم قاضی کے قائم مقام ہے :

اگر مسلم حکام شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضایہ قاضی کے قائم مقام ہوگا، اما فی امامۃ الشامیۃ (قوله وتصح سلطنة متغلب) او من تولی بالقهر والغلبة بلا مبايعۃ اهل النحل والعقد (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۱) وفي العلائقہ ويجوز تمتلذ القضاء من السلطان العادل والجاثر ولو كافراً ذكره مسکین وغیرہ (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۲) وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اقول لو اعتبر هذا رای عدم اہلیۃ الفاسق للقضاء لانسد باب القضاء خصوصاً فی زماننا فلذا کان ما جرى علیه المصنف هو الاصح كما فی الخلاصة وهو اصح الاقاويل كما فی العبادۃ نہرو فی الفتح والوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذو شوكة وان كان جاهلاً فاسقاً وهو ظاهر المذهب عندنا وحينئذ فيحكم بفتوى غيرہ (رد المحتار ص ۳۳۳ ج ۲)

③ مسلم حاکم کی عدم موجودگی میں شہادت کی شرائط ممکنہ کا اعتبار ضروری ہے :

اگر مسلم حاکم موجود نہ ہو تو کل شروط شہادت ساقط نہ ہوں گی، بلکہ شروط ممکنہ کا اعتبار ضروری ہے، چنانچہ جزییات ذیل میں عدد کا لزوم مصرح ہے، حالانکہ عدد بھی شروط شہادت میں سے ہے، ولو كانوا ببلدة لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقة و افطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة (الد المختار مع رد المحتار ص ۱۲۵ ج ۲)

فی شرط فیہ ما یشرط فی سائر حقوقہم من العدالة والحرية والعد
وعدم الحن فی القذف ولفظ الشہادۃ والدعوى علی خلاف فیہ ان امکن ذلك
۳۰ والا فقد تقدم انہم لو كانوا فی بلدة لا قاضی فیہا ولا والی فان الناس یصومون

بقول ثقة و یفطرون باخبار عدلین (معروضہ ۲۷۳) اس جزئیہ میں "ان ممکن" اس پر دلیل ہے کہ شرط ممکنہ کا وجود ضروری ہے،

④ رویت ہلال میں ریڈیو اور تار کی خبر کا حکم :

ریڈیو اور تار برقی وغیرہ اگر کسی خاص ضابطہ کے تحت ہوں کہ بلا اجازت معتبر و عادل مسلم کے ان کے ذریعہ خبر شائع نہ کی جاسکتی ہو تو یہ ضربِ طبول کے حکم میں ہو جائیں گے، پس ہلالِ قطر کے اثبات کے لئے کافی نہیں، البتہ ہلالِ رمضان کے اثبات اور ہلالِ فطر کا فیصلہ نشر کرنے کے لئے ریڈیو وغیرہ کی خبر بشرط مذکور معتبر ہوگی، قلت والظاہر انہ یلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع اور رؤية القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به الخ (رد المحتار ص ۱۲۵ ج ۲)

یتسحر بقول عدل و کذا بضرب الطبول (وبعد اسطر) وقد يقال ان المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن ان كان ضاربه فاسقا لان العادة ان الوقت يذهب الى دار الحكم اخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه ايضا للوزير وغيره واذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير واعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الفساد الخ (رد المحتار مطلب في جواز الافطار بالتحري)

⑤ حاکم مسلم کی عدم موجودگی میں عالم کا فیصلہ :

جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کرتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم ثقہ قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، البتہ رویت ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي الفتح اذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم (رد المحتار ص ۳۴۲ ج ۴) وفي عمدة الرعاية على شرح الوقاية والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها قائم مقامه (ص ۳۱۹ ج ۳)

⑥ ہر قاضی کا فیصلہ اس کی حد و ولایت تک محدود ہے :

اولاد و مقدمے سمجھ لئے جائیں :-

(۱) ہر مرد و عورت، عالم و جاہل، شہری و بدوی تک شہادت ہلالِ فطر پہنچانہ ہی ضروری ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے، اس لئے شہادت صرف قاضی کے پاس ہوتی ہے، بعدہ ثبوت ہلال کا

اعلان خبر واحد یا ضرب طبول وغیرہ کے ذریعہ مصر کے گرد و نواح میں کیا جاتا ہے، یہی چیز عوام و خواص کے لئے دال علی ثبوت الهلال ہونے کی وجہ سے موجب عمل ہے،

(۲) ایک قاضی کے فیصلہ کی خبر محض (بلا شرط شہادت علی القضاء) دوسرے قاضی کے لئے موجب عمل بلکہ مجوز عمل نہیں،

ان دونوں مقدموں سے بطور نتیجہ قانون کلی طرأ و عکسایہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر قاضی کا فیصلہ صرف اس کی ولایت تک بذریعہ مدافع، طبول اور ریڈیو وغیرہ (بشرائط مذکورہ) نشر کیا جاسکتا ہے، اور سامعین کے لئے موجب عمل ہے، حکومت مرکزی پاکستان کی ولایت عامہ ہے، لہذا اگر مرکزی حکومت نے کسی معتبر ہلال کمیٹی کے علماء سے فیصلہ کروا کر نشر کیا تو یہ فیصلہ سارے پاکستان کے لئے موجب عمل ہوگا، بشرطیکہ ریڈیو خاص ضابطہ کے تحت ہو، و ثانیہ ہا لا یلزم اهل بلد رؤیة غیرہم الا ان یثبت ذلك عند الامام الاعظم فیلزم الناس کلہم لان البلاد فی حقہ كالبلد الواحد از حکمہ نافذ فی الجمیع، قالہ ابن الما جشون (نیل الاوطار ص ۱۹۲ ج ۲)

④ اختلاف مطالع معتبر نہیں:

اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ ایسے بلاد بعیرہ میں اختلاف مطالع معتبر ہونا چاہئے جن کی رویت میں ایک دن سے زیادہ فرق ہو، اس لئے کہ اس صورت میں ہیمنہ کے ایام انتیس سے کم یا تیس سے زیادہ ہو جائیں گے، اور یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہے، یہ خیال اس لئے صحیح نہیں کہ فنی تحقیق کے مطابق پوری دنیا میں ایک دن سے زیادہ فرق ہو ہی نہیں سکتا، اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو اس کا سبب اختلاف مطالع نہیں بلکہ یہ عوارض فضائیہ یا خیالات بشریہ پر مبنی ہے، قال فی التنبؤ واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذہب وقال فی العلمیۃ وعلیہ اکثر المشایخ وعلیہ الفتاویٰ بحر عن الخلاصۃ و فی الشامۃ و انما الخلاف فی اعتبار اختلاف المطالع بمعنی انه هل یجب علی کل قوم اعتبار مطلعہم ولا یلزم احدا العمل بمطلع غیرہ ام لا یعتبر اختلافہا بل یجب العمل بالاسبق رؤیۃ حتی لو رؤی فی المشرق لیلۃ الجمعة و فی المغرب لیلۃ السبت و جب علی اهل المغرب العمل ببصار اہل المشرق فقیل بالاول و اعتمد الزیلعی و صاحب الفیض و هو الصحیح عند الشافعیۃ لان کل قوم مخاطبون بما عندہم

کما فی اوقات الصلوة وایده فی الدرسا من عدم وجوب العشاء والوتر علی فاقد وقتها
وظاهر الروایة الثانی وهو المعتمد عندنا وعند المالکیة والحنابلة لتعلق الخطاب عاما
بمطلق الرؤیة فی حدیث صوموا لرؤیتہ بخلاف اوقات الصلوة (رد المحتار ص ۱۳ ج ۲)
وقال فی الفتح واذ اثبت فی مصر لزوم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برؤیة
اهل المغرب وقیل یختلف باختلاف المطالع (الی قولہ) والاخذ بظاهر الروایة احوط
(فتح القدیر ص ۵۳ ج ۲)

وقال ابن رشد فاما مالک فان ابن القاسم والمصریین رووا عنه انه اذا ثبت
عند اهل بلد ان اهل بلد اخر رأوا الهلال ان علیهم قضاء ذلك الیوم الذی افطروه و
صامه غیرهم وبه قال الشافعی وأحمد وروی المدنیون عن مالک ان الرؤیة لا تلزم
بالخبر عند اهل البلد الذی وقعت فیہ الرؤیة الا ان یكون الامام یحمل الناس
علی ذلك وبه قال ابن الماجشون والمغیرة من اصحاب مالک واجمعوا انه لا یراعی ذلك
فی البلد ان النائیة كالاندلس والحجاز ربدایة المجتهد ص ۲۰۸ ج ۱)

وقال العافظ العسقلانی رحمه الله تعالی اذا رؤی ببلیدة لزم اهل البلاد كلها
وهو المشهور عند المالکیة لكن حکى ابن عبد البر الاجماع علی خلافه وقال اجمعوا علی انه
لا تراعی الرؤیة فیما بعد من البلاد كخراسان والاندلس قال القرطبی قد قال شیوخنا
اذا كانت رؤیة الهلال ظاهرة قاطعة بموضع ثم نقل الی غیرهم بشهادة
اثنين لزمهم الصوم (فتح الباری ص ۸۰ ج ۲)

وقال الشوکانی والذی ینبغی اعتماده هو ما ذهب الیه المالکیة وجماعة
من الزیدیة واختاره المهدی منهم وحكاہ القرطبی عن شیوخہ انه اذا رآه اهل
بلد لزم اهل البلاد كلها ولا یلتفت الی ما قاله ابن عبد الله من ان هذا القول
خلاف الاجماع قال لانهم قد اجمعوا علی انه لا تراعی الرؤیة فیما بعد من البلد
كخراسان واندلس ذلك لان الاجماع لا یتمم والمخالف مثل هذه الجماعة
(نیل الاوطار ص ۱۹۵ ج ۴)

وقال فی فتح الملهم قلت ونقل ابن رشد ایضا الاجماع فی بدایة المجتهد
وهو مقلد لابن عبد البر فی نقل المذاهب والذی یظهر عندی من سیاق الفتح

وکذا من سياق ابن رشد انهما لم يريد من الاجماع اجماع الامة بل اتفاق اصحاب
مالك رحمه الله تعالى على اعتبار اختلاف المطالع في البلاد النائية والله سبحانه وتعالى
اعلم (وبعد اسطر) نعم ينبغي ان يعتبر اختلافها ان لزم منه التفاوت بين البلدین باكثر
من يوم واحد لان النصوص مصرحة بكون الشهر تسعة وعشرين او ثلاثين فلا تقبل
الشهادة ولا يعمل بها في ما دون اقل العدد ولا في ازيد من اكثره، والله سبحانه وتعالى اعلم،
(فتح الملهم ج ۳ ص ۱۱۳)

وفي البدائع هذا اذا كانت المسافة بين البلدین قريبة لا تختلف فيه المطالع
فاما اذا كانت بعيدة فلا يلزم احد البلدین حکم الاخر لان مطالع البلاد عند المسافة
الفاحشة تختلف فيعتبر في اهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الاخر وحكى عن ابی
عبد الله ابن ابی موسیٰ الضریر انه استفتی فی اهل اسکندریة ان الشمس تغرب
بها ومن علی منارتها یرى الشمس بعد ذلك بزمان کثیر فقال یحل لاهل البلد الفطر
ولا یحل لمن علی رأس المنارة اذا کان یرى الشمس لان مغرب الشمس یختلف کما
یختلف مطلعها فیعتبر فی اهل کل موضع مطلعہ (بدائع الصنائع ص ۸۳ ج ۲)

بدائع کی پوری عبارت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں اختلاف مطالع کے اعتبار یا
عدم اعتبار کا بیان مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر دو شہر آپس میں اتنے قریب ہوں کہ ان میں
اختلاف مطالع کا کوئی امکان نہ ہو تو یہ دونوں ایک ہی شہر کے حکم میں ہوں گے، یعنی ایک شہر میں
ثبوت رویت کی خبر دوسرے شہروالوں پر حجت ملزم ہوگی، وہاں کسی علیحدہ حجت کی ضرورت نہیں،
جیسا کہ ایک شہر میں ثبوت رویت کی خبر اس کے تمام حصوں پر بلکہ شہر کے مضافات پر بھی حجت ملزم
ہوتی ہے، اس کے برعکس اگر دو شہروں کا مطلع مختلف ہے تو اگرچہ یہ اختلاف مطالع عند الاحنا
ظاہر الروایۃ پر معتبر نہیں، مگر ایک شہر میں ثبوت کی خبر دوسرے شہروالوں پر حجت ملزم نہ ہوگی،
بلکہ ان کے لئے مستقبل حجت (شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضۃ) ضروری
ہے، غرضیکہ بدائع کی عبارت سے تو بلدان ناتیہ میں صرف اختلاف مطالع کا تحقق ثابت ہوا جو
بدیہی اور مشاہد و مسلم ہے کوئی عامی بھی اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، کلام تو اس میں ہر
کہ یہ اختلاف مطالع جو کہ مشاہد و مسلم ہے ثبوت رمضان میں شرعاً معتبر بھی ہے یا نہیں؟
بدائع کی عبارت کا یہ مفہوم بالکل واضح ہے، علاوہ ازیں صاحب بدائع کا بلدان و تریبہ

میں شہادۃ علی الشہارۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ کی شرط نہ لگانا، نیز اعتبار مطالع میں اختلاف مشہور اور ظاہر الروایہ میں عدم اعتبار مزبور ہونے کے باوجود اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور ابو عبد اللہ ابن ابی موسیٰ الفزیری کے فتویٰ سے استشہاد بتین دلیل ہے، کہ یہاں ہلال رمضان میں اختلاف مطالع کے اعتبار یا عدم اعتبار کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

⑧ فیصلہ کے نشر میں شہادت ضروری نہیں:

قاضی کا فیصلہ اس کی حدود ولایت میں نشر کرنے کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں ضریر معتبر کافی ہے، البتہ ایک قاضی کا فیصلہ اس کی حدود ولایت سے خارج دوسرے قاضی کی ولایت میں تب قبول ہوگا کہ شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ ہو، قال فی العلّٰی شہد و انہ شہد عند قاضی مصر کذا اشاہد ان برؤیۃ الهلال فی لیلة کذا وقضی القاضی بہ و وجد استجماع شرائط الدعوی قضی ای جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادۃ ہما لان قضاء القاضی حجة وقد شہد وابہ لا لو شہد وابرؤیۃ غیرہم لانہ حکایۃ نعم لو استفاض الخبر فی البلد الاخری لزمہم علی الصحیح من المذہب، وفی الشامیۃ (قولہ ای جاز) الظاہر ان المراد بالجواز الصحة فلا ینافی الوجوب تأمل والیضا فیہا تحت (قولہ لانہ حکایۃ) و کذا لو شہد وابرؤیۃ غیرہم وان قاضی تلتک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا و لیس بحجة بخلاف قضائہ (مراد المختار ج ۲ ص ۱۲۸) وفی الہندیۃ لو شہد جماعة ان اهل بلدة قد بدأوا ہلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا و هذا الیوم ثلاثون بحسابہم ولم یرہو لاء الهلال لایا لہم فطر غد ولا تترك التراویح فی هذه اللیلة لانہم لم یشہدوا بالبرؤیۃ ولا علی شہادۃ غیرہم وانما حکوا برؤیۃ غیرہم ولو شہد وان قاضی بلدة کذا شہد عندہ اثنان برؤیۃ الهلال فی لیلة کذا وقضی بشہادۃ ہما جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادۃ ہما لان قضاء القاضی حجة وقد شہد وابہ (عالمگیریۃ مجیدی ص ۱۱۱، فتح القدیر، ص ۵۳ ج ۲)

مذکورہ بالا جزئیات سے اور استفاضہ کی تعریف میں آئندہ عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہلال صوم اور فطر میں بہر حال کوئی فرق نہیں، مگر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ بحالت غیم ہلال رمضان میں یہ شرائط نہیں،

ذکر شہادۃ علی القضاء مع اجتماع شرائط سے معلوم ہوا کہ بحالت صحو ہلال صوم وعید میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حالت غیم میں تو محکی عنہ میں بھی نہ شہادت ہوتی ہے اور نہ اس پر قضاء مرتب ہوتی ہے اور حالت صحو میں قول راجح پر شہادت عدلین کافی ہے، کما سیبھی، پس جزئیات مذکورہ حالت غیم کے حکم سے ساکت ہیں، بحالت غیم ہلال رمضان میں شرائط مذکورہ کی ضرورت خلاف عقل ہونے کے ساتھ خلاف نقل بھی ہے، لاطلاق ما قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تنبیہ الغافل والوسنان ونصہ قبل لہلال رمضان خبر واحد عدل (الی قولہ) ولو کان شہادۃ علی شہادۃ مثله ام و فی البدائع و تقبل شہادۃ واحد عدل علی شہادۃ واحد عدل فی ہلال رمضان بخلاف الشہادۃ علی الشہادۃ فی سائر الاحکام انہا لا تقبل ما لم یشهد علی شہادۃ رجل واحد رجلان اور رجل وامرأتان لما ذکرنا ان هذا من باب الاخبار لا من باب الشہادۃ ویجوز اخبار رجل عدل عن رجل کما فی روایۃ الاخبار (بدائع الصنائع ص ۸۱ ج ۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

⑨ استفاضہ کی تحقیق:

اصل مقصد یہ ہے کہ ایک شہر کے قاضی کے فیصلہ کا دوسرے شہروالوں کو یقین ہو جائے، اور حصول یقین کی تین صورتیں ہیں:

(۱) شہادۃ علی الشہادۃ (۲) شہادۃ علی القضاء (۳) خبر مستفیض

اس سے معلوم ہوا کہ استفاضہ میں شہادۃ علی القضاء یا شہادۃ علی الشہادۃ ضروری نہیں اور نہ ہی مختلف شہروں سے خبروں کا آنا شرط ہے، صرف ایک شہر سے ثبوت ہلال کی خبر مستفیض کافی ہے، قال فی الشامیۃ (قوله نعم الخ) فی الذخیرۃ قال شمس الانعمۃ الحلوانی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدة الاخری یلزمهم حکم هذه البلدة اھ قلت ووجه الاستدراك ان هذه الاستفاضة لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اهل تلك البلدة صاموا یوم کذا الزم العمل بہا لان البلدة لا تخلوا عن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنیاً علی حکم حاکمهم الشرعی فكانت تلك الاستفاضة ببغنی نقل الحكم المذكور وہی اقوی من الشہادۃ بان اهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لانہا لا تفید الیقین فلا ینافی ما قبلہ هذا ما ظہر

لی تأمل،

تنبیہ :- قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تأتي من تلك البلدة جماعات
متعد دون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لامجر الشیوخ
من غیر علم بمن اشاعه (وبعد اسطر) ويشير اليه قول الذ خيرة اذا استفاض
وتحقق فان التحقق لا يوجد بمجرد الشیوخ (مر المختار ج ۲ ص ۱۲۹)

استفاضة اور تواتر میں مشرق

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت مذکورہ اور امام ابن الہمام اور علامہ شامی رحمہما اللہ تعالیٰ
کی تحقیق ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ استفاضة اور تواتر میں کوئی فرق نہیں جس طرح تواتر میں اتنے
افراد کی خبر ضروری ہے کہ صدق کا یقین ہو جائے اسی طرح استفاضة میں بھی یہی شرط ہے
قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تنبیہ الغافل والوسنان بعد نقل
عبارة الفتح التي قد مناها فی الجواب الثامن عن الہندیة، قلت لكن قال فی الذ خیر
البرہانیة مانصہ قال شمس الائمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ الصحیح من مذہب
اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدة الاخری يلزمهم حکم
هذه البلدة (انتهی) ونقل مثله الشیخ حسن الشرنبلالی فی حاشیة الدرر عن المفتی
وعزاه فی الذ المختار الی المجتبی وغیرہ مع ان هذه الاستفاضة لیس فیها حکم ولا شهادة
لکن لما كانت الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة
صاموا یوم کذا الزم العمل بها لان المراد بها بلدة فیها حکم شرعی کما هو العادة
فی البلاد الاسلامیة فلا بد ان يكون صومهم مبنیاً علی حکم حاکمهم الشرعی
فكانت تلك الاستفاضة بسبغی نقل الحکم المذكور وهي اقوی من الشهادة
بان اهل تلك البلدة رأوا الهلال یوم کذا وصاموا یوم کذا فانها مجرد شهادة
لاتفید الیقین فلذا لم تقبل الا اذا شهدت علی الحکم او علی شهادة غیرهم
لتكون شهادة معتبرة شرعاً والا فهي مجرد اخبار واما الاستفاضة فانها تفید
الیقین کما قلنا ولذا قالوا اذا استفاض وتحقق الخ فلا ینافی ما تقدم عن فتح القدیر
ولو سلم وجود المنافاة فالعمل علی ما صرحوا بتصحیحه والامام الحلوانی من اجل

مشایخ المذہب وقد صرح بأنه الصحيح من مذہب اصحابنا وکتبت فیما علقته علی
البحران المراد بالاستفاضة توأتر الخبر من الواردین من تلك البلدة الاخری
لامجرد الاستفاضة لانها قد تكون مبنیة علی اخبار رجل واحد فیشیع الخبر عنه
ولاشک ان هذا لا یکفی بدلیل قولهم اذا استفاض وتحقق الخبر فان التحقق
لا ینکون الا بما ذکرنا، والله تعالیٰ اعلم، (رسائل ابن عابدین، ص ۲۵۲ ج ۱)
مگر تعمق نظر اور کتب اصول حدیث وفقہ کی طرف مراجعت سے ثابت ہوتا ہے کہ استفانہ
اور توأتر میں فرق ہے، قال العافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ والثانی وهو اول اقسام
الآحاد ماله طرق محصورة باكثر من اثنين وهو المشهور عند المحدثین سمي بذلك
لوضوحه وهو المستفيض علی رأی جماعة من أئمة الفقهاء (شرح نغية الفكر ص ۱)
وقال صدر الشریعة ویفید الثانی ای المشهور علی طمانینة وهو علم مطمئن به
النفس وتظنه یقینا لکن لو تأمل حق التأمل علم انه لیس بیقین (توضیح) وقال
العلامة القفازانی فی شرح القول المذكور فاطمینانہما رجحان جانب الظن
بحیث یکاد یدخل فی حدّ الیقین (تلویح)، ان عبارات سے ثابت ہوا کہ خبر مستفیض
اخبار آحاد کی قسم ہے، جو خبر متواتر کا قسیم ہے، اس میں مخبرین کی اتنی کثرت ضروری نہیں کہ جو
یقین کامل ہو جائے، اور عقلاً احتمال خطا باقی نہ رہے، جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے،
اس سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یقین سے یقین لغوی یعنی علم
قطعی مراد نہیں، بلکہ یقین شرعی یعنی ظن غالب مراد ہے، اور توأتر الخبر من الواردین
میں توأتر سے مصطلاحی توأتر مراد نہیں، بلکہ کثرة الاخبار مراد ہے، اسی لئے علامہ شامی رحمہ اللہ
تعالیٰ نے استفاضہ کو "الخبر المتواتر" نہیں فرمایا، بلکہ "بمنزلة الخبر المتواتر" فرمایا ہے،
شرع میں سوائے تکفیر کے اور کسی حکم میں بھی علم قطعی کی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ تمام احکام
کا مدار غلبہ ظن ہی پر رکھا گیا ہے، اگرچہ احکام میں اختلاف نوعیت کے لحاظ سے غلبہ ظن کے
درجات بھی متفاوت رکھے گئے ہیں، کہیں محض خبر عدل، کہیں دو مردوں کی شہادت، کہیں چار
کی اور کہیں حجم غفر، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں "جماعات متعددہ" بھی
تواتر کو مستلزم نہیں، چنانچہ علامہ میں "جمع عظیم یقع العلم بخبرهم" کی تشریح اس طرح
منقول ہے: العلم الشرعی وهو غلبة الظن وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ

تحت (قوله وقبل بلا علة) انه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواتر
الموجب للعلم القطعي، (رد المحتار ص ۱۰۰ ج ۱)

یہاں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اولاً خود تصریح فرمادی ہے کہ جمع عظیم سے خبر متواتر
مراد نہیں، پھر ثانیاً وہ مفوض الی رأی الامام کے تحت سر آج سے حاکم کی طمانینت قلب
نقل کی ہے، پھر ثالثاً بحر اور فتح سے تعبیر بالتواتر نقل کی ہے، اس مجموعہ سے بالکل واضح ہو جاتا
ہے کہ یہاں تواتر سے اصطلاحی تواتر مراد نہیں، بلکہ اتنی کثرت مراد ہے جو موجب طمانینت ہو،
شامیہ کی یہ پوری عبارت جواب نمبر ۱۳ کے آخر میں جمع عظیم کی تعریف کے تحت نقل کی گئی ہے، جب اخبار
روایت میں تواتر شرط نہیں تو استفاضہ میں بطریق اولیٰ تواتر کی شرط نہ ہوگی، کیونکہ اخبار روایت
میں لزوم کثرت وعدم اکتفاء بشهادة العدلين کی بنا یہ ہے کہ پورے شہر میں سے صرف دو تین افراد
کے سوا اور کسی کو چاند نظر نہ آنا خلاف ظاہر ہے، مگر استفاضہ میں عدم قبول کی یہ وجہ موجود نہیں
اس لئے کہ یہاں روایت کی خبر نہیں، بلکہ دو سر علاقہ میں حاکم کے فیصلہ کی خبر ہے، اس خبر کا چند
افراد میں محدود ہونا خلاف ظاہر نہیں، بالخصوص جبکہ اس خبر کا تعلق بھی دو سر علاقہ سے ہے،
پس مجزیہ علاقہ کے لوگوں کا چاند نہ دیکھنا ان کی خبر میں قاصر نہیں،

استفاضہ کے لئے کوئی عدد معین نہیں

شرح نخبة الفكر کی گذشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقق استفاضہ کے لئے تین افراد
کی خبر کافی ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ”جماعات متعدد دون“ میں اگر دو افراد کو بھی
جماعت قرار دیا جائے تو مجموعہ چار ہوتے، اور اگر تین افراد کی تین جماعتیں مراد لی جائیں تو نو
افراد ہوتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ استفاضہ کے لئے کوئی عدد متعین نہیں، بلکہ جتنی اخبار سے بھی
حاکم کو غلبہ ظن متحقق ہو جائے وہ خبر مستفیض ہے،

① ہلال رمضان خبر واحد پر مبنی ہو تو تکمیل ثلاثین کے بعد افطار کا حکم:

جزئیات ذیل سے افطار فی لغیم وعدم افطار فی لصحو کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، اذا صاموا
بشهادة الواحد واكملوا ثلاثين يوماً ولم يروا هلال شوال لا يفطرون فيساروي
الحسن عن ابي حنيفة رحمهما الله تعالى للاحتياط وعن محمد رحمه الله تعالى
انهم يفطرون كذا في التبيين، وفي غاية البيان قول محمد اصح كذا في التهرات

وقال شمس الاثمة هذا الاختلاف فيسا اذا لم يروا هلال شوال والسما مصححة
فاما اذا كانت متغيمه فانهم يفطرون بلا خلاف كذا في الذ خيرة وهو الاشبه
هكذا في التبيين (عالمگیریه مجیدی ص ۱۰۱ ج ۱)

ومنهم من استحسن ذلك في عدم قبوله في صحرو في قبوله لغيم اخذا بقول
محمد رحمه الله تعالى (فتح القدیر ص ۶۰ ج ۲)

وقال في شرح التنوير ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر
لا يحل على المذهب خلافا لمحمد رحمه الله تعالى كذا اذكرة المصنف لكن نقل
ابن الكمال عن الذ خيرة انه ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفي الزيلعي الاشبه ان غم
حل والا لا وفي الشامية (قوله لكن الخ) استدراك على ما ذكره المصنف من ان خلا
محمد فيسا اذا غم هلال الفطر بان المصريح به في الذ خيرة وكذا في المعراج عن
المجتبی ان حل الفطر هنا محل وفاق وانما الخلاف فيسا اذا لم يغم ولم يروا الهلال
فعندهما لا يحل الفطر وعند محمد يحل كما قال شمس الاثمة الحلواني وحرره
الشرنبلالی فی الامداد قال فی غایة البیان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر
ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناء وتبعاً فكم من شیء یثبت ضمناً ولا یثبت
قصداً أو سئل عنه محمد فقال ثبت الفطر بحکم القاضی لا بقول الواحد یعنی لما
حكم في هلال رمضان بقول الواحد ثبت الفطر بناءً على ذلك بعد تمام الثلاثين
قال شمس الاثمة في شرح الكافي وهو نظير شهادة القابلة على النسب فانها تقبل
ثم يفضى ذلك الى استحقاق الميراث والميراث لا يثبت بشهادة القابلة ابتداءً
قوله وفي الزيلعي الخ نقله لبيان فائدة لم تعلم من كلام الذ خيرة وهي ترجيح
عدم حل الفطر ان لم يغم شوال لظهور غلط الشاهد لان الاشبه من الحفاظ
الترجيح لكنه مخالف لما علمته من تصحيح غاية البيان لقول محمد رحمه الله تعالى
بالحل نعم حمل في الامداد ما في غاية البيان على قول محمد بالحل اذا غم شوال
بناءً على تحقق الخلاف الذي نقله المصنف وقد علمت عدمه وحينئذ فما في
غاية البيان في غير محله لانه ترجيح لما هو متفق عليه تأمل (المختار ص ۱۲۹)
وايضاً فيه لو تم عدد رمضان ولم يروا هلال الفطر لليلة يحل الفطر وان

ثبت رمضان بشهادة واحد ثبتت الفطرتين وان كان لا يثبت قصد الابالعد والعدالة
هذه اماظهر لي (رد المحتار ص ۱۲۸ ج ۲)

وقال الرافعي ر قوله وهي ترجيح عدم حل الفطران لم يغم الخ) وهو وان اشعر
بالترجيح يشعر بالخلاف في المسألة على خلاف عبارة الذخيرة وعبارة مجمع الروايات
المنقولة في السندی تشهد بالخلاف ايضا حيث قال وفي الامداد عن مجمع الروايات
عن الزاهدي لو قبل الامام شهادة وانتوا ثلاثين ثم غم عليهم هلال شوال قال الامام
والثاني رحمه الله تعالى يصومون من الغد وقال محمد رحمه الله تعالى يفطرون
وقال شمس لائنة الحلواني الخلاف فيما اذا لم ير هلال شوال والسماء مصحبة فان
كانت متغيمه يفطرون بلا خلاف اهـ والظاهر ان ما نقله عن الزيلعي انما ذكره
لبيان ان ما ذكره عن المصنف من تصحيح عدم الحل صحح الزيلعي خلافه وان ما حكاه
ابن الكمال من الاتفاق حكى الزيلعي ما يدل على الخلاف (قوله اذا غم شوال الخ) الاولى
ان يقول على ما اذا غم شوال الخ وعبارة الامداد وقوله في غاية البيان قول محمد
هو الاصح يحصل على ما قاله الكمال اهـ ر قوله وحينئذ فما في غاية البيان في غير
محلّه) لكن على ما علمت من عبارة الزيلعي ومجمع الروايات تكون عبارة غاية البيان
خلافية على ما حملها عليه في الامداد تأمل (التحرير المختار لرد المحتار ص ۱۲۶ ج ۲)

① حكم بشهادة فاسق:

فاسق کے صدق کا اگر ظن غالب ہو تو اس کی شہادت قبول کرنا جائز ہے، بلکہ بعض حالات
میں ضروری ہے، قال في العلائقية والعدالة لوجوبه لالصحة خلافاً للشافعي رحمه الله
تعالى فلو قضى بشهادة فاسق نفذ واشتم فتح الا ان يمنع منه اى من القضاء بشهادة
الفاسق الامام فلا ينفذ (الى قوله) وما في القنية والمجتبى من قبول ذى المروءة
الصادق فقول الثاني بجروضعفه الكمال بانه تعليل في مقابلة النص فلا يقبل
اقره المصنف،

وفي الشامية ر قوله بشهادة فاسق نفذ قال في جامع الفتاوى واما شهادة
الفاسق فان تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل والافلا اه فقل وفي
عنه كما سياتى عن الاستاذ المحترم المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى ۱۲ منه

الفتاویٰ القاعدیۃ ہذا اذا غلب علی ظنہ صدقہ وهو مما یحفظ درر اول کتاب القضاء وظاہر قوله وهو مما یحفظ اعتمادہ اہ (قوله النص) وهو قوله تعالیٰ وَأَشْهِدُوا ذَوَّیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاجْبِنَا عَنْهُ اُولَ الْقَضَاء (رد المحتار ص ۵۱۶ ج ۴)

کتاب القضاء کی ابتداء میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی تحقیق لکھی ہے کہ فاسق کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت قبول کرنا جائز ہے، قاضی آثم نہ ہوگا،

(رد المحتار ص ۴۱۵ و ۴۱۶ ج ۴)

⑪ خبر ہلال دینا سے ہے یا کہ معاملات سے؟

خبر ہلال رمضان دینا سے ہے، اور خبر ہلال غیرین معاملات میں سے، قال العلامة الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالتہ تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان قبل علمنا الحنفیۃ رحمہم اللہ تعالیٰ فی کتبہم ویثبت رمضان برویۃ ہلالہ وباکمال عدۃ شعبان ثم ان کان فی السماء علة من نحو غیم او غبار قبل لہلال رمضان خبر واحد عدل فی ظاہر الروایۃ او مستور علی قول مصحح لا ظاہر الفسق اتفاقاً سواء جاء ذلك المخبر من المصر او من خارجہ ولو کان شہادۃ علی شہادۃ مثله او کان قنّاً او انشی او محد ودافی القذف تاب فی ظاہر الروایۃ لانه خبر دینی فاشبہ روایۃ الاخبار ولہذا لا یشرط لفظ الشہادۃ ولا الدعوی ولا الحکم ولا مجلس القضاء وشرط لہلال الفطر مع علة فی السماء شرط الشہادۃ لانه تعلق بہ نفع العباد وهو الفطر فاشبہ حقوقہم فاشترط لہ ما اشترط لہما من العد والعدالة والحریۃ وعدم کونه محد ودافی القذف وان تاب ولفظ الشہادۃ والدعوی علی خلافہ فیہ الا اذا کانوا فی بلدۃ لا حاکم فیہا فانہم یصومون بقول ثقۃ ویفطرون بقول عدلین للضرورة وھلال اضحیٰ وغیرہ کالفطر، (مجموعۃ رسائل ابن عابدین ص ۲۳۲ ج ۱)

⑫ بحالت صحیحہ واحد شہادۃ عدلین کا حکم:

قال فی الشامیۃ ادیری قول الطحاوی بقبول الشہادۃ فی الصحرا اذا جاء من الصحراء او کان علی مکان مرتفع فی المصر وقد مناترجیجہ وما ہنا یرجعہ ایضاً فقد قال فی الفتح فی قول الہدایۃ اذا قبل الامام شہادۃ الواحد وصاموا انہ ہکذا الروایۃ علی الاطلاق، (رد المحتار ص ۱۲۹ ج ۲)

وحقق العلامة الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ قبل العبارة المذكورة بورقة على صفحة ۱۲۶ و ۱۲۷ ما يفيد انه يكتفى بشاهدین مطلقاً في الغيم والصحو لهلال رمضان وشوال ويكتفى ايضاً بواحد في حالة الصحو ان جاء من خارج البلد او كان على مكان مرتفع لهلال رمضان خاصة، عبارة الشامية في الاكتفاء بشاهدین باطلاقها شاملة لهلال شوال ورمضان ولم يصرح بهلال شوال واما صاحب البحر فانه قد اتى برواية صريحة في هلال الفطر، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال رمضان وشوال دونوں میں بحالت صحو شہادت عدلین کافی ہے، اور بحالت صحو خارج بلد یا مکان مرتفع سے آنے والے واحد عادل کی خبر صرف ہلال رمضان میں معتبر ہے، ہلال شوال میں نہیں،

مگر آجکل عام بے احتیاطی کی وجہ سے بحالت صحو ہلال شوال میں شہادت عدلین پر فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی علت تکاسل الناس عن رؤیة الهلال بیان کی ہے، اور آجکل ہلال عید کی رؤیت میں تکاسل نہیں پایا جاتا، لہذا اس صورت میں جمع عظیم کی رؤیت ضروری ہے،

جمع عظیم کی تعریف؛

اس کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ عدد کی تعیین نہیں، بلکہ دیکھنے والوں کی اتنی کثرت مراد ہے جس سے حاکم کو غلبہ ظن حاصل ہو جائے، تاہم تحصیل غلبہ ظن میں مزید بصیرت کے لئے عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں مذکور عدد کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، قال فی العلائمة وهو مفوض الی رأى الامام من غیر تقدیر بعد دعی المذهب، وفي الشامية قال فی السلب لم یقدر لهذا الجمع تقدیر فی ظاہر الروایة وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ خمسون رجلاً كالقسامة وقيل اكثر اهل المحلة وقيل من كل مسجد واحد او اثنان وقال خلف بن ایوب خمسة ببلخ قليل والصحيح من هذا كله انه مفوض الی رأى الامام ان وقع فی قلبه صحة ما شهد وابه وكثرت الشهور امر بالصوم اه وكذا صححه فی المواهب وتبعه الشرنبلالی وفي البحر عن الفتح والحق ماروی عن محمد والی یوسف

۱۔ اب پھر زمانے میں رؤیت ہلال میں تساقی کے شوق کا دور شروع ہو گیا ہے، اس لئے ہلال رمضان میں بھی بحالت صحو جمع عظیم کی شرط لازم ہے، (نظر ثانی ۱۳۹۷ھ ۱۲۸۱ھ)

ایضاً ان العبرة بمجى الخبر وقواتره من كل جانب اه وفي النهر انه موافق لما صححه في الراج
تأمل (رد المحتار ص ۱۰۱ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحكم،

رشید احمد

۲۰ محرم ۱۴۲۷ھ

علماء کا متفقہ فیصلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه وخاتم انبيائه
سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين،

تمہید : سالہا سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ عید و رمضان میں عامۃ المسلمین میں شدید
اختلاف ہوتا ہے ایک ہی شہر میں بعض روزے سے ہوتے ہیں، اور بعض عید مناتے ہیں، پھر اس پر
بس نہیں ہوتا، بلکہ ہر ایک اپنے مخالف فرق پر طعن و تشنیع کرنے میں پوری ہمت صرف کرتا ہے، سب سے
زیادہ اختلاف کا موجب ریڈیو پر نشر شدہ خبریں ہوتی ہیں، ریڈیو کے ذریعہ جب کسی شہر میں خبر پہنچتی
ہے، تو بعض حضرات بغیر تحقیق کے اس پر عمل کرنے لگتے ہیں، اور بعض اس کی شرعی خامیوں کو
دیکھ کر مجتنب رہتے ہیں، اس شدید انتشار کے پیش نظر مدرسہ عربیہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر
کے مدیر محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے اس خاص علمی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے قدم
اٹھایا، اور اطراف پاک و ہند میں اس بارہ میں سوالات بھیجے، جوابات آنے پر چونکہ بعض میں اختلاف
پایا جاتا تھا اس کو رفع کرنے کے لئے ۱۶ ستمبر ۱۴۲۷ھ کو مدرسہ قاسم العلوم ہی میں مفتیان پاکستان
کا ایک اجتماع کرایا، اور دو دن مکمل بحث کے بعد جو فیصلہ ہوا اس کو ہندوستان کے مشہور مدارس
میں نیز پاکستان کے ان علماء کی خدمت میں جو اجتماع میں بوجہ اعذار کے تشریف نہ لاسکے تھے بذریعہ
ڈاک روانہ کر دیا، سب کی تصدیقات حاصل کرنے کے بعد اب اس کو مسلمانوں کی خدمت میں
پیش کیا جا رہا ہے،

نیز حکومت سے بھی گزارش ہے کہ وہ متدین علماء دین کی جماعت کے فیصلہ کے بعد ہی اس کو نافذ
کرنے کے لئے بذریعہ ریڈیو اعلان کرے، اور محکمہ اطلاعات کو پابند کرے کہ وہ روایت کے بارے میں
بغیر روایت ہلال کیٹی کے فیصلہ کے کوئی خبر نشر نہ کرے، تاکہ عامۃ المسلمین کے فریضہ میں کوئی نقصان نہ آئے،

حَامِدًا اَرْمَعَلِيًّا

اجتماع علماء منعقدہ ملتان مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۳۵۴ء مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی دعوت پر مسائل پیش آمدہ رویت ہلال پر غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد جو متفقہ مسائل طے ہوئے وہ بغیر اعادہ سوالات کے حسب ذیل ہیں، اس میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ متون معروفہ و مشہورہ کی مفتی یہ روایات کے خلاف کوئی بات نہ ہو، اور اختلافات و خود رائی کی جو وہاں عام پھیلی ہوئی ہے اس کا انسداد ہو سکے، ان جوابات اور طے شدہ مسائل کی ایک ایک کاپی اور تمام اطراف و اکناف کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی، اور اتفاق و تصدیق کے بعد جو بات حکومت سے متعلق ہے اس کی منظوری کی استدعاء حکومت سے کی جائے، بِاِذْنِ التَّوْفِیْقِ

① ہلال رمضان بحالت علت خبر واحد سے خواہ وہ عادل ہو یا مستور الحال ہو ثابت ہو سکتا ہے، اس میں شہادت بشرط نہیں، البتہ ہلال عیدین میں شہادۃ بشرط طہا ہونا ضروری ہے، یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ایسی ہوں جو دیندار ہوں، اور اشہد سے حاکم یا جماعت مجاز کے سامنے باقاعدہ شہادت ادا کریں، بحالت صحود دونوں ہلال میں جمع غفر کے ایسے اخبار جو موجب ظن غالب ہوں ضروری ہوں گے، اور ان کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن اگر ہلال رمضان میں بستی سے باہر آئے ہوئے یا موضع مرتفع سے دیکھنے والے ایک عادل شخص کی یا بستی کے دو عادل کی شہادت سے بھی اطمینان حاصل ہو جائے تو اس پر حکم دیا جاسکتا ہے،

② ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی، خط اور اخبار میں یہ فرق ہو کہ تار برقی اور اخبار سوائے صورت استفاضہ کے ہرگز معتبر نہیں، البتہ خط بشرط معرفۃ الکاتب وعدالتہ اور ریڈیو و ٹیلیفون بشرط معرفۃ صاحب الصوت وعدالتہ درجہ اخبار میں معتبر ہوں گے، شہادت میں نہیں ہوں گے،

③ مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے

۱۔ یہ فیصلہ اس بنا پر کیا گیا تھا کہ لوگ چاند دیکھنے میں غفلت کرتے ہیں مگر اب پھر زمانہ میں تساقی فی الرویۃ کا شوق روز افزوں ترقی پذیر ہے، اس لئے بحالت صحو ہلال رمضان میں جمع عظیم کی رویت شرط ہو (نظر ثانی ۱۳۵۴ء) رشید احمد

۲۔ ریڈیو میں یہ شرط اثبات رویت کے لئے ہے، فیصلہ نشر کرنے کے لئے یہ شرط نہیں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ ریڈیو قابل اعتماد نظم کے ماتحت ہو، جیسا کہ ۲ میں آرہا ہے ۱۲ رشید احمد

حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

④ ہلالِ صوم یا ہلالِ نظر دونوں میں دیہات و رساتیق کے لوگوں کو جہاں علماء یا فضلاء نہیں ہیں صرف افواہوں پر اعتماد کر کے روزہ اور عید جائز نہیں، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عادل اور ثقہ ذمہ داری کے ساتھ یہ بیان دے کہ فلاں جگہ میں نے علماء کا فیصلہ سنا ہے، یا وہاں متفقہ طور پر عید ہوئی اور میں خود پڑھ کر آیا ہوں، یا میں نے مشاہدہ کیا ہے، یا میں نے منادی سنی ہے اور اس کے لئے ایسے بیان پر اہل قریہ کو غلبہ ظن بھی حاصل ہو اس پر عمل کرنا درست ہوگا،

⑤ رویتِ ہلال میں جہاں جہاں استفاضہ کا لفظ آیا ہے اس میں بھی بے سرو پا افواہوں یا مبہم اور غیر معروف لوگوں کے خطوط کا اعتبار نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب مجاز یعنی جماعت علماء یا عالم ثقہ کے پاس متعدد خبر دینے والے خبر رویتِ ہلال کو یا الشرائط المرقومہ فی الجواب السابق بیان کریں، اور اس سے مخبر الیہ کو طمانینتِ قلب اور غلبہ ظن حاصل ہو جائے تو اس صورت میں یہ طریق موجب عمل قرار دیا جائے گا، اس کے علاوہ استفاضہ میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ حاکم یا نائب یا عالم ثقہ فی القریہ کے پاس متعدد خطوط یا ٹیلیفون یا تار توسط یا بغیر توسط کے ایسے اور اتنے آجائیں کہ اس کی طمانینتِ قلب ہو سکے،

⑥ اگر ہلالِ رمضان میں خبر واحد عادل یا خط وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ کا حکم دیا گیا اور تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد بھی رویتِ ہلال نہ ہوئی تو بحالتِ صحیح عید کرنی جائز نہیں، اور بحالتِ علت عید کرنی جائز ہے،

⑦ اگر کسی جگہ حاکم وقت یا اس کے نائب جماعت علماء یا عالم ثقہ فی القریہ نے رویتِ ہلال کے باب میں قاسق کی شہادت کا غلبہ ظن کے بعد اعتبار کرتے ہوئے حکم دیدیا تو نتیجہ وہ سب کے لئے قابلِ تسلیم سمجھا جائے گا، لیکن اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا،

⑧ اختلافِ مطالع صوم و فطر میں بشرطیکہ دوسری جگہ ثبوتِ رویت بطریق موجب ہو معتبر نہیں ہوگا،

① صدر مجلس:

② محضر:

محور عفا اللہ عنہ، مفتی قاسم العلوم ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ، خیر المدارس ملتان

ارکان مجلس:

④ محمد عبدالرشید خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

③ رشید احمد دارالافتاء الارشاد کراچی

- ⑤ محمد صادق عفا اللہ عنہ ناظم امور مذہبیہ بہاولپور
 ④ محمد الحسن عفی عنہ خطیب جامع مسجد مظفر گڑھ
 ⑨ محمد چراغ عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ
 ⑪ جمال الدین غفرلہ مردانی مدرس خیر المدارس ملتان
 ⑬ جواب ۲۰ آئیں مجھے ابھی تک شرح صدر نہیں
 تحقیق کروں گا، باقی نمبرات میں متفق ہوں
 عطا محمد
- ⑥ محمد ناظم ندوی شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاولپور
 ⑧ عبدالرحمن عفی عنہ مفتی دارالافتاء محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور
 ⑩ محمد شفیع غفرلہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان
 ⑫ محمد برکت کشمیری مدرس خیر المدارس ملتان
 ⑭ بشرح صدر مولانا عطا محمد صاحب ۲ و ۳
 میں خلجان ہے، باقی سے متفق ہوں،
 فقیر محمد شمس الدین ہزاروی

مصدقین:

- ⑮ ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا اللہ عنہ
 ⑭ علی محمد عفی عنہ مدرس قاسم العلوم ملتان
 ⑰ عبدالحی عفی عنہ شیخ الحدیث مدرسہ حقانہ اکوڑہ خٹک
 ⑲ محمد اشفاق الرحمن دارالعلوم الاسلامیہ ننڈا تھانوی
 ⑳ مظفر حسین مظاہری معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور
 ㉑ محمد سیاح الدین مفتی اشاعۃ العلوم فیصل آباد
 ㉒ صالح محمد مدرس سراج العلوم سرگودھا
 ㉓ عبدایح عفی عنہ مدرس مدرسہ سراج العلوم سرگودھا
 ㉔ سعید احمد سعید دارالعلوم دیوبند
 ㉕ مسعود علی قادری مفتی انوار العلوم ملتان
 ㉖ ابوالحسنات قادری
 ㉗ غلام محمد ترمذی مدرسہ جمعیۃ علماء پاکستان لاہور
 ㉘ محمد عبدالمصطفیٰ ازہری غفرلہ
 ㉙ فقیر محمد قاسم خطیب جامع مسجد بستی ننڈہ ضلع مظفر گڑھ
- ①⑥ محمد امیر بقلم خود غفرلہ جھوگ دینس
 ①⑧ احقر الانام احمد علی عفی عنہ لاہور
 ②① محمد یوسف عفی عنہ مفتی مدرسہ حقانہ اکوڑہ خٹک
 ②② سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور
 ②③ محمد عجب غفرلہ شیخ الحدیث معراج العلوم بنوں
 ②④ سعید احمد مفتی سراج العلوم سرگودھا
 ②⑤ محمد عفا اللہ عنہ انوری مدرسہ تسلیم الاسلام فیصل آباد
 ③① مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
 ③② عزیز الرحمن بجنوری دارالعلوم دیوبند
 ③③ احمد یار خاں خطیب چوک پاکستان، گجرات
 ③④ خادم حسین صدر النجملان محمد مزنگ لاہور
 ③⑤ فقیر عبدالقادر غفرلہ خطیب جامع مسجد خانیوال
 ③⑥ نور احمد انور خطیب جامع مسجد انوار العلوم ملتان
 ③⑦ خدابخش خطیب جامع مسجد حکیم انوالی جام پور ضلع
 ڈیرہ غازی خان

محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (کراچی) نے باقی جوابات سے اتفاق فرمایا ہے صرف اختلاف مطالع کے عدم اعتبار میں خلجان کا اظہار کیا ہے، اس لئے ریڈیو کے اعلان

سے متعلق جواب ۳ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

”جس علاقہ کے ریڈیو سے وہاں کے علماء کے فیصلہ کے مطابق اعلان ہو وہ اسی علاقہ کے حدود میں واجب لتعمیل ہوگا، دوسرے علاقوں میں جب تک شرعی ثبوت کے ذریعہ وہاں کے علماء فیصلہ نہ دیں یہ اعلان اثر انداز نہ ہوگا، مثلاً کراچی ریڈیو کا اعلان صرف سندھ بلوچستان پُر اور لاہور ریڈیو کا اعلان صوبہ پنجاب پر اور راولپنڈی ریڈیو کا اعلان راولپنڈی ڈوڈین پُر اور آزاد کشمیر ریڈیو کا اعلان صرف آزاد کشمیر پر اور پشاور ریڈیو کا اعلان صوبہ سرحد و آزاد قبائل پر اور ڈھاکہ ریڈیو کا اعلان پورے مشرقی پاکستان پر اثر انداز اور واجب لتعمیل ہوگا، ایک علاقہ کا اعلان دوسرے علاقہ کے لئے مؤثر نہ ہوگا۔“

نیز شہادت فاسق کے بارے میں ذیل کی تحریر ارسال فرمائی جو بلفظ درج ہے:-

”فیصلہ ۷ میں یہ الفاظ کہ (لیکن اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے) محل تامل ہے، کیونکہ جب شرعاً غلبہ ظن کی صورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ فاسق کی شہادت قبول کرے، تو پھر یہ کہنا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے فی نفسہ بھی محل نظر ہے، اور موجودہ زمانہ کے اعتبار سے تو یہ حکم شاید ناقابل عمل ہو جائے، کیونکہ اگر فاسق کی شہادت کو مطلقاً رد کرنا قرار دیا جائے تو ساری دنیا کا نظام مختل ہو جائے، کیونکہ معاملات کے لئے قابل قبول شہادت ہزار میں ایک بھی میسر آنا مشکل ہو جائے گا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ قاضی کے لئے غلبہ ظن بصدق مخبر ضروری ہے جو فاسق اس درجہ میں نہ ہو، اس کی شہادت رد کی جائے گی، ورنہ قبول کرنا چاہئے، تاکہ حقوق ضائع نہ ہو جائیں، معین المحام باب الثانی و عشرین میں اس مسئلہ پر مفصل کلام کر کے اس کو ترجیح دی ہے،

مسألة: قال القرانی فی باب السياسة نص بعض العلماء علی انا اذا لم نجد فی جهة الا غیر العدول اقمنا اصلحهم واقلمهم فجوراً للشهادة علیهم ویلزم ذلك فی القضاة و غیرهم لتلا تضييع المصالح قال وما اظن احداً یخالف فی هذا فان التکلیف شرط فی الامکان وهذا کله للضرورة لتلا تهمد الامل و تضييع الحقوق قال بعضهم واذا کان الناس فاسقاً الا القلیل النادر قبلت شهادة بعضهم علی بعض و یحکم بشهادة الامثل فالامثل من الفساق هذا هو الصواب الذی علیہ العمل وان انکره کثیر من الفقهاء بالسنتهم وكذلك العمل علی صحة کون الفاسق ولینا فی النکاح و وصیای فی المال وهذا یؤید ما نقله القرانی واذا غلب علی الظن صدق الفاسق

قبلت شہادتہ وحکم بہا واللہ تعالیٰ لم یأمر برّد خبر الفاسق فلا یجوز ردّہ مطلقاً بل یثبت فیہ حتی یتبّین صدقہ من کذبہ فیعمل علی ما تبین وفسقہ علیہ،

محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے فقط اختلاف مطالع میں فیصلہ علماء سے اختلاف فرمایا ہے، آپ کی تحریر بھی بلفظہ درج ذیل ہے:

”۳ میں حدود ولایت میں عمل کرنے کا کلیہ صحیح نہیں، بعض اوقات بلاد میں بعد اتنا ہوتا ہے کہ حقیقتہً مطلع محتاط ہو سکتا ہے، جیسے پشاور، ڈھاکہ، اس لئے یہ قید بڑھانا چاہئے

”بشرطیکہ دونوں ملکوں میں اتنا فاصلہ نہ ہو جہاں اختلاف مطلع حقیقتہً ہو سکتا ہو“

”بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا مسئلہ اجماعی ہے، کما صرح یہ ابن عیینہ وغیرہ، بدایۃ المجتہد لابن رشد، فتح الباری لابن حجر ملاحظہ ہوں؛ حنفیہ کے ہاں بھی بلاد بعیدہ میں معتبر ہونا متعین ہے، راجعوا البدائع والاختیار شرح المختار وتبیین الحقائق للزیلعی اور جب اجماع ثابت ہو جاتا ہے دوسرا مرجوح قول خود بخود ختم ہو جاتا ہے، ائمہ کا قول لاعبرۃ لاختلاف المطالع مخصوص اُن بلاد کے ساتھ ہے جہاں وسط شہر یا آخر شہر تک اتنی مسافت طے نہیں ہو سکتی تھی، متاخرین حنفیہ نے جو توسیع کر دی ہے نہ ائمہ کی مراد نہ حقیقتہً صحیح ہے، تفصیل کی اس وقت ہمت نہیں“ متفقہ فیصلہ کا مضمون ختم ہوا،

اختلاف مطالع متعلق مندرجہ بالا دونوں حضرات کی آخری رائے

مندرجہ بالا تحریر کے بعد ۱۳ شوال ۱۳۸۳ھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اور بندہ کے اتفاق رائے سے اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دے کر پورے ملک میں تنفیذ حکم کے لئے چند تجاویز حکومت کو بھیجی گئی تھیں جو پہلے ماہنامہ البلاغ میں اور پھر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب جو اہر الفقہ میں شائع بھی ہو چکی ہیں، ذیل میں یہ تجاویز اور ان سے متعلق پورا مضمون درج کیا جاتا ہے:-

رویت ہلال کے مسئلہ میں ملک کی انتشار سے بچانے کی تجاویز

کئی سال سے عید الفطر کے موقع پر پورے پاکستان میں عجیب طرح کا انتشار و افستراق

پھیلتا ہے، مرکزی ہلال کیٹی کے اعلان کا مقصد تو یہ تھا کہ سارے ملک میں ایک دن عید ہو، اور واقع یہ ہونے لگا کہ ہر ہر شہر اور ہر ہر قصبہ میں دو دو عیدیں ہونے لگیں، عین عید کے دن جو اظہار محبت و مسرت کا دن ہے اس میں باہمی اختلاف اور جھگڑوں کے مظاہرے ہونے لگے، جس کو کوئی سمجھدار انسان کسی ملک کے لئے پسند نہیں کر سکتا،

اس سے زیادہ مضرت رساں وہ بحثیں ہیں جو عید کے بعد ہفتوں تک اخباروں میں چلتی ہیں سرکاری حلقوں سے علماء کو مطعون کیا جاتا ہے کہ وہ سیاسی مقاصد کے لئے بالقصد انتشار پھیلا رہے ہیں، دوسری طرف سے حکومت پر یہ الزامات لگائے جاتے ہیں کہ حکومت جلن بوجھ کر مسلمانوں کی عبادات کو مختل اور دینی معاملات کے ساتھ مذاق کرتی ہے،

لیکن ذرا بھی غور اور انصاف سے کام لیا جائے تو یہ دونوں الزام غلط اور بالکل بے جا ہیں، علماء میں بہت بڑی تعداد ایسے علماء کی ہے جن کا سیاست سے کوئی دُور کا بھی علاقہ نہیں، اور نہ اُن کی کسی ذاتی غرض کا کوئی شبہ ہو سکتا ہے، اسی طرح حکومت کے ارکان و افراد میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خود روزے رکھتے ہیں اور دینی اقدار کا احترام کرتے ہیں، اُن پر کیسے یہ بدگمانی کی جاسکتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر خلیق خدا کے روزوں کا وبال اپنے سر لینے کو تیار ہو جائیں،

حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں، وجہ شاید یہ ہے کہ سرکاری حلقوں کے حضرات اس کو ایک خاص تہوار اور انتظامی معاملہ سمجھتے ہیں، جس میں علماء کی کوئی مداخلت اُن کو گوارا نہیں، دوسرے یہ کہ وہ اس معاملہ میں صرف خبرِ صادق جس پر سننے والوں کو یقین ہو جائے اعلان کے لئے کافی سمجھتے ہیں، اور اُس فرق کو نظر انداز کر دیتی ہیں کہ اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لئے صرف خبرِ صادق کافی نہیں ہوتی، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے، جس کے لئے خاص شرائط اور قواعد ہیں، اور علماء یہ جانتے ہیں کہ ہماری عید عام قوموں کے تہواروں کی طرح ایک تہوار نہیں، بلکہ ایک عبادت کا ختم اور دوسری عبادت کا شروع کرنا ہے، جس میں شریعت کے بتلائے ہوئے اصول سے مختلف کوئی صورت جائز نہیں، اور کوئی چیز کتنی ہی سچی اور قابلِ اعتماد ہو اور سننے والے کو اس پر پورا یقین ہو مگر وہ اپنے اس یقین کو پورے ملک پر اُس وقت تک مسلط اور لازم نہیں کر سکتا جب تک حجت شرعیہ اور باقاعدہ شہادت نہ ہو اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور شرعی اصول

کے مطابق رویت ہلال کے اعلان کے لئے ملک کے ماہرین فتویٰ علماء کے مشورہ سے ایسا ضابطہ کار بنایا جائے جس پر تمام علماء اور عوام کو اطمینان ہو سکے، اور پھر اسی ضابطہ کا سب کو پابند بنایا جائے اور اسی ضابطہ کے تحت ریڈیو پر اعلان کیا جائے، مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو ملک کے کسی گوشہ سے سرکاری اعلان کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے گی، ہر طبقہ کے علماء اس کی موافقت کریں گے، اور ملک میں عیش و مسرت اور وحدت و اتفاق کے ساتھ ایک ہی دن عید ہوا کریگی، اگرچہ شرعی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ پورے ملک میں عید ایک ہی دن ہو، اسلام کے قرونِ اولیٰ میں اس وقت کے موجودہ ذرائع مواصلات کو بھی اس کام میں استعمال کرنے اور عید ایک ہی دن منانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوا، اور ملک کے وسیع و عریض ہونے کی صورت میں شدید اختلافِ مطالع کی مشکلات بھی اس میں پیش آ سکتی ہیں،

لیکن پاکستان کے عوام اور حکومت کی اگر یہی خواہش ہو کہ عید پورے پاکستان میں ایک ہی دن ہو تو شرعی اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے، شرط یہ ہے کہ عید کا اعلان پوری طرح شرعی ضابطہ شہادت کے تابع ہو،

رویت ہلال کے لئے شرعی ضابطہ شہادت جس پر تفسیرِ بیائمت کے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور جمہورِ علماء سلف و خلف کا اتفاق رہا ہے، ذیل میں لکھا جاتا ہے جس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ انصاف پسند طبقہ یہ محسوس کرے کہ ہلال کیٹی کے حالیہ اعلان سے علماء کا اختلاف درحقیقت کسی ضد یا سیاسی غرض کے لئے نہیں بلکہ اصول شرعیہ کی مجبوری سے عمل میں آیا، دوسرے یہ کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات توجہ فرما کر ملک کے ہر مکتبہ فکر کے مستند علماء کے مشورہ سے اس ضابطہ کے تحت مرکزی ہلال کیٹی کا ایسا ضابطہ کار بنادیں جس پر ملک کے علماء اور عوام مطمئن ہو کر عمل کر سکیں، اُس ضابطہ شرعیہ کی تفصیل لکھنے سے پہلے ایک امر کی وضاحت ضروری ہے جو شہادت کی اصل بنیاد ہے،

خبرِ صادق اور شہادت میں فرق

کسی معاملہ کے متعلق ایک ثقہ معتبر آدمی زبانی خبر دے یا ٹیلیفون پر بتلائے اور اس کی آواز پہچانی جائے، یا خط میں لکھے اور خط پہچانا جائے تو مخاطب کو اس خبر کے سچے ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا، بجائے خود اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے، اور اس کے مقتضی پر عمل کرنا

اپنی حد تک اُس کے لئے جائز بھی ہے، اور عام معاملات میں ساری دنیا اس پر عمل بھی کرتی ہے، لیکن اگر وہ اپنے اس یقین کو دوسروں پر لازم اور مسلط کرنا چاہے کہ سب اس کو تسلیم کریں تو شریعت اور موجودہ قانون میں اس کے لئے ضابطہ شہادت قائم ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی قاضی یا حاکم اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتا،

ایک حج کو ذاتی طور پر کسی مقدمہ کے متعلق ایک امر پر کتنا بھی یقین بلکہ مشاہدہ ہوں، مگر وہ اپنے یقین کی بناء پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا، جب تک باقاعدہ شہادت کی شرائط پوری کر کے اسے ثابت نہ کرے، اور اس شہادت میں کسی عدالت کے نزدیک ٹیلیفون کا بیان کافی نہیں سمجھا جاتا، بلکہ گواہ کا عدالت میں حاضر ہونا شرط ہے، دنیا کی عدالتوں کا موجودہ ضابطہ شہاد اس معاملہ میں بالکل فتر آئی اور اسلامی ضابطہ کے مطابق ہے کہ شاہدوں کا قاضی یا حاکم کے سامنے حاضر ہونا ضروری ہے، ٹیلیفون پر کسی خبر کا بیان کرنا کتنا ہی قابل اعتماد ہو شہادت کے لئے کافی نہیں،

حالیہ واقعہ میں مرکزی ہلال کمیٹی کا فیصلہ علماء کے نزدیک اسی لئے ناقابل قبول ٹھہرا کہ ہلال عید کے لئے باتفاق اُمت شہادت شرط ہے، محض خبر صادق کافی نہیں، اور مرکزی کمیٹی نے صرف ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کر کے اعلان کر دیا، اس کی کوشش نہیں کی کہ گواہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر گواہی دیتے یا کمیٹی کا کوئی معتمد عالم وہاں جا کر ان سے رو برو گواہی لیتا، اور پھر شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا، اگر ایسا کر لیا جاتا تو کسی عالم کو اس سے اختلاف نہ ہوتا، ضابطہ شہادت کی یہ باریکیاں موجودہ عدالتیں بھی جانتی ہیں اور مانتی ہیں، مگر عوام کو ان میں فرق محسوس کرنا آسان نہیں، اس لئے طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں،

ہلال عید کے متعلق شرعی ضابطہ شہادت

جب چاند کی رویت عام نہ ہو سکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھ لیا ہو، تو یہ صورت حال اگر ایسی فضاء میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں، غبار وغیرہ مانع نہ ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رویت اور شہادت شرعاً قابل اعتماد نہیں ہوگی جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے چاند کی رویت تسلیم کی جائیگی جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں اس کو ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے گا،

ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لئے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے،

مگر حکومت کے لئے ایسی شہادت کا اعتبار کر کے ملک میں اعلان کرنے کے واسطے تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسی شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت کے لئے یا کسی ذمہ دار جماعت کے لئے جائز نہیں، وہ تین صورتیں اصطلاح شریعت میں یہ ہیں :-

① — شہادت علی الرویۃ

② — شہادت علی شہادۃ الرویۃ

③ — شہادت علی القضاء

شہادت علی الرویۃ :

شہادت علی الرویۃ یہ ہے کہ ایسے عالم یا جماعت علماء کے سامنے یہ شہادت دینے والے بذات خود پیش ہوں، جن کی احکام شرعیہ، فقہیہ اور اسلام کے ضابطہ شہادت میں مہارت پر پورے ملک میں اعتماد و یقین کیا جاتا ہو، اور یہ عالم یا علماء متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کرے،

شہادت علی الشہادۃ :

شہادت علی الشہادۃ یہ ہے کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکے، تو ہر ایک کی گواہی پر دو گواہ ہوں اور وہ گواہ عالم یا علماء کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے،

شہادت علی القضاء :

شہادت علی القضاء یہ ہے کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا ہے اگر وہاں حکومت کی طرف سے

عہ یعنی مرض یا سفر کی وجہ سے خود حاضر ہونے پر قادر نہ ہوں ۱۲

عہ یعنی اصل گواہ ان کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے ۱۲

سہ اور یہ الفاظ کہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی شہادت پر شاہد بنایا ہے، اس لئے

میں اس کی شہادت پر شہادت دیتا ہوں ۱۲ رشید احمد

کوئی ذیلی کمیٹی قائم ہے، اور اس میں کچھ ایسے علماء موجود ہیں جن کے فتویٰ پر علماء اور عوام اعتماد کرتے ہیں، اور چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں، اور وہ علماء انکی شہادت قبول کریں، تو ان علماء کا فیصلہ اس حلقہ کے لئے تو کافی ہے جس میں شہادت پیش ہوتی ہو، مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کیلئے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سامنے ان علماء کا فیصلہ بشرائط ذیل پیش ہو،

یہ سب علماء یا ان کا امیر یہ تحریر کریں کہ فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دی، اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، اس لئے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا، یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سر بھر کی جائے اور یہ گواہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علماء کے سامنے اپنی اس شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علماء نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے،

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علماء کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کے تحت اعلان کر سکتی ہے، اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لئے واجب القبول ہوگا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے بلکہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی شہادۃ الرویۃ یا شہادت علی القصار کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی ہے، ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا، اور مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کی بنا پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لئے کر رہے ہیں،

یہ چند اصولی باتیں ہیں جن کا رویت ہلال اور اس کے معاملہ میں پیش نظر ہونا ضروری ہے، اس ضابطہ شہادت میں عملی اور انتظامی طور پر اگر کوئی مشکل پیش آ سکتی ہے تو وہ صرف

۱۵ یہ صورت درحقیقت کتاب الفاضی الی القاضی ہے، چونکہ شہادت علی القصار کی بنسبت یہ صورت سہل اور زیادہ قابل اعتماد ہے، اس لئے اسے اختیار کیا گیا، ۱۲

۱۶ یہ شرط مزید توثیق اور ساہا سال سے پیدا شدہ بے اعتمادی کی بنا پر لگائی گئی ہے، درنہ جب یہ اعتماد ہو اور پورا وثوق و یقین ہو کہ رویت ہلال کا فیصلہ اور اس فیصلہ کا اعلان شرعی ضابطہ کے تحت ہوتا ہے تو اعلان میں تفصیل مذکور کی ضرورت نہیں ۱۲ رشید احمد

آخری صورت یعنی شہادت علی القضاء میں ہے کہ اس میں ایک شہر کی ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کے لئے دو گواہوں کا درہاں جانا ضروری ہے، جو اگرچہ ہوائی جہاز کے دور میں کچھ مشکل نہیں تاہم ایک مشقت سے خالی نہیں،

اس دشواری کا حل تلاش کرنے کے لئے مندرجہ ذیل علماء کے اجتماع میں غور کیا گیا کہ یہ شہادت علی القضاء کس حد تک ضروری ہے، اور آیا اس میں کوئی سہولت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ مذاہب اربعہ اور جمہور علماء کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ علماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ اصولی طور پر تو ذیلی ہلال کمیٹی کا فیصلہ مرکزی ہلال کمیٹی کے لئے اسی وقت قابلِ تنفیذ ہو سکتا ہے جبکہ وہ فیصلہ دوسرے قاضی کے پاس شرعی شہادت کے ساتھ دو گواہ لے کر پہنچیں، صرف ٹیلیفون وغیرہ پر اس کی خبر دینا کافی نہیں، جمہور فقہاء امت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کا اصل مذہب یہی ہے، ہدایہ، کتاب الامام شافعی، مغنی ابن قدامہ حنبلی وغیرہ میں اس کی تصریحات درج ہیں، اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ حکومت اس اصول کے مطابق کوئی انتظام کرے، لیکن علماء کے اس اجتماع میں اس پر غور کیا گیا کہ اگر حکومت اس میں دشواریاں محسوس کرے تو کوئی دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ غور و فکر کے بعد متفقہ طور پر اس کا ایک حل یہ نکالا گیا کہ،

حکومت ہر بڑے شہر میں ذیلی کمیٹیاں قائم کرے، ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسے مستند علماء کو ضرور لیا جائے جو شرعی ضابطہ شہادت کا تجربہ رکھتے ہیں، اور ہر ذیلی کمیٹی کا کام صرف شہادت ہسٹا کرنا نہ ہو بلکہ اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے، یہ ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو فیصلہ شہادت کی بنیاد پر ہو چکا، اب صرف اعلان کا کام باقی ہے، اس کے لئے شہادت ضروری نہیں، بلکہ ذیلی کمیٹی کا کوئی ذمہ دار آدمی مرکزی کمیٹی کو ٹیلیفون پر محتاط طور پر جس میں کسی مداخلت کا خطرہ نہ رہے ذیلی کمیٹی کے اس فیصلہ کی اطلاع دیدے، اور مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے کہ مرکزی کمیٹی کے سامنے اگرچہ کوئی شہادت نہیں آئی بلکہ فلاں ذیلی کمیٹی نے جس میں فلاں فلاں

۱۱ یعنی اسے پورے ملک کے لئے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے، ۱۲

۱۱ اور وضاحت کی جا چکی ہے کہ اعلان میں اس تفصیل کی شرط اعتماد بحال کرنے کے لئے ہے، اور نہ بصورت اعتماد

اعلان میں تفصیل بتانا ضروری نہیں، ۱۲ رشید حسد

علماء شریک ہیں شہادت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے، ہم اس فیصلہ پر اعتماد کر کے اعلان کر رہے ہیں، اس صورت میں مرکزی کمیٹی کا یہ اعلان ٹیلیفون سے آئی ہوئی اطلاع پر درست ہو سکتا ہے؟

بند محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۰/۱۰/۸۶

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳ شوال ۱۳۸۶ھ

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۱۳ شوال ۱۳۸۶ھ

رشید احمد

۱۳ شوال ۱۳۸۶ھ

حکومت پاکستان کی طرف سے عبادات کو قمری کیلنڈر سے البتہ کرنے کی تجویز کا جواب:

سوال ۱۔ محترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حکومت پاکستان شمسی کیلنڈر کی بجائے قمری کیلنڈر کی ترویج چاہتی ہے، قمری کیلنڈر تیار کرنے کے لئے ایک بورڈ متعین کیا گیا ہے، مجھے بھی اس کا رکن نامزد کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے بارہ میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے؛

- ① اُمّی کے کیا معنی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اُمّی ہیں، زیادہ حساب کتاب نہیں جانتے؟ ہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا تیس دن کا، اس سے کیا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف عوام الناس کی سہولت کی خاطر چاند کی رویت کو اپنایا گیا تھا؟
- ② بعض علماء خلاہ بازوں کے چاند پر پہنچنے کو صحیح نہیں مانتے، آپ کی اس بارہ میں کیا رائے؟
- ③ قطبین پر نماز کے اوقات کی قرآن مجید یا احادیث نبوی میں وضاحت نہیں، اگر یہ اجتہاد جائز ہے تو پھر رویت ہلال کے بارے میں اجتہاد کیسا ہے؟
- ④ پہلے زمانہ میں چاند کے وجود کے بارے میں عوام کو علم نہ تھا، اب ریاضی کے ذریعہ مقام قمر معلوم کیا جاسکتا ہے، لہذا کیا اب بھی رویت کی ضرورت باقی ہے؟
- ⑤ اوقات نماز کے لئے طلوع وغروب آفتاب کا مشاہدہ ضروری نہیں تو رویت ہلال کے بارے میں کیوں؟

⑥ سعودی عرب میں آپ کے علم کے مطابق تاریخ کا تعین کیسے کیا جاتا ہے؟ خیال ہو کہ

وہ حسابی طریقہ سے کیلنڈر تیار کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو ہمارا حج صحیح ہوتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر صحیح ہو تو پھر پاکستان میں اس کی ترویج کیسی ہے؟

④ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بعض علماء کے نزدیک کسی زمانہ میں جائز نہ تھا، اس کی کیا وجہ تھیں؟ اب اگر جائز قرار دیا گیا ہے تو کس بنا پر؟ اگر لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں بدلتے ہوئے زمانہ کے ساتھ تبدیل رائے ہو سکتی ہے تو روایت کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے؟ یعنی وجودِ قمر کو بنیاد قرار دیا جائے،

⑤ پاکستان میں شمسی کیلنڈر کے بجائے قمری کیلنڈر کی ترویج کا سوچا جا رہا ہے، آپ کے نزدیک ایسا کرنا اسلام کے کس تقاضے کو پورا کر رہا ہے، اور اس کی افادیت کیا ہو سکتی ہے؟

⑥ اسلامی تاریخ کے اہم واقعات مثلاً میلاد النبی، واقعہ معراج، عاشوراء کو مجوزہ قمری کیلنڈر (جو کہ وجودِ قمر پر نہ کہ شہودِ قمر پر مبنی ہو سکتا ہے) کے ساتھ منسلک کرنا خلافِ شریعت تو نہ ہوگا؟

⑩ اگر قمری کیلنڈر (بر بنا پر وجودِ قمر) کو اسلامی قمری کیلنڈر (بر بنا پر شہودِ قمر) سے الگ کھا جائے تو دونوں میں حدِ امتیاز کیا ہوگا کہ اول الذکر کی افادیت باقی رہے اور مؤخر الذکر کی حرمت،

الجواب باسم ملہم الصواب

① اُمّی، اُمّ دماں کی طرف منسوب ہے، بمعنی ناخواندہ، اس مناسبت سے کہ عورتیں عموماً ناخواندہ ہوتی ہیں، یا اس لئے کہ ناخواندہ شخص لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے مادرِ زاد کی طرح ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ ناخواندہ عوام کی اکثریت تھی، مہذبہ حساب داں بھی موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قضاء کا واقعہ مشہور ہے، سترہ ادنیٰ کو جس اسلوبِ تقسیم فرمایا ہے اس سے آجکل کے دورِ ترقی کے اکثر محاسبین بھی ناواقف ہیں، بہت کم لوگ اس کی حقیقت جانتے ہیں، غرضیکہ وہ زمانہ محاسبین سے بالکل خالی نہ تھا، اس کے باوجود آپ کا ثبوتِ ہلال میں حساب کو باطل قرار دے کر روایت کو شرط قرار دینا اس پر کھلی دلیل ہے کہ شرعاً اثباتِ ہلال کے لئے حسابی طریقہ استعمال کرنا جائز نہیں، اور اس پر پوری اہمیتِ مسلمہ کا اجماع ہے، ملاحظہ ہو صحیح بخاری کی شرح فتح الباری ص ۱۰۹ ج ۴، اور عمدة القاری ص ۲۸ ج ۱۰، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صوم واقطار کا مدار عینی روایت پر رکھو، ”صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ“

اگر حسابی طریقہ کی گنجائش ہوتی تو رویت کے حکم کی بجائے اہل حساب سے دریافت کرنے کا حکم فرماتے، بالخصوص جبکہ حسابی فیصلہ میں کئی سہولتیں بھی ہیں، مثلاً:

(۱) رویت کے لئے جدوجہد اور مشقت سے نجات،

(۲) اختلاف و انتشار سے حفاظت،

(۳) آئندہ معاملات کے لئے تعیین تاریخ میں سہولت وغیرہ،

معہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہی کو شرط قرار دیا، اس میں حکمت یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کے معاملات اور عبادات کسی ایک یا معدودے چند لوگوں کی رائے اور فیصلہ پر موقوف ہونے کی بجائے عام مسلمانوں کے مشاہدہ سے متعلق رہیں، تاکہ وہ اندھی تقلید کی بجائے علی وجہ البصیرۃ عبادات ادا کریں، اور اپنے معاملات و عبادات کو چند انسانوں کے قبضہ میں اور ان کے رحم و کرم پر موقوف نہ سمجھیں، اور اس قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو کر پریشان نہ ہوں کہ شاید چاند کے فیصلہ میں محاسب نے سہو یا کسی مصلحت سے عمداً غلطی کا ارتکاب کیا ہو، چنانچہ شمسی کیلنڈر کا یہی حال ہے، ہینہ ۲۸ دن کا ہے یا ۲۹ یا ۳۰ یا ۳۱ کا اس بارے میں پوری دنیا چند محاسبین کی کورانہ تقلید کر رہی ہے، بس بوجہ بھکڑ جو کہدے مانتا پڑے گا، صومہ درانہ تک اکسٹس اور جولیس سینر وغیرہ یکے بعد دیگرے دنیا کے ذہنوں پر مسلط رہے، پھر پوپ گریگوری نے ان کے تسلط پر اپنا قبضہ جمالیا، اور ۱۹ اکتوبر کو ۲۹ اکتوبر کر دیا، علاوہ ازیں ہر درہ صدی جو ۲۴ پر ریر تقسیم نہ ہوا اسکے آخری فردی کو ۲۸ دن کا قرار دینے کا حکم دیا، کئی ممالک نے پوپ کی بغاوت کی لیکن بالآخر یہ بھی سب کو اپنی ذہنی غلامی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا "شریعت مطہرہ نے ثبوت ہلال کے لئے رویت کو شرط قرار دے کر انسان کو کسی دوسرے انسان کی کورانہ تقلید اور ذہنی غلامی اور عبادات کو غیر کے قبضہ میں دینے سے محفوظ فرما دیا ہے، رویت کی مشقت و مجاہدہ برداشت کر لیں، اور اس کی وجہ سے تاریخ میں قدرے اختلاف کی زحمت گوارا کر لیں، مگر اپنی عبادات غیر کے قبضہ میں نہ دیں بلکہ خود علی وجہ البصیرۃ ادا کریں،

(۲) شرعی لحاظ سے اس پر کوئی مانع اور کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں، اس لئے آج تک کسی بھی عالم دین نے اس کو خلاف شرع نہیں بتایا، اگر آپ حضرات کے علم میں کوئی ایسا عالم ہے تو وہ ہرگز ہرگز عالم دین نہیں، آپ کو دھوکہ لگا ہے کہ ایسے جاہل کو عالم سمجھ لیا ہے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت لبری داند و نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر ز موائیخاست و نہ بر آنکہ سربتراشد قلندی داند

نکتہ چوں تیغ پولاد ست تیز و چوں نمی داری سپردا پس گریز
پیش این الماس بے اسپر میا و کز بریدن تیغ را نبود حیا

اس سے متعلق اشکال و جواب کے لئے میری کتاب احسن الفتاویٰ جلد اول ملاحظہ فرمائیں
(۳) جواز اجتہاد کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مسئلہ منصوص شرعی نہ ہو ثبوت ہلال کے لئے رویت
کی شرط نص سے ثابت ہے، اس لئے اس میں اجتہاد کرنا حرام ہے، اور شریعت مطہرہ کا مقابلہ ہو
(۴) اس کا جواب علم میں تحریر کیا جا چکا ہے،

(۵) اوقات نماز اور ثبوت ہلال میں دو درجہ سے فرق ہے، ایک یہ کہ شریعت نے اوقات نماز
کا مدار عینی رویت پر نہیں رکھا، بلکہ اس میں علم یقین کو کافی قرار دیا ہے، بخلاف ثبوت ہلال
کے کہ اس کے لئے عینی رویت کو شرط قرار دیا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ حسابی طریقت سے
متعین کردہ اوقات نماز کی ہر شخص جب چاہے بذریعہ مشاہدہ تصدیق کر سکتا ہے، مگر وجود
ہلال کی تصدیق کے لئے عوام کے پاس سوائے رویت پر شہادت کے اور کوئی ذریعہ نہیں
حسابی طریقہ سے مرتبہ اوقات میں طلوع و غروب وغیرہ اوقات عموماً قابل رویت ہوتے ہیں
مگر ہلال اصطلاحی پیدائش کے باوجود بالعموم قابل رویت نہیں ہوتا، پھر طلوع و غروب
وغیرہ کی تصدیق کے لئے چند بار مشاہدہ ہمیشہ کے لئے کافی ہوگا، مگر ہلال میں ایسا نہیں ہو سکتا
(۶) سعودی عرب میں ثبوت ہلال کے لئے حسابی طریقہ ہرگز استعمال نہیں ہوتا وہ اس کو
حرام قرار دیتے ہیں، اور عینی رویت پر شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں، اس سے متعلق
سابق رئیس الجامعہ شیخ بن باز اور حکومت سعودیہ کی وزارت العدل کی تحریریں میرے پاس
موجود ہیں، عند الطلب ان کی فوٹو کاپیاں ارسال کی جاسکتی ہیں، رہا یہ سوال کہ وہاں اتنی جلدی
رویت کیسے ہو سکتی ہے؟ تو اس کی وجہ کچھ اور ہیں، اس وقت اُن کو تحریر میں لانے کی ضرورت
نہیں، چونکہ وہاں روزہ، عید اور حج وغیرہ احکام شرعی قضاء کے تحت ہوتے ہیں، اس لئے
اُن کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، اس مسئلہ کی تفصیل اسی جلد میں عنوان "سعودیہ میں رویت
کا اعلان پاکستان کے لئے حجت نہیں" کے تحت ملاحظہ ہو، مرتب

⑤ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ پہنچنے والی آواز کے اتباع سے مقتدی کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟
اس میں اختلاف کی دو بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ خود متکلم کی آواز بلند ہو جاتی ہے، یا کہ یہ متکلم کی آواز بعینہ نہیں، بلکہ اس کی صدائے بازگشت ہے، دوسری بنیاد یہ ہے کہ صدائے بازگشت کا اتباع نماز میں جائز ہے یا نہیں، جواز اقتدار کے لئے یہ شرط تو منصوص ہے کہ مقتدی کو انتقال امام کا علم ہو، مگر یہ منصوص نہیں کہ مقتدی تک پہنچنے والی آواز بعینہ امام کی آواز ہو صدائے بازگشت نہ ہو، اس لئے اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس کے برعکس ثبوت ہلال کے لئے روایت کی شرط منصوص ہے، اور نص کے مقابلہ میں اجتہاد حرام ہے،

⑧ اس کی کوئی افادیت نہیں، بلکہ سخت ستر ہے، جس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے، اگر فی الحال عبارات اسلامیہ کو اس کیلنڈر سے وابستہ نہ بھی کیا جائے تو بھی آئندہ چل کر اس کا خطرہ ہے، اور جو کام حرام کا ذریعہ و سبب بنے وہ بھی حرام ہوتا ہے، مستقبل میں تاریخوں کے تخمینہ اندازہ اور وقت کی تقریبی تعیین کے لئے جو دستور چلا آتا ہے کہ شمسی کیلنڈر کے ساتھ قمری تخمینہ تاریخ بھی لکھ دی جاتی ہے وہی کافی ہے،

⑨ یقیناً خلاف شریعت اور ناجائز ہے،

⑩ وجود قمر کے کیلنڈر کی صورت یہ افادیت ہو سکتی ہے کہ وجود قمر سے قبل رویت ہلال پر آنے والی شہادت غیر معمولی غور طلب ہوگی، اسی طرح ماہرین فن وجود قمر کے بعد بھی ہلال پر رویت کی صلاحیت نہ ہونے کے کچھ ضوابط متعین کر دیں، مثلاً افق سے ارتفاع اور شمس سے بعد کے درجات کی تعیین ہو جائے تو رویت کی شہادت کا معیار معلوم کرنے کے لئے مفید ہو سکتا ہے، معہذا اس کے نفع سے ضرر کا خطرہ زیادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

سوال متعلق بالا:

محترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، رویت ہلال اور حکومت کے مجوزہ قمری کیلنڈر کے بارے میں آپ کی تحریر موصول ہوئی، جو کہ ہماری گزشتہ ہفتہ کی اسلام آباد میں منعقدہ میٹنگ میں ممبران کو پڑھ کر سنائی گئی، اس سے اسلامی کیلنڈر کے لئے رویت ہلال کی شرعی اہمیت واضح ہو گئی، البتہ مزید چند سوالات ذہنوں میں ابھرے ہیں، مہربانی فرما کر ان کی وضاحت فرمائیں، وہ سوالات یہ ہیں:-

- ① آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ثبوت ہلال کے لئے رویت کی شرط نص سے ثابت ہے، ہر بانی فرما کر قرآن کریم کی متعلقہ آیت مع ترجمہ و تشریح سے آگاہ فرمائیں؟
- ② قطبین کے قریب بعض مقامات پر ۲۳ گھنٹے کا دن ہوتا ہے، یعنی بالکل ۲۴ گھنٹے کا بھی نہیں ہوتا کہ اسے عام شرعی قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، لیکن اتنے لمبے وقفہ میں روزہ رکھنا یا ابتداء سحر کی تعیین کرنا مشکل ہے، اس مخصوص موقع پر قرآن کریم سے ہٹ کر اجتہاد کیونکر جائز ہوگا؟
- ③ رویت کے کیا معنی ہیں؟ اس کے لئے کمزور نظر کی صورت میں چشمہ لگانا، دور بین کا استعمال، ہوائی جہاز یا راکٹ پر سوار ہو کر چاند کو دیکھنا یا دیگر جدید ذرائع کا استعمال کیسا ہے؟
- ④ انما المؤمنون اخوة کے تحت تمام دنیا کے مسلمان ایک خاندان کے افراد یا ایک سوسائٹی کے ممبر ہیں، تمام یا بعض دینی امور میں کم از کم ان کا ایک امیر یا قاضی ہونا کیسا ہے؟ کہ جس کی اتباع میں دنیا کے کسی بھی مقام پر چاند نظر آنے کی صورت میں ساری اسلامی دنیا میں ایک ہی روزہ تاریخ کا آغاز کیا جائے، کوئٹہ میں چاند نظر آنے کی صورت میں اگر لاہور میں عید ہو سکتی ہے، تو مکہ معظمہ میں چاند نظر آنے کی صورت میں انڈونیشیا میں جائز ہوگی کہ نہیں؟ جبکہ مسلمانوں میں جعفر انبیائی یا سیاسی حدود داہم نہیں، بلکہ جنوبی افریقہ اور انڈونیشیا کے دو مسلمان باہم اپنے آپ کو بہت قریب پاتے ہیں جبکہ ایک ہی شہر کے ایک ہی محلہ کے دو مختلف المذہب افراد کے دل باہم کوسوں دور ہوتے ہیں، ہمارا آئندہ اجلاس یکم فروری کو ہونا قرار پایا ہے، لہذا ہر بانی فرما کر ان سوالات کا جواب جلد تحریر فرما کر عند اللہ مأجور ہوں،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① نص سے حدیث مراد ہے، رویت کی شرط کئی احادیث صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے، صحیح بخاری میں اس مضمون کی متعدد روایات ہیں جن میں سے ایک نقل کی جاتی ہے، عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروا فان غم علیکم فاقروا له قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ و ذکر البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی الباب احادیث تدل علی نفی یوم الشک و تبہا ترتیباً حسنًا فصدرہا بحدیث عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ المصحح بعصیان من صامہ ثم بحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بوجہین احدهما بلفظ فان غم علیکم فاقروا والآخر بلفظ فاکملوا العدة

ثلاثین وقصد بذلك بيان المراد من قوله فاقدروا له الخ (فتح الباری ج ۴)
وقال في شرح قوله لا تصوموا حتى تروا الهلال، فقالوا راجعاً لجمهور المراد
بقوله فاقدروا له ای انظروا في اول الشهر واحسبوا تمام الثلاثين ويزج
هذا التأويل الروايات الاخر المصروفة بالمراد وهي ما تقدم من قوله
فاكملوا العدة ثلاثين ونحوها (فتح الباری ص ۱۰۳ ج ۴)

② طویل النهار مقامات پر روزہ کا حکم خلافت نص اجتہاد سے نہیں ثابت کیا گیا،
بلکہ یہ عام شرعی قانون میں داخل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ صوم سے عجز کی دو صورتیں
ہیں، ایک عارضی اور دوسری وقت موت تک دائمی، ان دونوں صورتوں کا حکم اس آیت
کریمہ میں مذکور ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرہ، ۲۳۴) یعنی جو شخص
رمضان میں مریض ہو یا شرعی مسافر وہ صحت یا اقامت کے بعد دوسرے ایام میں روزہ
قضا کرے، (یہ پہلی صورت کا حکم ہوا) ”اور جن کو روزہ کا کبھی بھی تحمل نہ ہو وہ فدیہ ادا کریں“
(یہ دوسری صورت کا حکم ہے) میں نے ”یطیقونہ“ کا جو مفہوم بیان کیا ہے حضرات مفسرین
رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں، جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں،
مسافر کے لئے عجز حقیقی ضروری نہیں، بلکہ مظنہ مشقت کی وجہ سے نفس سفر شرعی ہی کو
عجز حکمی قرار دیا گیا ہے، مریض اور مسافر کے لئے رخصت کی علت عجز اور دفع ضرر ہے،
اس لئے یہ حکم ہر ایسے عارض کو شامل ہے جس میں صوم سے ضرر کا غالب خطرہ ہو، چنانچہ حمل
یا درد ہلانے کی حالت میں روزہ رکھنے سے اگر ماں پر یا بچہ پر ضرر کا خطرہ غالب ہو تو بالاتفاق
اس کے لئے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے، حالانکہ یہ عورت نہ مریض ہے، اور نہ مسافر،
اس کے لئے رخصت خلافت نص قرآن نہیں، بلکہ نص شرعی ہی سے ہے، اس تفصیل سے
ثابت ہوا کہ اسی نص شرعی کے مطابق طویل النهار مقامات میں روزہ کا حکم یہ ہے کہ جس
میں تحمل ہو اس پر فرض ہے، اور جس میں تحمل نہ ہو وہ دوسرے معمولی ایام میں قضا رکھے،
③ رویت کے معنی ”دیکھنا“ اس کے لئے دو رویتیں، ہوائی جہاز، اور دوسرے ذرائع کا
استعمال جائز ہے، مگر شرعی ضابطہ ثبوت ہلال کی رعایت فرض ہے، اس کے لئے جو طریق
بھی اختیار کیا جائے اس میں متعدد ماہرین فقہ کی شمولیت ضروری ہے، ورنہ کوئی یہ

بھی قابل قبول نہیں ہوگا،

④ اگر مسلمانوں کی تمام حکومتیں رویت ہلال کے فیصلہ کے لئے کسی کمیٹی کو اختیار دیں، تو اس کمیٹی کا فیصلہ ان سب حکومتوں کے لئے واجب العمل ہوگا، بشرطیکہ کمیٹی کے ارکان میں ماہرین فقہ کی اکثریت ہو، اور ان کی رائے کو قانونی غلبہ حاصل ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۵ صفر ۱۴۹۹ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَعْتَبُ

الطَوَالِحُ

لِتَنْوِيرِ

الْمَطَالِحِ

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رویتِ ہلال میں اختلاف
 مطالع کا اعتبار ناممکن ہے،
 شرع، عقل اور فلکیات کی روشنی میں منفرد تحقیق

شواہد کے سوا اور کسی مذہب میں بھی اختلافِ مطالع معتبر نہیں

سوال: زید کہتا ہے کہ ایک علاقہ میں رویتِ ہلال کی وجہ سے دوسرے علاقہ میں صوم واجب نہیں کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟ بینواتر جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

زید کا یہ قول صحیح نہیں، صوم میں اختلافِ مطالع صرف شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے، باقی ائمہ کے ہاں معتبر نہیں، حنفیہ، حنبلیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں بلکہ اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر صوم فرض ہو جائے گا، قال فی شرح التوہید واختلاف المطالع ورویتہ نہاراً قبل الزوال وبعدہ غیر معتبر علی ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشایخ وعلیہ الفتاویٰ بحر عن الخلاصۃ فیلزم اہل المشرق برؤية اہل المغرب اذا ثبت عندہم رؤية اولیٰ علی بطریق موجب کما مر وقال الزیلعی الاشبه انه یعتبر لکن قال الکمال الاخذ بظاہر الروایۃ احوط، وقال فی الشامیۃ وانما الخلاف فی اعتبار اختلاف المطالع بمعنی انه هل یجب علی کل قوم اعتبار مطلعہم ولا یلزم احدا العمل بمطلع غیرہ ام لا یعتبر اختلافہما بل یجب العمل بالاسبق رؤية حتی لو روی فی المشرق لیلۃ الجمعة وفي المغرب لیلۃ السبت وجبت علی اہل المغرب العمل بہا رآہ اہل المشرق فقیل بالاول واعتمدہ الزیلعی وصاحب الفیض وهو الصحیح عند الشافعیۃ (الی قولہ) وظاہر الروایۃ الثانی وهو المعتمد عندنا وعند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاماً بطلاق الرؤية فی حدیث صوماً لرؤیتہ الخ (رد المحتار ج ۲)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم اعتبار اختلافِ مطالع کو صرف صوم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، حج اور قربانی وغیرہ میں اختلافِ مطالع کو معتبر تسلیم کیا ہے، مگر حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز نے عدم اعتبار کو جملہ اہل کے لئے عام قرار دیا ہے، ذیل میں امداد الفتاویٰ سے سوال جواب نقل کیا جاتا ہے:-

عہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو یہ سبقت قلم ہی معلوم ہوتی ہے، مگر فی الحاظ مشرق میں پہلے رویت کا امکان ہے ۱۲ منہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ اشرفیہ راندر کا ایک طالب علم رویت ہلال کی گواہی دور کی قبل عید الاضحیٰ کے نامعلوم رکھتا ہے، اور موافق ذہن اپنے کے اُس پر دلیل عبارت شامی کی جو کہ ذیل میں لکھی گئی ہے پیش کرتا ہے، تو یہ موافق شرع شریف کے ہی یا نہیں؟
یفہم من کلامہم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمہم شیء لوظہر
انہ رؤی فی بلدہ اخری قبلہم بیوم وہل یقال کذلک فی حق الاضحیۃ لغير الحاج
لم ارہ والظاہر نعم، اھ مختصراً،

الجواب: قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع معتبر ہو، مگر حنفیہ نے بناءً بقول
علیہ السلام لا نکتب ولا نحسب الحدیث اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج و رعایت قواعد ہیئت
سے نہ تھا، پس مقتضی حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو، نہ قبل وقوع
عبادت نہ بعد وقوع عبادت، بلکہ ہر مقام کی رویت ہر مقام کے لئے کافی ہو جائے، چنانچہ قبل
وقوع تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا، ہاں بعض مواقع میں جیسے بعض بعض صور حج میں اس کا
اعتبار کرنا بظاہر مفہوم ہوتا ہے، مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں لاطلاق
الحدیث بلکہ عمل اس حدیث پر ہے الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی
یوم تضحون، الحدیث، او کما قال، چنانچہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ حج میں اسی کو دلیل ٹھہرایا
حیث قال وفي الامر بالاعادة حرج، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے ہر چند کہ بناءً عدم قبول
شہادت کی اعتبار اختلاف مطالع پر ٹھہرائی ہے، مگر اس کو کسی نے صراحتہ نقل نہیں فرمایا بلکہ
یفہم من کلامہم کہا، جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے، تو اصل
حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرا، کما هو ظاہر من الحلاقیات
اور استنباط علامہ شامی کا مسئلہ اضحیہ میں اسی بناءً پر ہے کہ انھوں نے عدم قبول شہادت کو
بعض مسائل حج میں مبنی براعتبار اختلاف مطالع ٹھہرایا، حالانکہ عند التامل یہ امر غیر صحیح
ہے، بلکہ بناءً اس عدم قبول کی وہی حرج ہے، پس جب بناءً ہی صحیح نہیں تو مبنی کیونکر صحیح
ہو سکتا ہے، خصوصاً جبکہ کتب مذہب کے خلاف ہو، پس صورت مسئلہ میں رد شہادت
صحیح نہیں، واللہ اعلم، ۶ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ ۱۳۵۷ھ (امداد الفتاویٰ مبوب صفحہ ۲۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۸ ربیع الآخر ۱۳۵۷ھ

اختلاف مطالع سے متعلق مولانا لکھنوی کی تحقیق:

سوال: حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے مجموعۃ الفتاویٰ میں رویت ہلال کے بارے میں اعتبار اختلاف مطالع کے قول کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تحدید مسافت شہر سے کی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مجموعۃ الفتاویٰ میں اختلاف مطالع کا مسئلہ متعدد جگہ آیا ہے، جو مختلف تاریخوں میں لکھا گیا ہے، ج اول ص ۷، مؤرخہ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ اور صفحہ ۳۷۸ مؤرخہ شوال ۱۲۹۸ھ، جلد دوم ص ۱۱۹ مؤرخہ شوال ۱۲۹۸ھ میں مسیرۃ شہر (تقریباً ۴۸۰ میل) پر اختلاف مطالع کے قول کو ترجیح دی ہے، مگر جلد سوم ص ۷ پر جمہور کے قول کے مطابق مطلقاً عدم اعتبار کا فتویٰ دیا ہے، اس فتویٰ کی تاریخ تحریر موجود نہیں، مگر وجہ ذیل کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدم اعتبار کا فتویٰ مؤخر ہے،

① اس کا تیسری جلد میں ہونا ہی اس کی تاخیر پر کافی دلیل ہے،

② جلد دوم میں لکھی ہوئی تاریخیں جلد اول کی تاریخوں سے مؤخر ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جلد سوم کے فتاویٰ جلد دوم سے مؤخر ہیں،

③ پہلی دونوں جلدوں کے فتاویٰ میں بسط اور تیسری جلد میں اختصار اس کی دلیل ہے کہ پہلی دونوں جلدیں ابتدائی زمانہ کی ہیں، اور تیسری جلد بعد کے فتاویٰ کی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مولانا نے بھی آخر میں جمہور کے قول کی طرف رجوع فرمایا تھا،

پہلے فتاویٰ میں مولانا نے جن عبارات سے استدلال کیا ہے ان میں لمطاولی علی مرقی الفلاح کی یہ عبارت بھی ہے: وهو الاشبه لان انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الاقطار كما في دخول الوقت وخروجه وهذا ثبت في علم الافلاك والهيئة واصل ما اختلف مسيرة شهر كما في الجواهر، اس عبارت میں اعتبار اختلاف مطالع کو مشبہ قرار دینے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اختلاف مطالع سے کسی کو انکار نہیں، بلکہ اختلاف مطالع کو تسلیم کرنے کے باوجود جمہور اس کو شرعاً غیر معتبر قرار دیتے ہیں عبارت مذکورہ کے علاوہ بھی جو عبارات مجموعۃ الفتاویٰ میں تحریر ہیں وہ قول جمہور اور ظاہر المذہب کے خلاف ہونے کے علاوہ وجہ ذیل کی بنا پر بھی ناقابل عمل ہیں:-

① قوله تعالى يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّةِ، وقوله تعالى

وَقَدْ رَءَاهُ مَنَازِلَ لِنَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ میں واضح ہدایت ہے کہ احکام شرع کا مدار قمری حساب پر ہے، شمسی پر نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شمسی تاریخوں کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا، بلکہ دنیا کے چند افراد یہ تاریخیں تعیین کرتے ہیں، اور باقی ساری دنیا محض اُن کی تقلید کرتی ہے، اس کے برعکس قمر کے مشاہدہ سے ہر ناخواندہ شخص بھی تاریخ معلوم کر سکتا ہے، چونکہ احکام شرع ہر شہری و جنگلی اور خواندہ و ناخواندہ کے لئے یکساں ہیں، اس لئے اُن کا مدار سیر و سہولت اور عام فہم طریقہ پر رکھا گیا ہے، مگر مطالع قمر کے اختلاف کا علم اتنا مشکل اور اس قدر پیچیدہ ہے کہ تسخیر قمر کے موجودہ دور ترقی میں بھی ایسے لوگ بہت ہی کم بلکہ کالعدم ہیں جو اختلاف مطالع کا خط کھینچ کر یہ بتا دیں کہ اس خط سے ایک جانب رویت کا امکان ہے اور دوسری جانب نہیں، اختلاف مطالع قمر کے علم کی بنسبت تو شمسی حساب بھی ہزاروں درجہ سہل اور آسان ہے، پس جبکہ شریعت نے شمسی حساب کو عام فہم نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا ہے تو اختلاف مطالع قمر جیسے پیچیدہ اور مشکل ترین حساب کا مکلف بنانا بطریق اولیٰ مقتضائے شرع کے خلاف ہے

(۲) اگر یہ مسئلہ مقتضائے شرع کے خلاف اختلاف مطالع قمر کے علم میں جہارت رکھنے والے چند افراد کے سپرد کر بھی دیا جائے تو اس میں ایک مزید قباحت یہ لازم آئے گی کہ ایک ہی مملکت کے اندر واقع دو متقارب مقامات کے درمیان خط اختلاف مطالع واقع ہونے کی صورت میں ایک شہر میں مرکزی حکومت رویت کی بناء پر عید کا فیصلہ کرے، اور دوسرے ملحق شہر میں اختلاف مطالع کی بناء پر روزہ کا حکم دے، ایسے فیصلہ کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی،

(۳) خط اختلاف مطالع کا محل وقوع ہر ماہ مختلف ہوتا ہے، لہذا ہر مہینہ میں اس کی تعیین کے لئے ماہرین فن کی ضرورت پڑے گی، جو کالعدم ہیں، نیز اس میں ہر ماہ تبدیلی واقع ہونے کی وجہ سے اجراء احکام میں تعسر اور عوام میں انتشار پیدا ہونا لازمی امر ہے،

(۴) مسیرہ شہر کو اختلاف مطالع کا مدار قرار دینا صحیح نہیں، علم الافلاک میں اس قول کی صحت کا کوئی امکان نہیں، اور نہ ہی ”غد و ہاشہر و رواحہ اشہر“ سے اس پر استدلال کا کوئی جواز ہے، ممکن ہے کہ کسی عالم نے کبھی ایک آدمہ دفعہ اپنے خیال میں اس قسم کا کوئی مشاہدہ کیا ہو اور علم الافلاک سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کی حقیقت نہ سمجھی ہو، پھر اس مشاہدہ خیالیہ جزئیہ کو قاعدہ کلیہ قرار دیا، جیسا کہ بعض علماء نے محض مشاہدہ جزئیہ کی بناء پر صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کے وقت کی بطور قاعدہ کلیہ تعیین کر دی ہے، یارات کے مجموعہ وقت کے ساتھ اس کی کوئی

خاص نسبت ۱/۲ وغیرہ متعین کر دی، حالانکہ یہ دونوں امر صحیح نہیں، کیونکہ اس وقت کی مقدار ہر موسم اور ہر مقام میں مختلف ہوتی ہے،

بعض نے ۲۴ فرسخ سے اختلاف مطالع کی تحدید کی ہے، غالباً انھوں نے ایک درجہ کی مسافت کو ملحوظ رکھا ہے، اور بعض نے مسافت قصر پر مدار رکھا ہے، ان اقوال پر بھی نہ تو کوئی دلیل ہو اور نہ ہی فلکیات کی رو سے ان کی صحت کا کوئی امکان ہے، لہذا من القفصیل،

⑤ اختلاف مطالع پر طول البلد کی طرح عرض البلد بھی مؤثر ہوتا ہے، مگر دونوں کی تاثیر کے اصول بالکل مختلف ہیں، پس اگر مسیرۃ شہر صرف طول البلد کے لحاظ سے لی جائے تو عرض البلد کا ہر لازم آتا ہے، اور اگر طولاً عرضاً ہر دو جانب میں مسیرۃ شہر مراد لی جائے تو اس میں دو متضاد اصولوں کو ایک معیار پر لانا لازم آتا ہے، جو باطل ہے،

⑥ اگر مسیرۃ شہر پر مطالع کا اختلاف لازم ہے تو پوری دنیا کی تاریخوں میں تقریباً پورے دو ماہ کا فرق آجائے گا، اور یہ بدیہی البطلان ہے، پوری دنیا میں ایک دن سے زیادہ فرق نہیں ہو سکتا،

اور اگر مسیرۃ شہر پر اختلاف مطالع متیقن نہیں بلکہ اس کا امکان ہے جیسا کہ ”اجتل ما اختلف“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، تو محض امکان پر ثبوت کا حکم لگانا اور اس بناء پر احکام شرع کے نفاذ سے منع کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اختلاف مطالع کا امکان تو ہر دو متقارب مقامات کے درمیان بھی موجود ہے،

⑦ کوئی خاص مقام مثلاً صفر طول البلد متعین کر کے اس سے مشرق و مغرب ہر دو جانب میں مسیرۃ شہر پر اختلاف مطالع فرض کیا جائے تو اس مقام کی جانب مخالف یعنی ۱۸۰ طول البلد سے متصل اس کی مشرق اور مغرب میں واقع دو متقارب بلکہ آپس میں متصل مقامات کی تاریخوں میں تقریباً پورے دو ماہ کا فرق آجائے گا، ۱۸۰ طول البلد کی ایک جانب یکم محرم واقع ہونے کی صورت میں اس سے متصل دوسری جانب میں تقریباً ۲۰ صفر ہوگی، جس کا بطلان ظاہر ہے،

⑧ مسیرۃ شہر پر اختلاف مطالع فرض کر لیا جائے تو تقریباً ہر ۴۸۰ میل کے علاقہ کی تاریخ دوسرے علاقہ سے مختلف ہوگی، اس طرح دنیا بھر میں ہر چھوٹے سے خطہ کی تاریخ کا دوسرے خطہ سے اختلاف ”مواقیت للناس“ اور ”تعلیموا عدد السنین والحساب“ کی حکمت کے سراسر خلافت ہوگا،

④ مسیرۃ شہر اگر معروف راستوں پر لی جائے تو راستوں کے پیچ و خم کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ مقام اقرب مسیرۃ شہر ہو جائے اور مقام البعد مسیرۃ شہر نہ ہو، اور اگر بذریعہ خط مستقیم مسیرۃ شہر لی جائے تو اس کا معلوم کرنا ہر شہر کے طول البلد و عرض البلد اور علم المثلث الکرودی پر موقوف ہے جس کے جاننے والے بہت کم ہیں، حالانکہ احکام شرع کی بنیاد یسر و سہولت پر ہے، اور وہ شہروں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں اور جزیروں میں بسنے والوں اور سمندروں گزرنے والوں بخواندہ اور ناخواندہ سب افراد کے لئے یکساں ہیں،

غالباً انہی وجوہ کی بنا پر مولانا عبدالحی صاحب نے آخر میں اختلاف مطالع کے عدم اعتبار کا فتویٰ دیا ہے، اور یہی ظاہر المذہب اور قول جمہور حنفیہ، مالکیہ و حنابلہ ہے، اس کے خلاف اعتبار اختلاف مطالع بصیغہ تمريض منقول ہے، اور مقتضائے شرع کے خلاف ہونے کے علاوہ ناقابل عمل بھی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

اختلاف مطالع کے بارے میں بدائع کی عبارت:

سوال؛ قال فی البدائع هذا اذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيه المطالع فاما اذا كانت بعيدة فلا يلزم احد البلدين حكم الآخر لان مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر في اهل كل بلد مطالع بلد هم دون البلد الآخر وحكى عن ابى عبد الله بن ابى موسى الضريان انه استفتى في اهل اسكندرية ان الشمس تغرب بها ومن على منارتهما يرى الشمس بعد ذلك بزمان كثير فقال يحل لاهل البلد الفطر ولا يحل لمن على رأس المنارة اذا كان يرى الشمس لان مغرب الشمس تختلف كما يختلف مطلعها فيعتبر في اهل كل موضع مطلعها (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۸۳)

عبارت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بدائع کی پوری عبارت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں اختلاف مطالع کے اعتبار یا عدم اعتبار کا بیان مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر دو شہر آپس میں اتنے قریب

ہوں کہ ان میں اختلافِ مطالع کا کوئی امکان نہ ہو، تو یہ دونوں ایک ہی شہر کے حکم میں ہوں گے یعنی ایک شہر میں ثبوتِ رویت کی خبر دوسرے شہروالوں پر حجت ملزمہ ہوگی، وہاں کسی علیحدہ حجت کی ضرورت نہیں، جیسا کہ ایک شہر میں ثبوتِ رویت کی خبر اس کے تمام حصوں پر بلکہ شہر کے مضافات پر بھی حجت ملزمہ ہوتی ہے، اس کے برعکس اگر دو شہروں کا مطلع مختلف ہے تو اگرچہ یہ اختلافِ مطالع عند الاحناف ظاہر الروایۃ پر معتبر نہیں، مگر ایک شہر میں ثبوت کی خبر دوسرے شہروالوں پر حجت ملزمہ نہ ہوگی، بلکہ ان کے لئے مستقل حجت (شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفادہ) ضروری ہے، غرضیکہ بدائع کی عبارت سے تو بلدانِ نائیہ میں صرف اختلافِ مطالع کا تحقق ثابت ہوا جو بدیہی اور مشاہدِ مسلم ہے، کوئی عامی بھی اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، کلام تو اس میں ہے کہ یہ اختلافِ مطالع جو کہ مشاہدِ مسلم ہے ثبوتِ رمضان میں شرعاً معتبر بھی ہے یا نہیں؟ بدائع کی عبارت کا یہ مفہوم بالکل واضح ہے، علاوہ ازیں صاحبِ بدائع کا بلدانِ قریبہ میں شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفادہ کی شرط نہ لگانا نیز اعتبارِ مطالع میں اختلافِ مشہور اور ظاہر الروایۃ میں عدم اعتبار مزبور ہونے کے باوجود اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور ابی عبد اللہ بن ابی موسیٰ الضری کے فتویٰ سے استشہاد بتین دلیل ہے کہ یہاں ہلالِ رمضان میں اختلافِ مطالع کے اعتبار یا عدم اعتبار کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں، مسئلہ اختلافِ مطالع کی مزید بحث اور اس سے متعلق مفتیانِ پاکستان کا متفقہ فیصلہ بندہ کے رسالہ ”عیون الرجال لرؤیۃ الهلال“ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ شوال ۱۴۲۲ھ



باب الاعتکاف

مسجد سے نسیاناً نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے:

سوال: اگر نسیاناً مسجد سے نکل گیا تو اعتکاف فاسد ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

نسیاناً نکلنے سے بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا، قال فی شرح التنویر فلو خرج ولو ناسیاً ساعة زمانية لا رملية كما مر بلا عد رفسد في قضیه رد المحتار ۱۸۲) فقط والله تعالیٰ اعلم
۳، ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ

غسل تبرید کے لئے نکلنا جائز نہیں:

سوال: تبرید کے لئے مسجد سے باہر نکل کر معتکف کو غسل کرنا جائز ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز نہیں، اگر ضرورت زیادہ ہو تو مسجد میں کوئی بڑا برتن رکھ کر اس میں بیٹھ کر نہالے اس طور پر کہ مسجد میں مستعمل پانی نہ گرنے پائے، یا تولیہ بھگو کر نچڑ کر بدن پر ملے، متعدد بار ایسا کرنے سے بدن صاف ہو جائے گا، قال فی شرح التنویر و حرم علیہ الخروج الا لحاجة الانسان طبعیة كبول وغائط وغسل لواء حتم ولا یمكنه الاغتسال فی المسجد وفي الشامية فلو امكنه من غیر ان یتلوث المسجد فلا بأس به بدائع امی بان كان فيه بركة ماء او موضع معد للطهارة او اغتسل فی اناء بحيث لا یصیب المسجد الماء المستعمل قال فی البدائع فان كان بحيث یتلوث بالماء المستعمل یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب اھ والتقیید بعدم الا امکان یفید انه لو امکن كما قلنا فخرج انه یفسد رائی قوله، لكن قول البدائع لا بأس به ربما یفید الجواز فتأمل رد المحتار ۱۸۱) لواء حتم کی قید سے معلوم ہوا کہ تبرید کے لئے خروج جائز نہیں، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۳، ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ

معتکف اذان کے لئے نکل سکتا ہے:

سوال: معتکف اذان دینے کے لئے مآذنہ پر جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر مآذنہ کا دروازہ مسجد میں داخل ہے تو وہاں معتکف بہر حال ہر وقت جاسکتا ہے، اور اگر دروازہ مسجد سے خارج ہے تو صرف اذان دینے کی غرض سے جاسکتا ہے، قال فی شرح التنویر اوشریۃ ای خرج لحاجة شرعية كعيد واذان لومؤذنا وباب المنارة خارج المسجد، وفي الشامية اما اذا كان داخله فذلك بالاولی، قال فی البحر وصعود المآذنة ان كان بابها فی المسجد لا یفسد والا فذلك فی ظاهراً الروایة ام، ولو قال الشارح واذان ورو غیر مؤذن وباب المنارة خارج المسجد لكان اولى ۷ قلت بل ظاهر البدائع ان الاذان ایضاً غیر شرط فانه قال ولو صعد المنارة لم یفسد بلاحلاف وان كان بابها خارج المسجد لانها منه لانه یمنع فیها من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوه فاشبه زاویة من زوايا المسجد ام لکن ینبغی فیما اذا كان بابها خارج المسجد ان یقید بما اذا خرج للاذان لان المنارة وان كانت من المسجد لکن خروجہ الی بابها لا للاذان خروج منه بلا عذر وهذا لا ینبغی کلام الشارح مفرعاً علی الضعیف ویكون قوله وباب المنارة الجملة حالیه معتبرة المفهوم فافهم (رد المحتار ص ۱۸۱) فقط والله تعالیٰ اعلم، ۳، ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ

اعتکاف ہر محلہ میں سنت علی الکفایہ ہے:

سوال: عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، علی الکفایہ

کا کیا مطلب ہے؟ صرف ایک مسجد میں اعتکاف کرنے سے پورے شہر والوں کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی یا ایک محلہ والوں کی طرف سے ادا ہوگی؟ یا یہ کہ محلہ کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ شامیہ میں اعتکاف کی سنیت کو نظیر اقامت تراویح کہا ہے، اور تراویح کے باب میں تین قول نقل فرما کر اس کو ترجیح دی ہے کہ محلہ کی ایک مسجد میں اقامت تراویح سے سنت کفایہ ادا ہو جائے گی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

اعتکاف کا بھی یہی حکم ہے، قال فی الثامیة (قولہ ای سنۃ علی سفاۃ) نظیر ہا اقامۃ التراويح بالجماعۃ فاذا قام بہا البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یأثموا بالمواطبۃ علی التروک بلا عذر ولو کان سنۃ عین لا ثموا بترک السنۃ المؤکدۃ اثمًا دون اثم ترک الواجب (رد المحتار، ص ۱۴۱ ج ۲) وقال فی فصل التراويح (قولہ والجماعۃ فیہا سنۃ علی الکفاۃ الخ) افاد ان اصل التراويح سنۃ عین (الی ان قال) وهل المراد انها سنۃ کفاۃ لاهل کل مسجد من البلدۃ أو مسجد واحد منها أو من المحلۃ ظاہر کلام الشارح الاول واستظهر ط الثانی ویظهر لی الثالث لقول المذنبۃ حتی یترکوا اهل محلۃ کلہم الجماعۃ فقد ترکوا السنۃ واساؤاھم (رد المحتار ص ۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ رجب ۱۳۸۵ھ (مزید تحقیق تتمہ میں ہے)

معتکف کا نماز جنازہ یا عیادت کے لئے نکلنا؛

سوال؛ معتکف نماز جنازہ یا عیادت مریض کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اگر شروع ہی سے نماز جنازہ اور عیادت کے لئے نکلنے کی نیت کر لے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

اعتکاف کی نذر میں نماز جنازہ، عیادت مریض اور مجلس علم میں حاضری کے لئے خروج کا استثناء صحیح ہے، اور نکلنا جائز ہے، بشرطیکہ نذر کی طرح استثناء بھی زبان سے کیا ہو، صرف دل کی نیت کافی نہیں، مگر مسنون اعتکاف میں یہ نیت کی تودہ نقل ہو جائے گا، سنت ادارہ ہوگی، مسنون اعتکاف صرف وہی ہے جس میں کوئی استثناء نہ کیا ہو، اس میں نکلنا مفسد ہے، البتہ قضاء جت جیسی ضرورت کے لئے نکلنے پر دیکھا کہ راستہ ہی میں نماز جنازہ شروع ہو رہی ہے تو اس میں شریک ہو سکتا ہے، نماز سے قبل انتظار اور نماز کے بعد وہاں ٹھیرنا جائز نہیں، اسی طرح قضاء حاجت کے لئے اپنے راستہ پر چلتے چلتے عیادت کر سکتا ہے، عیادت اور نماز جنازہ کے لئے راستہ سے کسی جانب مڑنا یا ٹھیرنا جائز نہیں، شامیہ میں بحر عن البدائع سے نقل ہے لو خرج لحاجة الانسان ثم ذهب لعیادة مريض أو صلوة جنازة فانه جائز، مگر بدائع میں ثم ذهب الخ کی بجائے ثم عاد مریضا أو صلی علی جنازة ہے، اس سے راستہ سے انحراف و مکث کا جواز ثابت نہیں ہوتا، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعود المریض وهو معتکف فیمرکما هو فلا یخرج یسأل عنہ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ، قال علی القاری

رحمہ اللہ تعالیٰ قال الحسن والنخعی يجوز للمعتكف الخروج لصلوة الجمعة وعبادة المريض وصلوة الجنازة وعند الأئمة الأربعة إذا خرج لقضاء الحاجة وانفق له عبادة المريض والصلوة على الميت فلم ينصرف عن الطريق ولم يقف أكثر من قدر الصلوة لم يبطل الاعتكاف والآن بطل ذكره الطيبي ولا دلالة في الحديث على صلوة الجنازة فكأنهم قاسوها على العبادة بجامع أنهما فرضا كفاية ولكن بينهما فرق فإن العبادة يمكن أن تكون بلا وقوف بخلاف الصلوة ولذا يفسد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى بالصلوة خلافا لصاحبيه، قال ميرزا وفي سنده ليث بن أبي سليم رآني قوله (وبتقد يرضفه هو من جبرهما في مسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن كنت لأدخل البيت للحاجة وفيه المريض فما أسال عنه إلا نادانا مرة (مرواة ضجة ۳) فقط والله تعالى أعلم ۲۴ رمضان المبارك ۱۳۸۵ھ

معتكف کا نفل وضو کے لئے نکلنا جائز ہے :

سوال : کیا معتكف بحالت اعتكاف مسجد سے باہر جا کر فرض اور نفل نمازوں اور تلاوت کلام پاک کے لئے وضو کر سکتا ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسجد کے اندر بیٹھ کر وضو کرنے کی ایسی جگہ ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے تو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، وضو خواہ فرض نماز کے لئے ہو یا نفل یا تلاوت یا ذکر کے لئے سب کا یہی حکم ہے لا اطلاق الظہور فی عباراتہم علیٰ انہ صرح بجواز الخروج لوضوء النفل فی اشعة اللمعات عن شرح الامداد وفي البياض الهاشمي وحياة الصائمين للمخدوم التتوي رحمہ اللہ تعالیٰ عن المتانة والحجة والتأخرانية والمصنف وكنز العباد، فقط والله تعالى أعلم ۵ شوال ۱۳۸۵ھ

کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا :

سوال : کیا معتكف مسجد سے باہر جا کر کھانا کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھو سکتا ہے خواہ صابن کے ساتھ یا بغیر صابن کے، اور منجن یا پیسٹ یا مسواک سے دانت صاف کر سکتا ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا جائز نہیں، مسجد ہی میں کسی برتن میں دھو لے، منجن یا مسواک

وغیرہ وضو کے ساتھ کر سکتا ہی صرف منجن وغیرہ کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۵، سوال ۵۵۵

بیت الخلاء خالی ہونے کا انتظار کرنا:

سوال: اگر معتکف رفع حاجت کے لئے جائے اور بیت الخلاء خالی نہ ہو تو کیا بیت الخلاء کے باہر انتظار کرے، یا فوراً اپنی جگہ پر مسجد میں واپس چلا جائے اور پھر کچھ دیر کے بعد واپس آجائے بعض اوقات ایسی صورت میں کئی کئی مرتبہ جانا اور لوٹنا پڑتا ہے، بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
ایسی ضرورت کے وقت وہیں باہر انتظار کرنا جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵، سوال ۵۵۶

معتکف کا مسجد میں ٹہلنا:

سوال: کیا معتکف مسجد میں ٹہل سکتا ہے؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب
بضرورت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵، سوال ۵۵۷

اعتکاف ٹوٹنے پر حکم قضا:

سوال: اگر کسی وجہ سے اعتکاف ٹوٹ گیا تو اس کی قضا واجب ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

نفل اعتکاف کی قضا واجب نہیں، اس لئے کہ وہ مسجد سے نکلنے سے ٹوٹتا نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے، اعتکاف مندور معین یا غیر معین ٹوٹ جائے تو سب ایام کی قضا واجب ہے، نئے سرے سے اتنے دن پورے کرے کیونکہ ان میں تتابع لازم ہے، اور عشرہ اخیرہ رمضان کے مسنون اعتکاف میں صرف اُس دن کی قضا واجب ہے جس میں اعتکاف ٹوٹا، فساد کے بعد یہ اعتکاف نفل ہو گیا، ایک دن کی قضا چاہے رمضان ہی میں کر لے یا رمضان کے بعد نفل روزہ کے ساتھ کرے، ایک دن کی قضا میں رات دن دونوں کی قضا واجب ہے یا صرف دن کی؟ اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، قواعد سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ اعتکاف دن میں فاسد ہوا تو صرف دن کی قضا واجب ہوگی، صبح صادق سے قبل شروع کر کے غروب آفتاب تک اعتکاف

کرے، اور اگر رات میں اعتکاف فاسد ہوا تو رات دن دونوں کی قضا واجب ہے، غروب آفتاب سے قبل شروع کر کے دوسرے روز غروب کے بعد ختم کرے، اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی تو صرف دن کا اعتکاف واجب ہے، اور رات دن دونوں کی نذر میں جو بیس گھنٹے کا اعتکاف واجب ہے، اور قضا اعتکاف بھی وجوب میں نذر کی طرح ہے، اس لئے اس کا بھی وہی حکم ہوگا وہو المراد من مفهوم القواعد، فقط والله تعالى اعلم،

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

عورت کو اعتکاف میں حیض آگیا:

سوال: اگر عورت کو اعتکاف کی حالت میں حیض آجائے تو وہ اتنے دنوں کے اعتکاف کی قضا کرے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جس روز حیض شروع ہوا صرف اسی ایک دن کی قضا واجب ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۲۸ رمضان ۱۳۸۸ھ

معتکف غسل جمعہ کے لئے نکل سکتا ہے:

سوال: معتکف جمعہ کے دن غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

یہاں بعض علماء اس کو ناجائز بتا رہے ہیں، اس لئے مفصل تحریر فرماتیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، جمعہ کے روز غسل مستحب ہے، اور وضو و غسل خواہ فرض ہو یا نفل اس کے لئے

مسجد سے نکلنے کا جواز دلائل ذیل سے ثابت ہے:

① نقل فی المتانۃ عن فتاویٰ الحجۃ ویجوز للمعتکف ان یمخر من المسجد فی سبعة اشياء البول والغائط والوضوء والغسل فرضا كان او نفلا والجسعة ویخرج ایضا لعاجة السلطان ویخرج ایضا لا مر لا بد منه ثم یرجع بعد ما فرغ من ذلك الامر سريعا والمتانۃ فی مرمۃ الخزائنة ص ۳۷۸

② نقل الروایۃ المذكورة عن فتاویٰ الحجۃ المخدوم محمد هاشم التتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیاضہ المعروف بالبیاض الهاشمی،

③ ونقلها العلامة العثماني رحمه الله تعالى عن الاكلیل عن الخزائنة

عن فتاویٰ الحجۃ (احکام القرآن ص ۱۹۰ ج ۱)

④ قال المحدثون المتأخرون رحمہ اللہ تعالیٰ فی حیاة الصائمین وہم ازاجبت شرعیہ وضو وغتسال است پس جائز ست معتکف را خروج از مسجد برائے آن اگرچہ فرض باشد یا نفل کذا فی المضمرات والفتاویٰ الحجۃ والتارخانیۃ وکنز العباد ومثانۃ الروایات (الفتاویٰ المحمدیۃ ص ۸۰ ج ۲ للفق محمد الہالائی السندی)

⑤ وفي مظهر الانوار يجوز للمعتكف الخروج للبول والغائط والوضوء ولا غتسال فرضا كان او نفلا (حوالہ بالا)

⑥ قال الشيخ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اما غسل جمعہ روایتی صریحہ در ان از اصول نمی یابم جز اینکه در شرح امداد گفته است کہ بیرون می آید برائے غسل فرض باشد یا نفل، (اشعۃ اللمعات ص ۲ ج ۲)

فتاویٰ الحجۃ، مثانۃ، خزائن، بیاض ہاشمی، الاکلیل، احکام القرآن، حیاة الصائمین، مضمرات، ستارخانہ، کنز العباد، فتاویٰ محمدیہ، مظهر الانوار، اشعۃ اللمعات، مجموعہ تیرہ کتابوں میں یہ مسئلہ بلا تردد منقول ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کتابیں غیر معروف ہیں، اور خزائن الروایات وکنز العباد کی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی قدس سرہ نے النافع الکبیر میں تضعیف فرمائی ہے، مگر دوسری کتب معروف و معتبر ہیں، پھر اتنے علماء و اہل فتویٰ جن میں علامہ مخدوم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر فقیہ بھی ہیں ان سب کا بلا انکار و بلا ذکر اختلاف نقل کرنا مستقل دلیل ہے، علاوہ از یہ قول علانیہ و حرم علیہ الخروج الا لحاجة الانسان کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولا یسکت بعد فراغہ من الطہور، یہاں طہور سے نفل وضو متبادر ہے، اور غالباً اس کے لئے جواز خروج سے مخالفت کو بھی انکار نہیں، بعض نے وضوء للصلوۃ النافلۃ اور وضوء نفل میں فرق کیا ہے، اول کے لئے جواز خروج اور ثانی کے لئے عدم جواز اختیار کیا ہے، یہ فرق غیر معقول ہونے کے علاوہ شامیہ کے جزئیہ مذکورہ کے بھی خلاف ہے، پس نفل وضو کے حوائج شرعیہ میں ادخال اور نفل غسل کے اخراج کی کوئی وجہ نہیں، نیز غیر مؤذن کو بھی اذان کے لئے خروج کی اجازت ہے، اور اس کا عموم حالت حضور مؤذن کو بھی شامل ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ عبادت جس کا تعلق مسجد سے ہو وہ حوائج شرعیہ میں داخل ہے اگرچہ نفل ہو، بخلاف صلوۃ الجنائزۃ

۳۳ ونحوہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ

اعتکات منذور کی مختلف صورتیں:

سوال: کیا مندرجہ ذیل صورتوں میں دن رات دونوں کا اعتکات کرنا ہوگا یا صرف دن

کا یا صرف رات کا؟

- ① اگر ایک دن کے اعتکات کی نذر کی؟
- ② اگر ایک رات کے اعتکات کی نذر کی؟
- ③ اگر یہ نذر کی کہ صرف دن کا اعتکات کروں گا رات کا نہیں کروں گا؟
- ④ اگر یہ نذر کی کہ صرف رات کا اعتکات کروں گا دن کا اعتکات نہیں کروں گا؟
- ⑤ اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ دنوں کا اعتکات کروں گا؟
- ⑥ اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کا اعتکات کروں گا؟
- ⑦ اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ دنوں کا اعتکات کروں گا اور نیت صرف دنوں کی تھی؟
- ⑧ اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کا اعتکات کروں گا اور نیت صرف راتوں کی تھی؟
- ⑨ اگر دو یا تین یا زیادہ دنوں کی نذر کی اور نیت صرف رات کی تھی؟
- ⑩ اگر دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کی نذر کی اور نیت صرف دنوں کی تھی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① اگر ایک دن کے اعتکات کی نذر کی تو صرف ایک دن کا اعتکات واجب ہوگا، صبح صادق سے قبل شروع کر کے غروب آفتاب تک،
- ② اگر ایک دن کے اعتکات کی نذر کی اور دن رات دونوں کی نیت کی تو دونوں کا واجب ہوگا،
- ③ اگر ایک رات کے اعتکات کی نذر کی تو صبح نہیں، کچھ واجب نہ ہوگا،
- ④ اگر ایک رات کے اعتکات کی نذر کی مگر رات بول کر دن مراد لیا تو ایک دن کا اعتکات واجب ہوگا،
- ⑤ دنوں اور راتوں دونوں کا اعتکات کرنا ہوگا،
- ⑥ دنوں اور راتوں دونوں کا اعتکات کرنا ہوگا،
- ⑦ صرف دنوں کا اعتکات واجب ہوگا،
- ⑧ کچھ واجب نہ ہوگا،
- ⑨ دن اور رات دونوں کا اعتکات کرنا ہوگا،
- ⑩ صرف دنوں کا اعتکات ضروری ہوگا،

قضاء حاجت کے لئے نکلا تو غسل نہیں کر سکتا:
سوال: اگر معتکف کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے باہر نکلے مثلاً قضاء حاجت کے لئے تو محض تبرید کے لئے یا میل دور کرنے کے لئے استنجا کرنے کے بعد یا اس سے پہلے غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب
جائز نہیں، اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر غسلخانہ بیت الخلاء کے ساتھ ہی ہو
اور نہانے میں وضو سے زیادہ دیر نہ لگے تو قضاء حاجت کے بعد غسل کی اجازت ہے، اس
کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مسجد ہی میں کپڑے اتار کر صرف ٹنگی میں چلا جائے اور نل کھول کر
بدن پر پانی بہا کر نکل آئے، نہ صابون لگائے اور نہ زیادہ منلے، اس طرح تنظیف تو نہیں ہوگی
تبرید البتہ ہو جائے گی، اور اگر مسجد کی طرف چلتے چلتے تولیہ سے بدن رگڑ لے تو کافی حد تک تنظیف
بھی ہو سکتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ

معتکف کا اخراج حج کے لئے خروج جائز نہیں:

سوال؛ معتکف ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "آداب المساجد" میں بحوالہ عالمگیریہ لکھتے ہیں کہ اخراج ریح کے لئے

معتکف کو مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہے، اس بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیرہ میں حتی المقدور تلاش کے بعد جو عبارت ملی اس میں معتکف کی تصریح نہیں عام عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں معتکف کے لئے مسجد سے خروج جائز نہیں نیز اس میں اخراج ریح کا اظہار ہے، جو طبعاً، عقلاً، شرعاً قبیح ہے،

فائدہ ۵:- ریح سے تعفن زائل کرنے کے لئے ہومیو پیتھک دوا کاربوونج بہت

مفید ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا:

سوال: معتکف کو مسجد میں حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدو عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے، اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اُحبرت سے کام کرنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

منذورا اعتکاف قضاء روزہ کے ساتھ صحیح نہیں:

سوال: منذور اعتکاف ماہ رمضان کے قضاء روزوں کے ضمن میں ادارہ ہو سکتا ہے

یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی نے معین رمضان میں اعتکاف کی نذر مانی تو اس کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ادارہ کیا جاسکتا ہے، اگر رمضان میں اعتکاف نہ کر سکا تو اسی رمضان کے قضاء روزوں کے ساتھ بھی ادارہ ہو سکتا ہے، ورنہ مستقل نفل روزہ کے ساتھ اعتکاف کرے، دوسرے رمضان میں یا واجب آخر میں یہ اعتکاف ادارہ نہ ہوگا، اور اگر غیر معین اعتکاف کی نذر کی ہو تو اس کے لئے مستقل روزے رکھے، قضاء روزہ کافی نہیں، قال فی التنبیہ فلونذر اعتکاف شہر رمضان لزمہ واجزاء عن صوم الاعتکاف وان لم یعتکف قضی شہراً بصوم مقصود، و فی الشرح لعود شرطہ الی الکمال الاصلی فلم یجزی فی رمضان اخر ولا فی واجب

سوا قضاء رمضان الاول لانه خلف عنه وتحقیقه فی الاصول
فی بحث الامر (رد المحتار ص ۱۴۲ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم
غرة شوال ۱۳۸۵ھ

جس مسجد میں جماعت نہ ہو اس میں اعتکاف صحیح ہے :

سوال : ایک مسجد میں صرف تین رقت جماعت ہوتی ہے کیا اس میں اعتکاف درست
ہے؟ یا کہ اعتکاف کی صحت کے لئے پانچوں وقت جماعت شرط ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم العنواب

صحت اعتکاف کے لئے علی الرأج مسجد جماعت شرط نہیں، لہذا ایسی مسجد میں اعتکاف
صحیح ہے، قال فی العلائق فی مسجد جماعة هو ماله امام ومؤذن أدیت فیہ
الخمس اولاً وعن الامام اشتراط اداء الخمس فیہ وصححه بعضهم و
قال یصح فی کل مسجد وصححه السروجی وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ
بقوله وصححه السروجی) وهو اختیار الطحاوی قال الخیر الرملی وهو ایسر خصوصاً
فی زماننا فینبغی ان یعول علیہ (رد المحتار ص ۱۴۰ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم
۲۳ ربيع الآخر ۱۳۸۵ھ

بعض امور مفسدہ وغیر مفسدہ :

سوال : مندرجہ ذیل امور مفسد اعتکاف مستنون ہیں یا نہیں؟

- ① وضو سے قبل یا بلا قصد وضو وضو خانہ پر بیٹھ کر صابن سے ہاتھ منہ دھونا،
- ② وضو کے بعد وضو خانہ پر کھڑے ہو کر رد مال سے وضو کا پانی خشک کرنا،
- ③ وضو سے قبل ہاتھ کی گھڑی وضو خانہ پر ہاتھ سے نکال کر جیب میں رکھنا، پھر وضو شروع کرنا، یا
وضو خانہ پر وضو کے لئے چڑھتے ہوئے ہاتھ میں سے گھڑی نکال کر جیب میں رکھنا،
- ④ پیشاب خانہ میں لائن لگی ہوئی ہو تو وہاں انتظار میں کھڑے ہونا،
- ⑤ وضو سے قبل وضو خانہ پر چڑھ کر اپنی ٹوپی یا رد مال وضو خانہ کی مچان یا کھونٹی پر رکھنا،
- ⑥ گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے لئے گھر جانا،
- ⑦ کھانے کے لئے گھر جانے پر معلوم ہوا کہ کھانے کی تیاری میں معمولی دیر ہو، مثلاً سالن کو بگھار لگ رہا ہے
اس کا انتظار کرنا،

محصر کا حکم:

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اس نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو ایک قربانی کی قیمت بھیج دے اور اگر تیرا یعنی حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو دو قربانیوں کی قیمت بھیجے اور دن مقرر کرے کہ فلاں دن فلاں وقت یہ تیرا قربانی میری طرف سے حرم میں ذبح کی جائے، یہ ضروری نہیں کہ یہ قربانی ایام نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) ہی میں کی جائے، بلکہ اس سے قبل یا بعد بھی کی جاسکتی ہے، جب یہ مقرر وقت گزر جائے احرام کھول دے، سرمنڈانا ضروری نہیں، مستحب ہے، بعض نے صرف حرم میں احصار کی صورت میں سرمنڈانا واجب قرار دیا ہے، قول وجوب احوط و عدم وجوب ارجح ہے، پھر اس پر آئندہ سال قضاء واجب ہے، اگر صرف عمرہ کا احرام تھا تو صرف عمرہ کی قضاء واجب ہے، اور صرف حج کا احرام تھا تو حج و عمرہ دونوں واجب ہیں، اور حج و عمرہ دونوں کا احرام تھا تو ایک حج اور دو عمرے قضاء میں واجب ہیں، قال فی التنبیہ بحث المفرد دما والقارن دمین وعین یوم الذبح فی الحرم ولو قبل یوم النحر بلا حلق و تقصیر وعلیه ان حل من حجة وعسرة وعلی المعتمر عسرة والقارن حجة وعسرة وان فی الشامیة (قوله بلا حلق و تقصیر) لکن لو فعله کان حسنا و هذا عندہما وعن الثانی روایتان (الی قولہ) و فی السراج و هذا الخلاف اذا احصر فی الحل اما فی الحرم فالحلق واجب ام قال فی الشرنبلالیة کذا جزم به فی الجوهرة والکافی وحکاہ البرجندی عن المصنفی بقیل فقال وقیل انما لا یجب الحلق علی قولہما

اذا كان الاحصار في غير الحرم اما فيه فعليه الحلق (رد المحتار ص ۲۵۲) فقط والله تعالى اعلم،
۸۔ زی الحج ص ۱۸۷

متمتع محصر پر ایک ہی دم ہے :

سوال : زید اشہر حج تہیں بغرض تمتع گھر سے نکلا، راستہ میں حسب قاعدہ عمرہ کا احرام باندھ لیا، مکہ مکرمہ پہنچنے سے قبل محصر ہو گیا، اب زید احرام سے نکلنے کے لئے قارن کی طرح دو دم احصار بھیجے یا مفرد بالعمہ کی طرح ایک دم بھیجے ؟

زید کا ارادہ یہ تھا کہ عمرہ سے فارغ ہو کر حلق کے بعد، زی الحج کو احرام حج باندھے گا، اکثر عبارات فقہیہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید مذکور پر ایک دم احصار بھیجا واجب ہے، کیونکہ معتمر محصر پر ایک ہی دم کا وجوب لکھا ہے، لیکن بالنتہی یہ چیز یہ نہیں ملا کہ تمتع کا ارادہ رکھنے والے زید جیسے معتمر کا بھی یہی حکم ہے، یا عام معتمرین (جو حج کا ارادہ نہیں رکھتے صرف عمرہ ہی کرنا چاہتے ہیں) سے کچھ مختلف ؛ وجہ شبہہ یہ ہے کہ بیان القرآن تحت قولہ تعالیٰ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اَوْ فِي يَدَيْكُمْ فِي بَيْتِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ مِمَّا يَرْضَاهُ لَكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ شَيْءٌ فَاصْرَفُوا مِنْكُمْ الْجَاهِلِيَّةَ الْفَاسِقَةَ اَوْ كَفَّيْكُمْ مِنْهَا عَزَابًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (سورہ بقرہ ص ۱۹۷) سے پورا نہ کر سکے ! لے شخص کو چاہئے کہ کسی معتبر شخص سے کہدے کہ فلاں تاریخ حد حرم کے اندر میری طرف سے ایک جانور کہ اقل درجہ ایک بکری ہو اور قرآن تمتع میں جن کا ذکر عنقریب آتا ہے دو بکری ذبح کر دینا ! خدمت مالیہ میں گزارش ہے کہ مسئلہ ہذا کے بارے میں اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں کہ بیان القرآن میں تسامح ہوا ہے یا مسئلہ ہی ایسے ہے، یا اس میں روایات مختلف ہیں ؟ (متمتع سائق الہدی عمرہ سے فارغ ہو کر حلق سے پہلے اگر احرام حج باندھ کر محصر ہو جائے، یا متمتع غیر سائق الہدی عمرہ سے فارغ ہو اور حلق نہیں کرایا یعنی احرام نہیں کھولا اور بعد میں حج کا احرام باندھ لیا اور بعد ازاں احصار کی صورت پیش آئی تو ان دونوں صورتوں میں تحلل کے لئے دو دم احصار ضروری ہوں گے، ان دونوں صورتوں کا حکم معلوم کرنا مطلوب نہیں، بلکہ صرف اس صورت کا جو صدر استفتاء میں درج ہے حکم مطلوب ہے، بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بند نے جس قدر غور کیا یہی سمجھ میں آیا کہ صورت مسئلہ میں ایک ہی دم احصار ہوگا، بیان ہشرآن میں تسامح واقع ہوا ہے، یہ حکم ضمن کلیات میں منقول ہونے کے

۱۱ صفر ۱۲۸۴ھ

علاوہ معقول بھی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 عمر میں ایک بار فرضیت حج میں حکمت:

سوال: صلوٰۃ و زکوٰۃ میں تکرار ہے، حج میں تکرار کیوں نہیں؟ ساوی عمر میں سرف
 ایک دفعہ کیوں فرض ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اولاً تو احکام منصوصہ میں حکمت کا متلاشی رہنا نفعِ ایمان کی دلیل ہے، ثانیاً عقلاً
 جملہ فرائض میں تکرار نہ ہونا چاہیے تھا، لان الامر لا یقتضی التکرار، مگر تکرار سبب مستلزم
 ہوا تکرار امر کو، حج کا سبب یعنی بیت اللہ واحد ہے، لہذا مقتضی تکرار کوئی چیز نہیں، ثالثاً
 حج میں نسبت دیگر عبادات کے مشقت زیادہ ہے، اس لئے حج کو جہاد فرمایا گیا ہے، چنانچہ
 سے سقوط صلوٰۃ وعدم سقوط صوم میں بھی یہی حکمت ہے، قال فی التنبیہ ہو فرض مرة،
 وفي الشرح لان سببه البيت وهو واحد، وفي العاشية (قوله لان سببه البيت)
 بدلیل الاضافة فی قوله تعالى وَدِثُّهُ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ فان الاصل اضافة
 الاحکام الی اسبابہا كما تقر فی الاصول ولا یتکرر الواجب اذا لم یتکرر سببه و
 لحديث مسلم يا ايها الناس قد فرض عليكم الحج فحجوا فقال رجل اكلت عام
 يا رسول الله فسكت حتى قالها ثلاثا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو قلت
 نعم لوجبت ولما استطعتم قال في النهي والآية وان كانت كافية في الاستدلال
 على نفي التكرار لان الامر لا يحتمله الا ان اثبات النفي لمقتضى النفي
 اولی (سرد المختار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ ربيع الآخر ۱۲۸۴ھ

نفل حج کی نیت سے فرض ساقط نہ ہوگا:

سوال: زید پر حج فرض نہ تھا، اس لئے اس نے نفل حج کی نیت کی تو اس کے ذمہ سے
 حج کا فریضہ ساقط ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نفل حج کی نیت سے فریضہ حج ادار نہ ہوگا، خواہ نیت کرنے والے پر بوقت نیت حج
 فرض ہو یا نہ ہو، قال فی الشامیة تحت (قوله على مسلم الخ) النوع الرابع شرائط وقوع

الحج عن الفرض وهي تسعة (الی ان قال) وعدم نية النفل وعدم
الافساد وعدم النية عن الغير رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،
ار ربيع الآخر ۱۴۳۵ھ

محرم سے حلق کرانا:

سوال: محرم حلال ہوتے وقت ایک دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی جو شخص
ابھی خود حلال نہیں ہوا وہ دوسرے کا حلق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہاں اختلاف
ہو رہا ہے، اس لئے مفصل تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حلق سے پہلے کے تمام ارکان سے دونوں فارغ ہو چکے ہوں اور اب صرف حلق ہی باقی
ہو تو اس وقت ایک دوسرے کا حلق کرنا جائز ہے، قال فی الباب واذ حلق رأسه اور اس
غیرہ عند جواز التحلل ای الخروج من الاحرام باداء افعال النسك لم يلزمه
شیء، ر الباب ص ۱۵۲، وفي الغنية ولو حلق رأسه اور اس غیرہ من حلال او
محرم جاز له الحلق لم يلزمه ما شئ، (غنية ص ۹۳) علامہ مخدوم محمد ہاشم رحمہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں: باید کہ حلق نکرانہ از دست محرمی، پس اگر حلق کرد اور محرم لازم آید بر حلق صدقہ
نصف صاع گندم و بر مخلوق دم، مگر آنکہ جماعہ از محرمان فارغ گشتہ باشند از افعالی کہ قبل از حلق
اند و باقی نماندہ باشد برایشان مگر حلق، آنکہ حلق کنند بعضی از ایشان بعض دیگر لازم نیاید برایشان
چیزے، کذا فی منیۃ الناسک للعلامة ابی الضیاء الحنفی
(حیاء القلوب ص ۲۰۶) فقط والله تعالى اعلم،

یکم ربيع الاول ۱۴۳۵ھ

جس نے اپنا حج نہیں کیا وہ حج بدل کر سکتا ہے:

سوال: حج بدل میں مأمور کا اپنا حج کیا ہوا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ضروری نہیں، بہتر ہی، لخلاف الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ البتہ اگر مأمور پر حج فرض ہو تو اس
کے لئے حج بدل مکروہ تحریمی ہے، مگر آمر کے لئے کراہت تنزیہیہ ہے، قال فی الشامیۃ قال
فی البحر والحق انها تنزیہیۃ علی الامر لقولہم والافضل الخ تعریبیۃ علی

الصورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لانه اثم بالتأخير اه (مراد المختار ص ۲۶۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،
۲۰ محرم ۱۳۸۶ھ

احرام میں ٹوپی پہننے کی حِزّار:

سوال: احرام کے نفلوں سے فراغت کے بعد ٹوپی اتارنا یاد نہ رہا، اسی طرح بنیتِ احرامِ تلبیہ کہہ لیا، کچھ دیر کے بعد یاد آیا تو ٹوپی اتار کر دوبارہ نیت کر لی، اس پر کیا حِزّار واجب ہوئی؟ نیز صرف سر ڈھانکنے کی ایک ہی حِزّار واجب ہوگی یا لبسِ مخیط کی حِزّار الگ ہوگی؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

ٹوپی ایک گھنٹہ سے کم پہنی ہو تو ایک مٹھی گیہوں اور اس سے زائد پر نصف صاع صدقہ اور بارہ گھنٹے یا زائد پر دم واجب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ گھنٹہ سے کم پر بھی نصف صاع ہے، ترجیح میں اختلاف ہے، ٹوپی سلی ہوئی ہو تو بھی لبسِ مخیط کی الگ حِزّار نہیں لان الارتفاق واحد بخلاف الستری بالبناء فان فيه ارتفاعين السترو الطيب، اسی لئے اگر ٹوپی کے ساتھ کرتہ بھی پہن لیا تو بھی ایک ہی حِزّار ہوگی، فقط والله تعالى اعلم،

۲۴ رجب ۱۳۸۶ھ

حج بدل میں تمتع و قرآن کا حکم:

سوال: حج بدل کرنے والا قرآن کرے یا تمتع یا افراد؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو افراد کرنا چاہئے، امر کی اجازت سے تمتع و قرآن بھی کر سکتا ہے، مگر دمِ شکرِ مأمور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دمِ شکر کی قیمت ادا کر دے تو جائز ہے، اس زمانہ میں عرفا امر کی طرف سے تمتع و قرآن و دمِ شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، معہذا صراحۃً اذن حاصل کر لینا بہتر ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۲۸ ربیع الآخر ۱۳۸۶ھ

آفاقِ اشہر حج میں مکہ سے مدینہ گیا تو تمتع یا قرآن کر سکتا ہی یا نہیں؟

سوال: ① اگر کوئی آفاقِ اشہر حج میں عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ یا ریاض وغیرہ آفاق میں چلا جائے، اور پھر اسی سال حج کرنے کے خیال سے مکہ مکرمہ یا حدودِ حرم میں کسی

دوسری جگہ آئے تو اس کو افراد کا احرام باندھنا چاہئے یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ کر کے ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے؟

③ اگر آفاقی نے رمضان میں عمرہ کیا اور شوال میں مدینہ طیبہ چلا گیا تو کیا اس سال تمتع یا قرآن کر سکتا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① آفاقی اشہر حج میں عمرہ کے بعد مدینہ منورہ یا مکہ میں اور آفاق میں چلا جائے تو واپسی کے وقت اس کے لئے حج افراد کا احرام باندھنا بہتر ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک وطن اصلی کے سوا کسی دوسرے مقام کی طرف سفر سے تمتع باطل نہیں ہوتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے، چونکہ پہلا عمرہ تمتع کا شمار نہ ہوا اس لئے اب نئے سرے سے تمتع یا قرآن جو بھی چاہے کر سکتا ہے، اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر وہ بحکم مکی ہو اس لئے قرآن تو نہیں کر سکتا، البتہ اس کا تمتع کا عمرہ باقی ہے، اور اس کے بعد حج سے قبل دوسرے عمرہ کا جواز مختلف فیہ ہے، قول اعلیٰ یہ ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے مکہ وہ ہے، مگر آفاق سے جائز ہے، اس لئے مدینہ طیبہ سے واپسی پر عمرہ کا احرام باندھنے میں چنداں حرج نہیں، معہذا اختلاف سے بچنے کے لئے صرف حج ہی کا احرام باندھنا بہتر ہے،

② اگر شوال شروع ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے آفاق میں گیا تو عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ تمتع و قرآن کر سکتا ہے، عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ یہ شخص بحکم مکی ہے اس لئے تمتع و قرآن نہیں کر سکتا، اسی پر فتویٰ ہے، لہذا افراد کرے، البتہ نظم حکومت کے تحت مجبور ہو اور اطالہ احرام مشکل ہو تو تمتع کی گنجائش ہے، ولما لا آفاقی اذا دخل الميقات ودخل مكة بعمره وحل منها قبل اشهر الحج فان مكث بها حتى دخل اشهر الحج فهو كالمكي بالاتفاق وان خرج الى الآفاق قبل اشهر الحج فكلا آفاقی بالاتفاق ادفعها فكم المكي عند ابی حنیفہ الا ان يعود الى اهله وكلا آفاقی عند ہما، کبیر زغنیۃ ص ۱۲۱) مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع یا قرآن کیا تو بکراہت تحریمہ صحیح ہو جائے گا، اور اس پر دم شکر کی بجائے دم جبر واجب ہے، اس لئے اس سے خود نہیں کھا سکتا، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت مع الکراہتہ التحریمہ صرف قرآن کے لئے ہے، مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں، بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو، لان الاول لا یستلزم

الثانی وقال العلامة المحدث ومحمد هاشم السندی رحمہ اللہ تعالیٰ اختلاف
کرده اند در آنکہ ہنری در حق مکی بمعنی عدم جواز است مع وجود صحت و انعقاد یا بمعنی عدم صحت و انعقاد
اصلاً، و صحیح آنست کہ قرآن در حق مکی منعقد میشود و لہذا واجب می شود بروے دم جبر للحنایہ
بشکر اچنانکہ در حق آفاقی و امام عمرہ پس منعقد نمیشود اصلاً در حق او (الی قولہ) و لہذا لازم نباشد
بروے دم دریں صورت، زیرا کہ دم از لوازم تمتع است و چون منتفی گشت ملزوم منتفی گشت
لازم او الخ (حیاء القلوب ص ۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، ربیع الاول ۱۲۸۵ھ

مکی آفاق سے واپسی پر تمتع یا قرآن کر سکتا ہی یا نہیں؟ :

سوال؛ مکہ معظمہ اور جدہ کے رہنے والے رمضان کے آخری عشرہ میں مدینہ طیبہ جاتے
ہیں، اور شروع شوال میں جدہ والے جدہ آتے ہیں، اور مکہ معظمہ والے مکہ معظمہ آتے ہیں، یا جدو
مکہ معظمہ کے راستہ سے جدہ واپس آتے ہیں، اور اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں، تو وہ اب جبکہ
میقات سے باہر چلے گئے تو آفاقی ہو گئے، ایسی حالت میں تمتع کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ لوگ قرآن کر سکتے ہیں تمتع نہیں کر سکتے، یہ حکم ان لوگوں کا ہے جن کا حرم یا اہل میں وطن
اصلی ہے، جنہوں نے وہاں وطن اصلی نہیں بنایا صرف ملازمت یا تجارت وغیرہ کے لئے وہاں
مقیم ہیں وہ تمتع بھی کر سکتے ہیں، اور جو شخص اشہرج شروع ہونے کے بعد آفاق میں گیا ہو وہ قرآن بھی
نہیں کر سکتا، خواہ اس کا وہاں وطن اصلی ہو یا نہ ہو، قال فی الشامیۃ فی بیان شروط القرآن معزیا
الی الباب السادس ان يكون آفاقيا ولو حکما فلا قرآن لمکی الا اذا خرج الی الآفاق
قبل اشہر الحج (رد المحتار، ص ۲۰، ج ۲)

ومزیل التفصیل فی الشامیۃ ص ۲۱ ج ۲ و ص ۲۱۶ ج ۲۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴، محرم ۱۲۸۹ھ

حکم قرآن و تمتع : (مذکورہ بالا دو فتاویٰ کی منضبط و جامع تلخیص،)

(۱) آفاقی اشہرج میں عمرہ کرنے کے بعد آفاق میں غیر وطن اصلی میں چلا گیا۔

عند الصحابین رحمہم اللہ تعالیٰ یہ عمرہ حق تمتع میں باقی نہیں رہا، لہذا قرآن و تمتع جائز ہیں۔

عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ اس عمرہ سے منعقد ہونے والا تمتع باقی ہے، لہذا قرآن جائز نہیں، عمرہ

مفرہ آفاق سے جائز ہے علی الرأج۔ بوجہ اختلاف نہ کرنا بہتر ہے۔

(۲) آفاق حل یا حرم میں چلا گیا، پھر اشعرج میں آفاق میں غیر وطن اصلی میں چلا گیا۔

عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ قرآن و تمتع دونوں جائز ہیں، عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں ناجائز۔ قرآن کرے گا تو دم جبر لازم ہوگا، تمتع میں نہیں، لانہ لم یعتقد۔

(۳) حل یا حرم میں متوطن بوطن اصلی اشعرج سے قبل آفاق میں چلا گیا۔ قرآن جائز ہے اور تمتع ناجائز۔

(۴) حل یا حرم میں متوطن بوطن اصلی اشعرج میں آفاق میں چلا گیا۔

قرآن و تمتع دونوں ناجائز۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں:

سوال: اگر کسی مرد یا عورت کے پاس نقد روپیہ تو اتنا نہیں جو مصارف حج کے لئے کافی ہو، البتہ زیور، زرعی جائیداد، مکانات یا دوسرا سامان اتنا موجود ہے کہ اگر وہ یا اس کا کچھ حصہ فروخت کرے تو مصارف حج پورے ہو سکتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اس شخص پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اس شخص کے لئے ان اشیاء کو بقدر ضرورت فروخت کر کے فوراً حج کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زرعی جائیداد اور مکانات وغیرہ حوائجِ اصلیہ سے زائد ہوں تو ان کو فروخت کر کے فوراً حج کرنا فرض ہے، اور زیور حوائجِ اصلیہ سے نہیں بلکہ تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس بھی ضرورت میں داخل نہیں، کمافی اضحیۃ الشامیۃ، آجکل لڑکیوں کو جہیز میں ضرورت سے زائد اتنا سامان دیا جاتا ہے کہ ان پر حج فرض ہو جاتا ہے، اگر اسی سال حج کے لئے نقد روپیہ نہ ہو تو سامان بیچ کر حج کرنا فرض ہے، تاخیر کرنا گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

میقات بدوں احرام تجاوز:

سوال: طائف کا رہنے والا بدوں احرام مکہ چلا گیا، اور پھر کبھی طائف سے اسی سال یا دوسرے سال عمرہ کر لیا تو اس پر بدوں احرام دخول مکہ کی وجہ سے جو سزا تھی وہ معاف ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بدوں احرام دخول حرم سخت گناہ ہے، اور اس پر توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جا کر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے، اگر واپس نہیں گیا اور وہیں سے احرام باندھ لیا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا، البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جا کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم ہی میں احرام باندھا، مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جا کر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو گیا، اس حج یا عمرہ میں بدوں احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں، بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض جو نیت بھی کرے گا اس سے بدوں احرام تجاوز کا واجب ادا ہو جائے گا، اگر اسی سال آفاق کی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا، البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو، قال فی الخانیۃ ولو دخل الآفاق مکتہ بغير احرام ثم رجع الی المیقات فی تلك السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما کان واجبا بالمجاورة ودخول مکتہ بغير احرام عندنا وان لم یخرج من مکتہ حتی مضت السنة ثم خرج الی المیقات فی السنة الثانية واحرم بحجة الاسلام وحج یجزیه حجة الاسلام ولا یسقط عنه الدم الذی کان واجبا علیہ فی العام الاول رخانیۃ علی هامش الہندیۃ ص ۲۸۷ ج ۱، علانیہ میں دوسرے سال میں بنیت حج فرض و منذور و عمرہ منذورہ عدم سقوط تحریر ہے، مگر شامیہ میں فتح و بحر سے سقوط کی ترجیح نقل کی ہے، البتہ بحر سے نیت عمرہ منذورہ سے عدم سقوط کی ترجیح نقل کرنے کے بعد فتح القدیر کے قول سقوط کو ترجیح دی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

سعی کی ابتداء صفا سے واجب ہے :

سوال : اگر کسی نے بجائے صفا کے مردہ سے سعی شروع کی تو اس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

صفا سے ابتداء سعی واجب ہے، اگر بجائے صفا کے مردہ سے سعی شروع کی تو ترک واجب کی وجہ سے پہلا شوط غیر معتبر ہے، اس کے بعد سات شوط پورے کرے، اگر اس وقت ساتواں شوط نہیں کیا تو بعد میں جب چاہے ایک شوط کرے، البتہ سعی حج کی تکمیل سے قبل وقوف عرفات کر لیا، تو پوری سعی دوبارہ کرے، اگر نہیں کی تو دم واجب ہے، اور ایک شوط چھوڑ دیا تو صدقہ

دے، اسی طرح دو یا تین شوط چھوڑے تو ہر شوط کے عوض صدقہ واجب ہے، چار اور اس سے زیادہ اشواط چھوڑنے پر دم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵، ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

حکومت حج نہ کرنے دے تو کیا حکم ہے؟ :

سوال؛ آج چند سال ہو گئے برما کا کوئی آدمی حج نہیں کر سکتا، حکومت برما کی طرف سے کلیۃً اجازت نہیں ہے، تو اس حال میں جس پر حج فرض ہو اور وہ حج نہ کر سکے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ یسینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں حج فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عند زاتل ہو گیا تو دوبارہ خود حج کریں، یہ دونوں قول صحیح ہیں، اول اگرچہ اوسع ہے مگر ثانی احوط ہونے کے علاوہ اکثر مشایخ کا مختار بھی ہے، لہذا احجاج کی کوئی صورت ممکن ہو تو اس پر عمل کرنا لازم ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مانع سے قبل حج فرض نہ ہوا ہو، اگر پہلے سے فرض تھا اس کے بعد عاجز ہو گیا تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرانا فرض ہے، قال فی شرح التنبیر غیر مجبوس وخائف من سلطان یمنع منه وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیم کبیر لا یثبت علی الراحلة بنفسه واعی وان وجد قائد او مجبوس وخائف من سلطان لا بانفسهم ولا بالنیابة فی ظاہر المذہب وهو رواية عنہما وظاہر الروایة عنہما وجوب الاحجاج علیہم ویجزیہم ان دام العجز وان زال اعادوا بانفسهم، والحاصل انه من شرائط الوجوب عندہ ومن شرائط وجوب الاداء عندہما وثمرة الخلاف تظهر فی وجوب الاحجاج والایصاء کما ذکرنا وهو مقید بما اذا لم یقدر علی الحج وهو صحیح فان قدر ثم عجز قبل الخروج الی الحج تقرر دینا فی ذمتہ فیلزمہ الاحجاج (الی قولہ) وظاہر التحفة اختیار قولہما وکن الا سبب جابی وقواہ فی الفتح ومشی علی ان الصحة من شرائط وجوب الاداء من البحر والنہر وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح وفی شرحہ انه مشی علی الاول فی النہایة وقال فی البحر العسیر

انه المذهب الصحيح وان الثاني صححه قاضي خان في شرح الجامع واختاره
كثير من المشايخ ومنهم ابن الهمام (رد المحتار ص ۱۵۴) فقط والله تعالى اعلم
۱۶ رزی الحج ۸۷

نابینا کے لئے حج کا حکم:

سوال: اندھے پر حج فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
نابینا اور مفلوج وغیرہ سب معذورین کا وہی حکم ہے جو اور پر حکومت کی طرف سے ممانعت
کے بارے میں بیان ہوا، فقط والله تعالى اعلم
۱۶ رزی الحج ۸۷

عمرہ کرنے سے فرصت حج میں تفصیل:

سوال: کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
اگر سوال شروع ہونے سے قبل واپس آگیا تو حج فرض نہیں ہوا، البتہ اگر سوال وہیں
شروع ہو گیا اور اس کے پاس حج کے مصارت بھی ہوں تو حج فرض ہو جائے گا، اگر حکومت
کی طرف سے حج تک ٹھیرنے کی اجازت نہ ہو تو فرصت حج میں اختلاف ہے، رائج یہ ہے کہ اس پر
حج بدل کرانا فرض ہے، مکہ مکرمہ ہی سے حج کرادے، بعد میں خود حج کی استطاعت ہو گئی تو دوبارہ
کرے، کاملقعد والمفلوج والاعنٰی والمحبوس والنفائت من السلطان، فقط والله تعالى اعلم
۱۰ جمادی الآخرہ ۸۷

حج بدل کہاں سے کرایا جائے؟

سوال: حج بدل کہاں سے کرانا چاہئے؟ اگر کسی مکی سے کرایا جائے تو جائز ہی یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب
اگر زندہ معذور کے امر سے یا مردہ کی وصیت سے حج بدل کیا جا رہا ہو تو موصی یا آمر کے وطن سے
حج کرنا ضروری ہے، اگر ثلث مال ناکافی ہو اور درثہ زیادہ کی اجازت نہ دیں تو جہاں سے بھی ثلث
مال سے حج ہو سکے، اگر موصی یا آمر نے خود کوئی جگہ یا کچھ مال متعین کر دیا ہو تو وہیں سے کیا جائے اگرچہ
۳۴ مکہ ہی سے ہو، مگر صاحب استطاعت کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے، اگر حج کا امر یا وصیت نہیں کی

بلکہ کسی کی طرف سے تبرعاً کوئی شخص حج کرانا چاہتا ہے، تو مکہ سے بھی جائز ہے، البتہ صاحب استطاعت کے لئے میقات سے کرانا افضل ہے، مکہ سے حج کرانے کی صورت میں اس کا خاص اہتمام کیا جائے کہ حج کرنے والا مستقی دیندار قابل اعتماد ہو، کیونکہ کئی لوگ متعدد حضرات کی طرف سے حج بدل کر لیتے ہیں، جس سے کسی کا بھی حج نہ ہوگا، نیز حج بدل میں اجارہ کی صورت نہ ہونے پائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

ماہِ زمزم و فضل و ضرورت قائم پینا مستحب نہیں؟

سوال: وضو سے بچا ہوا پانی اور ماہِ زمزم قائم پینا سنت ہے یا مستحب؟ اور مستقبل قبلہ ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فضل وضو و ماہِ زمزم قائم پینے کی کراہت و استحباب میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ بلا کراہت جائز ہے، مگر مستحب نہیں، البتہ استقبال قبلہ مستحب ہے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی آداب الوضوء وان یشرب بعدہ من فضل وضوئہ کساء زمزم مستقبل القبلة قائماً او قاعداً و فی سماعہ اھماً یکرہ قائماً تنزیہاً، و فی الشامیہ و العناصل ان انتفاء الکراہۃ فی الشرب قائماً فی ہذین الموضعین محل کلام فضلاً عن استحباب القیام فیہما و لعل الاوجہ عدم الکراہۃ ان لم یقتل بالاستحباب لان ماء زمزم شفاء و کذا افضل الوضوء (رد المحتار ص ۱۲ ج ۱) و فی الحج منہا (قولہ شرب من ماء زمزم) ای قائماً مستقبل القبلة متصلاً منہ متنفساً فیہ مراراً ناظرانی کل مرة الی البیت (رد المحتار ص ۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ محرم ۱۳۸۵ھ

وقوفِ مزدلفہ چھوڑنے کا حکم:

سوال: مریض، ضعیف، مستورات، عذر کی وجہ سے مزدلفہ میں وقوف نہ کریں تو جائز ہے مگر ان کے ساتھ کی وجہ سے تندرست مرد بھی وقوف نہ کرے، اور صبح صادق سے قبل مزدلفہ سے منیٰ چلا جائے تو اس تندرست پر دم واجب ہو گیا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں تندرست آدمی پر دم واجب ہے، اس لئے کہ اس کا ترک وقوف

بلا عذر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم ۱۴۲۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال: سوچ نکلنے سے پہلے مزدلفہ نہیں پہنچا، تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وقوف مزدلفہ کسی قدرتی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکا مثلاً گوشش کے باوجود عرفات سے مزدلفہ طلوع آفتاب سے قبل نہ پہنچ سکا تو کوئی جزاء واجب نہیں، البتہ مخلوق کی طرف سے کسی رکاوٹ کی وجہ سے یا عمداً ترک وقوف سے رم واجب ہے، قال فی العلائق لو ترکہ لعذر کزحمة بمزدلفۃ لاشیء علیہ، وفی الشامیۃ عن شرح اللباب ولو فاتہ الوقوف بمزدلفۃ باحصار فعلیہ دم من ان فذا عذر من جانب المخلوق فلا یؤثر ھ (رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

احرام میں لنگوٹ یا نیکر پہننا:

سوال: احرام کی حالت میں لنگوٹ اور احرام کے نیچے نیکر پہن سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

آنت وغیرہ اُترنے کے عذر کی وجہ سے لنگوٹ باندھنا جائز ہے، اور بدول عذر مکروہ ہے، مگر اس پر کوئی جزاء واجب نہیں، نیکر پہننا بہر حال ناجائز ہے، اور اس پر لبس مخیط کی جزاء واجب ہے، قال فی شرح التنویر فان زررہ او خللہ او عقدہ اساء ولا دم علیہ، وفی الشامیۃ وکذا الوشدہ بحبل ونحوہ لشبہہ حیث یثب بالخیط (رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم ۱۴۲۹ھ

احرام میں جرابیں پہننا جائز نہیں:

سوال: احرام کی حالت میں جرابیں سوتی یا ادنیٰ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

احرام میں کسی بھی قسم کی جرابیں پہننا جائز نہیں، قال فی شرح التنویر وخفین الا ان لا یجد نعلین فیقطعہما اسفل من الکعبین عند معقد الشاک فیجوز لبس الس موزۃ لا الجوربین (رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ

عورت کے لئے بلا محرم سفر حج حرام ہے:

سوال: ایک ضعیفہ انتی سالہ غیر مشتبہۃ اس سال حج کرنا چاہتی ہے، اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں، سوائے اس کے کہ جہاز میں جانے والے عازمین حج کی مستورات کی معیت رہے گی، کیا شرعاً ایسا جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت خواہ کتنی ہی بوڑھی ہو اس کے لئے بلا محرم سفر حج حرام ہے، اگرچہ اس کے ساتھ دوسری عورتیں بھی اپنے محارم کے ساتھ ہوں تو بھی جائز نہیں، اگر مرتے دم تک محرم میسر نہ ہو تو اس پر حج بدل کی وصیت فرض ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجب ۱۴۰۹ھ

میّت کی طرف بدول وصیت حج کرنا:

سوال: اگر کوئی آفاقی کسی متوفی یا معذور شخص کی طرف سے اس کی وصیت یا امر کے بغیر از خود اپنے خرچ سے حج بدل کرے تو کیا اس کے لئے بھی اُس شخص کے وطن سے جانا ضروری ہے، جس کی طرف سے وہ حج بدل کر رہا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

متوفی یا معذور کی طرف سے فرض حج ادا کرنے کے لئے اس کا امضوری ہے، بدول امر کسی حبشی نے حج کیا تو یہ حج کرنے والے کا ہوگا، وہ اس کا ثواب جسے چاہے بخش دے، لہذا اس میں میقات وغیرہ کی قید نہیں، البتہ اگر وارث نے متوفی کی وصیت کے بغیر اس کی طرف سے حج کیا تو اس سے متوفی کا فرض ادا ہونے کی امید ہے، مگر اس میں بھی متوفی کی میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں، جس میقات سے چاہے باندھ سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رجب ۱۴۰۹ھ

سفر حج میں مرنے والے پر وجوب وصیت کی تفصیل:

سوال: اگر کسی شخص کا سفر حج میں حج کرنے سے قبل انتقال ہو جائے تو کیا اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس پر اسی سال حج فرض ہوا تھا تو راستہ میں موت واقع ہونے سے فرض ساقط ہو گیا

اور اگر حج پہلے فرض ہو چکا تھا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد فوت ہوا تو فرض ادا ہو گیا، اس سے قبل فوت ہوا تو فرض ساقط نہیں ہوا، اس لئے اس پر اس کے شہر سے حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے، اگر ثلث مال اس کے شہر سے کافی نہ ہو تو جہاں سے بھی ثلث میں حج ہو وہیں سے کرایا جائے، قال فی التنبیہ خرج الی الحج ومات فی الطريق وأوصی بالحج عنه فان فسر المال فالامر علیہ والا فیحج من بلدہ، وفی الشرح انما تجب الوصیۃ بہ اذا اخرہ بعد وجوبہ اما لو حج عن عامہ فلا، وفی الحاشیۃ رقلہ ومات فی الطريق، اراد بہ موته قبل الوقوف بعرفۃ ولو کان بمکۃ بحرو فی التجنیس اذا مات بعد الوقوف بعرفۃ اجزا عن المیت لان الحج عرفۃ بالنص رقلہ فالامر علیہ ای الشأن مبني علی مافسره ای عینہ فان فسر المال یحج عنه من حیث یبلغ وان فسر المكان یحج عنه منه ط، قلت والظاهر انه یجب علیہ ان یوصی بما یبلغ من بلدہ ان کان فی الثلث سعة فلو اوصی من دون ذلك او عین مکانا دون بلدہ یا تم لما علمت ان الواجب علیہ الحج من بلد یسکنہ

در المختار ص ۲۶۳ فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب ۱۲۹۲ھ

۱۲ ذی الحجہ کی رمی قبل الزوال جائز نہیں :

سوال : ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو رمی جمار ضعیفوں، بیماروں اور عورتوں کے لئے زوال سے قبل جائز ہے یا نہیں؟ جمہور کے قول کے مطابق مشہور مذہب تو یہی ہے کہ ذی الحجہ کی گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں رمی زوال کے بعد کرنی چاہئے، لیکن بعض اکابر علماء حنابلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ادام اللہ فیوضہم اور حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ زحمت اور ہجوم سے بچنے کے لئے اگر بارہویں تاریخ کی رمی قبل از زوال کر کے فارغ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، ان حضرات کے مطبوعہ فتاویٰ کتابی شکل میں موجود ہیں، جو بغرض ملاحظہ ارسال خدمت ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں بزرگوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا ہے، اس سلسلہ میں جناب والا کی رائے معلوم کرنے کے لئے یہ استفتاء ارسال خدمت ہو کہ کیا بارہویں تاریخ کو قبل از زوال رمی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت جواز علی الاطلاق جائز ہے خواہ رمی کرنے والا قوی تندرست اور مرد ہو یا صرف عورتوں، ضعیفوں، کمزوروں اور بیماروں کے لئے یہ گنجائش ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

رسالہ منسلکہ گزشتہ سال حافظ ریاض الحق صاحب مرحوم نے بھی استصواب کی غرض سے پیش کیا تھا، میں نے ان سے زبانی کہہ دیا تھا کہ میں اس سے متفق نہیں، آپ کا خط ملنے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے بذریعہ ٹیلیفون دریافت کیا تو فرمایا کہ میں اس سے رجوع کا بارہا اعلان کر چکا ہوں، مگر اس کے باوجود رسالہ میں میرا فتویٰ مسلسل چھاپا جا رہا ہے، شاید حضرت مفتی مہدی حسن کی طرف نسبت بھی خود ساختہ ہی ہو، مزید طرفہ یہ کہ اسی رسالہ میں مدرسہ امینیہ دہلی کے جواب میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جواز کا قول ضعیف ہے، اور قول ضعیف پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، غرضیکہ مذہب مشہور و مفتی یہی ہے کہ بارہویں کی رمی قبل الزوال جائز نہیں، اور نہ ہی وہ ضرورت قابل اعتناء ہے جس کی بناء پر رسالہ میں جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے، جب عورتوں، مریضوں، ضعیفوں کے لئے بوقت شب رمی بلا کر اہت جائز ہے تو رمی قبل الزوال کی کیا ضرورت رہی؟ نفس پرستی کو ضرورت نہیں کہا جاسکتا، رسالہ میں اثبات ضرورت کے لئے امور موہومہ کو محقق کر کے دکھایا گیا ہے، فقط واللہ العاصم، ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

رمی میں جواز نیابت کی شرط:

سوال: ایک شخص کے پاؤں میں چوٹ آگئی، جس کی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا، اس لئے اس نے اپنی رمی دوسرے شخص سے نیابت کرائی، اور کوئی دوسرا محرم مرد نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بیوی اور لڑکی کی طرف سے بھی کسی دوسرے مرد سے رمی کرائی تو کیا ان تینوں کی رمی صحیح ہوگئی؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سوار ہو کر بھی جبرات تک نہ جاسکتا ہو یا سواری یا کوئی اٹھا کر لے جانے والا نہ ملے تو اس کی رمی ہوگئی، بیوی اور لڑکی کی طرف سے نیابت رمی صحیح نہیں، جبرات تک جانے کے لئے محرم ساتھ ہونا ضروری نہیں، اس لئے اُن پر دم واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

طواف زیارت بلا وضو کرنے سے دم واجب ہے:

سوال: ایک شخص کے پیر میں چوٹ لگ گئی، حرم شریف میں ظہر سے پہلے گر گیا،

ظہر کے بعد طواف زیارت کیا، پیر سے پانی یا مواد کبھی کبھی نکلتا جاتا تھا، اس کے باوجود طواف زیارت کر لیا، تو کیا اس کا طواف زیارت ہو گیا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایام نحر کے اندر زخم سے خون بند ہونے کا انتظار کرنا واجب تھا، معہذا طواف کر لیا تو ہو گیا لیکن واجب طہارت ترک کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا، البتہ بعد میں اس طواف کا اعادہ کر لیا تو دم ساقط ہو گیا اگرچہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو، کذا فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۴ شعبان ۱۴۳۳ھ

دم شکر سے عاجز کا حکم:

سوال: منیٰ میں قربانی کرنے سے قبل کسی کی رقم چوری ہو گئی، اب وہ قربانی نہیں کر سکتا، تو کیا کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صرف حج افراد تھا تو اس پر قربانی واجب نہیں، اور اگر تمتع یا قرآن تھا تو حلق کر کے احرام کھول ڈالے، اور جب قدرت ہو ایک جانور بنیت دم شکر حد و حرم میں ذبح کرے، اس دم جنایت نہیں، کیونکہ یہ معذور ہے، قال فی العلائق فان فانت الثلاثة تعین اللہ فلولم یقدر تحلل وعلیہ دمان، قال ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ ای دم لمتنع ودم التحلل قبل اوانہ بجر عن الهدایۃ وتمامہ فیہ وفیما علقناہ علیہ (رد المحتار ج ۲) وقال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فلولم یقدر علی الہدی تحلل وعلیہ دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الہدی کذا فی الہدایۃ ہنا وقال فیما یأتی فی الآخر الجنایات فان حلق القارن قبل ان ینبح فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ دم بالحلل فی غیر اوانہ لان اوانہ بعد الذبح ودم بتأخیر الذبح عن الحلل وعند ہما یجب علیہ دم واحد وهو الاول فنسبہ صاحب غایۃ البیان الی التخلیط لکونہ جعل احد الدمین ہنا دم الشکر والاخر دم الجنایۃ وهو صواب وفیما یأتی اثبت عند ابی حنیفۃ دمین آخرین سوی دم الشکر ونسبہ فی فتح القدیر ایضاً فی باب الجنایات الی الہو ولس كما قال الایمل کلامہ صواب فی الموضعین فہنا لما لم یکن جانیاً بالتأخیر لانه لعجزہ لم یلزمہ لاجلہ دم ولزمہ دم للحلق

فی غیر اوانہ و فی باب الجنایات لہا کان جانیاً بحلقہ قبل الذبح لزومہ دمان کما
قرہ و لم ینکرم الشکر لانتہ قدمہ فی باب القران و لیس الکلام الافی الجنایۃ،
وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیئہ منحة الخالق لکن لزوم الدمین
ہناک خلاف المذہب و ساغ حمل کلام الہدایۃ علیہ لتصحیحہ و اخر اجماعہ عن
الخطا و السہو ہذا و قد یقال انہ اذا لم یکن جانیاً بالتأخیر لم یکن جانیاً ایضاً بالخلق
فی غیر اوانہ فینبغی ان لا یلزمہ الا دم القران لان العجز عن روقہ نقل الشربلا
فی رسالہ عن شرح مختصل لطحاوی للامام الاسبیجانی مانصہ و لو لم یصم الثلاثة
لم یجز الصوم بعد ذلک و لا یجزئہ الا الدم فان لم یجن ہذا یا حل و علیہ دم
المتعة و لا دم علیہ لاحلالہ قبل ان ینذبح و لا دم علیہ لترك الصوم اھ،

(البحر الرائق ص ۲۶۲ ج ۲)

ان مختلف عبارات میں غور کرنے کے بعد بندہ کا خیال یہ ہے کہ اگر متمتع یا قارن نے قادر
علی دم الشکر ہونے کی وجہ سے یوم نحر سے قبل تین روزے نہیں رکھے، مگر ذبح سے قبل کسی
حادثہ کی وجہ سے عاجز ہو گیا، کمافی الصلوة المستولی عنہا تو اس پر صرف دم شکر واجب ہے
جب قدرت ہو ادا کرے، چونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں اس لئے اس پر دم جنایت
واجب نہ ہوگا، اور اگر شرع ہی سے دم شکر پر قادر نہ تھا اس کے باوجود روزے نہ رکھے تو اسے
معذور اور غیر جانی قرار دینا بعید ہے، اس لئے اس پر ایک دم جنایت بھی حلق قبل الذبح کی
وجہ سے واجب ہوگا، اور اگر ایام نحر میں ذبح نہ کیا تو دوسرا دم تأخیر کی وجہ سے واجب ہوگا، اس
طرح اُس پر کل تین دم واجب ہوئے، ایک دم شکر اور دو دم جنایت، غنیہ میں بھی اس صورت
میں تین دم لکھے ہیں،

البتہ اگر یوم نحر سے قبل تین روزے مرض وغیرہ کی وجہ سے نہ رکھ سکا تو اسے معذور قرار
دے کر اس پر صرف دم شکر کا قول کیا جاسکتا ہے، دھن امانندی والعلم عند اللہ
العزیز العلیم، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، ربيع الآخر ۱۴۹۷ھ

حرم میں مستقل وطن نہ بنائے تو متمتع کر سکتا ہے:

سوال: میں مکہ مکرمہ میں ملازم ہوں، آجکل حکومت سعودیہ کے قانون کے مطابق

ملک سے ایک مرتبہ باہر جانا پڑتا ہے، اس لئے میں پاکستان آ گیا ہوں، اب میں حج تمتع کرنا چاہتا ہوں اس کی کیا صورت ہوگی؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ نے چونکہ مکہ مکرمہ کو ہمیشہ کے لئے مستقل وطن نہیں بنایا، اس لئے پاکستان سے تمتع کر سکتے ہیں، اگر مستقل وطن بنالیں تو تمتع نہیں کر سکیں گے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن اللباب فی بیان شرائط التمتع التاسع عدم التوطن بمكة فلو اعتمر ثم عزم على المقام بمكة ابدًا لا يكون متمتعًا وان عزم شهرين اى مثلاً ورجع كانت متمتعًا وبعد سطر الحادى عشر ان يكون من اهل الافاق والعبرة للتوطن فلو استوطن المكي في المدينة مثلاً فهو آفاقى وبالعكس مكى الخ (رد المحتار ص ۲۱۱ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم
۴، ز لقعده ۹۷ھ

دو گانہ طواف مکروہ وقت میں پڑھنے کا حکم؟

سوال، اگر کسی نے مکروہ وقت میں طواف کیا اور اس کے بعد اسی مکروہ وقت میں دو رکعتیں پڑھ لیں تو دو گانہ طواف ادا ہو گیا یا نہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ دو گانہ طلوع، غروب یا استواء کے وقت پڑھا تو بالاتفاق ادا نہیں ہوا، درمیان میں خیال آ گیا تو منقطع کر دے، اور تمام کر لیا تو بھی مکروہ وقت کے بعد دوبارہ پڑھے، اور اگر وقت فجر یا بعد عصر دو گانہ طواف پڑھا تو بھی قطع کرنا واجب ہے، البتہ اگر پورا کر لیا تو بقول بعض اس کا اعادہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولو صلاہا فی وقت مکروہ قیل صحت مع الکراہۃ ووجب قطعہا فان مضی فیہا فالاحبان یعیدہا لباہ فی اطلاقہ نظر لما مر فی اوقات الصلوۃ من ان الواجب ولو غیرہ کو کعتی الطواف التذکر لا تنعقد فی ثلاثۃ من الاوقات المنہیۃ اعنی الطلوع والاستواء والغروب بخلاف ما بعد الفجر وصلوۃ العصر فانہا تنعقد مع الکراہۃ فیہما (رد المحتار ص ۱۸۴ ج ۲)، لیکن کتاب الصلوۃ میں ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی نے مکروہ وقت میں نفل پڑھ لے تو ان کا اعادہ واجب نہیں، اور اس کی تعلیل یوں بیان فرمائی ہے، لانه اذاها كما وجبت (رد المحتار ص ۲۲۶ ج ۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روگائے طوائف مکررہ وقت میں پڑھا تو اس کی قضاء واجب ہوگی، لہذا وجبت کاملۃ واداءہا ناقضۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، رجب ۹۸ھ

حج میں تاخیر جائز نہیں:

سوال: زید پر حج فرض ہے مگر وہ بعض دنیوی مصالح کی وجہ سے آئندہ سال تک ملتوی کر رہا ہے، کیا اس صورت میں زید گنہگار ہوگا؟ بینوا توجروا!

الجواب یا سسم ملہم الصواب

حج کی فرضیت علی الفور ہے، لہذا تاخیر سے گنہگار ہوگا، فی حج التنبیہ فرض مرة علی الفور فی الشرح فی العالم الاول عند الثانی وأصح الروایتین عن الامام ومالك وأحمد رحمہم اللہ تعالیٰ فیفسق وترد شہادۃ بتأخیرہ ای سینا، وفي الحاشیة ثم لا یخفی انہ لا یلزم من عدم الفسق عدم الاثم فانہ یأثم ولو بمرۃ، (مختار ص ۱۵۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳، ذیقعدہ ۹۸ھ

وقت فرضیت حج:

سوال: ایک شخص اشہر الحج میں مال کا مالک ہو گیا، مع تمام شرائط کے، اور بعد میں مال خرچ کر دیا، یا تلف ہو گیا، تو کیا حج کی قضاء ضروری ہے؟ یا وجوب حج ساقط ہو گیا؟ حاصل یہ کہ وقت وجوب حج کس وقت سے شروع ہوگا؟ بینوا توجروا!

الجواب یا سسم ملہم الصواب

اشہر حج میں مال دار ہوا تو حج فرض ہو گیا، البتہ اگر ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہر حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلہ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا، اگر اس وقت مال ہے تو حج فرض ہو گیا، اگر حج نہیں کیا تو قضاء واجب ہوگی، قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ والاولیٰ ان یقال اذا کان قادراً وقت خروج اہل بلدہ ان کانوا یخرجون قبل اشہر الحج لبعء المسافۃ او قادراً فی اشہر الحج ان کانوا یخرجون فیہا ولم یحج حتی افتقر، تقرّر دینا وان ملک فی غیرہا وصرقہا الی غیرہ لاشی علیہ (فتح القدیر ص ۱۲۱) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط وجوب الحج والوقت ای القدرة

فی اشهر الحج اوفی وقت خروج اهل بلدة علی ما یأتی رد المحتار ص ۱۵۳ ج ۲) وقال بعده
علی قوله مع امن الطريق ای وقت خروج اهل بلدة وان كان مخیفاً فی
غیره بحر (رد المحتار ص ۱۵۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳، محرم ۱۲۹۹ھ

طواف زیارت نہ کر سکا تو بد نہ کی وصیت واجب ہے:

سوال: اگر کسی شخص نے طواف زیارت نہ کیا اور پھر عمر بھرا دار نہ کر سکا تو یہ شخص کیا کرے؟
کیا مرض الموت میں وصیت حج کرے یا اس میں اور کوئی تفصیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس پر مرض الموت میں ایک بد نہ یعنی ارٹ یا گائے حرم میں ذبح کرنے کی وصیت کرنا واجب
ہے، قال فی الشامیة (قوله ویستد دقته) ای وقت صحته الی اخر العصر فلو مات
قبل فعله فقد ذکر بعض المحشین عن شرح اللباب للقاضی محمد عید عن البحر
العسین انهم قالوا ان علیہ الوصیة ببذنة لانه جاء العذر من قبل من له الحق
وان كان اثماً بالتأخیر تأمل (رد المحتار ص ۱۹۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰، رجب ۱۲۹۸ھ

ایام نحر میں طواف وداع جائز ہے:

سوال: اکثر مقیمین جدہ سے معلم کا انتظام کرتے ہیں، جو جدہ سے سیدھے منیٰ وغیرہ اور
۳۲ تاریخ کو زوال کے بعد منیٰ سے سیدھے جدہ لے جاتے ہیں تو اس طرح طواف وداع کرنا مشکل
ہو جاتا ہے، کیا ان حالات میں طواف وداع طواف زیارت کے بعد ایک اور طواف کر لینے
سے ادا ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اہل جدہ پر طواف وداع واجب نہیں، آفاقی پر واجب ہے، اور طواف زیارت کے بعد ایام نحر
میں بھی جائز ہے، اگر چہ می باقی ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، محرم ۱۲۹۸ھ

عذر من جہۃ المخلوق کی وجہ سے ترک طواف وداع:

سوال: اگر کسی نے تمام احکام حج انجام دیئے، مرن طواف صدر نہیں کیا تھا کہ اچانک

ایسا واقعہ پیش آیا کہ وہ طواف و دارع نہ کر سکا، جیسے اس سال میں ہوا کہ کئی دنوں تک مسجد حرام بوجہ باغیوں اور مدعیان مہدویت بند رہی تو کیا اس پر دم ہے؟ یا معذور سمجھا جائے گا، نیز اگر نفل طواف کیا تو اس کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ بیشتر علماء اعلان کر رہے ہیں کہ جن لوگوں نے طواف و دارع نہیں کیا ان پر دم واجب ہے، حضرت والا مسئلہ کی پوری تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم لاصواب

جس نے طواف زیارت کے بعد کوئی نفل طواف کر لیا وہ طواف و دارع کے قائم مقام ہو گیا اس لئے اس پر دم واجب نہیں، اور اگر نفل طواف نہیں کیا تو اس پر دم واجب ہے، کیونکہ یہ عذر من جہۃ العباد ہے، جو مسقط حق اللہ تعالیٰ نہیں،

عذر کی وجہ سے ترک واجب میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ عذر مطلقاً مسقط دم ہے، دوسرا یہ کہ جن اعذار کا مسقط ہونا منصوص ہے ان کے سوا دوسرے اعذار مسقط دم نہیں، تیسرا یہ کہ عذر من جہۃ العباد مسقط نہیں، عذر سماوی مسقط ہے، وهو الرجح، قال فی العلائق فلو طاف بعد ارادة السفر ونوى التطوع اجزأه عن الصدر، وفي الشامية الحاصل كما في الفتح وغيره ان من طاف طوافاً في وقته وقع عنه نواه بعينه اولا ادنوى طوافاً اخر رآلى قوله اول بعد ما حل النفر بعد ما طاف للزيارة فهو للصدر وان نواه للتطوع رآى المعيار من ۲۰۲ ج ۲)، وقال الطحطاوى رحمه الله تعالى رقله ولا احصار بعد ما وقف بعرفة الخ) فان دام الاحصار لزومه دم لتترك كل واجب من وقوف بمزدلفته ورعى الجمار وكذا التأخير الحلق والطواف ولهذا في الاحصار بالعدول لانه من قبل العباد ولا يكون عذراً في اسقاط حق الله تعالى كما قالوه في باب التيمم ان العدول اذا اسره حتى صلى بالتيمم فانه يعيدها بالوضوء اذا اطلقوه لانه من قبل العباد فلا ينافى قولهم كل واجب ترك لعذر لا يجب فيه دم لان المراد بالعذر فيه العذر السماوى كالاحصار بالمرض مثلاً في هذه الصورة وكالحض النفا كذا جعته صاحب البحر وقره اخوه (طحطاوى على الدب باب الاحصار ص ۵۴۲ ج ۱) وقال ابن نجيم رحمه الله تعالى ثم ان دام الاحصار حتى مضت ايام التشريق رالى، وقد ظهر لى ان كلامهم محمول على الاحصار بسبب العدول لا مطلقاً فانه اذا سان بالمرض فهو سماوى يكون عذراً في ترك الواجبات وان كان من قبل العباد

فانه لا يكون عذراً في إسقاط حق الله تعالى كما قالوه في باب التيمم الخ ز البحر الرائق
ص ۲۵۶ باب الاحصار) وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى تحت قوله ولو
ناسياً (رتمة) يستثنى من الاطلاق المار في وجوب الجزاء ما في الباب لو ترك شيئاً
من الواجبات بعد رلاشئ عليه على ما في البدائع واطلق بعضهم وجوبه فيها الا فيما
ورد النص به وهي ترك الوقوف بمزدلفة وتأخير طواف الزيارة عن وقته وترك
الصدر للحيض والنفاس وترك المشي في الطواف والسعي وترك السعي وترك الحلق لعله
في رأسه اهـ، لكن ذكر شارحه ما يدل على ان المراد بالعذر ما لا يكون من العباد حيث قال
عند قول الباب ولو فات الوقوف بمزدلفة باحصار فعليه دم هذا غير ظاهر لانت
الاحصار من جملة الاعذار الا ان يقال ان هذا مانع من جانب المخلوق فلا يؤثر في
له ما في البدائع فيمن احصر بعد الوقوف حتى مضت ايام النحر ثم خلى سبيله ان عليه
دماً لترك الوقوف بمزدلفة ودماً لترك الرمي ودماً لتأخير طواف الزيارة اهـ ومثله في
احصار البحر وسياً في توضيحه هناك ان شاء الله تعالى (رد المحتار ۲/۲۲۲ باب الجنایات)
وقال ايضا في باب الاحصار قوله ولا احصار بعد ما وقف بعرفة) فلو وقف بعرفة ثم عرس
له مانع لا يتحلل بالهدى بل يبقى محرماً في حق كل شيء ان لم يحلق اى بعد دخول وقته
وان حلق فهو محرم في حق النساء لا غير الى ان يطوف للزيارة فان منع حتى مضت ايام النحر
فعليه اربعة دماء لترك الوقوف بمزدلفة والرمي وتأخير الطواف وتأخير الحلق كما في الباب
والزيلي وغيرهما ونقله في البحر عن كافي الحاكم الذي هو جمع كلام محمد رحمه الله
تعالى في كتبه الستة التي هي ظاهراً الرواية ثم استشكل في البحر بان واجب الحج اذا
ترك لعذر رلاشئ فيه حتى لو ترك الوقوف بمزدلفة خوف الزحام لا شئ عليه كالعائض
تترك طواف الصدر ولا شك ان الاحصار عذر ثم اجاب بحمل ما هنا على الاحصار
بالعد ولا مطلقاً فانه اذا كان بالمرض فهو سناوى يكون عذراً في ترك الواجبات
بخلاف ما كان من قبل العبد فانه لا يسقط حق الله تعالى كما في التيمم اهـ ونقله
في النهرويه جزم المقدسى في شرح نظم الكنز وذكر مثله في جنایات شرح الباب
قلت ولا ترد مسألة الوقوف لخوف الزحام لما مر في التيمم ان الخوف ان لم
ينشأ بسبب وعيد العبد فهو سناوى (رد المحتار باب الاحصار ص ۲۵۵ ج ۲)

بعض اہل علم کو شامیہ مطلب فی طوائف الصدر کی عبارت ر قوله الا علی اهل مكة، اذا
وجوبہ علی کل حاج افاقی مفرد او متمتع اوقارن بشرط کونه مدرکاً مکلفاً غیر معذور
فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبی
والعائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ، سے مغالطہ ہوا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں طوائف
صدر ساقط ہے، حالانکہ یہاں محصر سے محصر عن الحج مراد ہے، کما ہوا ظاہر من مقابلة المدرک
بل المحصر الحقیقی ہوا الذی احصر عن الحج ولا احصار بعد الوقوف بعرفة،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۰ صفر ۱۴۰۰ھ

حاجت زائد زمین ہو تو حج فرض ہے:

سوال؛ زید کے پاس اتنی زمین ہے کہ اس سے صرف سال بھر کے لئے اس کا گذارہ ہوتا
ہے، اس کے علاوہ کوئی کاروبار نہیں ہے، البتہ تمام زمین یا کچھ زمین فروخت کر کے توجج کا انتظام
ہو سکتا ہے، آیا اس صورت میں زمین فروخت کر کے زید کو حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بقدر مصارف حج زمین بیچنے کے بعد اس کے پاس بقدر معاش زمین بچ جاتی ہے تو حج فرض
ہے، قال الامام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان صاحب ضیعة ان کان له
من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی لزیادہ وراحلتہ ذاہباً وجائتاً ونفقة عیالہ
واولادہ ویبقى له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیہ الحج
والافلا رخانۃ علی هامش الہندیۃ ص ۲۸۲ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

احرام میں گردن، کان اور پیشانی ڈھانکنا:

سوال؛ حالت احرام میں بوقت ضرورت کانوں پر گردن پر، پیشانی پر رد مال باندھ سکتے
ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گردن اور کانوں پر کپڑا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، پیشانی ڈھانکنا جائز نہیں، البتہ
بوقت ضرورت جائز ہے، مگر جزاء بہر حال لازم ہوگی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر چہرہ یا سر کا

چوتھائی حصہ یا چوتھائی سے زیادہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے، اور چوتھائی سے کم یا ایک دن یا ایک رات سے کم ڈھانکا تو نصف صاع صدقہ واجب ہے، اور عذر سے ڈھانکا تو پہلی صورت میں اختیار ہے کہ دم دے یا تین صاع چھ مساکین پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے، اور دوسری صورت میں نصف صاع ایک مسکین کو صدقہ دے یا ایک دن کا روزہ رکھے، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ ولا بأس بتغطية اذنيه وقفاہ (رد المحتار ص ۲۲۱ ج ۲) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تغطية کل الوجه أو الرأس یومًا أو لیلة دم والربع منه سکا لكل وفي الاقل من یوم أو من الربع صدقة کما فی اللباب (رد المحتار ص ۱۰۵ ج ۲) وفي العلائیة وان طیب أو حلق أو لبس بعد رخیران شاء ذبح فی الحرم أو تصدق بثلاثة أو صاع طعام علی ستة مساکین این شاء أو صام ثلاثة ایام ولو متفرقة، وفي الشامية (قوله ان شاء ذبح الخ) هذا فیما یجب فیہ الدم اما ما یجب فیہ الصدقة ان شاء تصدق بها وجب علیہ من نصف صاع أو اقل علی مسکین أو صام یومًا کما فی اللباب (رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم ۵ صفر ۱۳۹۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بلا عذر چہرہ یا سر چوتھائی سے کم یا ایک دن یا ایک رات سے کم ڈھانکا تو نصف صاع صدقہ واجب ہے، اس پر اس عاجز کو دو اشکال ہیں :

① شامیہ میں ہے (قوله بلا ثوب) کذا فی الفتح والبحر والظاهر انه لو کان الوضع بالثوب ففیہ الکراهة التحریمیة فقط لان الالفت لا یبلغ ربع الوجه افاده ط (رد المحتار ص ۲۲۱ ج ۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربع سے کم ڈھانکنے پر کوئی جزاء واجب نہیں

② آپ نے ایک دن یا ایک رات سے کم میں مطلقاً نصف صاع صدقہ لکھا ہے، حالانکہ در مختار میں ہونی الخزائنہ فی الساعة نصف صاع و فی سادونہا قبضہ وظاہرہ ان الساعة فلیکة (رد المحتار ص ۲۲۶ ج ۲) اس میں تصریح ہے کہ ایک گھنٹہ سے کم ڈھانکنے کی صورت میں ایک مٹھی صدقہ واجب ہے،

ان دونوں مسائل کے بارے میں تشفی فرما کر ممنون فرمائیں،

والاجر عند اللہ الکریم

الجواب باسم ملهم الصواب

① شامیہ میں لفظ ”فقط“ سے صرف نفی دم مقصود ہے، مطلق جزاء کی نفی مقصود نہیں، اس پر مندرجہ ذیل قرائن ہیں:-

- (۱) کراہت تحریمیہ دلیل وجوب جزاء ہے،
- (۲) لان الانف لا یبلغ ربع الوجه سے تعلیل ربع الوجه موجب دم ہے، اس لئے اس کی نفی سے وجوب دم کی نفی ہوئی نہ کہ مطلق جزاء کی،
- (۳) شامیہ میں یہ عبارت بحوالہ طحاوی مذکور ہے، اور طحاوی کی اصل عبارت میں عدم لزوم دم کی تصریح ہے، ونصہ ولم یبین حکم ما اذا کان الوضع بثوب وظاہرہ کراہۃ التحریم واما لزوم الدم فلم یتحقق موجبہ لان اقل ما یوجبہ تغطية ربع الوجه والانف بخصوصہ لا یصل الربع (طحاوی علی الدر المنثور ۵۲۲)،
- (۴) خود شامیہ ص ۵، ج ۲ میں بحوالہ الباب اس کی تصریح موجود ہے کہ ربع سے کم میں صتر واجب ہے،

② در مختار کی عبارت مذکورہ کی شرح میں علامہ خامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قولہ فی الخزانة الخ) افاد فی البحر ضعفہ کما قد مناه اول الباب (رد المحتار ص ۲۲۶ ج ۲) اول الباب میں فرماتے ہیں (قولہ فی الاقل صدقة) وشمل الاقل الساعة الواحدة ای الفلکیة ومادونها خلافا لما فی خزانة الاكمل انه فی ساعة نصف صاع و فی اقل من ساعة قبضة من برہاء مجرد مشی فی الباب علی ما فی الخزانة واقره شارحه واعترض بنعائفتہ لما ذکرہ الفقہاء (رد المحتار ص ۲۲۰ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ علامہ ابن نجیم، علامہ ابن عابدین اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایک گھنٹہ سے کم کی صورت میں بھی وجوب صدقہ کاملہ کے قائل ہیں، البتہ کتب مناسک لباب، شرح اللباب اور اس کے حاشیہ ارشاد الساری وغیرہ میں خزانہ کے مطابق ایک مٹھی کے قول کو ترجیح دی ہے، غرضیکہ ترجیح میں اختلاف ہے، قول اول احوط ہے، اور ثانی اوسح، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، صفر ۱۴۰۳ھ

نقاب چہرہ سے لگ گیا:

سوال: اگر کسی عورت کے حالت احرام میں چہرہ پر برقع کا نقاب ہوا سے اڑ کر پڑے یا

سوتے میں چادر وغیرہ اس کے یا کسی مرد کے چہرہ پر پڑ جائے تو اس کی جزاء کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک گھنٹہ سے کم وقت ہو تو اس کی جزاء میں اختلاف ہے کہ نصف صاع صدقہ واجب ہے یا ایک مٹھی، بجر، شامیہ اور دوسری کتب فقہ میں قول اول کو ترجیح دی گئی ہے، اور کتب مناسک میں دوسرے کو، اول احوط ہے اور ثانی اوسع، بار بار ابتلاء کے وقت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، رمضان ۱۴۹۲ھ

ترک رمی کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دسویں ذی الحجہ کی رمی نہ کر سکے تو کیا اس کی قضاء گیارہویں یا بارہویں کو بھی کر سکتا ہے؟ اسی طرح جو شخص گیارہویں یا بارہویں کی رمی نہ کر سکے تو کیا اس کی قضاء بارہویں یا تیرہویں کو کر سکتا ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر کسی دن رمی معین وقت میں نہ کر سکے تو کیا اس کی قضاء تیرہویں تا پنج تک کسی دن کر سکتا ہے یا صرف دوسرے ہی دن کر سکتا ہے اور بعد میں صرف دم دیدے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قضاء اور دم دونوں واجب ہیں، قضاء کا وقت تیرہویں تک ہے اس کے بعد نہیں، اور دم کی تفصیل یہ ہے کہ سب ایام کی یا ایک دن کی پوری یا نصف سے زائد کنکریاں چھوڑ دیں تو دم واجب ہے، اور ایک دن کی نصف سے کم چھوڑیں تو ہر کنکری کے عوض نصف صاع صدقہ واجب ہے، اگر صدقہ کا مجموعہ دم کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس سے کچھ کم کر دے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی موجبات الدم او الرمی کله اذ فی یوم واحد او الرمی الاول او اکثرہ ای اکثر رمی یوم (الی قولہ) اذ احدی الجمار الثلاث ویجب لكل حصاة صدقة الا ان يبلغ دما فکما مر، وفي الشامية (قوله او الرمی کله) انما یجب بترک کله دم واحد لان الجنس متحد کما فی الحلق والتروک انما یتحقق بغروب الشمس من اخر ایام الرمی وهو الرابع لانه لم یعرف قرابة الا فیها وما دامت الايام باقية فالاعادة ممکنة فیرمیہا علی التالیف ثم بتأخیرہا یجب الدم عندہ خلافا لہما بحروبه علم ان التروک غیر قید لوجوب الدم بتأخیر الرمی کله او تأخیر رمی یوم الی ما یلیہ اما لو اخره الی اللیل فلا شیء علیہ کما مر تقریرہ فی بحث

الرّمی بقولہ فکسامت) ای ینقص ما شاء (در المختار ص ۲۲۵، ۲۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ رجب ۱۴۳۳ھ

شیعہ کی طرف سے حج بدل جائز نہیں:

سوال: اگر کوئی شیعہ کسی سنی کو حج بدل کے لئے بھیجے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ کافر ہیں، اس لئے کسی مسلمان کو شیعہ کی طرف سے حج بدل کرنا جائز نہیں، شیعہ کے ساتھ اس قسم کے معاملات سے عوام میں یہ زہر پھیلتا ہے کہ وہ شیعہ کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں حتیٰ کہ ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، حالانکہ شیعہ بلاشبہ کافر ہیں، شیعہ مذہب کی تفصیل میرے رسالہ ”حقیقت شیعہ“ میں ہے، یہ رسالہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵ محرم ۱۴۳۲ھ

سر کے چند بال کاٹ کر احرام کھول دیا:

سوال: میں کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہوں، گزشتہ عرصہ میں کئی عمرے کئے، میں نے اوز میرے ساتھیوں نے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی چند بال کٹوانے پر ہی اکتفا کیا، اب بتہ چلا کہ یہ درست نہیں، حضرت مطلع فرمائیں کہ میں اور دوسرے صاحبان اب کیا کریں، یہ غلطی کئی مرتبہ ہوتی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر انگلی کے پورے کی لمبائی کے برابر بال کاٹے جاسکتے ہوں تو چوتھائی سر کے بال پورے کی لمبائی کے برابر کاٹنے سے حلال ہو جائے گا، مگر پورے سر کے بال برابر کرنا واجب ہے، اور اگر پورے کی لمبائی کے برابر بال نہ کاٹے جاسکتے ہوں یعنی بال چھوٹے ہوں تو منڈنا ضروری ہے، بدون منڈائے احرام نہ گھلے گا، آپ حدود حرم میں جا کر سر کے بال کاٹ کر یا منڈا کر حلال ہوں اور جتنی بار شرعی طریق سے حلال ہوئے بغیر احرام کھولا ہے ہر بار کے لئے دم دیں، احرام کھولنے کے بعد محظورات احرام میں سے جتنے افعال بھی کئے ہوں اُن پر کوئی دم وغیرہ نہیں، لہذا
انہ حلال کذا فی کتب المذہب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴، ۵ سفر ۱۴۳۹ھ

قارن عمرہ کے بعد طوافِ قدوم کرے :

سوال : قارن مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے طوافِ قدوم کرے اور اس کے بعد عمرہ کے باقی ارکان طواف سعی اور حلق یا قصر انجام دے یا پہلے عمرہ پھر طوافِ قدوم کرے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے عمرہ کے سب افعال ادا کرے مگر حلق یا قصر نہ کرے، اس کے بعد طوافِ قدوم کرے،
قال فی التذییر وطاف للعمرۃ سبعة اشواط یومل فی الثلاثة الاول ویسعی
بلا حلق ثم یحج کما مر، وفی الشرح فیظوف للقدوم ویسعی بعدہ ان شاء ربہ المحتار (صفحہ ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ

عرفات میں زوال کے بعد پہنچنا :

سوال : عرفات میں زوال سے غروب آفتاب تک وقوف واجب ہے، اگر کوئی شخص اپنی غفلت اور سستی یا کسی عذر مثلاً ساری نہ ملنے یا راستہ بھول جانے سے غروب سے کچھ قبل عرفات میں پہنچے اور غروب کے بعد میدانِ عرفات سے نکلے تو کیا اس کا وقوف ہو جائے گا اور دم دینا تو نہ ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وقوف صحیح ہے، دم واجب نہیں، فی واجبات التذییر ومدد الوقوف بعرفۃ الی
الغروب، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ الی الغروب، لم یقل من
الزوال لان ابتداءہ من الزوال غیر واجب وانما الواجب ان یمدہ بعد
تحققہ مطلقا الی الغروب کما افادہ فی شرح الباب ۲۱۶۱ (صفحہ ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ

عرفات میں غروب کے بعد پہنچنا :

سوال : اگر نذکرہ حالات میں کوئی شخص نویں ذی الحجہ کے غروب تک بھی نہ پہنچ سکے اور غروب کے بعد دسویں کی صبح صادق سے قبل پہنچ جائے تو فرض وقوف تو ہو جائے گا، لیکن کیا اس کو نویں ذی الحجہ کی غروب تک واجب وقوف نہ کرنے کی وجہ سے دم دینا ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی قدرتی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوئی تو دم نہیں، اور اگر غفلت یا مخلوق کی طرف سے عذر کے باعث تاخیر ہوئی تو دم واجب ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (ستمۃ) یستثنیٰ من الاطلاق المار فی وجوب الجزاء ما فی اللباب لو ترک شیئاً من الواجبات بعد رلاشیء علی ما فی البدائع واطلق بعضهم وجوبہ فیہا الا فیما ورد النص بہ وہی ترک الوقوف بسزدلفة وتأخیر طواف الزيارة عن وقته وترك الصدر للحيض والنفاس وترك المشی فی الطواف والسعی، وترك السعی وترك التحلق لعلۃ فی رأسہ اھ، لکن ذکر شارحہ ما یدل علی ان المراد بالعدوما لا یكون من العباد حیث قال عند قول اللباب ولو فاتہ الوقوف بسزدلفة باحصار فعلیہ دم، هذا غیر ظاہر لان الاحصار من جملة الاعذار الا ان یقال ان هذا مانع من جانب المخلوق فلا یؤثر ویدل لہ ما فی البدائع فیمن احصر بعد الوقوف حتی مضت ایام النحر ثم خلی سبیلہ ان علیہ دمًا لترك الوقوف بسزدلفة ودمًا لترك الیمی ودمًا لتأخیر طواف الزيارة اھ ومثله فی احصار البحر وسیاتی توضیحه ہنالك ان شاء اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۲۱۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: آپ نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر غفلت یا مخلوق کی طرف سے عذر کی وجہ سے کوئی شخص غزوات میں غروب آفتاب کے بعد پہنچا تو اس پر دم واجب ہے، حالانکہ شامیہ میں اس صورت میں عدم وجوب کی تصریح ہے، اما اذ اوقف لیلاً فلا واجب فی حقه حتی لو وقف ساعة لا یلزمہ شیء کمافی شرح اللباب (رد المحتار ص ۲۱۷ ج ۲)، ذرا مفصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں، جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء،

الجواب باسم ملہم الصواب

قدرتی عذر کی وجہ سے تاخیر ہو گئی تو دم نہیں، عمدتاً یا مخلوق کی طرف سے کسی رکاوٹ کی وجہ سے تاخیر کا موجب دم ہونا اس پر موقوف ہے کہ وقوف کا دن میں ہونا واجب ہو، اس صورت میں ترک واجب کی وجہ سے دم واجب ہوگا، غنیہ میں اس کو واجبات میں شمار کیا ہے، والوقوف بعرفة

نہارا لمن لا عذر له ومدة الى الغروب (غنیۃ ص ۲۲) سوال میں شامیہ کی مذکورہ عبارت کے بعد یہ الفاظ ہیں نعم یكون تاركًا واجب الوقوف نہارا الى الغروب، اس سے بھی وجوب ثابت ہوا، وكذا يشعر به ظاهر اطلاق الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی قوله ان الجمع بين جزء من النهار وجزء من الليل واجب (طحاوی علی الدرر ص ۲۸۵)، لہذا اس کے ترک سے دم واجب ہونا چاہئے، شامیہ میں شرح اللباب سے جو عدم لزوم شئ نقل کیا ہے وہ اس دم سے متعلق ہے جو بظاہر ترک مداوقوت کی وجہ سے واجب ہونا چاہئے تھا، مقصد یہ ہے کہ مداوقوت کا وجوب چونکہ صرف وقوت نہارا کی صورت میں ہے اس لئے رات میں وقوت کی صورت میں یہ واجب ترک نہیں ہوا، لہذا یہ امر موجب دم نہیں، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے واجب یعنی وقوت نہارا کا ترک بھی موجب دم نہیں، عبارت مذکورہ کا یہ مطلب یعنی عدم وجوب دم کا متعلق سیاق عبارت سے بالکل واضح ہے، دوسری تمام کتب میں بھی عدم وجوب دم کی بنا یہی تحریر کی ہے کہ وقوت لیلاً کی صورت میں مداوقوت واجب نہیں، آگے دوسرے واجب یعنی ترک الوقوف نہارا کی وجہ سے وجوب دم کے حکم سے کوئی تعین نہیں کیا، ہدایہ کے حاشیہ بین السطور میں عدم وجوب دم کی بنا پر مذکور کی تعبیر زیادہ واضح ہے، فیجب بتو کہ (الاستدامة الى غروب الشمس) الدم بخلاف ما اذا وقف ليلاً لان استدامة الوقوف على من وقف نهراً لا ليلاً کے تحت بین السطور تحریر ہے دفع لسايتوهم من انه لساكانت الاستدامة واجبة لزم ترك الواجب فيما اذا وقف ليلاً فيجب الدم وليس كذلك (هدایہ ص ۲۷۵ ج ۱)

حاصل یہ کہ شامیہ اور غنیۃ میں وقوت نہارا کو واجب قرار دیا ہے، اس لئے اس کا ترک موجب دم ہونا چاہئے، دوسری کسی کتاب میں وقوت نہارا کا وجوب یا اس کے ترک کی وجہ سے وقوت لیلاً کی صورت میں وجوب دم کی تصریح نہیں ملی، موقیع بیان میں سکوت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں وقوت نہارا واجب نہیں، اور اس کا ترک موجب دم نہیں، اور علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بلا ذکر بناء مطلقاً عدم وجوب دم کی تصریح نقل فرمائی ہے، ونصہ وقتا ابو حنیفۃ والثوری والشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ الاعتماد علی النهار من يوم عرفة من وقت الزوال واللیل کلہ تبع فان وقف جزءاً من النهار اجزأه وان وقف جزءاً من اللیل اجزأه الا انهم یقولون ان وقف جزءاً من النهار بعد الزوال دون اللیل کان علیہ دم وان وقف جزءاً من اللیل دون النهار لم یجب علیہ دم (عمدة القاری ص ۱۰۷ ج ۵)

اس لئے شامیہ وغنیہ میں وقوف نہارا کا واجبیت میں شمار صحیح نہیں معلوم ہوتا، دوسرے فقہاء کی عبارات کے مفہوم اور علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ مسئلہ زیر بحث میں دم واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۸، صفر ۱۴۰۳ھ

نماز کے لئے مقام ابراہیم کے قرب کی حد:

سوال: طواف کے بعد دو رکعت نفل کی مقام ابراہیم کے پاس جو فضیلت ہو وہ مقام ابراہیم سے کتنی دور پڑھنے سے ادا ہو جائے گی، اس کی کوئی تحدید بھی ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی کوئی تحدید نہیں، عرف میں جس کو قرب سمجھا جاتا ہے وہ مراد ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقام ابراہیم سے ایک یا دو صفت کا فاصلہ چھوڑ کر نفل پڑھتے تھے، عرفا بھی دو صفت سے زیادہ فاصلہ بعید شمار ہوتا ہے، قال فی الشامیۃ (قوله عند المقام) عبارة اللباب خلف المقام قال والمراد به ما یصدق علیہ ذلك عادةً و عرفاً مع القرب وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انه اذا اراد ان یرکع خلف المقام جعل بینہ و بین المقام صفًا و صفین او رجلاً اور جلیں رواہ عبد الرزاق (مراد المختار ص ۱۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۰، ارجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مقام ابراہیم پر دُعا کا ثبوت:

سوال: مقام ابراہیم پر واجب الطواف ادا کرنے کے بعد دُعا کرنا کیسا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سرسری تلاش سے کوئی صریح حدیث نہیں ملی، کلیات ذیل سے ثبوت ملتا ہے:-

① پورا حرم مدغی ہے کما قال مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قوله تعالیٰ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی، اور مقام ابراہیم کے پاس حکم نماز سے ثابت ہوا کہ پورے حرم بلکہ مسجد حرام کے بھی دوسرے بقاع پر مقام کو فضیلت ہے، لہذا یہ فضیلت دُعا میں بھی ہوگی بالخصوص جبکہ نماز بھی دُعا ہی ہے،

② نماز کے بعد دُعا برفع الیدین مختلف احادیث سے ثابت ہے، جن کی تفصیل میرے رسالہ زُبْدَةُ کَلِمَاتِ فی الدُّعَاءِ بعد الصَّلَاةِ میں درج ہیں، یہ رسالہ احسن الفتاویٰ جلد سوم میں شائع

ہو چکا ہے، پس مقام کے پاس نماز بھی اس کلیہ میں داخل ہے، استثناء محتاج دلیل ہے،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰۔ ارجحہ فی الآخرہ ۱۴۰۱ھ

بدوں ارادۂ نسک دخول حرم پر وجوب احرام کا ثبوت:

سوال: بخاری و مسلم شریف کی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال
وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاهل المدینۃ ذوالحلیفۃ و لاهل الشام الجحفة
ولاہل نجد قرنا ولاہل الیمین یلمسہم، قال فمن لم یلمس من اثنی علیہم من غیر اہلہم
ممن کان یرید الحج والعمرۃ فمن کان دونہم فمن اہلہ حتی ان اہل مکۃ یمسکون
منہا کے مطابق بعض دوسرے مسلک میں بدوں حج یا عمرہ کی نیت کے احرام باندھ کر حرم محترم میں
داخل ہونا ضروری نہیں، احناف کے نزدیک ضروری ہونے کی دلیل کیا ہے؟ خصوصاً ایسے معذوروں
کے لئے بھی جو ضعف و علالت وغیرہ کی وجہ سے طواف و سعی وغیرہ سے قاصر ہوں اور سواری پر بھی
مالی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے معذور ہوں، بیذوات و جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ائمۃ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک عدم جواز ہے، البتہ امام مالک
و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت جواز بھی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عدم جواز کی روایت
مشہورہ ہے، جمہور کے دلائل درج ذیل ہیں:-

① قال اللہ تعالیٰ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ
وَمُقِصِّينَ اَيْنٍ، اس کی توضیح آئندہ قول شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تحت آرہی ہے،

② روی ابن ابی شیبۃ والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً لا یجوز
احد المیقات الا محرماً قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی اسنادہ خسیف قلت قد
ضعفہ البعض و وثقہ جماعة و اخرجہ ابن عدی من وجہین ضعیفین و اخرجہ
الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما باسناد صحیح جید
لکنہ موقوف، قلت فہذا الموقوف الصحیح یشعر بضعۃ مرفوع خسیف (فتح الملہم ص ۲۱۲)
③ اخرجہ البیہقی بلفظ لا یدخل احد مکۃ الا محرماً قال الحافظ و اسنادہ

جید (نیل الاوطار ص ۱۸۱ ج ۴، اعلیٰ السنن ص ۱۲ ج ۱۰)

③ قال الشافعي رحمه الله تعالى بعد كلام طويل لاثبات منع المجاوزة بلا احرام من دلالات كتاب الله تعالى ويحكى ان النبيين كانوا يحجون فاذا اتوا الحرم مشوا اعظاماً له ومشوا احفاة، ولم يحك لنا عن أحد من النبيين ولا الامم الخالية انه جاء أحد البيت قط الاحراماً ولم يدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة علمناه الاحرام الا في حرب الفتح فبهذا قلنا ان سنة الله تعالى في عبادة ان لا يدخل الحرم الاحراماً وبيان من سمعناه من علمائنا قالوا فمن نذر ان يأتي البيت يأتيه محرماً بحج أو عمرة (قال) ولا احسبهم قالوا الا يسا وصفت وان الله تعالى ذكر وجه دخول الحرم فقال نند صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقي رؤسكم ومقصرين (قال) فدل على وجه دخوله للنسك وفي الامن وعلى رخصة الله في الحرب وعفوه فيه عن النسك الخ (الام ص ۲۷۱-۲۷۲)

جواب مستدل المجوزين

① كلام الله وكلام الرسول صلى الله عليه وسلم من مفهوم مخالف معتبر نہیں، بالخصوص جبکہ یہ مفهوم خلاف منطوق ہے، عند المعارضة بالاتفاق منطوق کو ترجیح ہے،

② ارادة نسك سے ارادة حرم مراد ہے، ثبوت التلازم بیہمما بالادلة التي حررنا وانہ صلى الله عليه وسلم عبر به للتبديہ علی ان من شأن المسلم الذي يريد الحرم ان يريد النسك،

③ فقط ارادہ سے تحمیر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہاں ارادہ واجبہ کا حکم مذکور ہے، کما فی قوله تعالى وَمَنْ ارَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا، وقوله تعالى وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خَلْفَةً لِّمَنْ ارَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ ارَادَ شُكُورًا، و قوله صلى الله عليه وسلم من اراد الحج فليعجل وقوله صلى الله عليه وسلم من اراد الجمعة فليغتسل، ونظائرہ کثیرہ،

اتمام کلام کے لئے مجوزین کے دوسرے دلائل پر بحث بھی تحریر کی جاتی ہے،

① روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند مسلم والنسائي ان النبي صلى الله عليه وسلم

دخل يوم فتح مكة وعليه عبامة سوداء بغير احرام وانس رضي الله تعالى عنه عند احمد البخاري ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل مكة عام الفتح وعلى رأسه المغفر وفيه دلالة على جواز دخول مكة للحرب بغير احرام،

والجواب عنه ان القتال في مكة خاص بالنبي صلى الله عليه وسلم لما ثبت في الصحيح ان النبي صلى الله عليه وسلم قال فان ترحص احد لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا ان الله اذن لرسوله صلى الله عليه وسلم ولم ياذن لكم فدل على عدم جواز قياس غيره عليه، لا يقال ان غاية ما في هذا الحديث اختصاص القتال به صلى الله عليه وسلم وما جاز المجاوزة فلا لان جواز القتال يستدعي جواز المجاوزة بلا احرام للمنافاة الظاهرة بين القتال والاحرام لقوله تعالى فَمَنْ قَرَضَ فِيْهِمْ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقًا وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وايضا فان المحرم ممنوع عن لبس المخيط من القميص والدرع ونحوهما ما موربكشف الرأس والوجه كما سيأتي والمقاتل محتاج الى لبس الدرع وتغطية الرأس ونحوها كما لا يخفى فلما جاز الله القتال بمكة لرسوله صلى الله عليه وسلم واصحابه ساعة من النهار جاز لهم مجاوزة الميقات بغير احرام ايضا فاندحض بذلك ما قاله الشوكاني وغيره في هذا المقام والعلم عند الله الملك العلام، وقال محمد رحمه الله تعالى في الموطان النبي صلى الله عليه وسلم دخل مكة حين فتحها غير محرم ولذلك دخل وعلى رأسه المغفر وقد بلغت به حين احرم من حنين قال هذه العسرة لدخولنا مكة بغير احرام يعني يوم الفتح فكذلك الامر عندنا من دخل مكة بغير احرام فلا بد له من ان يخرج فيهل بعسرة اربع حجة لدخوله مكة بغير احرام وهو قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى والامة من فقهاء ائمتنا (ص ۲۳۶) قلت وبلاغات المجتهد حجة لاسيما عند اصحابه واتباعه فهذه اخاتمة الكلام قاطعة لعرق النزاع والسلام،

② قال الشوكاني وقد كان المسلمون في عصره صلى الله عليه وسلم يختلفون الى مكة لحوائجهم ولم ينقل انه امر احد منهم باحرام كقصة الحجاج بن علاط رضي الله تعالى عنه وكذلك قصة ابي قتادة

رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکما عقر حمار الوحش داخل الميقات وهو حلال فجاوز الميقات لا ينيب
الحج ولا العمرة فقرر صلى الله عليه وسلم أمر (ص ۱۸۱ ج ۲)

قلت ان أراد اختلاف من هو داخل الميقات الى مكة لحواشهم فلا يرد
علينا الجواز دخولهم مكة بلا احرام عندنا وان اراد اختلاف من هو خارج الميقات
فغير مسلم فان المواقيت بعيدة عن مكة بسراحل ولا تتعلق الحوائج الانسانية
ولا المدنية الا بصبر قريب وتعلقها بالمصالح البعيدة نادر واما قصة الحجاج
ابن علاط رضي الله تعالى عنه واتيانه مكة بعد فتح خيبر لجمع أمواله ففيها
ما يدل على انه لم يدخل مكة مظهرا اسلامه بامان من اهلها بل وانما دخل
اليهم على انه منهم كاتسا اسلامه وقد استأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان يقول فيه وفي اصحابه فاذن له ان يقول فلم يكن الحجاج قادرا على احرام
النسك على طريقة الاسلام ولو احرم من الميقات لفعل في عمرته ما يفعله المشركون
ولم يفت بما كانوا يهتفون به من كلمات الشرك والكفر ولا يخفى ان التكلم
بالكفر اشد من مجاوزة الميقات بلا احرام فلما ابتلى بليتين اختاراهون هما
والقصة ذكرها ابن هشام في السيرة (ص ۱۹۱ ج ۲) ومحمد رحمه الله تعالى
في السير الكبير والسخسي في شرحه (ص ۳۸۲ ج ۲) ويحتمل ان تكون قصة
الحجاج قبل توقيت المواقيت فقد عرفت اختلاف اهل السير في وقت فرض الحج
قال بعضهم فرض سنة تسع وقيل ست ومن قال فرض سنة ست لم يقم
دليلا على انه كان قبل فتح خيبر او بعده واما قصة ابي قتادة فقد ثبت انه لم
يخرج مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قاصداً ابكة بل كان النبي صلى الله
عليه وسلم قد بعثه على الصدقة وخرج عليه السلام واصحابه وهو محرمون
حتى نزلوا عسفان وجاء ابو قتادة رضي الله تعالى عنه وهو حل الحديث اخرج
الطحاوي في شرح معاني الآثار بسند لا بأس به (الجوهري تقي ص ۳۵۲ ج ۱)
فمن ادعى خروج ابي قتادة رضي الله تعالى عنه من المدينة مريداً دخول مكة
فليأت ببرهان فان الظاهر خروجه الى موضع الصدقة ثم التحق بالنبي
صلى الله عليه وسلم لما سمع بخروجه فكان له مجاوزة الميقات بغير احرام

لعدم ارادته دخول مكة قبل لحرقه بالنبي صلى الله عليه وسلم والله تعالى أعلم
وقد نص ابن القيم على أن قصة أبي قتادة رضي الله تعالى عنه كانت سنة ست
عالم الحديبية وهم الطبري حيث ذكرها في حجة الوداع رزاد المعاد ص ۲۰۴
ولم يكن اذ ذاك توقيت المواقيت ولا فرض الحج بل كان كل ذلك بعد وقال
الأثرم كنت اسمع اصحاب الحديث يتعجبون من هذا الحديث ويقولون
كيف جازل أبي قتادة رضي الله تعالى عنه مجاوزة الميقات بلا احرام ولا يدرون
ما وجهه حتى رأيت مفسر في حديث عياض عن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه
قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحرمنا فلما كان مكان كذا وكذا
اذ نحن بابي قتادة رضي الله تعالى عنه كان النبي صلى الله عليه وسلم بعثه
في شيء قد سباه فذكر حديث الحصار الوحشي كذا في التلخيص الجبير ص ۲۲۵
اي لم يكن خروجه لدخول مكة بل لا مراحروا نسا قصد مكة بعد ما لقي النبي
صلى الله عليه وسلم بعسفان وفي قول الأثرم دلالة على أن مجاوزة الميقات
بلا احرام لا تجوز عند اهل الحديث ايضا فانهم (اعلاء السنن ص ۱۳۱) فقط والله تعالى أعلم
۱۰ جمادى الآخرة ۱۲۰۱ هـ

طواف کی دعائیں:

سوال: عرصہ سے مجھے اس کی بھی تلاش ہے کہ جو اذکار و دعائیں سنت سے ثابت ہیں
وہ معلوم ہوں جو اس طرح پر مجھے نہیں مل سکیں، کتابوں میں اس طرح منقول نظر آتا ہے کہ
طواف اس طرح شروع کر لے اور یہ پڑھے، فلاں رکن پر یہ دعا وغیرہ، مگر اس طرح بہت
کم اذکار و دعائوں کے متعلق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نیت فرمائی، اس کے بعد
اس طرح گھومے اور یہ پڑھا وغیرہ وغیرہ آپ کے علم عمیق و وسیع اور فکر بلیغ سے امید قوی
رکھتا ہوں کہ ایسا مواد ضرور فراہم فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں یہ روایات ملتی ہیں:

① عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه كان اذا استلم الحجر قال بسم الله
والله اكبر، وسند صحيح،

(۲) وروی العقيلي ايضاً من حديثه كان اذا اراد ان يستلم الحجر يقول اللهم ايسانا بك وتصدق بكتابك واتباعا لسنة نبيك ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يستلم ورواه الواقدي في المغازي مرفوعاً (نيل الاوطار ص ۵۴ ج ۵)

(۳) عن عبد الله بن السائب رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما بين الركنتين رتبنا آتنا في الدنيا ثم رواه ابو داود (مرواة ص ۳۲ ج ۵)

(۴) عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال وكل به سبعون ملكا يعني الركن اليماني فمن قال اللهم اني اسألك العفو والعافية في الدنيا والاخرة رتبنا آتنا الخ قالوا آمين، رواه ابن ماجه،

(۵) وعنه رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من طاف بالبيت، سبعاً ولا يتكلم الا بسبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر والاول والاقوة الا بالله معيت عنه عشر سيئات وكتبت له عشر حسنة ورفح له عشر درجات الحديث رواه ابن ماجه،

(۶) واخرج الحاكم انه عليه الصلوة والسلام قال ما انتهيت الى الركن اليماني قط الا وجدت جبريل عنده قال قل يا محمد قلت وما قول قال اللهم اني اعوذ بك من الكفر والفاقة ومواقف الخزي في الدنيا والاخرة، ثم قال جبريل ان بينهما سبعين الف ملك فاذا قال العبد هذا قالوا آمين،

(۷) روى الحاكم بسند صحيح انه عليه الصلوة والسلام كان يقول بين اليمانيين اللهم ربنا آتنا في الدنيا (الى) عذاب النار ثم قال اللهم قنعني بما رزقتني وبارك لي فيه واخلف على كل غائبة لي تليخيراً،

(۸) واخرج الانزوقي عن علي رضي الله تعالى عنه انه كان اذا مر بالركن اليماني قال بسم الله والله اكبر السلام على رسول الله ورحمة الله وبركاته اللهم اني اعوذ بك من الكفر والفقر ومواقف الخزي في الدنيا والاخرة رتبنا آتنا الخ وجاء ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسل لابن المسيب لكن باسناد ضعيف (مرواة ص ۳۲۱ و ۳۲۲ ج ۵)

ان ادعيه ميں سے اکثر کی سند ضعیف ہے، لہذا ان کو مستند سمجھنا جائز نہیں،

اشواط طواف کی مردجہ دعاؤں کا کوئی ثبوت نہیں، ان دعاؤں میں بہت غلو ہونے لگا ہے، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

① ان دعاؤں کے عام اہتمام اور دینی اداروں کی طرف سے ان کی روز افزوں اشاعت کے باعث عوام ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، ایسی حالت میں امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ جس کا ثبوت ہی نہ ہو،

② اکثر لوگوں کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں، طواف میں کتاب دیکھ کر پڑھتے ہیں، اور ازدحام میں کتاب پڑھتے ہوئے چلنے سے خشوع نہیں رہ سکتا،

③ ازدحام میں کتاب پر نظر رکھنا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی باعث ایذا رہی، بالخصوص دعاؤں کی خاطر جھقوں کی صورت میں چلنا سخت تکلیف دہ ہے جو حرام ہے، غیر ثابت امر کی خاطر ارتکاب حرام کیا جاتا ہے،

④ جھقوں کی صورت میں چلا چلا کر دعائیں پڑھنے سے دوسروں کے خشوع میں خلل پڑتا ہے، خدا کرے کہ علماء دین کو مفاسد مذکورہ کی طرف التفات ہو اور وہ غیر ثابت دعاؤں کی اشاعت کی بجائے اُن سے اجتناب کی تبلیغ میں مصروف ہو کر اپنا فرض ادا کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۱ جمادی الآخرہ ۱۴۰۱ھ

مریض رجب طواف کیسے کرے؟ :

سوال: ایک شخص حج کو جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ ریاحی مرض میں مبتلا ہے، تھوڑی تھوڑی دیر میں وضو ٹوٹ جاتا ہے، بعض اوقات تو ایک دو منٹ بھی وضو نہیں رہتا وہ طواف کس طرح کرے؟ بینوا و جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ معذور شرعی کی حد میں داخل ہے تو بلا وضو طواف کر سکتا ہے، حکم معذور میں دخول معلوم کرنے کا طریقہ احسن الفتاویٰ ص ۴۴ میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ رجب ۱۴۰۱ھ

حالت طواف میں بیت اللہ کو دیکھنا:

سوال: طواف کرتے وقت سینہ یا پیٹھ بیت اللہ کی طرف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر اسی حالت میں کچھ فاصلہ طے کیا تو اتنے حصہ کے طواف کا اعادہ واجب ہے۔ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟

اور بیت اللہ کو دیکھنا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ تحریمی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح ہے، طواف میں موضع سجود پر نظر رکھنا مستحب ہے، بیت اللہ کی طرف یا کسی دوسری طرف نظر کرنا خلاف استحباب ہے، دینبغی ان لا یجاوز بصرہ محل مشیہ کا لمصلیٰ لا یجاوز بصرہ محل سجودہ لانہ الادب الذی یحصل بہ اجتماع القلب (غنیۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

استقبالِ بیتِ بوقتِ استلامِ رکنِ یمانی:

سوال: رکنِ یمانی کا استلام یہ ہے کہ چہرہ منہ اور سینہ بیت اللہ کے سامنے کئے بغیر صرف دونوں ہاتھ لگائیں، یا صرف داہنا ہاتھ لگائیں، کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟ استلام کے وقت کچھ نہ کچھ توبیت اللہ کی طرف ہوجائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

استلامِ رکنِ یمانی کے وقت استقبالِ بیت کرے، (تنبیہ) لیس شی من الطواف یجوز عندنا مع استقبال البیت فاذا استقبلہ عند استلام احد الرکتین ینبغی ان یقر قدمیہ فی موضعہا حالۃ الاستقبال الخ (غنیۃ ص ۶۰) واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

ترکِ طوافِ زیارت:

سوال: آپ سے دریافت کیا تھا کہ جس شخص نے طوافِ زیارت عذر کی وجہ سے ترک کر دیا تو پھر کیا تدارک ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ طوافِ زیارت کرے، اب سوال یہ ہے کہ طوافِ زیارت حج کے موسم میں کرے یا جب چاہے جا کر طوافِ زیارت کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جب چاہے طوافِ زیارت کر سکتا ہے، نیا احرام باندھے بغیر ویسے ہی جا کر طواف کھے اور تاخیر کی وجہ سے دم دے۔

طوافِ زیارت سے قبل دوسرے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں: بیوی سے صحبت کرنا بھی حرام ہے، اگر بیوی سے صحبت کر لی تو دم تاخیر کے علاوہ بدنہ یعنی پوری گائے

۶، محرم ۱۴۰۳ھ

یا پورا اونٹ بھی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

وقوف مزدلفہ کے بعد بقیہ افعال چھوڑ دیتے :

سوال: کوئی شخص احرام باندھ کر چلا، وقوف عرنہ بھی کیا اور مزدلفہ پہنچ گیا، یہاں پر وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا، بہت تلاش کرنے کے باوجود نہیں مل سکا، پریشان ہو کر آخر وہ دن تایخ کو منی پہنچا، یہاں بھی اپنے ساتھیوں سے نہ مل سکا، اور دسویں تایخ کے جو احکام ہیں ان کے کئے بغیر واپس جدہ احرام کی حالت میں آگیا، اس کے ساتھی بارہویں کی شام جدہ پہنچے، تو پھر اس کو کہا کہ کسی وقت بھی جا کر طواف زیارت اور سعی کرو۔ اسکا کیا حکم ہے؟ بیسوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ترک رمی کی وجہ سے ایک دم، ایام نحر میں حلق نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا دم، طواف زیارت میں تاخیر کی وجہ سے تیسرا دم، مجموعہ تین دم دے، اگر حج تمتع یا قرآن تھا تو دم شکر بھی دے، اور اس میں تاخیر کی وجہ سے بھی ایک دم دے، اور دم شکر سے پہلے حلق کیا تو اس کی وجہ سے بھی ایک دم واجب ہے، اور اگر حلق حرم سے باہر کیا تو اس کی وجہ سے بھی ایک دم واجب ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲، محرم ۱۴۰۳ھ

حرم میں پالتو کبوتر بھی حرام ہے: من مکة المكرمة زادها الله تعالى تشريفًا وتكريماً،

سوال: ما قولکم دام فضلكم اندرین مسئلہ کہ یہاں حدود مکہ مکرمہ کے اندر چند قسم کے کبوتر پالتے جاتے ہیں، ایک تو وحشی شکاری جو زنگ و نسل میں عام ہندوپاک کے وحشی کبوتر کے مثل ہیں، اس قسم کے علاوہ شامی اور مصری اور دیسی کبوتر عام طور پر حدود حرم کے اندر لوگ پالتے ہیں، بعض علماء حدود حرم کے اندر مطلق کبوتر بلا امتیاز حرام کہہ رہے ہیں، اور بعض علماء اہل کبوتر یعنی گھر کے پلے ہوئے کبوتروں کو حلال بتا رہے ہیں، لہذا حضرت والا از روئے تحقیق شرعی حکم تحریر فرمائیں کہ کیا ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں گے، واللہ عندہ اجر عظیم،

الجواب باسم ملہم الصواب

حرم میں پالتو کبوتر بھی حرام ہے، اور اس کو ذبح کرنے سے جزاء واجب ہے، قال فی التنویر فان قتل محرم صید اولیٰ علیہ قاتلہ بدۃ و یجوز اسہوا و عمد افعلیہ جزاؤہ و لو سباعا غیر صائل او حما ماسر ولا، وفي الشرح بفتح الواو ما فی رجلیہ ریش کالسراویل وفي العاشیة

بہ لخلان مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ فانہ یقول لاجزاء فیہ لانہ الوف لا یطیر بعب حیہ کالبط
 رۃ المختار ص ۱۲۱ وقال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ والحنما المسرل صید فیہ الجزاء عند
 عامۃ العلماء وعند مالک رحمہ اللہ تعالیٰ لیس بصید وجہ قولہ ان الصید اسم للمتوحش
 والحنما المسرل مستأنس فلا ینکون صیداً کالد جاجہ والبط الذی ینکون فی المنازل ولنا ان جنس
 الحنما متوحش فی اصل الخلقة وانما یستأنس لبعض منہ بالتولد والتأنیس مع بقائه صیداً
 کالظبیۃ المستأنسة والنعامة المستأنسة والطوطی ونحو ذلک حتی یجب فیہ
 الجزاء (بدائع ص ۱۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مزید تحقیق تہم میں ہے) ۲۴ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ
 زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

سوال: غیر مقلدین زیارت روضۃ معطرہ کی نیت سے سفر کر کے مدینہ منورہ میں حاضری کونا جائز بلکہ
 شرک کہتے ہیں، اور حدیث لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و
 مسجدی، سے استدلال کرتے ہیں، جمہور اہل سنت اس حدیث کا کیا مطلب بیان فرماتے ہیں؟ اور بنیت زیارت
 روضۃ معطرہ شد رحال کے حوازی پر کیا دلائل ہیں؟ بینوا بالتفصیل اجرکم اللہ العزیز،

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد الخ میں قصیر تحقیقی نہیں، بلکہ باعتبار مساجد کے
 قصر اضافی ہے، یعنی ان تین مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف شد رحال جائز نہیں، مطلقاً شد رحال سے نہی
 مقصود نہیں، حدیث میں قصر اضافی ہونے پر مندرجہ ذیل قرائن ہیں:

① قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ روی احمد من طریق شہر بن حوشب قال سمعت ابا سعید
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ذکر ت عند الصلوۃ فی الطور فقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعنی
 للمصلیٰ ان یشد رحالہ الی مسجد تبتنی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ مسجدی
 وشہر حسن الحدیث (فتح الباری ص ۵۳ ج ۲) اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ نماز کے لئے کسی مسجد
 کی طرف شد رحال سے نہی ہے، زیارت وغیرہ کے لئے شد رحال اس میں داخل نہیں،

② اس پر اجماع ہے کہ حاجی کے لئے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کی طرف شد رحال فرض ہے، اسی طرح
 جہاد اور دار الکفر سے ہجرت کے لئے فرض ہے، اور طلب علم کے لئے مستحب بلکہ بعض صورتوں میں فرض ہے
 اور تجارت وغیرہ مقاصد دنیا کے لئے جائز ہے،

غیر مقلدین روایت عبد الرزاق لا یتخذن واقبوی عیداً سے بھی استدلال کرتے ہیں اس کے

جواب میں جمہور نے اس حدیث کے درمطلب بیان فرمائے ہیں:

- ① عید کی طرح زیارت کے لئے کوئی خاص تاریخ یا دن متعین نہ کیا جائے،
- ② قبر مبارک پر عید کی طرح زیب و زینت کے ساتھ ہر وقت کے لئے اجتماع نہ کیا جائے، بلکہ زیارت، دعا اور سلام کے لئے حاضری دی جائے،

زیارت کے لئے استحباب شد رحال کے دلائل:

① عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری وجبت له شفاعتی اخرجہ الدارقطنی والبیہقی (وفاء الوفاء ص ۳۹۲ ج ۲)

والحدیث حسن صحیح وقد صححه ابن السکن وعبد الحق وتقی الدین السبکی
رنیل الاوطار ص ۳۲۵ وقال الذہبی طرق ہذا الحدیث کلہا یئسہ یقوی بعضها بعضا لان ما
فی رواہا متہم بالكذب، قال ومن اخرجہا اسنادا حدیث حاطب من رانی بعد موتی فکانما
رانی فی حیاتی اخرجہ ابن عساکر وغیرہ (وفاء الوفاء ص ۳۹۶ ج ۲)

وفی الحدیث اکبر دلالة علی فضیلة زیارة قبر النبی الکریم علیہ وعلى آلہ واصحابہ فضل
الصلوة واكمل تسلیم وای فضیلة اعلی واسنی من وجوب شفاعتہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن زارہ،
قال العلامة الشوکانی فی النیل وقد اختلف فیہ اقوال اهل العلم فذهب الجمہور الی انہما مندوبان
وذهب بعض المالکیة وبعض الظاہریة الی انہا واجبة وقالت الحنفیة انہا قریبۃ من الواجب
وذهب ابن تیمیة الحنبلی حفید المصنف المعروف بشیخ الاسلام الی انہا غیر مشرعة تبعہ
علی ذلك بعض العنابلة وروی ذلك عن مالک والجوینی والقاضی عیاض کما سیأتی، احتج
القائلون بانہما مندوبان بقولہ تعالیٰ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ الْآيَةُ، ووجه الاستدلال بہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ
بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء اخیاء فی قبورہم وقد صححه البیہقی والفقہ فی ذلك جزءا
قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ
علیہ وسلم حتی بعد وفاتہ انتہی روقد صحیح عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ
قال لمن انکر علیہ وضع وجہہ علی القبر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ازل اللین
او الحجو کما سیأتی فثبت ان حکم الآیة باق بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فینبغی
لمن ظلم نفسه ان یزور قبرہ ویستغفر اللہ عنده فیستغفر لہ الرسول واستدلو

ایضاً بالاحادیث الواردة في ذلك منها الاحاديث الواردة في مشروعية زيارة القبور على العموم
والنبي صلى الله عليه وسلم داخل في ذلك دخولا وليا وقبرا سيد القبور ومنها احاديث
خاصة بزيارة قبره الشريف قد كرها الى ان قال وقد رويت زيارته صلى الله عليه وسلم عن
جساعة من الصحابة منهم بلال عند ابن عساكر بسند جيد وابن عمر عند مالك في الموطا
وابو ايوب عند احمد ان انس ذكره عياض في الشفاء وعمر بن الخطاب في الزوار على عند الدارقطني وغير هؤلاء ولكنه لم ينقل عن احد
منهم انه شد الرحل لذلك الا عن بلال واستدل القائلون بالوجوب بحديث من حج ولم يزرني فقد جفاني
قالوا الجفاء للنبي صلى الله عليه وسلم محرر فتجب الزيارة واجاب عن ذلك الجمهور بان الجفاء يقال على
ترك المندوب كما في ترك البر والصلة وعلى غلط الطبع كما في حديث من بد افقد جفا
رثم قال بعد ذكر دلائل المانعين واجوبتها كما قد تمام واحتج ايضا من قال بمشروعيته
بانه لم يزل دأب المسلمين القاصدين للحج في جميع الازمان على تبائن الديار واختلاف
المدن اهب الوصول الى المدينة المشرفة لقصد زيارته صلى الله عليه وسلم لم يعد من ذلك
من افضل الاعمال ولم ينقل ان احدا انكر عليهم ذلك فكان اجماعا لهم ملخصا (ص ۳۲۳)
قلت قوله صلى الله عليه وسلم من زار قبري عام لكل زائر سواء كان من اهل المدينة او من
غيرهم ولا دليل على كونه خاصا لمن كان قريبا من المدينة او من اهلها كما لا يخفى فثبت
جواز شد الرحال لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم راعا العلماء السنن ص ۳۳۰ و ۳۳۱ ج ۱۰
(۲) عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما مرفوعا قال صلى الله عليه وسلم من جاءني
زائر الائمة الا نريارتي كان حقا علي ان اكون له شفيعا رواه الطبراني وصححه
ابن السكن وشرح الاحياء للعراقي ص ۴۱۶ ج ۲

قلت وقوله صلى الله عليه وسلم من جاءني زائر الائمة الا نريارتي يعصم
كل من جاءه من بلاد شاسعة وامكنة قاصية اوردانية كما لا يخفى فدل على استحباب
شد الرحال لزيارته صلى الله عليه وسلم وكن اقول في الحديث الاتي من زار قبري
ومن زارني بعد موتي ونحوه وهو ظاهر راعا العلماء السنن ص ۳۳۱ ج ۱۰

(۳) عن حاطب رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني
بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن مات باحد الحرمين بعث من الامنين يوم القيامة
رواه الدارقطني وغيره وجود الذهبى اسناداه (وفاء الوفاء ص ۲۹۶ و ۲۹۹ ج ۲)

④ عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني، رواه ابن عدي في الكامل وقال لاء لم رواه عن مالك غير النعمان ابن شبل ولم ارفي احاديثه حديثا غريبا قد جاوز الحد فاذا ذكره وروى في صدر ترجمته عن عمران ابن موسى انه وثقه وعن موسى بن هارون انه متهم قال السبكي هذه التهمة غير مفسدة فالحكم بالتوثيق مقدم عليها (وفاء الوفاء ص ۳۹۸ ج ۲)

وقوله صلى الله عليه وسلم من حج البيت فلم يزرني فقد جفاني صريح في جواز شد الرحال بل استحبابه لاجل زيارة قبره صلى الله عليه وسلم فان الحاج لا يصل الى المدينة النبوية الا بشد الرحال كما لا يخفى وفيه ايضا اشعار بتقدیم الحج على الزيارة والله تعالى اعلم، (اعلاء السنن ص ۳۳۲ ج ۱۰)

⑤ عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعا من حج الى مكة ثم قصدني في مسجدى كتبت له حجتان مبرورتان، رواه الديلمي في مسند الفردوس، (وفاء الوفاء ص ۴۰۱ ج ۲)

⑥ عن عمر رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من زار قبري او قال من زارني كنت له شفيعا ارشيدا ومن مات في احد الحرمين بعثه الله عز وجل في الامنين يوم القيامة، رواه ابوداؤد والطائسي وابوجعفر العجلي ولفظه من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة (وفاء الوفاء ص ۳۹۹ ج ۲) وفي الباب عن عبد الله بن مسعود وابي هريرة والنس بن مالك وابن عباس وعلى بن ابى طالب غيرهم رضي الله تعالى عنهم (وفاء الوفاء ص ۴۰۲ ج ۲)

⑦ عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبري بعد وفاتي كان كمن زارني حياتي، رواه الدارقطني والطبراني في الكبير والاوسط وغيرها.

وعنه رضي الله تعالى عنهما من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي وصحيفي، رواه ابن الجوزي في مشير العزم الساكن الى اشرف الاماكن وابن عدي في كامله (وفاء الوفاء ص ۳۹۷ ج ۲)

⑧ عن بكر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال

من اتي المدينة زاعراً الى وجبت له شفاعتي يوم القيامة ومن مات في أحد الحرمين لعبث
أمناء رواه يحيى بن الحسن بن جعفر الحسيني في أخبار المدينة ولم يتكلم عليه السبكي
روفاء الوفاء ص ۳۰۳ ج ۲

فالحديث حسن جيد الإسناد ورسم الله طائفة قد اغمضت عيونها عن كل
ذلك وانكرت مشروعية زيارة قبر هذا النبي الكريم وحرمت عن مثل هذا الفضل
العظيم وزعمت ان لا ينوي الزائر المسجد النبي صلى الله عليه وسلم فقط ولم تدرك
ان فضيلة المسجد انما هي لإجل النبي صلى الله عليه وسلم فجوازنية المسجد يستدعي
جوازنية زيارته صلى الله عليه وسلم بالاولى فانه يهد بهم ويصلح بالهم ويرزقنا
وجميع المسلمين والمسلمات فضيلة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم بزيارة
قبره ويجمع بيننا وبينه كما اصابه ولم نره (أعلام السنن ص ۳۳۲ ج ۱۰)

قال العلامة القسطلاني رحمه الله تعالى ومن اعتقد غير هذا فقد انخل من
ريقة الاسلام وخالف الله ورسوله صلى الله عليه وسلم وجماعة العلماء
الأعلام وقد اطلق بعض المالكية انها واجبة وقال القاضي عياض انها سنة من
سنن المسلمين مجتمعة عليها وفضيلة مرغوبة فيها مواهب ص ۳۸۳ ج ۲ وان أردت
زيادة التفصيل والبخت عن أسانيد الأحاديث المذكورة في الباب فراجع
أعلام السنن، فقط والله تعالى اعلم
۲۵ ربيع الآخر ۱۴۰۳ هـ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْعَنْدِ فَإِنْ نَظَرُوا أَحَدًا وَهِيَ مِنْ طَرِيقِكُمْ بَخَارَى

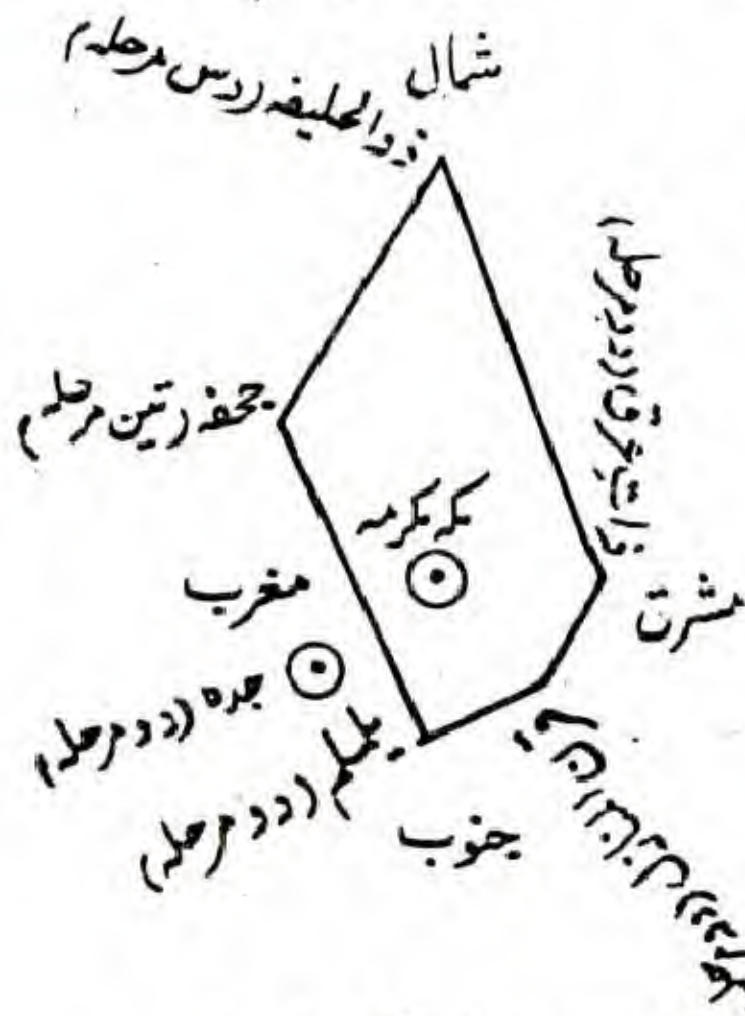
تحریر الثقات لمحاذاة الميقات

- جہہ تک بلا احرام تجاوز کے عدم جواز کی مفصل بحث،
- محاذاتہ میقات کی تحقیق،
- بحری سفر میں یلمام کی محاذات کہاں ہوتی ہے؟



پاکستان اور ہندوستان کی میقات کی تحقیق

سوال: مولانا شیر محمد صاحب گھوٹکی سندھ مہاجر مدینہ منورہ نے اپنی کتاب ”قوة العینین فی زیارة الحرمین“ کے مکملہ میں اپنی تحقیق تحریر فرمائی ہے کہ ہندوستان کے حجاج کی میقات یلم نہیں بلکہ جدہ ہے، اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ بحری جہاز یلم کی محازات سے جل میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ جل سے باہر ہی آفاق میں گھومتا ہوا جدہ پہنچتا ہے جو کہ جل سے خارج ہے، اس لئے کہ جل اس شکل مخمس کا نام ہے جو پانچ مواقیت کے نقاط کو خطوط مستقیمہ کے ملانے سے حاصل ہوتی ہے اور جدہ خط واصل بین البحرینہ و یلم سے خارج ہے، جس کا نقشہ یہ ہے:-



تکملہ قرة العینین میں محررہ دلائل میں سے عبارات ذیل میں یہ امر مصرح ہے کہ جل مخمس ہے، جو خطوط واصل بین نقاط المواقیات سے محاط ہے، ثم الحل الصغیر یبتدئ من اطراف من الحرم کل جهة ینتھی الی المواقیات کا نام مختصة الشكل، ان حرم الحرم ای المواقیات مثل الحرم محیط بمافی جوفہ مثل الخطوط الممتدة بین النقاط فکما ان النقاط مواقیات فکذلک الخطوط بینہا الخ (رسالہ حج، مصنفہ ملا اخون جان) کیا یہ تحقیق صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ امر ظاہر اور معقول ہے کہ جب کسی خطہ ارض کی حدود بیان کی جاتی ہیں تو ان حدود کے درمیان خطوط مستقیمہ کی محاط سطح ہی مراد ہوتی ہے، مگر بندہ کو مدت سے اس تحقیق پر چند اشکالات ہیں:-

① اصطلاح میں محازات میقات کے معنی یہ ہیں کہ مستقبل مکہ مکرمہ کے دروں کنڈوں پر سے گزرنے والا خط میقات پر پہنچے،

② احکام شریعت کا مدار عرف پر ہے، جغرافیائی تدقیقات پر نہیں، پس اگر کوئی شخص

جحفہ کے قریب مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا ہو تو اسے عرف میں جحفہ کی محاذات سے تجاوز سمجھا جائیگا، حالانکہ خط واصل بین الجحفۃ و یلم بہت آگے چل کر آئے گا، اور خط واصل بین الجحفۃ و ذی الحلیفۃ اس محاذات سے بہت قبل آجاتا ہے، وقس علی ذلک المواقیت الآخر.

③ کتب مناسک میں تحریر ہے کہ اگر دو میقاتوں کی محاذات سے گزر ہو تو دوسری میقات کی محاذات سے تجاوز بلا احرام جائز نہیں، اگر خط واصل بین المیقاتین کو حد قرار دیا جائے تو دونوں میقاتوں کی محاذات ہی ایک خط ہوگا، دو میقاتوں کی علیحدہ علیحدہ محاذات متصور نہیں ہو سکتی، قال فی الدر المنقح و لو مر بمیقاتین فأحرأمة من الأبعد أفضل فلو آخره إلى الثاني . سیء علیہ و لو لم یمر بواحد منها تحری وأحرأمة إذا حاذی أحدھا وأبعدھا أفضل فان لم یکن بحيث یحاذی فعلى مرحلتین (الدر المنقح علی المنقح ص ۲۶۶) وفی الہندیۃ وإن سلك بین المیقاتین فی البحر والبر اجتهد وأحرأمة إذا حاذی میتاتاً منھما وأبعدھما اولی بالاحرام منه کذا فی التبیین (عالمگیریۃ ص ۲۲۱) وفی العلائیۃ و لو لم یمر بہا تحری وأحرأمة إذا حاذی أحدھا وأبعدھا أفضل فان لم یکن بحيث یحاذی فعلى مرحلتین (رد المحتار ص ۲۶۷)

④ قال فی البحر ولعل مرادھم بالمحاذاة المحاذاة القریبۃ من المیقات والآخراً المواقیت باعتبار المحاذاة قرن المنازل (البحر الرائق ص ۳۴۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ محاذات میقات سے مراد خط واصل بین المیقاتین نہیں بلکہ مکہ سے بعد بقدر بعد میقات مراد ہے، یعنی مکہ مکرمہ کو مرکز فرض کر کے میقات کے بعد پر دائرہ کھینچا جائے، تو اس دائرہ کا محل وقوع محاذات میقات کہلائے گا،

⑤ قال فی ارشاد الساری الی مناسک الملا علی الفاری تحت قوله (وان لم یعلم المحاذاة) فانه لا یتصور عدم المحاذاة (فعلى مرحلتین من مکة) کجدة المجرورة من طرف البحر، قوله کجدة فانھا علی مرحلتین عرفیتین من مکة وثلاث مراحل شرعیۃ ووجه ان المرحلتین اوسط المسافات والأفا احتیاط الزیادۃ کذا فی شرح نظم الکنز و قول لعل وجهه ایضاً ان اقرب المواقیت الی مکة علی مرحلتین عرفیتین من مکة فقد رید ذلک، واللہ اعلم، کذا فی طوالح الانوار للعلامة الشیخ محمد عابد السندی الخز (ارشاد الساری ص ۵۶)

یعنی جس شخص کو باوجود تحری کے محازات کا علم نہ ہو سکے وہ مکہ سے دو مرحلے کے فاصلہ پر حرام باندھے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے اور معقول ہے کہ آخر المواقیت (قرن المنازل) مکہ سے دو مرحلہ پر ہے، یعنی مکہ سے آفاق کا کم از کم فاصلہ دو مرحلہ پر ہے، حالانکہ خط واصل بین الحفۃ و یلملم کا مکہ سے فاصلہ دو مرحلہ سے بہت کم ہے،

⑥ عبارات ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ جزدہ حل میں ہے،

۱) وقیدنا بقصد مکة لان الآفاق اذا قصد موضعاً من الحل كخليص يجوز له أن يتجاوز الميقات غير محرم وإذا وصل إليه التحق بأهله رآه قال، وهذه المسألة يكثر وقوعها فيمن يسافر في البحر الملح وهو مأمر بالحج و يكون ذلك في وسط السنة فهل له أن يقصد أينس المعروف بجدة ليحل مكة بغير إحرام حتى لا يطول الإحرام عليه لو أحرم بالحج فان الأمر بالحج ليس له أن يحرم بالعسرة (بحر ص ۲۴۲ ج ۲)

۲) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیئہ علی البحر قوله فلا يدخل الحرم عند قصد النسك الامحرم قال العلامة الشيخ قطب الدين في منسكه ومما يجب التيقظ له سكان جدة بالجيروا اهل جدة بالمهملة واهل الاودية القريبة من مكة فانهم في الغلب يأتون الى مكة في ساد ذي الحجة او في السابع بغير إحرام ويحرمون من مكة للحج فعلى من كان حنفياً منهم أن يحرم بالحج قبل أن يدخل الحرم ولا فعليه دم لمجاوزة الميقات بغير إحرام (بحر ص ۲۴۳ ج ۲)

۳) قال الملا علی القاری فی مناسکہ (ومن جاوز وقته) ای الذی وصل الیہ حال کوئہ (یقصد مکاناً فی الحل) کبستان بنی عامر اوجدة اوحداً مثلاً بحيث لم يمس على الحرم وليس له عند المجاوزة قصد ان يدخل الحرم بعد دخول المكان رشم بداله) ای ظہر وحدث ان یدخل مكة) ای او الحرم ولم يرد نسكاً حينئذ (فله ان یدخلها) ای مكة وكذا الحرم (بغير إحرام) وفيه اشكال اذ ذكر الفقهاء في حيلة دخول الحرم بغير إحرام ان يقصد بستان بنی عامر رشم یدخل مكة وعلى ما ذكره المصنف

وقررناہ لم تحصل الحيلة كما لا يخفى فالوجه في الحيلة ان يقصد البستان
قصداً اولياً ولا يفتقر قصد دخول الحرم بعده قصد ارضياً او عارضياً كما اذا
قصد مدني جدة لبسيع وشراء اولاً ويكون في خاطره انه اذا فرغ منه ان يدخل
مكة ثانياً بخلاف من جاء من الهند مثلاً بقصد الحج اولاً وانه يقصد
دخول جدة تبعاً ولو قصد بيعاً وشراءً مناسكاً للملا على قارى ص ۵۹

(۴۲) قال العلائی اما لو قصد موطئاً من الحل كخليص وجدة حل له معباً وزنه
بلا احرام فاذا حل به التحق باهله فله دخول مكة بلا احرام وهو الحيلة
لمريد ذلك الا لما اورد بالحج للمخالفة (رد المحتار ص ۱۵۸ ج ۲)

ان عبارات کا یہ جواب صحیح نہیں کہ جدہ میقات ہے، اور مواقیت حل میں داخل ہیں،
اور اہل مواقیت کے احکام بھی وہی ہیں جو اہل حل کے ہیں، اس لئے کہ جدہ خط واصل بن
الحنفہ و یلم سے خارج کافی دور واقع ہے، لہذا تحقیق مذکور کی بنا پر اسے میقات قرار دے کر
بحکم حل کہنا صحیح نہیں، پس اب محاذات کی صورت دو صورتیں ہو سکتی ہیں:-

① جو اشکال اول میں مذکور ہوئی یعنی مستقبل مکہ مکرمہ کے دونوں کندھوں پر سے گذرنا
خط میقات پر پہنچنے،

② اشکال چہارم میں بحر کی عبارت کا مفہوم یعنی وہ مقام جس کی مسافت میقات کی
مسافت سے برابر ہو،

محاذات کی ان دونوں تفسیروں کا مصداق تقریباً ایک ہی ہے، استقبال مکہ مکرمہ کی
حالت میں جس مقام پر دائیں یا بائیں جانب سے میقات کی مسامتت ہوگی تقریباً اس کی
مسافت بھی مساوی ہوگی، البتہ یلم اور رابغ کے درمیان سمندر میں جدہ کی طرف جاتے ہوئے
ایسی صورت پیش آ سکتی ہے جس میں مقام مساوی المسافت سے بہت آگے جا کر رابغ یا یلم
سے مسامتت ہوتی ہے، جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے،

شیخ احمد بن حجر ایشی المکی نے تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج میں اس صورت کو "فان لم
یکن بعیث یحاذی فعلى مرحلتین کجدۃ" کا مصداق قرار دیا ہے، مگر چونکہ دوسرے
میقات کی مسامتت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، خصوصاً جب کہ عمارتیں یا پہاڑ یا سمندر
کا کبر حائل ہو، مزید بریں اس میں ایک وقت یہ بھی ہر کہ مسامتت کی تعیین استقبال مکہ مکرمہ

پر موقوف ہو، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر راستہ مکہ مکرمہ کی طرف سیدھا ہی ہو، اس کے برخلاف مسافت کی تخمین سہل ہے، اور اس میں حسیاط بھی ہے، کیونکہ مساواة مسافت مسامتہ کچھ قبل ہی ہو جاتی ہے، اور سب بڑی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ محاذات کی اصل بنیاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ”فانظروا حذوہا من طریقکم“ اور آپ کا ذات عرق کی تعیین فرمانا ہے، آپ کے اس قول و عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محاذات میں مسامتہ کی بجائے مساواة مسافت کا لحاظ کیا جائے گا، کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ، اس لئے اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے محاذات میں مساواة مسافت ہی کا اعتبار کیا ہے،

غرضیکہ ابن حجر مینشی نے محاذات میں اصل اعتبار مسامتہ کا کیا ہے، چونکہ یہ اکثر حالات میں تقریباً مساواة مسافت کو مستلزم ہے، اس لئے انہوں نے بار بار مساواة مسافت کا بھی ذکر کیا ہے، اور جہاں ان دونوں میں تفاوت کی صورت پیدا ہوئی اسے ”فان لم یکن بیث یحاذی الخ“ سے حل کر دیا، اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اصل مدار ہی مساواة مسافت پر رکھا ہے، اس صورت میں عدم محاذات متصور ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ ”فان لم یکن بیث یحاذی“ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: ”ای فان لم یعلم المحاذاة فانه لا یتصور عدم المحاذاة فعلى مرحلتین“ یعنی تحریری کامل کے باوجود بھی محاذات کا فیصلہ نہ کر سکا، تو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر لازماً احرام باندھ لے،

محاذات کی تفسیر میں معمولی اختلاف صرف تکمیل فائدہ کے لئے لکھ دیا ہے، ورنہ مسئلہ زیر بحث پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، تفسیر محاذات سے متعلق چند عبارات تحریر کی جاتی ہیں:

① حاذی میقاتا ای سامتہ بان کان علی یمینہ او یسارہ (تحفة المحتاج علی هامش حاشیۃ الشروانی ص ۲۱ ج ۲)

② ولعل مرادہم بالمحاذاة المحاذاة القریبة والا فآخر المواقیت باعتبار المحاذاة قرن المنازل (البحر الرائق، ص ۲۲۲ ج ۲)

③ قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانظروا حذوہا من طریقکم فحدوہم ذات عرق، قال فی النہایۃ ذات عرق حذو قرن المنازل والحدوۃ الازاء و المقابل ای انہا محاذیتہا وذات عرق میقات اہل العراق و قرن میقات اہل نجد و مسافتہما من الحرم سواء (نہایۃ لابن اثیر، ص ۲۲۲ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرن المنازل کی محاذات میں ذاتِ عرق کی تعیین مسافت کی تخمین سے فرمائی تھی، ”من طریقکم“ کی تفسیر اگرچہ بعض شارحین نے ”من غیر میل“ سے بھی کی ہے، مگر اس کے متبادر معنی یہ ہیں کہ مسامتہ انسان کی بجائے محاذاتِ مقام یعنی مساویہ مسافت کا اندازہ کیا جائے،

④ ذاماذا قصدہا من طریق غیر مسلوك فانه يحرم اذا بلغ موضعاً يحاذی میقاتاً من هذه المواقیت لانه اذا حاذی ذلك الموضع میقاتاً من المواقیت صار فی حکم الذی يحاذیہ فی القرب من مكة ولو كان فی البحر فصاری موضع لو كان مكان البحر لم یکن له ان یجاوزه الا باحرام فانه یحرم کذا قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ (ردالمحتار ص ۱۶۲)

اس عبارت میں محاذات انسان کی بجائے محاذات مقام ذکر کرنے میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ محاذات میقات معلوم کرنے کا اصل طریقہ یہی ہے کہ مقام کی مسافت کا اندازہ کیا جائے،

⑤ وخرج بقولنا الى جهة الحرم ما لو جاوزیمنة اویسة فله ان یؤخر احرامه لكن بشرط ان یحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك المیقات وبه یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر له ان یؤخر احرامه من معاذاة یسلم الى جدة لان مسافته الى مكة كمسافة یسلم كما صرحوا به بخلاف الجائی فیہ من مصر لیس له ان یؤخر احرامه عن معاذاة جحفة لان كل محل من البحر بعد الجحفة اقرب الى مكة منها فتنبه لذلك فانه مهم (تحفة المحتاج علی هامش حاشیة الشروانی ص ۲۵ ج ۴)

⑥ علامہ سید غلام علی بلگرامی متوفی ۱۲۸۵ھ مآثر الکرام میں سید قادری بلگرامی سے نقل فرماتے ہیں ومعنی محاذات این است کہ مسافت از جائیکہ احرام بستہ شود تا مکہ برابر مسافت مابین میقات و مکہ باشد،



ان عبارات میں تصریح ہے کہ محاذات میقات سے مراد مساویہ مسافت ہے، یعنی مواقیت کی محاذات خطوط مستقیمہ کی بجائے شکلِ دائرہ لی جائیگی بایں طور کہ مکہ مکرمہ کو مرکز فرض کر کے ہر میقات کے بعد پر دائرہ کھینچا جائے، اگر دو میقاتیں قرب بعد میں مختلف ہوں تو دونوں کے درمیان دو قوسوں میں سے پس ابعدمیقات البعد کی محاذات اور قوس اقرب میقات اقرب کی محاذات شمار ہوگی، جس کا نقشہ یوں ہوگا:-

مرکز، دائرہ اور قوس وغیرہ الفاظ سے یہ دہم نہ کیا جائے کہ محاذات کی یہ تفسیر اقلیدس کی اصطلاحات و اشکال پر موقوف ہے، اس لئے کہ ہم نے یہ اصطلاحات صرف اہل فن کی تفہیم کے لئے تحریر کی ہیں، ورنہ محاذات کی تعریف بہت واضح اور عام فہم ہے، یعنی مساواة مسافت، تحقیق مذکور سے معلوم ہوا کہ جدہ کا محل یا آفاق میں ہونا اس تحقیق پر موقوف ہے کہ جدہ اور یلم میں سے کس کی مسافت زیادہ ہے؟ اس پر اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ سے جدہ تقریباً پینتالیس میل ہے، یلم کے بارے میں ابن حزم نے تیس میل کا قول نقل کیا ہے، جسے حافظ ابن حجر اور علی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، تقریباً جمیع سلف و خلف اس پر متفق ہیں کہ یلم کی مسافت ساٹھ میل کے قریب ہے، چند عبارات ملاحظہ ہوں:-

① قرن المنازل بالاتفاق اقرب المواقیت ہے جس کی مسافت بقول باقانی شاح ملتی البحر پچائش میل ہے (حیاء القلوب ص ۲۱ قلمی للمخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی) دو حاضر کی جدید ترین تحقیقات کے مطابق مطبوعہ مصدقہ نقشوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،

② وقال الونائی یسلم جبل من تمامۃ علی مرحلتین ونصف (حاشیۃ الشیخ عبد الحمید الشروانی علی تحفۃ المحتاج ص ۲۰ ج ۲) حسب تصریح فقہار رحمہم اللہ یہاں مرحلہ عرفیہ مراد ہے، جو چوبیس میل کا ہوتا ہے، توڑھائی مراحل میں ساٹھ میل ہوتے،

③ جلاء العینین فی زیارة الحرمین لابی عبد اللہ احمد بن موسیٰ الکردی المتوفی ۱۱۱۸ھ میں ساٹھ میل بھی نقل کیا ہے، (ص ۳۲)

④ ومن قال بالجواز رجواز دخول جدۃ بغیر احرام، النشیل مفتی مکہ والفقہ احمد بلحاج وابن زیاد الیمنی وغیرہم ومن قال بعدم الجواز عبد اللہ بن عمر باخرمة ومحمد بن ابی بکر الاشخر وتلمیذ الشارح عبد الرؤف قال لان جدۃ اقل مسافة بنحو الربع کما هو مشاہد رالی ان قال، عبارة الونائی فله ان یؤخر احرامه من محاذۃ یسلم رالی رأس العلم المعروف قبل مرسى جدۃ وهو حال توجه السفینة الی جهة الحرم ولس له ان یؤخرہ الی جدۃ لانہما اقرب من یسلم بنحو الربع وقولہم ان جدۃ ویسلم مرحلتان مرادہم ان کلا لا ینقص عن مرحلتین وان تفاوتت المسافتان کما حققہ من سلك الطريقین وہم عدد کادوا ان یتواترو ذما فی التحفة من جواز التأخیر الی جدۃ فهو لعدم معرفتہ المسانۃ فلا یغتر بہ

کسانتہ علیہ تلمیذہ عبد الرؤف بن یحییٰ الزمزمی، وقال محمد بن الحسن ولو اخبر الشيخ رحمه الله تعالى بحقيقة الامر ما افتى به قال الشيخ علي بن الجمال وما في التحفة مبني على اتعاد المسافة الظاهر من كلامهم فاذا تحقق التفاوت فهو قائل بعدم الجواز قطعاً بدليل صدر كلامه النص في ذلك انتهى، وايضا كل محل من البحر بعد رأس العلم اقرب الى مكة من يلملم وقد قال بذلك في الجحفة ونص عبارته بخلاف الجائي فيه من مصر ليس له ان يؤخر احرامه من مجازاة الجحفة لان كل محل من البحر بعد الجحفة اقرب الى مكة منها ام (حاشية الشرواني على التحفة ص ۴۵) ⑤ آجکل کی جدید ترین تحقیقات اور مقامی حکومت کے مصدقہ نقشوں سے بھی یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ یلملم تقریباً ساٹھ میل کی مسافت پر ہے،

مندرجہ بالا نصوص کے مقابلہ میں صرف ابن حزم کا تیس میل کا قول قابل قبول نہیں، لہذا اسے یا تو سہونا سخ پر محمول کہا جائے گا، یا میلوں کی مقدار میں اختلاف پر، تاج العروس میں فسخ کے بارے میں رد قول نقل کئے ہیں، تین میل اور پچھ میل دونوں میں تنصیف و تضعیف کی نسبت ہے، نیز حاشیہ شروانی علی التحفة میں ہے کہ یلملم کے قریب ایک اور پہاڑ ہے، جو مکہ مکرمہ کی طرف ممتد ہے، اس کی آخری طرف مکہ مکرمہ سے دوسرے سے بھی کم ہے، بعض نے اس پہاڑ کو یلملم سمجھ کر قرب مسافت کا قول نقل کیا ہے جو صحیح نہیں، (ص ۲۶ ج ۴)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مساوات مسافت باعتبار مراحل کے لی جائے گی، میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، اس لحاظ سے جہدہ اور یلملم کی مسافت مساوی ہے، یہ خیال محاذات کی مذکورہ بالا دونوں تفسیروں کے خلاف ہونے کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف ہے،

قال الشروانی ان مبني المواقيت على التقريب كلام التحفة والنهاية والمغنی وغيرهم صریح في خلافه ر حاشية الشرواني على التحفة ص ۲۷ ج ۴ آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ جہدہ پہنچنے سے قبل یلملم کی محاذات جہاں سے بدون احرام آگے بڑھنا جائز نہیں کس مقام پر ہوتی ہے؟ سو معتبر اور مصدقہ نقشوں کے ملاحظہ اور

بحری جہاز کے کپتان کی ہر ممکن تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ یلم کی محازات کا دائرہ جدہ سے تقریباً ساٹھ میل قبل سمندر کے ساحل پر پہنچتا ہے، مگر ساحل تقریباً پندرہ میل کے عرض میں غیر محفوظ ہے۔ اس لئے جہاز ساحل سے دور رہتا ہے، اس صورت میں جدہ سے تقریباً تیس میل قبل یلم کی محازات (مساوات مسافت) آتی ہے، مگر آئندہ چل کر شاید کسی وقت ساحل محفوظ ہو جائے، نیز کشتیوں پر بھی سفر ہوتا ہے جو اس وقت بھی ساحل کے قریب سے گزر سکتی ہیں، لہذا جدہ سے ساٹھ میل قبل ہی مقام احرام و ترار دینا لازم ہے، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

رشید احمد

۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَاتَّبِعُوا الْحَقَّ وَالْعِصْمَةَ لِلَّهِ

بعض ضروری

مسائل حج

مسائل حج سے متعلق مفصل و مختصر شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں اس رسالہ میں مندرجہ مسائل بھی متفرق طور پر موجود ہیں، معہذا ان مسائل میں عوام بلکہ خواص بھی غلطی کرتے ہیں اس لئے ان کو الگ کتابچہ کی صورت میں ہر سال حجاج کرام میں تقسیم کیا جاتا ہے،



حج کے بعض ضروری مسائل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

① بحری جہاز جب کنارے کے ساتھ لگا ہوا ہو اس میں نماز کا جواز مختلف فیہ ہے، عدم جواز رائج ہے، لہذا جہاز سے اتر کر نماز پڑھیں، اگر جہاز کا عملہ اترنے کی اجازت نہ دے تو جہاز ہی میں نماز پڑھ لیں، مگر جہاز چلنے کے بعد اس کا اعادہ کریں، چونکہ کنارے لگے ہوئے جہاز میں نماز کے جواز کا بھی ایک قول ہے، اس لئے اس مسئلہ میں دوسروں پر شدت نہ کریں، خود احتیاط کریں،

ہوائی جہاز میں پرواز سے قبل نماز صحیح ہے حالت پر از میں بلا ضرورت صحیح نہیں، قصا کا خطرہ ہو تو رکالت پر واز ہی پڑھ لیں، بعد میں اعادہ واجب نہیں

② احرام کا لباس پہن کر سر ڈھانک کر نفل پڑھیں، پھر سر کھول کر تلبیہ پڑھیں،

③ عورتیں احرام میں سر پر رومال باندھنا ضروری سمجھتی ہیں اور اس کو احرام سمجھتی ہیں یہ جہالت اور بدعت ہے، غیر محرم سے سر اور چہرے کا پردہ فرض ہے، اور بالوں کی حفاظت کے لئے سر پر رومال باندھنا بھی فی نفسہ جائز ہے، مگر چونکہ عوام اس کو احرام سمجھنے لگے ہیں اور رومال باندھنے سے ان کے غلط عقیدے کی تائید ہوتی ہے، اس لئے بہر صورت اس سے احتراز لازم ہے، پردے کے لئے برقع یا چادر کافی ہے، نقاب یا چادر چہرے پر اس طرح لٹکائیں کہ کپڑا چہرے سے چھوئے، بعض عورتیں وضو کے وقت بھی سر سے رومال نہیں کھولتیں اور رومال پر مسح کرتی ہیں ان کا نہ وضو ہوتا ہے نہ نماز،

④ مسجد میں پانی کی خرید سے احتراز کریں،

⑤ حالت احرام میں حجر اسود کا بوسہ نہ لیں اور نہ ہاتھ لگائیں کیونکہ اس میں خوشبو لگی ہوتی ہے،

⑥ طواف کے درمیان حجر اسود کا بوسہ لینے کے لئے انتظار نہ کریں، بلکہ موقع مل جائے تو بہتر درجہ دور سے ہاتھوں سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لیں، ٹھہریں نہیں، کیونکہ طواف کے درمیان ٹھہرنا خلاف سنت ہے، البتہ طواف کے شروع یا بالکل آخر میں بوسہ کے انتظار میں ٹھہرنے میں مضائقہ نہیں،

⑦ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت چاندی کے حلقہ پر ہاتھ نہ ٹکیں۔

⑧ حجر اسود کا بوسہ اس حالت میں جائز نہیں جبکہ ازدحام کی وجہ سے اپنے نفس کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو، اور عورتوں کے لئے اس حال میں حجر اسود چومنا بالکل حرام ہے، جبکہ اجنبی مردوں کے ساتھ جسم لگنے کا احتمال ہو،

⑨ جب حجر اسود کی طرف منہ کریں تو اسی حالت میں دائیں جانب کو ہرگز نہ سرکیں بلکہ وہیں دائیں طرف کو گھوم جائیں اور پھر آگے چلیں،

⑩ طواف کرتے وقت بیت اللہ سے اتنا کٹ کر چلیں کہ جسم کا کوئی حصہ بیت اللہ کی بنیاد پر سے نہ گزرے،

⑪ طواف میں رکن یمانی کو بوسہ نہ دیں، بلکہ اس کی طرف سینہ پھیر کر دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ لگائیں داہنا ہاتھ نہ لگاسکیں تو بایاں نہ لگائیں اور نہ ہی دُور سے اشارہ کریں،

⑫ عورتوں کو ایسے ہجوم کے وقت طواف کرنا جائز نہیں جس میں مردوں کے ساتھ جسم لگنے کا اندیشہ ہو، دوسرے اوقات میں بھی مردوں سے باہر کی طرف مطاف کے کنارے کے قریب طواف کریں،

⑬ مکہ مکرمہ میں ہوتے ہوئے طواف کے برابر کوئی نفل عبادت نہیں خوب طواف کریں،

⑭ عورتوں کے لئے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اپنے مکان میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے،

⑮ حرمین شریفین میں کئی حضرات اس پریشانی میں رہتے ہیں کہ نماز کی جماعت میں کوئی عورت ان کے ساتھ یا ان کے آگے نہ کھڑی ہو، ان کو پریشان نہیں ہونا چاہیے، اس لئے کہ اس صورت میں مرد کی نماز تب

فاسد ہوتی ہے کہ امام نے عورتوں کی امامت کی بھی نیت کی ہو، اور اس کا یقین نہیں، اس لئے کہ وہاں کے علماء کے ہاں عورتوں کی نیت ضروری نہیں، لہذا مردوں کی نماز ہو جائے گی، البتہ مردوں کی صف

میں کھڑی ہونے والی عورت کی نماز نہ ہوگی۔ بلکہ امام عورتوں کی نیت نہ کرے تو مردوں کے پیچھے کھڑی ہونے والی عورتوں کی نماز میں بھی اختلاف ہے، عدم صحت راجح ہے، معہذا اختلاف کے پیش نظر

دوسروں پر شدت نہ کریں، خود احتیاط کریں، تفصیل میرے رسالہ المشکوٰۃ لمسألة المحاذاة میں ہے۔

⑯ منی، عرفات اور مزدلفہ میں نماز امام کے ساتھ نہ پڑھیں، کیونکہ وہ مسافر شرعی نہ ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں، لہذا الگ خیمہ میں جماعت کریں،

⑰ عرفات واپسی پر کئی گاڑی والے مزدلفہ کی حد شروع ہونے سے قبل ہی اتار دیتے ہیں مسجد شجر الحرام سے کچھ پہلے ہر طرف پر مبداء مزدلفہ کا بورڈ لگا ہوا ہے اُس سے آگے گزر کر اتریں،

⑱ مزدلفہ میں معلم اپنی سہولت کے لئے فجر کی اذانیں قبل از وقت دلاتے ہیں، اس وقت فجر کی نماز صحیح نہیں ہوتی، اور صبح صادق سے قبل مزدلفہ سے نکلنے پر دم واجب ہوگا، صبح صادق کا

یقین ہونے کے بعد فجر کی نماز پڑھیں، اور اس کے بعد مزدلفہ سے نکلیں، ۸/ ذی الحجہ کو مسجد حرام میں جماعت قائم ہونے کا وقت محفوظ کر لیں اور اس کے بھی پانچ منٹ بعد مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھیں،

⑲ عورت پر خود رمی کرنا لازم ہے، اگر اس کی طرف مرد رمی کرے گا تو صحیح نہ ہوگی، اور عورت پر دم

واجب ہوگا،

(۲۰) رمی اور قربانی میں اتنی جلدی کرنا کہ ازدحام کی وجہ سے اپنے نفس کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو حرام ہے، غروب کے کچھ قبل اطمینان سے رمی کریں، اگر اس وقت بھی سخت ازدحام ہو تو غروب کے بعد رمی کریں، ایسی حالت میں غروب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں،

(۲۱) رمی کرتے وقت کنکریاں پتھروں کے گرد جو دیوار ہے اس کے احاطہ میں پھینکیں، اگر پتھر کو کنکری ماری اور وہ پتھر سے ٹکرا کر احاطہ کے اندر گر گئی تو رمی درست ہو گئی، اور اگر باہر گر گئی تو صحیح نہیں ہوئی، دوبارہ ماریں،

(۲۲) بارہویں ذی الحجہ کو بہت سے لوگ زوال سے قبل ہی رمی کر کے مکہ مکرمہ چلے جاتے ہیں، اُن کی رمی نہیں ہوتی، اس لئے اُن پر ذم واجب ہوگا،

(۲۳) حج تمتع یا قرآن میں جو جانور منیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے اُسے ”ذم شکر“ کہتے ہیں، اور یہ عید کی قربانی سے الگ واجب ہے، حاجی پر سفر کی وجہ سے عید کی قربانی واجب نہیں، البتہ اگر کوئی ۸ ذی الحجہ سے کم از کم ۵ روز قبل مکہ مکرمہ میں آکر رہا تو وہ مقیم ہو گیا، اس لئے قربانی کے دنوں میں اگر وہ صاحب نصاب ہو تو اس پر ذم شکر کے علاوہ عید کی قربانی بھی واجب ہے، خواہ منیٰ میں ذبح کرے یا اپنے وطن میں کر لے، اگر کسی نے ذم شکر کو عید کی قربانی سمجھ کر ادا کیا تو ذم شکر ادا نہیں ہوا، اگر ذم شکر ادا کرنے سے پہلے احرام کھول دیا تو اُس پر ذم شکر کے علاوہ ایک اور ذم بھی واجب ہو جائے گا، اور اگر ایام نحر کے اندر ذم شکر نہیں دیا تو تاش کی وجہ سے تیسرا ذم واجب ہو جائے گا، اس طرح اُسے چار جانور ذبح کرنے پڑیں گے،

(۲۴) احرام کھولنے کے لئے نہ مُنڈائیں، یا کم از کم چوتھائی سر کے بال اُنکلی کے پورے کی لمبائی کے برابر کٹائیں، اگر بال اتنے پھوٹے ہوں کہ انگلی کے پورے کی لمبائی کے برابر نہ کاٹے جاسکتے ہوں تو اُن کا مُنڈانا ضروری ہے، کاٹنے سے احرام نہ کھلے گا،

(۲۵) صفا اور مروہ پر زیادہ اور پر چڑھنا جہالت ہے،

(۲۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضری کے لئے دھکا بازی خصوصاً عورتوں کا غیب محرموں کے ہجوم میں داخل ہونا حرام ہے، ایسی حالت میں دُور سے سلام پڑھیں ۛ

طواف کی دعائیں

طواف کے چکروں میں جو دعائیں پڑھنے کا عام دستور ہو گیا ہے ان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، چکروں کی تخصیص کے بغیر صرف چند ایک کی ضعیف روایت ملتی ہے البتہ ایک دو دعائیں قابل اعتماد روایت سے ثابت ہیں مگر ان کی بھی کسی چکر کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں۔

وجوہ ذیل کی بنا پر چکروں کی دعائیں پڑھنا بدعت اور گناہ ہے :

- ① جو عمل ضعیف حدیث سے ثابت ہو اس کو سنت سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے جبکہ یہ دعائیں کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں، اور عوام و خواص ان کو سنت سے بھی بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں، اس لئے یہ بہت خطرناک بدعت اور بہت بڑا گناہ ہے،
- ② ان دعاؤں کے التزام اور دینی اداروں کی طرف سے ان کی روز افزوں اشاعت کی وجہ سے عوام ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، ایسی حالت میں امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا ثبوت ہی نہ ہو،
- ③ اکثر لوگوں کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں، طواف میں کتاب بیکھ کر پڑھتے ہیں، اور از دھام میں کتاب پڑھتے ہوئے چلنے سے خشوع نہیں رہ سکتا،
- ④ از دھام میں کتاب پر نظر رکھنا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی باعث ایذا ہے بالخصوص دعاؤں کی خاطر جتھوں کی صورت میں چلنا سخت تکلیف دہ ہے جو حرام ہے،
- ⑤ جتھوں کی صورت میں چلا چلا کر دعائیں پڑھنے سے دوسروں کے خشوع میں خلل پڑتا ہے،

⑥ عوام دعاؤں کے الفاظ صحیح نہیں ادا کر پاتے تو معلم جتھے کو روک کر الفاظ کہلوانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ طواف میں ٹھہرنا مکروہ تحریمی ہے، علاوہ ازیں اس صورت میں بعض لوگوں کی بیت اللہ کی طرف پشت یا سینہ ہو جاتا ہے یہ بھی مکروہ تحریمی ہے، اور اسی حالت میں کچھ آگے کو سرک گئے تو اتنے حصہ کے طواف کا اعادہ واجب ہے۔

اللہ کرے کہ علماء دین کو مفاسد مذکورہ کی طرف التفات ہو اور وہ اس بدعت شنیعہ و معصیت علانیہ کی اشاعت کی بجائے اس سے اجتناب کی تبلیغ کا فرض ادا کریں۔



دوست دشمن سب تیرے مجھ کو سب تیری ہیں مگر
کوئی قائل ہے زبان سے کوئی قائل دل میں ہے
مجھ کو سب

انوار الشیخ

فقیر العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دہلی کلیم
کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جن کے مطالعے سے ہمارے لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی
پاکستان چوک